بیاد ـــــ زینب النساء

فرحت آراء

مدیر اعلیٰ ـــ مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ـــ قیصر آرا

معاونین ـــ ندا حسنین

مدیر ـــ طاہر احمد قریشی

ماہنامہ آنچل کے ادارے کی جانب سے ایک اور آنچل

ماہنامہ

حجاب

جلد	01
شمارہ	01
دسمبر	2015

اشتہارات اور [illegible]

03[illegible]0-8[illegible]64242

infoohijab@gmail.com

aanchalpk.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

اعمال المومنین

ڈیکراس پری وش کا

رخ سخن

آغوش مادر

جھل مل ستارے

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: ''آنچل'' پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2

فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز

بات چیت

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

نومبر ۲۰۱۵ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

سب سے پہلے آنچل کی قاری بہنوں کو دلی مبارک باد پیش کرتی ہوں کہ ان کی فرمائش اور کوششوں کا ثمر آج بصورت ''حجاب'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ اب آپ ہی ہمیں بتائیں گی کہ حجاب آپ کو کیسا لگا؟ آپ کی آرا کی روشنی میں ہی ہم نے اسے مرتب کیا ہے خاص طور پر اس بات کا خیال رکھا ہے کہ آنچل پڑھنے والی بہنوں کے مزاج و پسند کو مدنظر رکھا جائے۔

میں اور میری ساتھی کارکن سب ان تمام بہنوں کا دلی شکریہ ادا کرتی ہیں جنہوں نے ہمارے آنچل سے تعلق اور خصوصاً سوشل میڈیا سے متعلق قاری بہنوں نے جو جو مشورے آراء اور خطوط ارسال کیے ہیں' ہم نے کوشش کی ہے کہ ان میں سے تقریباً سب ہی شامل اشاعت کرلیے جائیں اس ہی سبب خطوط کے لیے مخصوص 2 صفحات بڑھتے بڑھتے بارہ صفحات تک پھیل گئے ہیں اس کے باعث دو افسانوں کی قربانی دینی پڑی اس کے باوجود گنجائش نکالنے کے لیے خطوط کی لکھائی کو باریک کرنا پڑا تاکہ زیادہ سے زیادہ بہنیں حصہ لے سکیں۔

امید ہے کہ آپ کو آنچل کی طرح حجاب پسند آئے گا اور آپ آنچل کی طرح حجاب کے لیے بھی اپنے تعاون کا بھرپور اظہار کریں گی۔ تمام قاری بہنوں کا اور خصوصاً لکھاری بہنوں کا شکریہ کہ انہوں نے ہماری حوصلہ افزائی بھرپور انداز میں کی اور مزید اپنے تعاون کا یقین دلایا ہے۔ آپ کے تعاون اور حوصلہ افزائی کا ہی نتیجہ ہے کہ حجاب کو ہم آپ کی پسند کے مطابق سجا سنوار سکے ہیں اور آئندہ بھی آپ کی رہنمائی کا انتظار رہے گا۔

آخر میں بہن نگہت عبداللہ' اقبال بانو' نزہت جبین' فاخرہ گل' طلعت نظامی' سباس گل کا خصوصی شکریہ کہ انہوں نے اپنے خصوصی تعلق اور تعاون کا اظہار کرتے ہوئے اپنی خوب صورت تحریروں سے حجاب کو سجانے میں مدد کی اور ایک خبر یہ کہ بہن اسماء اعجاز اعجی طویل خاموشی اور گوشہ نشینی کو چھوڑ کر ایک بار پھر آپ کے لیے میدان عمل میں آرہی ہیں' ان شاء اللہ آنے والے شمارے میں ان کی تحریر آپ پڑھ سکیں گی۔

اس ماہ کے ستارے

☆ یہ جواب موڑ آیا ہے — بہن نگہت عبداللہ اس بار ایک اچھوتے موضوع کے ساتھ شریک محفل ہیں۔

☆ ٹوٹے بکھرے خواب — بہن اقبال بانو کی جانب پہلے شمارے کے لیے تحفۂ خاص۔

☆ خوشبو تیری جوئے کرم — بہن طلعت نظامی کے قلم سے قلب کو گرما دینے والی اصلاحی تحریر۔

☆ فریب نظر — بہن فاخرہ گل اپنے مخصوص انداز کے ساتھ شریک محفل ہیں۔

☆ برگ گل — نزہت کی پہلے شمارے کے لیے خصوصی تحریر۔

☆ تم بن ادھوری سجنا — عروسہ عالم زبردستی کی محبت کے نقصانات بیان کرتے ہوئے۔

☆ احساس — سباس گل پہلے شمارے میں ایک نئے انداز کے ساتھ شریک ہیں۔

☆ مجھے کچھ بھی نہیں کہنا — ضوباریہ محبت میں بدگمانیوں کو اجاگر کرتی ہوئیں شریک ہیں۔

☆ عشق سچا سائیں دا — اُم ثمامہ جاگیردار کی سازش کے تانے بانے بنتے ہوئے۔

☆ دل نہیں ٹھہرا — نازیہ جمال جوڑ کے رشتوں میں الجھی ہوئیں شریک محفل ہیں۔

☆ کھویا ہوا وقت — فاطمہ ماریہ کی پاک دامنی پر تہمت لگاتی ہوئی سبق آموز تحریر۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

ہے تو ہی الم ہے تو ہی خوشی تری شان جل جلالہٗ
تو ہی موت ہے تو ہی زندگی تری شان جل جلالہٗ
ترا ذکر ہی تو نماز ہے تری یاد ہی تو نیاز ہے
بڑی سہل ہے تری بندگی تری شان جل جلالہٗ
تو ہی دیر و بیت صنم بھی تُو، تُو ہی بت کدہ بھی حرم بھی تُو
ہے ترا ہی ذکر گلی گلی تری شان جل جلالہٗ
نہیں راز مرا چھپا ہوا تری چشم بندہ نواز سے
جو تری خوشی وہ مری خوشی شان جل جلالہٗ

بہزاد لکھنوی

تمہاری یاد سے دل کو ہیں راحتیں کیا کیا
تمہارے ذکر نے ٹالی ہیں مشکلیں کیا کیا
تمہاری دید کہاں دیدہ خیال کہاں
بنائی پھر بھی خیالوں نے صورتیں کیا کیا
نظر خیال سے پہلے مدینہ جا پہنچی
دل و نگاہ میں دیکھی رقابتیں کیا کیا
اب اس مقام پہ ہم آگئے کہ ذکر رسول ﷺ
جو ایک پل نہ ہو ہوتی ہیں الجھنیں کیا کیا
بس ایک رات کا مہماں انہیں بنانے کو
زمیں سے عرش نے کی ہوں گی منتیں کیا کیا
تمہارے نام کا ٹھپہ لگا ہوا پاکر
لگا رہے ہیں مری لوگ قیمتیں کیا کیا
گئے نہیں ہو مدینے ادیب تم لیکن
سنا رہے ہو وہاں کی حکایتیں کیا کیا

(ادیب رائے پوری)

ندا حسنین

حضرت خدیجتہ الکبریٰؓ

آپ کا نام خدیجہؓ تھا اور لقب طاہرہ۔ ان کے والد خویلد بن اسد اور والدہ فاطمہؓ بنت زائدہ دونوں قریشی النسل تھے اور یوں خدیجتہ الکبری نہ صرف نجیب الطرفین تھیں بلکہ ان کا شجرہ نسب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد خویلد بن اسد بہت بڑے تاجر تھے اور عرب کے معزز ترین قبائل بنی تمیم اور بنی کعب میں بڑی باعظمت شخصیت کے مالک تھے۔ اپنی خوش معاملگی و دیانت داری کی بدولت وہ تمام اہل قریش میں بے حد ہردلعزیز محترم تھے۔

خدیجتہ الکبریٰؓ ۵۵۵ء میں پیدا ہوئیں۔ بچپن سے ہی آپ نہایت نیک بہادر اور شریف الخیال تھیں۔ جب خدیجہؓ سن شعور کو پہنچیں تو آپ کی شادی ابو ہالہ نباش بن زارہ تمیمی سے ہوئی نباش سے حضرت خدیجہؓ کے دو لڑکے ہوئے۔ ایک نام ہالہ تھا جو زمانہ جاہلیت میں مر گیا۔ دوسرے کا نام ہند تھا' وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں شمار ہوئے اور جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔

نباش کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ کی دوسری شادی عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی۔ ان سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ یہ ہند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین صحابیات میں شمار ہوتی ہیں کچھ عرصہ بعد عتیق بن عائذ بھی فوت ہو گئے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ کا تیسرا نکاح ان کے ابن عم صیفی ابن امیہ کے ساتھ ہوا اور ان کے انتقال کے بعد انہیں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف زوجیت حاصل ہوا لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جناب خدیجتہ الکبریٰؓ کا تیسرا اور آخری نکاح جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے پیشتر خدیجتہ الکبریٰؓ اپنی بیوگی کے ایام خلوت گزینی میں گزار رہی تھیں۔ وہ اپنا کچھ وقت خانہ کعبہ میں گزارتیں اور کچھ وقت اس زمانہ کی معزز کاہنہ عورتوں میں صرف کرتیں اور ان سے زمانے کے انقلاب پر وقتاً فوقتاً بحث کیا کرتیں۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے انہیں نکاح کے پیغامات بھیجے لیکن انہوں نے سب رد کر دیئے کیونکہ پے در پے صدمات نے ان کی طبیعت دنیا سے اچاٹ کر دی تھی۔

ادھر ان کے والد ضعف پیری کی وجہ سے اپنی وسیع تجارت کے انتظام سے عاجز آ گئے۔ نرینہ اولاد کوئی زندہ نہ تھی' تمام کام اپنی ذہین اور عاقلہ بیٹی کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گئے' کچھ عرصہ بعد خویلد کا انتقال ہو گیا۔

خدیجتہ الکبریٰؓ نے تمام کاروبار تجارت نہایت احسن طریقہ سے جاری رکھا۔ اس وقت ان کی تجارت ایک

طرف شام میں پھیلی ہوئی تھی تو دوسری طرف اطراف یمن میں اس وسیع کاروبار کو چلانے کے لیے انہوں نے ایک بہت بڑا عملہ رکھا تھا جو بیسیوں عرب یہودی اور عیسائی ملازموں اور غلاموں پر مشتمل تھا۔ حسن تدبیر اور دیانت داری کی بدولت ان کی تجارت دن بدن ترقی کررہی تھی اور اب ان کی نظریں ایک ایسے شخص کی متلاشی تھیں جو بے حد قابل ذہین اور دیانت دار ہوتا کہ وہ اپنے تمام ملازمین کو اس کی سرکردگی میں تجارتی قافلوں کے ہمراہ باہر بھیجا کریں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب آفتاب رسالت طلوع ہو چکا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ابھی ۲۵ سال ہی تھی کہ ان کے پاکیزہ اخلاق اور ستودہ صفات کا چرچا عرب کے گھر گھر میں پھیل چکا تھا۔ ساری قوم میں وہ امین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ یہ ناممکن تھا کہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے کانوں تک اس مقدس ہستی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کی بھنک نہ پڑتی۔ وہ اپنی تجارت کی نگرانی کے لیے ایسی ہمہ صفت موصوف شخصیت کی متلاشی تھیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرا سامان تجارت شام تک لے جایا کریں تو دوسرے لوگوں سے دو چند معاوضہ آپ کو دیا کروں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں تھے انہیں وقتاً فوقتاً حضرت خدیجہؓ کی تجارت کا حال معلوم ہوتا رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہؓ کا پیغام منظور فرمالیا اور اشیائے تجارت لے کر عازم بصرہ ہوئے چلتے وقت حضرت خدیجہؓ نے اپنا غلام میسرہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کردیا اور اسے تاکید کی کہ اثنائے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری وسلیقہ شعاری کی بدولت تمام سامان تجارت دوگنے منافع پر فروخت ہوگیا۔ دوران سفر میں سردار قافلہ یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ ہر ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مداح بلکہ جاں نثار بن گیا۔ جب قافلہ مکہ واپس آیا اور حضرت خدیجہؓ کو میسرہ کی زبانی سفر کے حالات اور منافع کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو ان کے دل میں حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ ہاشمی نوجوان وہی نبی آخرالزماں ہے جس کی کتب عتیقہ میں خبر دی گئی ہے اس سے بیشتر انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک چاند ان کی گود میں آ کر گرا ہے جس سے سارا عالم منور ہوگیا۔ جب انہوں نے اپنے خواب کی تعبیر ایک عیسائی عالم سے پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ "اے شریفہ عرب! تمہیں خوش خبری ہو کہ دعائے خلیل ونوید مسیحا پیدا ہو چکے ہیں اور تم ان کے عقد میں آؤ گی۔" خدیجۃ الکبریٰ کے دل کی دنیا اب پلٹ چکی تھی چنانچہ آپؓ نے اپنی لونڈی نفیسہ کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام بھیجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایما پا کر وہ حضرت خدیجہؓ کے چچا اور سرپرست عمرو بن اسد کو بلا لائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب اور دوسرے اکابر خاندان کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر

تشریف لائے۔ ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور ۵۰۰ درہم مہر قرار پایا' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی۔

تمام کتب سیر متفق ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خدیجۃ الکبریٰؓ تھیں۔ نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر گھر سے باہر رہنے لگے کئی کئی روز مکہ کے پہاڑوں میں جاکر معتکف رہتے۔ غرض اسی طرح دس برس کا زمانہ گزر گیا' ایک دن اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں معتکف تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ ربّ ذوالجلال کے حکم سے جبریل امینؑ آپ کے پاس تشریف لائے اور کہا۔

''قم محمد!'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نظریں اوپر اٹھائیں تو اپنے سامنے ایک نورانی صورت کو کھڑے پایا جس کے ماتھے پر نجط نور کلمہ طیبہ رقم تھا۔ جبریل امینؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گلے سے لگا کر دبایا اور کہا۔

ترجمہ:۔ ''پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے سب کچھ پیدا کیا جس نے انسان کو پانی کے کیڑے سے بنایا' پڑھ تیرا پروردگار بہت کرم والا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہی کلمات جاری ہوگئے بعدازاں حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا پاؤں زمین پر مارا وہاں سے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔ اس پانی سے پہلے جبریل علیہ السلام نے وضو کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا اور نماز پڑھا کر چلے گئے۔

اس حیرت انگیز واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی' گھر تشریف لائے تو فرمایا۔

''زملونی!'' اے خدیجہؓ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ حضرت خدیجہؓ نے تعمیل ارشاد کی اور پوچھا کہ آپ کہاں تھے میں سخت فکر مند تھی اور کئی آدمیوں کو آپ کی تلاش میں بھیجا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واقعہ بی بی خدیجہؓ کے سامنے من وعن بیان کردیا۔

حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کہ ''آپ سچ بولتے ہیں' غریبوں کے دستگیر ہیں' مہمان نواز ہیں۔ صلہ رحمی کا خیال رکھتے ہیں' امانت گزار ہیں اور دکھیوں کے خبر گیر ہیں' اللہ آپ کو تنہا نہ چھوڑے گا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں جو اس زمانہ کا مشہور نصرانی عالم تھا اور گزشتہ الہامی کتابوں توریت' زبور وانجیل میں بہت ادرک رکھتا تھا۔ بی بی خدیجہؓ نے تمام واقعہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا تھا اس کے سامنے بیان کیا' ورقہ سب کچھ سمجھ گیا اور پکار اٹھا۔

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم! قسم ہے رب ذوالجلال کی تم خدا کے رسول ہو اور جو غار میں تمہارے پاس آیا وہ خدا کا فرشتہ جبریل علیہ السلام ہے۔ اے کاش کہ میں اس زمانے تک زندہ رہتا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی' اس وقت آپ کی مدد کے لیے میں سینہ سپر ہوتا۔''

ورقہ کی اس گفتگو سے حضرت خدیجہؓ کو اطمینان ہوگیا اور انہیں یقین کامل ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منصب رسالت پر فائز ہوچکے ہیں چنانچہ چند دنوں بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ یعنی ''اے کملی

اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کر۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر تشریف لا کر حضرت خدیجہؓ کو وحی کے الفاظ پڑھ کر سنائے۔

خدیجۃ الکبریٰؓ اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر پڑیں اور عرض کرنے لگیں۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہوں' آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔"

سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہؓ کا سر اپنے قدموں سے اٹھایا' گلے سے لگایا دعائے خیر دی اور علائے کلمۃ الحق کے لیے باہر تشریف لے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد خدیجۃ الکبریٰؓ ۲۴ سال (یعنی نزول وحی کے ۹ سال) زندہ رہیں۔ اس مدت میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر قسم کے روح فرسا مصائب کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور آقائے دوجہاں ﷺ کی رفاقت اور جاں نثاری کا حق ادا کر دیا۔ خدیجۃ الکبریٰؓ کے اسلام لانے کے بعد سرورکائنات ﷺ کے متعلقین میں بھی اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی۔ نوجوانوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ' بڑوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زید بن حارثؓ سب سے پہلے ایمان لائے۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ بن عفان' زبیر العوامؓ طلحہؓ بن عبداللہ' سعدؓ بن ابی وقار اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ انہیں دیکھ کر صالح فطرت رکھنے والے دوسرے شرفائے عرب بھی آہستہ آہستہ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ کو اسلام کی وسعت پذیری سے بے حد مسرت حاصل ہوتی تھی اور وہ اپنے غیر مسلم اعزا و اقارب کے طعن و تشنیع کی پروا کیے بغیر اپنے آپ کو تبلیغ حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست و بازو ثابت کر رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا تمام زر و مال اسلام پر نثار کر دیا تھا۔ ان کی دولت یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری' بے کسوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لیے وقف ہو چکی تھی۔

ادھر کفار قریش نومسلموں پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے اور تبلیغ حق میں ہر طرح کے روڑے اٹکا رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو اللہ تعالیٰ نے دینی فراست بھی کمال درجہ کی عطا کی تھی۔

ہجرت کے تین سال پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی طبیعت ناساز ہوئی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج معالجہ اور تسکین و تشفی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن موت کا کوئی علاج نہیں۔ ۲۰ رمضان المبارک (تین سال قبل ہجرت) ۶۵ برس کی عمر میں اسلام کی خاتون اول نے سفر آخرت فرمایا اور مکہ کے قبرستان حجون میں دفن کی گئیں۔

♥

ذکر اس پری وش کا

طیبہ احمد

زینب احمد

سب سے پہلے قارئین‘ رائٹرز اور پورے اسٹاف کو پُرخلوص‘ محبت اور دعاؤں بھرا سلام۔ امید ہے تمام قارئین خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ویسے تو آپ نے میرا نام پڑھ ہی لیا ہے لیکن پھر بھی بتا دیتی ہوں‘ میرا نام ہے طیبہ احمد۔ آنچل سے میرا تعلق تقریباً پانچ سال پرانا ہے میں حجاب میں پہلی دفعہ لکھنے کی جسارت کررہی ہوں‘ امید ہے کہ میرا تعارف آپ کو پسند آئے گا۔ تو جی جناب اب آتے ہیں تعارف کی طرف 25 جولائی کو ضلع ننکانہ صاحب کے ایک چھوٹے سے گاؤں واربرٹن میں دنیا کی رونق میں اضافہ کرنے کے لیے تشریف لائی۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں‘ میرا نمبر دوسرا ہے لیکن بہنوں میں سب سے بڑی ہوں اس لیے سب بہنوں پر میرا خاصہ رعب ہے۔ میٹرک کے بعد قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ جہاں تک پسند اور ناپسند کی بات ہے تو مجھے شلوار قمیص اور لمبا سادوپٹہ‘ کلرز میں پنک اور وائٹ۔ پھلوں میں کیلا اور سیب‘ پھولوں میں گلاب کا پھول‘ تمام سبزیاں شوق سے کھاتی ہوں اور کھانے میں بریانی اور دال چاول پسند ہیں۔ جہاں تک جیولری کا تعلق ہے تو رِنگ اور بالیاں پسند ہیں۔ رائٹرز کی بات کریں تو سمیرا شریف طور‘ نازیہ کنول نازی‘ فرحت اشتیاق‘ فرحت آراء‘ عمیرہ احمد اور عفت سحر طاہر بہت ہی پسند ہیں۔ میرے پسندیدہ ناول ”یہ چاہتیں اور شدتیں‘ متاعِ جاں‘ پیرِ کامل‘ پتھروں کی پلکوں پر اور ”دل پہ دستک“ پسند ہیں۔ میری پسندیدہ شخصیت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے۔ اب آتے ہیں اپنی خوبیوں اور خامیوں کی طرف‘ خوبیوں کا تو پتا نہیں البتہ خامیاں ڈھیر ساری ہیں (بقول بھیا کے) میں اپنا نقطہ نظر کسی کو سمجھا نہیں سکتی اور دوسری خامی یہ ہے کہ غصہ میں رونا بہت جلد آجاتا ہے‘ جو مجھے بھی پسند نہیں۔ اب ہمیں یاد آیا کہ ہم میں تھوڑی سی خوبیاں بھی ہیں (ہائے رے خوش فہمی)۔ کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی اور اس دکھ کو دل سے محسوس کرتی ہوں کیونکہ بہت حساس ہوں اور منافقت‘ مغرور اور انا پرست لوگوں سے سخت نفرت ہے۔ میرے خیال میں انسان کو انا پرست نہیں ہونا چاہیے‘ ہمیشہ سمجھوتا کرنا سیکھو کیونکہ تھوڑا سا جھک جانا کسی رشتے کو ہمیشہ کے لیے توڑنے سے بہتر ہے۔ خواہشیں تو بہت ساری ہیں کیونکہ زندگی کے ساتھ ساتھ خواہشوں کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے

لیکن میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ آقا دو جہاں ﷺ کے روضہ مبارک کا دیدار کروں اور حج کی سعادت حاصل کروں۔ میری دوستیں بھی ہیں لیکن بہت کم' ہاں کزنز کے ساتھ خوب بنتی ہے۔ اپنے گھر والوں سے بہت محبت کرتی ہوں۔

صدف نگین

یکم جنوری کو حاجی محمد اکرم اعوان صاحب کے گھر ایک سوہنی موہنی گڈو تشریف لائی۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں اور میں آخری ہوں' میں اپنے جانِ جاناں ابو' دادی جان کی قلب و جان ہوں۔ جی تو جناب میں بورے والا شہر اور گاؤں 471 سے بی لانگ ٹو کرتی ہوں۔ مادری زبان پنجابی اور کاسٹ ملک اعوان ہے۔ میرا نام صدف نگین ہے لیکن میری ایک دوست فریحہ مجھے ملک کہتی ہے۔ نبیلہ گڈو' فرحین صدفی' تعظیم صدف اور اقراء صرف نگین کہتی ہیں۔ یہ سب میری بہت اچھی دوست ہیں' باقی کلاس فیلوز میں تنزیلہ' سعدیہ' نبیرہ' ماریہ' آمنہ' عابدہ' جنت' ساجدہ' سمیرا' ثمرین' ثوبیہ شامل ہیں۔ لو جی اہم بات تو بتادوں یعنی میری خامیاں' خوبیاں...... عافیہ جو میری فرسٹ کزن پلس بیسٹ فرینڈ ہے کہتی ہے کہ کافی سگھڑ ہوں اور ماما کہتی ہیں' خدمت گزار ہوں۔ محسن بھائی کیئرنگ اور نبیلہ کہتی ہے کہ تمہارے چہرے کی مسکراہٹ اچھی ہے۔ خامیاں سوچنی پڑیں گی (خوش فہمی) اپنا غصہ کنٹرول نہیں' رونا جلدی آتا ہے' ڈانٹ برداشت نہیں۔ ادھار معاف نہیں' ایک روپیہ بھی نکلوالیتی ہوں۔ منافق لوگوں سے شدید نفرت' پسندیدہ کھانا بریانی' چکن فرائی اینڈ رائس بہت پسند ہیں۔ پھلوں میں مالٹا' تربوز اور آم پسند ہے۔ ڈرنک میں ملک اور ٹینگ۔ لباس میں فراک' چوڑی دار پاجامہ' لانگ شرٹ اور بڑا سا دوپٹہ بہت پسند ہے۔ جیولری میں صرف سادی بلیک چوڑیاں۔ موسموں میں موسم بہار اور سردیوں کا موسم جب دھند زوروں پر ہو' چاندنی رات ہو جب بادلوں میں چاند آنکھ مچولی کھیلتا ہے' پسند ہے۔ شاعروں میں وصی شاہ اور پروین شاکر پسند ہیں۔ سنگرز میں فریحہ پرویز اور ساحر علی بگا' ایکٹر میں احسن خان' جلال شاہ' دہاج علی خان' صبا قمر' صبا فیصل اور ناجیہ بیگ اچھے لگتے ہیں۔ ناولوں میں پیر کامل' جو چلے تو جاں سے گزر گئے'' پسند ہے۔ پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلیم' حضرت امام حسینؓ کی زندگی سے بہت متاثر ہوں۔ ان کے بعد امی ابو جان' اپنے اساتذہ سر جاوید اقبال صاحب اور مس نادیہ بہت پسند ہیں۔ اسلامی باتیں بہت غور سے

سستی ہوں اور عمل میں جلدی کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ اب اجازت دیں' بس دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

سنبل خان

ڈیئر قارئین السلام علیکم! امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے ارے امید نہیں یقین ہے اور اللہ سے دعا بھی ہے کہ آپ ہمیشہ صحت یاب تندرست رہیں ویسے اس پیاری سی سویٹ سی لڑکی کو سنبل خان کہتے ہیں۔ میری ذات بٹ ہے اور میں بورے والا شہر کی رہنے والی ہوں ویسے میرا کوئی بھی نک نیم نہیں ہے جس کی مجھے بے حد خوشی ہے خوشی اس بات کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''سیدھے نام سے پکارنا ثواب ہے'' میرا نام میرے تایا جان نے رکھا ہے۔ میرے ماما' پاپا دنیا کے سب سے پیارے اور سویٹ ماما پاپا ہے۔ ماما کا نام پروین اور پاپا کا نام محمد خان ہے۔ دو بھائی اور مجھے ملا کر تین بہنیں ہیں' سب مجھ سے چھوٹے ہیں۔ مجھ سے چھوٹی بہن کا نام سمیرا خان ہے اس سے چھوٹا بھائی امیر حمزہ' پھر بہن مشعل خان' بھائی امیر حسن خان ہے۔ میں 10 اپریل کو پیدا ہوئی' تھوڑی سی بھلکڑ ہوں' ماما تو کہتی ہیں کہ بہت زیادہ بھلکڑ ہوں۔ بچپن سے ہی ڈانس کا بہت شوق رہا ہے جب بھی اسکول آتی تھی تو کھانا بعد میں پہلے ڈانس کرتی تھی۔ اب آتے ہیں پسند اور ناپسند کی طرف' پھلوں میں سیب' انگور' آلو بخارے اور کیلے بہت پسند ہیں۔ آم سے میرے ہونٹوں پر الرجی ہو جاتی ہے اس لیے بہت کم کھاتی ہوں' کھانے میں پلاؤ' آلو گوبھی مٹر اور میتھی مکس سبزیوں کا سالن بہت پسند ہے اور بھنڈی گوشت تو بہت پسند ہے۔ میٹھا اتنا نہیں کھاتی لیکن جب دل کرے تو اپنی پسند کی چیزیں کھاتی ہوں مثلاً کسٹرڈ' کھیر' گلاب جامن' چاکلیٹ اور چاکلیٹ کیک بہت پسند ہے۔ فیورٹ کھیل کرکٹ ہے' فیورٹ کھلاڑی شاہد آفریدی اور انضمام الحق ہے۔ فیورٹ ہیرو سلمان خان اور شامل خان۔ شاعری اور غزلیں پڑھنا اچھا تو لگتا ہے مگر یاد نہیں رہتی لیکن فیورٹ کہانیاں ''یہ چاہتیں یہ شدتیں' بھیگی پلکوں پر' اور کچھ خواب' بجھ گئے دیپ سارے'' یہ مجھے اچھے سے یاد ہیں۔ کام چور ہوں' دل تو بہت چاہتا ہے کہ جس طرح کہانیوں میں لڑکیوں کو کام کرتا بتایا جاتا ہے میں بھی ویسے بن جاؤں لیکن سستی تو جان نہیں چھوڑتی۔

شفق رحمان

السلام علیکم! ڈیئر قارئین امید ہے نہیں بلکہ یقیناً آپ سب لوگ خیریت سے ہوں گے کیونکہ میری دعائیں ہر وقت آپ سب لوگوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ نام تو آپ پڑھ چکی ہوں گی مگر کیا کروں دوبارہ بتارہی ہوں جناب کا نام شفق رحمان ہے۔تو جناب اب آتے ہیں میری تاریخ پیدائش کی طرف 4 جنوری 1995ء کو تحصیل گوجرہ کے ایک قصبے نیا لاہور میں پیدا ہوئی۔ آپ لوگ جانتے ہوں گے کہ زیادہ تر عظیم شخصیتیں جنوری میں پیدا ہوتی ہیں اس لیے مابدولت بھی جنوری میں اس دنیا میں تشریف لائیں۔ پانچ بہن بھائیوں میں میرا پہلا نمبر ہے' ددھیال میں پہلی پوتی اور ننھیال میں پہلی نواسی ہونے کا بھی شرف حاصل ہے اس لیے دونوں جانب سے خوب پیار ملا۔ ابو اسکول ٹیچر ہیں اس لیے ان کو بہت شوق ہے کہ ہم سب بہن بھائی ڈھیر سارا پڑھیں لکھیں اور میرے بارے میں ان کی خواہش ہے کہ میں پروفیسر بنوں۔ چھوٹی بہن صبا کو وکیل بننے کا بہت شوق ہے۔ اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف تو جناب ہر انسان کی طرح مجھ میں بھی خوبیاں اور خامیاں ہیں۔ میرے نزدیک میری سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ میں مجھ میں مستقل مزاجی نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں اور کسی وقت تو اپنی یہ خامی بہت بُری لگتی ہے کہ حساس بہت ہوں' چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لیتی ہوں۔ خامیاں تو اور بھی بہت ہیں مگر دوسروں کے سامنے اتنی صاف گوئی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ خوش اخلاق ہوں اور دوسروں کا دل رکھنا جانتی ہوں (یہ صرف میں نہیں کہہ رہی سب کہتے ہیں) شاید اسی وجہ سے میری دوستوں کی تعداد زیادہ ہے اور میری بعض دوستیں یہ بھی کہتی ہیں کہ باتیں بنانا کوئی شفق سے سیکھے۔ شاعری بہت پسند ہے' بارش بھی بہت پسند ہے اور رنگوں میں بلیک کلر پسند ہے اور کھانے میں ہر وہ چیز اچھی لگتی ہے جو میری امی نے بنائی ہو دوسروں کے بنائے ہوئے کھانے بہت کم پسند آتے ہیں۔ بہت عجیب مزاج کی حامل ہوں وہ جو کہاوت ہے نہ پل میں تولہ پل میں ماشہ' میرا مزاج بھی ویسا ہی سمجھ لیجیے۔ کبھی موڈ ہو تو گھر کے سارے کام خود ہی کرتی ہوں اور اگر موڈ نہ ہو تو امی کے کہنے کے باوجود بھی...... (آپ سمجھ رہی ہیں نا؟)۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج تک بہت اچھے ٹیچر اور بہت اچھی دوستیں ملی ہیں' او کے جی' دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

❀

سباس گل

حجاب: السلام علیکم سباس! کیا حال چال ہے؟
جواب: وعلیکم السلام! الحمدللہ حال بھی اچھا ہے اور چال بھی شریفانہ ہے۔
حجاب: ہاہاہا' جی ماشاءاللہ یہ بتایئے کہ جنم کہاں لیا؟
جواب: امی ابو کے گھر میں۔
حجاب: (ہاہاہا) میرا مطلب ہے کس شہر میں ولادت
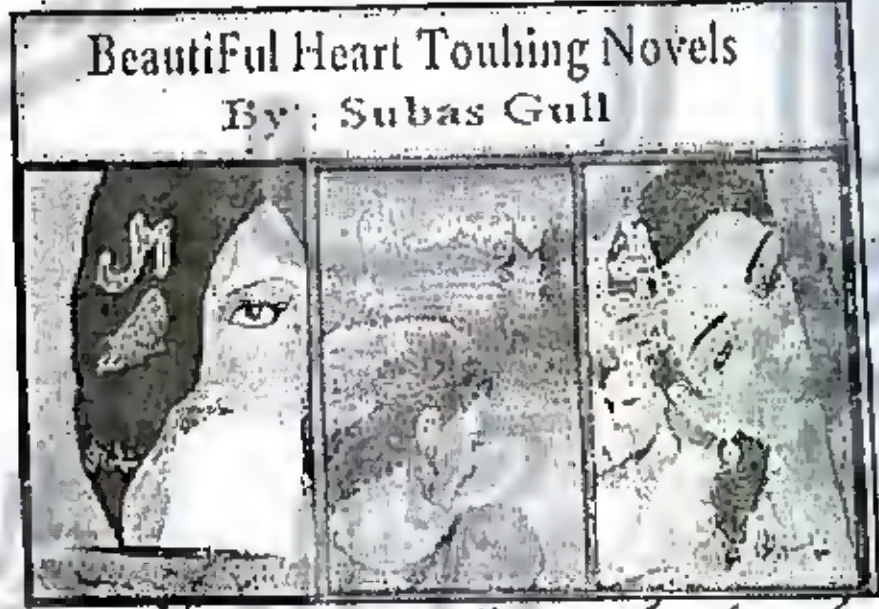
ہوئی آپ کی اور کس تاریخ کو دنیا کو شرف رونق بخشی آپ نے؟
جواب: مابدولت پندرہ فروری کو اس دار فانی میں تشریف لائے تھے اور شہر پیدائش ون اینڈ اونلی رحیم یار خان ہے۔
حجاب: بچپن کیسا گزرا؟
جواب: بہت زیادہ تھرلنگ' شوخیوں' شرارتوں سے بھرپور گزرا۔
حجاب: امی ابو سے کبھی مار پڑی؟
جواب: کبھی (حیران ہوتے ہوئے) یہ پوچھیے کہ کب نہیں پڑی؟ ہر وقت تو شرارتیں کرتے تھے ٹک کے بیٹھنا تو آتا ہی نہیں تھا سو اکثر لتر تھراپی ہو جایا کرتی تھی۔
حجاب: آپ کی تعلیم؟
جواب: جاری ہے۔

حجاب: کس کلاس میں ہیں آپ؟
جواب: ابھی تو لرننگ کلاس میں ہیں ہم۔"
حجاب: لکھنا کب شروع کیا؟
جواب: لکھنا تو پہلی جماعت سے ہی شروع کر دیا تھا' الف ب پ سے...... ہاں کہانیاں لکھنا بھی اسکول کے دور میں شروع کر دیا تھا۔ اسکول میں بزم ادب میں حصہ لیا کرتے تھے۔ ڈرامے خاکے وغیرہ پیروڈی خود ہی لکھا کرتے تھے اور ایکٹ اور ڈائریکٹ بھی خود کیا کرتے تھے۔ ہر کسی کی نقل اتارتے تھے جب ہی معین اختر (مرحوم) اور بشریٰ انصاری کے نام سے مشہور تھے۔ بس جو دل و دماغ میں آتا تھا لکھ دیتے تھے کسی کو وہ شاعری لگتی تھی تو کسی کو کہانی۔
حجاب: پہلا ناول اور افسانہ کون سا لکھا آپ نے؟
جواب: ناول تھا "دعا" جس کا نام بعد میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور وہ "روشن شمع ڈائجسٹ" میں قسط وار شائع ہوا تھا۔ پہلا افسانہ جو شائع ہوا وہ تھا "سوکھے ٹکڑے" جو ایک ادبی پرچے میں شائع ہوا تھا اور بہت پسند کیا گیا تھا۔
حجاب: پہلا ناول کس ڈائجسٹ میں شائع ہوا؟
جواب: پہلا شائع ہونے والا مکمل ناول تھا "محبت یوں بھی ہوتی مگر" جو "کول" ڈائجسٹ میں شائع ہوا تھا جس کے مدیر کاوش صدیقی صاحب اور سمیرا حق صاحبہ تھیں اسی ڈائجسٹ سے ہمارے ناولز ہماری پہچان کی بنیاد بنے اور ہمارے پہلے ہی ناول کو "کول رائٹرز ایوارڈز" کا حقدار قرار دیا گیا تھا۔
حجاب: پہلی کہانی شائع ہونے پر آپ کے کیا احساسات تھے اور گھر والوں کے کیا تاثرات تھے؟
جواب: وہ کہتے ہیں ناں کہ خوشی کے مارے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تو ایسی ہی کیفیت تھی ہماری' پہلا ناول شائع ہوا اور گھر والے حیرت زدہ تھے کہ اس نے ناول لکھ بھی لیا اور شائع بھی ہو گیا۔ بابا جان نے ہمیں مبارک باد کے ساتھ ایک ہزار روپے بطور انعام دیئے تھے جس میں سے آدھے پیسے تو ادھار چکانے میں نکل گئے تھے کیونکہ امی

حضور ہمیں کاغذ قلم منگوانے کے لیے پیسے نہیں دیا کرتی تھیں اور ہم بھائی بہنوں سے ادھار مانگ کر کام چلایا کرتے تھے۔ کسی کو یقین بھی نہیں تھا کہ ہمارے ناول' افسانے شائع ہوں گے اور ہمیں پیسے بھی ملیں گے تو بہنیں بڑی سوچ بچار کے بعد ہمیں ادھار دیا کرتی تھیں کہ یہ ہمارا جیب خرچ ہے لوٹا دینا' ہاہاہا۔

حجاب: انٹرسٹنگ' اچھا یہ بتایئے موسم کون سا پسند ہے؟

جواب: دل کا موسم۔

حجاب: وہ کیوں؟

جواب: کیونکہ اگر دل کا موسم اچھا اور باہر لو چل رہی ہو' سخت گرمی ہو یا برف جیسی سردی ہو تو وہ بھی مزا دیتی ہے نہ لو سے بدن جھلستا محسوس ہوتا ہے نہ ہی برف جیسی ٹھنڈک ہڈیوں میں سرایت کرتی محسوس ہوتی ہے۔

حجاب: آپ نے لکھنا کیوں کم کردیا ہے؟

جواب: عمر کا تقاضا ہے نا پہلے جیسی انرجی نہیں رہی جو ایک ماہ میں تین سے چار ناول لکھ لیا کرتے تھے بس تھوڑے سست اور موڈی ہوگئے ہیں ہم۔

حجاب: ارے ابھی تو آپ ینگ ہیں' کتنے برس کی ہیں ماشاءاللہ؟

جواب: جتنے برس کی نظر آتی ہوں۔

حجاب: ہاہاہا...... یعنی ستائیس' اٹھائیس برس سے زیادہ کی نہیں ہیں۔

جواب: ارے یہ تو بہت زیادہ ہیں بھئی اب کیا ہم اتنے بڑے نظر آتے ہیں؟

حجاب: ہاہا' نہیں نہیں یو آر ٹو ینگ' اچھا جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو تنقید کا سامنا کرنا پڑا تھا' فیملی میں؟

جواب: جی ہاں بالکل کرنا پڑا تھا۔

حجاب: کیا لکھنا آسان ہے؟

جواب: کیا درد سہنا آسان ہے؟

حجاب: نہیں۔

جواب: بس اسی طرح لکھنا بھی آسان نہیں ہے' ہم درد سہتے ہیں تو کچھ کہتے ہیں جب تک کوئی چیز آپ کو متاثر نہیں کرے گی' اکسائے گی نہیں اپنی جانب کھینچے گی نہیں تب تک آپ اسے زیر قلم نہیں لاسکتے۔

حجاب: ہوں' آپ نے ماشاءاللہ ناول' افسانہ' شاعری' کالم نگاری اور آرٹیکل سب ہی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے آپ کو ذاتی طور پر کس صنف پر طبع آزمائی کرکے لطف آتا ہے؟

جواب: ہمیں ناول لکھنے میں زیادہ چارم اور دلچسپی محسوس ہوتی ہے کیونکہ ہم ان کرداروں کے ساتھ سانس لیتے ہیں' سوتے جاگتے دل و دماغ میں ان کی کہانی بکتے آگے بڑھتے ہیں اس کا ایک انوکھا مزا ہے اور شاعری کا الگ چارم ہے آپ ایک شعر یا نظم میں ایک کہانی بیان کرسکتے ہیں' دریا کو کوزے میں بند کرسکتے ہیں۔

حجاب: اب تک کتنے ناول افسانے تخلیق کرچکی ہیں؟

جواب: الحمدللہ! دو سو سے زائد ناول افسانے تخلیق کرچکی ہوں۔

حجاب: ماشاءاللہ! اللہ نظر بد سے بچائے اور زور قلم اور کرے۔

جواب: آمین' جی بہت شکریہ۔

حجاب: کہتے ہیں کہ لکھنے کے لیے پڑھنا ضروری ہے کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: جی ہاں۔

حجاب: آپ آج کل کیسے پڑھ رہی ہیں؟

جواب: زندگی کو۔

حجاب: زندگی سے کیا سیکھا؟

جواب: سیکھا یہ ہے کہ صبر سے بڑی طاقت کوئی نہیں ہے اور سچ سے بڑا اطمینان کوئی نہیں ہے۔

حجاب: واہ بہت خوب! آپ دوسری رائٹرز کو پڑھتی ہیں؟

جواب: جی اگر وقت ملے اور موڈ بھی ہو تو ضرور پڑھتی ہوں۔

حجاب: آج کل کیا لکھ رہی ہیں؟

جواب: کچھ ناولز ادھورے رکھے ہیں، انہیں مکمل کرنے کا ارادہ ہے اور چھوٹے موٹے افسانے، شاعری، ناولٹ ساتھ ساتھ لکھتے رہتے ہیں۔

حجاب: کس رائٹرز کا اندازِ تحریر وتقریر آپ کو پسند ہے؟

جواب: بشریٰ رحمٰن صاحبہ کا اور ان کا ناول "بہشت" بہت پسند ہے وہ جتنا اچھا بولتی ہیں اتنا اچھا لکھتی بھی ہیں۔ بانو قدسیہ اور اشفاق احمد صاحب کا اپنا منفرد مقام ہے یہ لوگ اردو ادب کے ستون ہیں۔

حجاب: کھانے پینے میں کیا پسند ہے؟

جواب: رزقِ حلال۔

حجاب: سبحان اللہ کوئی بہت فیورٹ ڈش ہو آپ کی؟

جواب: یخنی والا پلاؤ، شامی کباب، بریانی اور آئس کریم آل ٹائم فیورٹ ہیں۔ ویسے چائنیز، میکسیکن، اٹالین اور پاکستانی کھانے سب کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

حجاب: پسندیدہ مشروب؟

جواب: اسکنجبین، ملک شیک اور پانی۔

حجاب: کوکنگ کرلیتی ہیں؟

جواب: جی ہاں، کوکنگ ہی تو ہے جو ہم ہر حال میں کرلیتے ہیں بھئی بھوک تو روز لگتی ہے نا ہاہاہا۔

حجاب: (ہاہاہا) جی آپ نے کافی بھی بہت اچھی بنائی ہے۔ (کافی کا سپ لیتے ہوئے) چائے کیسی بناتی ہیں؟

جواب: چائے بہت اچھی بناتی ہوں لیکن پیتے نہیں ہیں۔

حجاب: واقعی؟

جواب: جی (مسکراتے ہوئے)۔

حجاب: حیرت ہے بھئی چائے کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے؟ ویسے زندگی کیسی ہے؟

جواب: یہ کافی کیسی ہے؟ (کافی کے مگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)۔

حجاب: تھوڑی کڑوی ہے۔

جواب: بس زندگی بھی ایسی ہی ہے تھوڑی میٹھی، تھوڑی کڑوی۔

حجاب: اچھا ناولز کے ہیروز، ہیروئن ہمیشہ اتنے منفرد ڈیشنگ، اسمارٹ اور حسین وجمیل کیوں ہوتے ہیں؟

جواب: سچ تو یہ ہے کہ لوگ خوب صورت اور حسین لوگوں کی کہانی پڑھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ناول کا مطلب ہے نیا، انوکھا اور منفرد تو جب تک ہم ناول میں عام ڈگر سے ہٹ کر کچھ نیا شامل نہیں کریں گے پڑھنے والے اٹریکٹ نہیں ہوں گے۔ کہانی میں ان کی دلچسپی پیدا نہیں ہوگی، ہیرو، ہیروئن خوب صورت، حسین الوہی حسن وجمال کے مالک ہوں بہت اچھے کردار واطوار کے مالک ہوں تو اگر ان کے ساتھ کچھ غلط یا بُرا ہوتا ہے تو قارئین کی دلچسپی اور ہمدردی بڑھتی ہے۔ کہانی مضبوط ہو اور کردار خوب صورت ہوں تو قارئین ناول ضرور پڑھنا چاہیں گے کیونکہ ہیرو ہیروئن کسی بھی ناول کا سرورق ہوتے ہیں اگر سرورق خوب صورت ہے تو آپ ناول اور کتاب کے اندر بھی جھانکیں گے اگر سرورق میں ہی اٹریکشن نہیں ہے تو اچھی سے اچھی کہانی بھی بعض اوقات اپنے قاری کی راہ تکتی رہ جاتی ہے۔

حجاب: ناول کی ہیروئن کا خاکہ تراشتے ہوئے آپ کیا کرتی ہیں؟

جواب: ہم آئینہ دیکھ لیتے ہیں ہاہاہا۔

حجاب: (ہنستے ہوئے) واقعی ہمیں بھی ایسا ہی لگتا ہے۔

جواب: سیریسلی ہمیں سب سے مشکل مرحلہ یہی لگتا ہے۔ ناول کی ہیروئن اور ہیرو کا خاکہ تخلیق کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے ہمارے لیے۔ وہ جو خالق کائنات ہے یہ سب اسی کا کام ہے اس کی مصوری کمال ہے۔ ہم تو محتاج ہیں اس کی مدد اور رحمت کے ہم تو کہانی کے کرداروں کے خاکے تراشتے ہوئے بھی سو بار سوچتے، اٹکتے اور الجھتے

ہیں وہی رب ہے جو "کُن" کہہ کرایک کائنات کو وجود میں لے آتا ہے بے شک اللہ اکبر۔

حجاب: صحیح کہا آپ نے۔

جواب: آیئے کھانا تیار ہے باقی باتیں کھانے کی میز پر ہوجائیں گی۔

(سباس ہمیں ڈرائنگ روم سے ڈائننگ ٹیبل پر لے آئیں میز پر مرغ پلاؤ، شامی کباب، مٹن کڑاہی، پالک گوشت، سلاد، رائتہ اور دیگر لوازمات دیکھ کر تو ہماری بھی بھوک چمک اٹھی تھی اور ہم انٹرویو لینے کے ساتھ ساتھ کھانے سے دو دو ہاتھ کرنے میں جت گئے)۔

حجاب: آپ کی باتوں کی طرح کھانا بھی بہت مزے دار ہے۔ (ہم نے کھانا کھاتے ہوئے تعریف کی تو سباس مسکراتے ہوئے بولیں)

جواب: بہت شکریہ، بلاتکلف کھایئے کیونکہ پیٹ تو کھانے سے ہی بھرے گا باتوں سے نہیں۔ باتوں سے آپ صرف ڈائجسٹ کا پیٹ بھر سکتے ہیں۔

حجاب: (مسکراتے ہوئے) ہوں اچھا سباس! آپ کی اب تک کتنی کتابیں شائع ہوچکی ہیں؟

جواب: الحمدللہ! ہمارے ناولز کی دس کتابیں شائع ہوچکی ہیں حال ہی میں ہمارا ناول "تمہارے بن ادھورے ہیں" شائع ہوا ہے۔ یہ ناول ہم نے تیرہ برس پہلے لکھا تھا مگر کتاب کی صورت میں اس سال مارکیٹ میں آیا ہے۔

حجاب: ماشاء اللہ بہت خوب۔

جواب: اگر پبلشر حضرات ایک کتاب پر تین سے چار سال نہیں لگاتے تو ممکن تھا کہ اب تک ہماری پندرہ سولہ کتب مارکیٹ میں دستیاب ہوتیں۔

حجاب: واؤ گریٹ، چلیں ان شاء اللہ جلد ہی آپ مزید دس بیس کتابوں کی مصنفہ بن جائیں گی

جواب: (ہنستے ہوئے) جی ان شاء اللہ۔

حجاب: شائع ہونے والی کتابوں کے نام؟

جواب: تم ایسی شرارت مت کرنا، میں محبت اور تم، اِلِ سرِ لوحِ شامِ فراق، پھر چلو چاہت نبھائیں ہم اک تیرے آنے سے محبت رنگ بدلتی ہے تم سنگ نیناں لاگے تمہارے بن ادھورے ہیں۔

حجاب: آپ کے ناولز کے نام بہت خوب صورت اور دلکش ہوتے ہیں۔

جواب: آہم...... ہماری طرح (قہقہہ)

حجاب: (ہنستے ہوئے) اچھا آپ کو بھی تو ٹی وی کی طرف سے ڈرامہ لکھنے کی آفر آتی رہتی ہیں تو ڈرامہ کیوں نہیں لکھا آپ نے اب تک؟

جواب: شاید ہماری اپنی کاہلی ہے روز سوچتی ہوں آج لکھیں کل لکھیں گے، بس اسی آج کل میں وقت گزر رہا ہے۔ آپ دعا کیجیے کہ ہم میں لکھنے کا پہلے جیسا شوق اور جنوں دوبارہ پیدا ہوجائے بس پھر ان شاء اللہ چل سو چل۔

حجاب: ان شاء اللہ جی ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جلد ہی کامیاب ڈرامہ رائٹر کی حیثیت سے عزت و شہرت سے نوازے۔

جواب: آمین، جزاک اللہ۔

حجاب: ٹی وی ڈرامے شوق سے دیکھتی ہیں؟

جواب: پہلے شوق سے دیکھتے تھے اب شاک سے دیکھتے ہیں۔

حجاب: اچھا ایسا کیوں؟

جواب: کیا...... کیا دکھایا جارہا ہے ہمارے چینلز پر خواتین کے سروں سے دوپٹہ اتر کر شانے پر آیا، شانے سے گلے میں پھر گلے سے بھی جاتا رہا۔ حجاب کا، حیا و حسن کا آنچل سر سے غائب کردیا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم ترقی کررہے ہیں یہ کیسی ترقی اور کامیابی ہے جس میں آپ اپنی خواتین کو بے حجاب کررہے ہیں اور خوش ہوکر تالیاں بجارہے ہیں۔

حجاب: کمرشل ازم کا دور ہے نالہٰذا ایسا کرنا پڑتا ہے جبھی تو ڈرامہ چلتا اور بکتا ہے۔

جواب: ہاں جی آج کل تو سب چلتا ہے اور سب بکتا ہے لیکن اینڈ آف دی ڈے بچتا کچھ نہیں ہے سوائے کفِ افسوس ملنے کے۔

حجاب: آپ کو آپ کے قارئین کی طرف سے کئی خطابات سے بھی نوازا گیا ہے جیسے ''رائٹر آف ریئیل ازم (حقیقت شناس لکھاری) رائٹر آف لو کوئین آف رومینٹک ناولز وغیرہ......تو کیسا لگتا ہے پڑھنے والوں کی جانب سے یہ اعزاز یہ پذیرائی اور محبت؟

جواب: الحمدللہ! بہت اچھا لگتا ہے اور ہم حجاب کے توسط سے اپنے قارئین اور چاہنے والوں کا' مداحوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اپنی پسندیدگی' محبتوں اور چاہتوں سے آج ہمیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔

حجاب: آپ کی شاعری بھی مختلف اخبارات اور ڈائجسٹوں میں پڑھنے کو ملتی رہتی ہے اور یقیناً پسند بھی کی جاتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے ابھی تک اپنا شعری مجموعہ شائع نہیں کرایا؟

جواب: یہ سوال اور شکایات ہمارے بہت سے دوست احباب ہم سے کرتے ہیں' بس آپ اسے ہماری سستی کہہ لیں یا دیگر کاموں کی مصروفیات جن کے باعث ہم اب تک اپنا کلام منتخب نہیں کر سکے یوں تو ہم خود کو شاعرہ بھی نہیں سمجھتے یہ تو آپ احباب کی محبت ہے کہ ہمارے ٹوٹے پھوٹے' بے ترتیب سے لفظوں کو شاعری سمجھتے ہیں اور داد و تحسین سے نوازتے رہتے ہیں' ان شاء اللہ جلد ہی ہم اپنے چاہنے والوں کی یہ خواہش اور فرمائش پوری کریں گے (ان شاء اللہ)۔

حجاب: محبت پر یقین ہے؟

جواب: محبت پر ہی تو یقین ہے۔

حجاب: کسی سے محبت کی؟

جواب: ہر کسی سے محبت کی۔

حجاب: کوئی خاص محبت جو ملی ہو؟

جواب: خاص محبت' خاص لوگوں کو ملا کرتی ہے اور ہم بہت عام سے ہیں۔

حجاب: کبھی تنقید ہوتی ہے تو کیسا محسوس کرتی ہیں؟

جواب: ہم مسکرانے لگتے ہیں۔

حجاب: وہ کیوں؟ آپ کو غصہ نہیں آتا؟

جواب: ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصے پر پیار آتا ہے

بھئی تنقید اگر کبھی ہوتی ہے تو صرف یہ کہ سباس گل ہمیشہ محبت پر لکھتی ہیں بس اسی بات پر ہم مسکرا دیتے ہیں۔

حجاب: لیکن آپ نے بہت تلخ' سنجیدہ اور رنجیدہ حقائق پر مبنی افسانے بھی لکھے ہیں مثلاً ''سوکھے ٹکڑے میٹھی سویاں' لاج' یہ ہم لڑکیاں' رخصتی' اعتبار' اللہ کے نام پہ' حی علی الفلاح' لبیک اللھم لبیک' جگنو' عورت' تیرے ہجر کی شام' معصومہ...... ایک طویل فہرست ہے آپ کے سنجیدہ افسانوں کی بدولت آپ کو ''حقیقت شناس'' رائٹر کا ٹائٹل بھی دیا گیا ہے۔

جواب: جی بالکل ایسا ہی ہے۔

حجاب: آپ نے محبت اور مزاح بھی خوب لکھا ہے' ہنسایا بھی ہے' دلوں کو گدگدایا بھی ہے اور رلایا بھی ہے۔ جذبوں کے یہ سارے رنگ' احساس کے یہ سارے ڈھنگ کیسے آپ اپنی تحریروں میں سمو لیتی ہیں؟

جواب: یہ سارے جذبے زندگی کا حصہ ہیں اور جو جذبہ و احساس زندگی سے جڑا ہو آپ اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ دیکھئے زندگی ''آئی لو یو'' اور ''آئی لو یو ٹو'' کا نام نہیں ہے اس میں آنسو بھی ہیں آہیں بھی ہیں' خوشیاں بھی ہیں اور دکھ بھی ہیں۔ آپ کو سب کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے' یہی زندگی کا مزاج ہے اور زندگی کا مزاج سمجھ لینا بھی ایک فن ہے۔

حجاب: آپ کی تحریروں کہانیوں کی تعریف ہوتی ہے' تب آپ کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟

جواب: الحمدللہ' الحمدللہ...... اللہ اکبر۔

بس یہی الفاظ زبان سے ادا ہوتے ہیں مسکراہٹ کے ساتھ۔

حجاب: کوئی خواہش؟

جواب: نہیں' اب ہم خواہش نہیں کرتے صرف دعا کرتے ہیں۔

حجاب: اللہ سے کیسا رشتہ ہے آپ کا؟
جواب: جیسا جسم کا روح سے رشتہ ہے۔
حجاب: آپ کی نظر میں انمول رشتے؟
جواب: ماں باپ۔
حجاب: کیا محبت آسانی سے مل جاتی ہے؟
جواب: جو آسانی سے مل جائے وہ محبت نہیں ہوتی۔
حجاب: دعا مانگتی ہیں؟
جواب: دعا ہی تو مانگتی ہوں۔
حجاب: محبت، دولت، شہرت، صحت، عزت میں آپ کی ترجیح کیا ہوگی ترتیب وار بتائیے؟
جواب: عزت، صحت، محبت، دولت شہرت۔
حجاب: "حجاب" کے لیے کچھ کہنا چاہیں گی؟
جواب: جی سب سے پہلے تو حجاب کے اجراء پر آنچل اور حجاب کی تمام ٹیم کو انکل مشتاق احمد قریشی کو طاہر بھائی اور عمران بھائی کو "حجاب" کے تمام اسٹاف اراکین کو ہماری جانب سے دلی مبارک باد قبول ہو۔ ہمارے لیے باعث مسرت ہے یہ لمحہ کہ ہم بھی حجاب کا حصہ بن رہے ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ حجاب بھی آنچل کی طرح بلکہ آنچل سے زیادہ کامیابی، پسندیدگی اور مقبولیت کے جھنڈے گاڑھے اور سب کی امیدوں پر پورا اترے آمین۔
حجاب:) بہت شکریہ آپ کی محبت بھری دعاؤں کے لیے۔
جواب: ارے اپنوں کا شکریہ تھوڑی ادا کرتے ہیں، آنچل ہمارا ہے تو حجاب بھی ہمارا ہے۔
حجاب: جی جی بالکل صحیح کہا آپ نے (ہنستے ہوئے)۔ انٹرویو طویل ہوگیا مگر سوالات اب بھی بہت سے باقی ہیں ان شاء اللہ زندگی بخیر پھر کسی نشست میں آپ سے بات ہوگی۔ کھانے کے ساتھ ساتھ آپ کے انٹرویو کا بھی بہت لطف آیا، بہت شکریہ حجاب کے لیے وقت دینے کا۔ آخر میں حجاب کے قارئین کو کوئی پیغام دینا چاہیں گی؟
جواب: گل کا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔
حجاب: (واہ بہت خوب)۔
جواب: آپ کا اور حجاب کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہمیں قارئین سے ملاقات کا موقع دیا۔ خوش رہیے سلامت رہیے، اللہ پاک آپ سب کو بہت کامیابیوں اور عزتوں سے نوازے۔
آمین ثم آمین...... اللہ حافظ۔

شگفتہ شفیق

حجاب: آپ کا نام؟
ج: میرا نام شگفتہ شفیق ہے۔
حجاب: شہر پیدائش؟
ج: روشنیوں کے شہر کراچی میں ۸ اگست کو آنکھ کھولی۔
حجاب: تعلیمی قابلیت؟

ج: پی ای سی ایچ ایس کالج سے میں نے بی ایس سی کیا اور گورنمنٹ کالج فیڈرل بی ایریا سے بی ایڈ کیا۔
حجاب: کس عمر؟ یا کس سن میں شاعری کا آغاز ہوا؟
ج: ۱۳ سال کی عمر میں اپنی ماں کی دائمی جدائی پر میں نے نظم کی صورت اپنے دل کی کیفیت بیان کی تھی۔

ایسا ہوا ہے اکثر
میرے ساتھ بار بار
جب میں ہوئی ہوں تنہا
اور روئی ہوں زار زار

پیاری ماں کا سایہ اور مہربان ہاتھ
دھیرے سے میرے نزدیک
آ کے ٹھہر گیا ہے
اور مسکرا کے مجھ کو
پھر حوصلہ دیا ہے
اور مجھ سے یہ کہا ہے
ہمت سے کاٹنی ہے تم کو یہ زندگانی
پونچھو یہ اپنے آنسو
ہنستی رہا کرو تم

حجاب: آپ کو خود کب احساس ہوا کے آپ واقعی شعر کہہ سکتی ہیں؟ یا کہہ سکتے ہیں؟

ج: میں نویں جماعت میں تھی جب مجھے محسوس ہوا کہ میں شعر کہہ سکتی ہوں۔

حجاب: آپ کی نظر میں شاعری کیا ہے؟ خدا داد صلاحیت ہے، عطا ہے، ہنر ہے یا شوق ہے؟

ج: اپنے دلی جذبات کو لطیف پیرائے میں بیان کرنا میرے نزدیک شاعری ہے اور یہ ہنر اور عطا خداداد صلاحیت ہے جو کہ قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے یعنی شاعر بنایا نہیں جاتا۔

حجاب: کیا شاعری سچ بولتی ہے؟

ج: بالکل، شاعری ہمارے احساسات کی سچی عکاسی کرتی ہے اور سچی شاعری ہی دل کو بھاتی ہے۔

اپنے ہو جاتے ہیں بد ذات تو دُکھ ہوتا ہے
جب دکھاتے ہیں وہ اوقات تو دُکھ ہوتا ہے

حجاب: آپ کو ذاتی طور پر کیا پسند ہے شاعری میں؟ نظم، غزل، قطعہ یا رباعی؟

ج: میں غزل اور نظم بہت شوق سے لکھا کرتی ہوں۔

حجاب: آپ اشعار میں اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کر کے کیا محسوس کرتی ہیں؟

ج: میں شعر اُس وقت تک نہیں لکھ سکتی جب تک کوئی بات میرے دل کو نہ چھو جائے اور پھر اُن احساسات کو لکھ کے بہت سکون محسوس کرتی ہوں۔

حجاب: کیا آپ اس بات سے متفق ہیں کہ خواتین شاعرات کے کلام سے اُن کے کردار کو جانچا، پرکھا جاتا ہے؟

ج: جی میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ بالکل غلط بات ہے کہ مشاہدہ بھی کچھ اہمیت رکھتا ہے اور شاعروں کی تو شاعری میں ان کے تخیل کا بہت ہاتھ ہوتا ہے۔

حجاب: مرد اور خاتون کی شاعری میں بنیادی فرق کیا محسوس کرتی ہیں آپ؟

ج: جی میرا خیال ہے کہ خواتین ذرا ڈھکے چھپے انداز میں واردات قلبی لکھتی ہیں جب کہ مرد شعرا آزادی کے ساتھ اپنے احساسات کو بیان کرتے ہیں۔ ویسے تو لکھنے والوں میں ہم کو مرد اور عورت کی تخصیص پسند نہیں ہے۔

حجاب: ایک شاعر کے لیے داد و تحسین کتنی ضروری ہے؟

ج: پزیرائی اور داد و تحسین آگے بڑھنے میں واضح کردار ادا کرتے ہیں حوصلہ افزائی سے مزید اور لکھنے کا رُجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اپنی مثال دینا چاہوں گی کہ اللہ کے فضل سے میری پہلی کتاب۔ میرا دل کہتا ہے۔ کے بعد مجھے لوگوں نے اندرون ملک اور بیرون ملک بہت زیادہ پزیرائی سے نوازا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری ۳ کتابیں بہت تیزی سے منصۂ شہود پر آ گئیں۔

حجاب: کیا شاعری سے معاشرے کی اصلاح کا کام کیا جا سکتا ہے؟

ج: جی ہاں، بالکل لیا جا سکتا ہے اور لوگ اُس کو توجہ بھی دیتے ہیں اور عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں

حجاب: آپ کو کن شعرا کا کلام پسند ہے؟

ج: مجھے غالب۔ فیض۔ احمد فراز اور پروین شاکر بہت پسند ہیں۔ ویسے کوئی بھی اچھا شعر میرے دل میں فوراً جگہ بنا تا ہے اس کے لیئے شاعر کا مشہور ہونا کوئی ضرور نہیں ہے۔

حجاب: کیا آپ موجودہ ملکی حالات کو اپنی شاعری کا حصہ بناتی ہیں؟

ج: مجھے رومانس لکھنا زیادہ پسند ہے لیکن میں حالاتِ حاضرہ کو بھی اکثر اپنی شاعری میں سموتی ہوں کہ وقت اور حالات سے کٹ کے نہیں رہا جاسکتا ہے۔

حجاب: آپ کا کوئی مجموعہ کلام مارکیٹ میں دستیاب ہے؟

ج: جی میرے ۳ مجموعۂ کلام مارکیٹ میں دستیاب ہیں جن کے نام یہ ہیں

(۱) میرا دل کہتا ہے۔۲۰۱۰

(۲) یاد آتی ہے۔۲۰۱۲

(۳) جاگتی آنکھوں کے خواب۔۲۰۱۳

حجاب: صاحب کتاب ہوئے بنا آپ کو شاعر یا ناول نگار نہیں مانا جاتا، اس بات میں کتنی صداقت ہے اور کیا ایسا رویہ یا اندازِ فکر صحیح ہے؟

ج: نہیں، میں اس بات کو نہیں مانتی کیونکہ یہ رویہ ٹھیک نہیں ہے اکثر بہت باصلاحیت لوگ معاشی مجبوریوں کی بناء پر صاحب کتاب نہیں بن پاتے۔ یہاں میں یہ ضرور کہنا چاہوں گی کہ اس ضمن میں اگر حکومت مدد نہیں کرسکتی تو صاحبِ حیثیت لوگوں کو سامنے آنا چاہیئے اور ایسے لوگوں کی کتابیں چھپوانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

حجاب: چاندنی راتوں کا اور شاعری کا آپس میں کیا کنکشن ہے؟

ج: چاندنی راتیں میری تو کمزوری ہیں۔ شاعری ایسے خوب صورت ماحول میں خود بخود ہم پر اُترتی چلی جاتی ہے اور بہت زیادہ شاعری پر اُکساتی ہے۔

حجاب: اپنی پسند کا کوئی شعر سنائیں؟

ج: میں آپ کو اپنا ہی ایک شعر سنانا چاہوں گی

تھی ہماری زندگی بس چار دن
ساتھ جو ہم نے گذارے آپ کے

حجاب: زندگی ایک جملے میں بیان کیسے ہو؟

ج: زندگی اللہ کی خوب صورت نعمت ہے جس کو بہت محبت سے بسر کرنا چاہیئے

حجاب: کوئی خوشبو جیسی بات جو آپ قارئین بہنوں سے کہنا چاہیں؟

ج:

جب بھی دیکھے وہ گہری نظروں سے
آپ ہی آپ ہم سنور جائیں

اور

دینے والے کے لیئے تو ہے اشارہ کافی
کیا ضروری ہے کوئی ہاتھ میں کاسہ رکھے

حجاب: پاکستان کے لیے سوچتی ہیں؟

ج: بہت۔ ہم کو اپنے وطن سے عشق ہے

دعا ہے یہ کہ شگفتہ بہار کا موسم
چھائے ایسے چمن میں کوئی مثال نہ ہو

حجاب: آپ کی پسند ناپسند کھانے پینے میں پہننے اوڑھنے میں کیسی ہے؟

ج: کھانے پینے کی بہت شوقین نہیں ہوں جو مل جائے ٹھیک ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پکانا نہیں آتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بہت اچھی کک ہوں البتہ مجھے سلاد بہت زیادہ پسند ہے۔ پہننے میں ہر وہ اچھا فیشن پسند ہے جس میں اپنا آپ مجھے خود پسند آئے۔

حجاب: شہرت کیسی لگتی ہے؟

ج: بہت اچھی لگتی ہے اور لوگوں کی محبت دیکھ کے میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں اور اپنے چاہنے والوں کو ہمیشہ اپنی دعاؤں میں شامل رکھتی ہوں۔

حجاب: ماشاءاللہ آپ کو کئی ایوارڈ بھی مل چکے ہیں اُن کے بارے میں بتایئے ہمارے قارئین کو؟

ج: میری شاعری پاکستان، انڈیا، امریکہ، انگلینڈ، جرمنی اور مغربی یورپ میں چھپتی اور پڑھی جاتی ہے۔ میرا پہلا شعری مجموعہ ٹورنٹو میں لاؤنج ہوا تھا اور دوسرا مجموعہ کلام فرینکفرٹ جرمنی میں اور ٹورنٹو میں لاؤنچ کیا گیا تھا اور تیسرا مجموعہ کلام ڈنمارک اور ٹورنٹو میں لاؤنچ کیا گیا۔ اردو سوسائٹی آف کینیڈا کی طرف سے ایوارڈ آف ایکسیلنس اور ستارۂ ادب ایوارڈ ملے۔ کراچی یونیورسٹی گریجویٹس فورم کینیڈا کی طرف سے جامعہ کراچی ادبی ایوارڈ ۲۰۱۱ء اور الجامعہ کراچی ادبی ایوارڈ ۲۰۱۳ء ملے ہیں اور حال ہی میں انڈس یونیورسٹی ادبی فورم کراچی اور میٹرو ون ادبی فورم کی طرف سے شگفتہ شفیق کو گولڈ میڈل اور ۲ شیلڈز دی گئی ہیں۔

حجاب: کیا موسم کا مزاج شاعر کے مزاج پر اثر انداز ہوتا ہے؟

ج: ویسے تو دل کا اپنا الگ ہی موسم ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ موسم اور فطری نظارے مزاج پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔

حجاب: کوئی پیغام دینا چاہیں گی قارئین حجاب کو؟

ج: کبھی کسی کا دل نہ دکھائیں اور دل آزاری سے بچیں کہ ٹوٹے دل کبھی نہیں جڑتے۔ محبت اور پیار سے زندگی

گذاریں کہ میرا تو یہ ہی طریقہ ہے کہ

کتنی بھی چھائے غم کی گھٹا اس حیات میں
ملتے ہیں لیکن سب سے بڑی دلبری سے ہم

غزل

ہاں تیرا انتظار رہتا ہے
میرا دل بے قرار رہتا ہے
اُس کے ملنے سے پھول کھلتے ہیں
چہرہ بھی پُر بہار رہتا ہے
کبھی فرصت ملے تو آ جانا
تیرا آنا اُدھار رہتا ہے
اُس سے ملنا سکون دیتا ہے
ورنہ دل سوگوار رہتا ہے
دل سے اُس کو بھلا بیٹھیں ہم کیسے
وہی بس بے شمار رہتا ہے
اب مسیحا کہاں سے لائیں ہم
دل تو اکثر بیمار رہتا ہے
تیرا کڑوا سا طنزیہ لہجہ
بس جگر کے ہی پار رہتا ہے
جانتی ہے شگفتہ اچھی طرح
وہ کیوں شرمسار رہتا ہے

شگفتہ شفیق

غزل نذر ساغر صدیقی

مل جو پائیں تو کیا تماشا ہو
چھوڑ جائیں تو کیا تماشا ہو
رات دن سنگ جو گراتے ہیں
چوٹ کھائیں تو کیا تماشا ہو
جو بلائیں ہمیں وہ محفل میں
ہم نہ جائیں تو کیا تماشا ہو
اُس کی آنکھیں بہت ہی پیاری ہیں
اُن پہ مر جائیں تو کیا تماشا ہو
اُس کے دل کو بھی چوٹ آئے یونہی
دل جلائیں تو کیا تماشا ہو
چپ چاپ رہنے والے اگر
بول جائیں تو کیا تماشا ہو
جب کے امید ہو منانے کی
نہ منائیں تو کیا تماشا ہو
میرے گھر کے آسان رستے کو

ڈھونڈ پائیں تو کیا تماشا ہو
جان دینے کی باتیں کرتے ہیں
مر ہی جائیں تو کیا تماشا ہو
زندگی کی کہانی ہم اُن کو
سُنا پائیں تو کیا تماشا ہو
جن پہ تکیہ کیا ہو جیون بھر
وہ گرائیں تو کیا تماشا ہو
جانتے ہیں تری حقیقت کو
کہہ بھی جائیں تو کیا تماشا ہو
جب وہ پریوں کے ساتھ بیٹھے ہوں
پہنچ جائیں ہم تو کیا تماشا ہو
پیار کی بازی شگفتہ محفل میں
جیت جائیں تو کیا تماشا ہو
شگفتہ شفیق

غزل
سارے وعدے ہوں وفا دل یہ تمنا رکھے
جستجو یہ ہے فقط تجھ کو ہی اپنا رکھے
دینے والے کے لیے تو ہے اشارہ کافی
کیا ضروری ہے کوئی ہاتھ میں کاسہ رکھے
ہر گھڑی دل کو میرے وہ تو جلانا چاہے
اور چاہے کہ وفا پر بھی بھروسہ رکھے
وہ تو کہتا ہے کہ تم جو نہیں اور سہی
کس طرح ایک فقط ہم پہ ہی تکیہ رکھے
اپنے اشعار پرانے وہ دھرائے اکثر
اس طرح پریوں کا تنگ وہ گھیرا رکھے
تیری اکڑی ہوئی گردن میں بھی خم آئے
جا خدا میری طرح تجھ کو بھی تنہا رکھے
پریشاں کرکے مجھے اُس کو سکوں ملتا ہے
دل کی شگفتہ ہے دعا اُس کو اچھا رکھے
شگفتہ شفیق

غزل
ایسے ملنے سے تو بہتر ہے خفا ہو جانا

ہم کو آتا ہے محبت میں فنا ہو جانا
ہاں میرے جرم کی بھرپور سزا مجھ کو ملے
تم تو معصوم ہو تم دور ذرا ہو جانا
ہم سے ملنے کا فقط اتنا ہی مقصد تھا تیرا
کرکے بدنام ہمیں ہم سے جدا ہو جانا
بھول پاؤ گے مجھے یہ تو ہے ناممکن
زندگی موت ہے یادوں سے جدا ہو جانا
تیرے ہونے سے ہیں دنیا میں مرے رنگ سارے
میرے محبوب بس تم نہ خفا ہو جانا
میرے ہونٹوں کی ہنسی سے جلتے کیوں ہو؟
تم کو معلوم ہے مرا آبلہ پا ہو جانا
عشق کرنا ہے کٹھن یہ کوئی کھیل نہیں
بہت آساں تو نہیں بے وفا ہو جانا
فرش تو فرش وہ عرش ہلا دیتی ہیں
دل جلے لوگوں کی آہوں کا دعا ہو جانا
اُس کی ہر بات ہے تسلیم اور سرخم ہے
شگفتہ آتا ہی نہیں اُن سے خفا ہو جانا
شگفتہ شفیق

آغوشِ مادر

نادیہ احمد رضوی

میں نے جب ہوش سنبھالا تو ایک ہستی کو اپنے اردگرد موجود پایا جو مختلف کاموں میں ہمہ وقت مصروف دکھائی دیتی تھیں چوں کہ ہم پانچ بہن بھائی ہیں اور میرا نمبر سب سے آخری ہے لہٰذا اپنے بڑے بہن بھائیوں کے دیکھا دیکھی میں نے بھی اس ہستی کو امی کہہ کر پکارنا شروع کردیا۔ مجھے جب کبھی ڈر لگتا یا کبھی میں بیمار ہوتی تو میری امی مجھے اپنے سینے سے یوں لپٹا لیتیں جیسے اب وہ کبھی مجھے خود سے الگ ہی نہیں کریں گی۔

جب شعور کی منزل پر میں نے قدم رکھا تو اپنی امی کو ذرا سخت مزاج پایا میں اپنے پاپا کے مقابلے میں امی سے بہت ڈرتی بھی کیوں کہ ایک آدھ بار میں نے کسی غلط بات پر ان سے اچھی والی مار بھی کھائی تھی لہٰذا امی کا رعب و دبدبہ مجھ پر بہت حاوی تھا۔ دراصل وہ ہم بہن بھائیوں کی تربیت کے حوالے سے بہت سخت گیر تھیں جب کہ پاپا سے میرے تعلقات انتہائی دوستانہ تھے میں اپنی ہر خواہش، ہر بات ان کے سامنے بیان کردیتی تھی۔ اسکول میں اگر کوئی پارٹی ہے یا مجھے گڑیا وغیرہ چاہیے تو میں بلا جھجک پاپا سے کہہ دیا کرتی تھی اور وہ ہمیشہ میری پریشانی کو دور کردیتے۔ میری ہر خواہش پوری کردیا کرتے تھے جب کہ امی یہ سب دیکھ کر پاپا سے کہا کرتیں۔

''آپ نادیہ کو بگاڑ دیں گے۔'' دراصل سب سے چھوٹا ہونے کی بدولت مجھے خصوصی مراعات حاصل تھیں جو میرے بڑے بہن بھائیوں کو میسر نہیں تھیں۔ میری بڑی بہنیں بھی اکثر پاپا سے شکوہ کرتیں کہ ''پاپا آپ نادیہ کی تو ہر ضد پوری کردیتے ہیں جب کہ ہم جب چھوٹے تھے تو ہمارے ساتھ تو ایسا نہیں ہوتا تھا۔'' اس بات پر پاپا مسکرانے لگتے تھے پھر انہیں سمجھا کر کہتے تھے۔

''نادیہ سب سے چھوٹی ہے نا اسی لیے میں اس کی باتیں مان لیتا ہوں۔'' وہ امی سے بھی کہا کرتے کہ ''نجانے کب میں اس دنیا کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا اس لیے میں نادیہ کے زیادہ لاڈ اٹھاتا ہوں کہ نجانے کتنی زندگی میری باقی ہے۔'' کیوں کہ شاید انہیں اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ میرے ساتھ زیادہ عرصے نہیں رہیں گے۔

جس طرح ایک بچہ اپنی ماں سے بے پناہ اٹیچڈ ہوتا ہے اسی کے آگے پیچھے پھرتا ہے ان کے ساتھ ہی سوتا جاگتا ہے میں اس طرح اپنے پاپا کے ساتھ اٹیچڈ تھی جب تھوڑی بڑی ہوئی تو اپنی امی کے ساتھ سونا ان کے بیڈ پر آ کر لیٹ جاتی تھی پاپا میری سالگرہ پر بھی خصوصی اہتمام کرواتے تھے جب کہ تحفہ میں شور مچا مچا کر ان سے ایک مہینے پہلے ہی لے لیا کرتی تھی غرض کہ میرے پاپا میری زندگی میرا سب کچھ تھے پھر چار سال کی سخت علالت کے بعد ان کا انتقال ہوا تو یقینی طور پر یہ حادثہ میرے لیے بے حد سنگین تھا ان کی جدائی نے میرے اوپر بہت گہرے اثرات مرتب کیے تھے کیوں کہ میں نے جیسے بتایا کہ امی سے زیادہ میں ان کے بے حد قریب تھی پھر میں نے اپنی امی کا ایک نیا روپ، نیا انداز دیکھا انتہائی شفیق بے حد محبت و خیال کرنے والی بے پناہ فکر کرنے والی ماں۔

میں جو پہلے امی سے خائف سی رہتی تھی اب امی کے قریب آ گئی تھی' دراصل امی ہمیں اچھی تربیت دینے کی غرض سے ہم پر کڑی نگاہ رکھتی تھیں' روک ٹوک کرتی تھیں' نصیحتیں کرتی تھیں مگر جب پاپا اس دنیا سے چلے گئے تو وہ سمجھ گئیں کہ اب ہمیں ان کے پیار و شفقت کی ضرورت ہے۔ ساری سختی انہوں نے جیسے لپیٹ کر رکھ دی اور اس وقت مجھے ان کا حقیقی پیار ان کا خیال نظر آیا۔

پیاری بہنو! یہ حقیقت ہے کہ ماں باپ ہی بچے کو چلنا سکھاتے ہیں' اسے اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ زمانے کی سرد و گرم ہواؤں سے بچاتے ہیں' اونچ نیچ سے آگاہ کرتے ہیں اور اسے ایک کامیاب انسان اور مکمل مسلمان بناتے ہیں۔ آج جو کچھ بھی میں ہوں وہ اپنے والدین کی بدولت ہوں' انہوں نے ہی مجھے اچھے بُرے کی تمیز سکھائی' میری شخصیت پروان چڑھائی مجھے اپنے دین کو سمجھنے اس کے ارکان پر چلنے کی ترغیب دلائی۔

جب میں نے اپنا گریجویشن مکمل کیا تو میرا ارادہ مکمل طور پر ماسٹرز کرنے کا تھا آپ یوں کہہ لیں کہ ماسٹرز کی ڈگری حاصل کرنا میرا خواب تھا مگر کراچی یونیورسٹی ہمارے گھر سے بہت دور تھی لہٰذا امی نے مجھے یونیورسٹی بھیجنے کی پہلے پہل اجازت نہیں دی کیوں کہ بقول ان کے کہ تم اتنی دور بسوں میں دھکے کھا کر کیسے یونیورسٹی جاؤں گی پھر وہ دیگر ماؤں کی طرح میرے حوالے سے کچھ خوفزدہ تھیں کہ نادیہ بھلا اکیلے اتنی دور کیسے جائے گی اور حالات بھی ٹھیک نہیں ہیں مختصراً انہوں نے صاف انکار کر دیا میں نے کافی احتجاج کیا مگر پھر خاموش ہوگئی' انہی دنوں ان کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی چونکہ صرف میں گھر پر ہوتی تھی اور مجھ سے بڑی بہن جاب کرتی تھیں لہٰذا گھر کی ساری ذمہ داری اور ان کی تیمارداری مجھ پر آن پڑی' اللہ کا کرم ہوا کہ پہلی بار میں نے سارا گھر بھی بخوبی سنبھال لیا اور امی کی اچھی طرح دیکھ بھال بھی کی۔ امی میرے اس عمل سے اتنی متاثر ہوئیں کہ انہوں نے مجھے یونیورسٹی میں داخلے کی اجازت دے دی اور بہنو...... میرا تو خوشی سے بُرا حال ہوگیا یوں صرف اپنی امی کی بدولت میں نے کراچی یونیورسٹی سے ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی پھر بعد ازاں ''بین الاقوامی تعلقات'' میں دوسرا ماسٹرز کیا غرض کہ امی نے اپنے اور پاپا دونوں کے فرائض اکیلے اپنی ذات سے پورے کیے انہوں نے اپنے عمل سے ہر ممکن کوشش کی کہ کہیں کسی موڑ کسی موقع پر مجھے یہ احساس نہ ہو کہ ''اگر پاپا زندہ ہوتے تو میری یہ خواہش یا کام ضرور کر دیتے'' پاپا کی طرح امی بھی دیگر بہن بھائیوں میں مجھے سب سے زیادہ اہمیت دیتی ہیں۔ مجھ سے بے تحاشا محبت کرتی ہیں اور بعض اوقات وہ میری ان باتوں کو بھی مان لیتی ہیں جو دوسرے بہن بھائیوں کی نہیں مانتیں' اسی لیے میری دونوں بڑی بہنیں کوئی بات امی کو سمجھانے یا منوانے کی کوشش کرتی ہیں اور جب وہ ان کی بات نہیں مانتیں تو پھر وہ مجھے آگے کر دیتی ہیں پہلے تو وہ مجھ سے بھی تھوڑی خفا ہوتی ہیں' ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہیں مگر بالآخر میری بات مان ہی لیتی ہیں۔

جب میں چھوٹی تھی تو کبھی مجھے کوئی چوٹ لگتی کہیں زخم آ جاتا تو میں منہ بسورتی ہوئی امی کے پاس جاتی اور اپنی تکلیف بیان کرتی تو امی انتہائی بے پروا انداز میں بولتیں کہ ''کچھ نہیں ہوا اتنی معمولی سی چوٹ ہے یا زخم ہے چلو بھاگو یہاں سے۔'' یا کبھی میری طبیعت خراب ہوئی تو کہتیں۔ ''کوئی

بڑی بات نہیں ہے سب کو ہی بخار آتا ہے، تم بھی ان شاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' تو امی کا یہ رویہ دیکھ کر میں ان سے بدگمان ہو جایا کرتی تھی مجھے ایسا لگتا تھا کہ انہیں میری کوئی پروا ہی نہیں ہے جب کہ اپنی سہیلیوں کی اماؤں کو میں انتہائی پریشان ہوتا دیکھتی تھی جس کی بناء پر وہ اور ''ہائے اوئی'' کرتی تھیں۔ آج میں سوچتی ہوں کہ امی کے اسی عمل کی بناء پر آج میں معمولی معمولی تکلیفوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی اگر کبھی تھوڑی بہت طبیعت خراب ہو جائے تو میں زیادہ پریشان بھی نہیں ہوتی۔

اگر میں گھر کے کام کاج کے حوالے سے بات کروں تو اس معاملے میں وہ کوئی رعایت برتنے کو تیار نہیں تھیں اگر بگھار کی پیاز تیز ہو جائے یا کوئی اور گڑبڑ ہو جائے تو میری اچھی خاصی کلاس ہو جاتی تھی پیاری بہنو.....! مجھے کھانا پکانے کا بہت شوق ہے اور زیادہ تر وقت میں اسی کام میں صرف کرتی ہوں۔ میں بہت اچھا کھانا پکاتی ہوں خاص طور پر حلیم، چکن پلاؤ، چائنیز وغیرہ وغیرہ جب میرے کھانے کی تعریف ہوتی ہے تو میں سوچتی ہوں کہ بگھار کی پیاز تیز ہو جانے پر یا تیل زیادہ ڈالنے پر امی میری کھنچائی نہ کرتیں تو آج میں کبھی بھی اتنے عمدہ کھانے نہیں پکا سکتی تھی۔ ایک بات میں یہاں ضرور کہنا چاہوں گی کہ بعض مائیں لاڈ پیار میں اپنی بچیوں کو گھر کے کام کاج کے جھمیلے میں نہیں ڈالتیں انہیں خاص طور پر کچن کے کاموں سے دور رکھتی ہیں، انہیں گھریلو امور کے بالکل ٹریننگ نہیں دیتیں ایسا کر کے وہ اپنی بچیوں کے ساتھ ہمدردو محبت نہیں بلکہ بہت بڑا ظلم اور زیادتی کرتی ہیں۔ میں نے اپنے بہت قریب سے ایسی لڑکیوں کو دیکھا جو اپنے سسرال شادی ہو کر آئیں اور جب انہوں نے کچن میں قدم رکھا تو ہر بات سے نابلد اور کام کاج میں کوری ثابت ہوئیں اور جس کی بناء پر انہیں انتہائی سبکی ذخفت اٹھانا پڑی اور لوگوں کی طنزیہ باتوں کو بھی الگ برداشت کرنا پڑا اس معاملے میں، میں اپنی امی کی بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنا یہ ہنر یہ گن ہم تینوں بہنوں کو منتقل کیا جب کہ میری دو بڑی شادی شدہ بہنیں اس حوالے سے اپنی سسرال میں سرخرور ہیں۔

ہر گزرتا دن ہماری عمروں کے ڈھلنے کا سبب بنتا ہے ہم بھی آگے کی جانب بڑھ رہے ہیں اور ہمارے بڑے بڑھاپے کی دہلیز پر جا پہنچے ہیں ہمارے والدین جو پہلے تندرست و توانا اور چاق و چوبند تھے وہ اب گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ کمزور، ناتواں اور ضعیف ہو رہے ہیں بقول میری امی کہ ''وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی مشینری بھی کمزور ہو جاتی ہے اب ہماری بھی جسمانی مشینری کمزور ہوگئی'' یہ حقیقت ہے مگر میں یہ سن کر اداس ہو جاتی ہوں ہر بیٹی کی طرح میں بھی یہ چاہتی ہوں کہ میری ماں ہمیشہ تندرست و سلامت رہے اور ہر طرح کی فکر و پریشانی سے آزاد رہے مگر ہمارے ہاتھ میں سب کچھ نہیں ہوتا۔ امی کی پریشانی ان کی تکلیف مجھے بے تحاشا پریشان کر دیتی ہے ان کی صحت بھی اب پہلے والی نہیں ہے۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں کہ اگر امی کی طبیعت خراب ہو جائے یا انہیں کوئی تکلیف در آئے تو میں بے حد گھبرا جاتی ہوں اسی بناء پر وہ اپنی تکلیف اپنی پریشانی مجھ سے کہنے سے کتراتی ہیں وہ اپنی طبیعت کے حوالے سے بھی بہت سی باتیں چھپا لیتی ہیں بعد میں جب چھپانا ناگزیر ہو جاتا ہے اور مجھے جب معلوم ہوتا ہے تو میں ان سے بہت ناراض ہوتی ہوں ان سے

شکایت کرتی ہوں تو وہ کہتی ہیں کہ ''اچھا میں آئندہ بتا دیا کروں گی'' مگر ہر بار وہ یہ بات بھول کر اپنی طبیعت کی ناسازی ہم سے چھپا لیتی ہیں۔

پیاری بہنو! کبھی کبھی میں یہ سوچتی ہوں کہ ہم ماشاء اللہ پانچ بہن بھائی ہیں ہم سب کے الگ الگ مسئلے الگ الگ معاملے ہیں مجھ سمیت ہر بہن اور بھائی اپنی پریشانیاں اپنی کہانیاں ان سے بیان کرتا ہے وہ سب کی سنتی ہیں اور سب کے لیے یکساں طور پر پریشان اور ہراساں ہو جاتی ہیں۔ کتنی عجیب یہ ماں کی ہستی ہوتی ہے کہ وہ اپنے لیے تو کبھی جیتی نہیں ہے وہ صرف اپنے بچوں کے لیے جیتی ہے ہر لمحہ ہر پل صرف اور صرف اپنے بچوں کی فکر و پریشانی میں گھلتی رہتی ہے اور بالآخر صحت و تندرستی جیسی انمول نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے جب بچہ دنیا میں آ کر پہلا سانس لیتا ہے تو اس وقت سے لے کر اپنی زندگی کی آخری سانس تک صرف اور صرف اپنے بچوں کی ذات کی بھول بھلیوں میں گم رہتی ہے۔

میری امی کی زندگی کا بھی محور و مرکز ہم بہن بھائی ہیں وہ ہمہ وقت ہماری ہی فکروں میں الجھی رہتی ہیں۔ میں امی کو تسلی دینے کی غرض سے کہتی ہوں کہ ''ارے آپ کیوں ٹینشن لیتی ہیں' سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' تو وہ کہتی ہیں کہ.....

''ٹینشن لینا میرے اپنے بس میں تو نہیں ہے یہ تو خود بخود سر پر سوار ہو جاتی ہے۔'' میں نے اپنی امی کو دیکھا کہ وہ نہ صرف ہماری فکر کرتی ہیں' ہمارا بے پناہ خیال رکھتی ہیں بلکہ اسی طرح وہ میری بہن کے بچوں اور بھائی کی بیٹی کے لیے بھی متفکر رہتی ہیں ایک ماں کی طرح انہیں نواسیوں' نواسوں اور پوتی کی فکر لگی رہتی ہے۔ ہم تینوں بہنیں امی کی صحت کو دیکھتے ہوئے آپس میں یہ طے کرتے ہیں کہ اب ہم کوئی پریشانی والی بات ان کے گوش گزار نہیں کریں گے پھر بڑی مشکلوں سے خود پر کنٹرول کر کے ہم دو تین باتیں اگر چھپا بھی لیتے ہیں تو چوتھی بات بالآخر ہم ان کے سامنے کہہ دیتے ہیں دراصل ہمیں ایسا لگتا ہے کہ ان کو بغیر بتائے ہماری پریشانی یا مشکل دور ہوگی ہی نہیں اور بہنو......! ایسا ہی ہوتا ہے ان کو اپنی پریشانی بتا کے ہمارے دل کا بوجھ انتہائی ہلکا ہو جاتا ہے اور پھر جس طرح وہ ہمیں تسلی دیتی ہیں' ہمیں حوصلہ دیتی ہیں یا ہماری پریشانی کا ہمیں حل بتاتی ہیں تو یقین کیجیے کہ پھر وہ پریشانی یا مسئلہ ہونے کے باوجود متفکر یا ملول نہیں کرتا بلکہ ہمارے اندر ایک نئی ہمت و عزم پیدا ہو جاتا ہے۔

بہنو! کبھی کبھی میں یہ سوچتی ہوں کہ جو محبت شفقت ہمارے والدین نے ہمیں دی جس طرح بچپن میں انہوں نے ہمارا خیال رکھا' ہماری حفاظت کی ہماری تربیت کی' ہماری شخصیت کو نکھارا۔ کیا ہم ان کے ان تمام احسانات کا صرف ایک فیصد بھی حق ادا کیا؟ نہیں...... میں سمجھتی ہوں کہ میں نے اپنے امی پاپا کی ویسی خدمت نہیں کی ویسا خیال و احساس نہیں رکھا جس کے والدین مستحق ہوتے ہیں۔ پاپا چار سال کی علالت کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے مگر میں ان کا صرف اس رات کا بھی قرض ادا نہیں کر سکی جب مجھے بخار آ گیا تھا اور رات دو بجے جب میری آنکھ کھلی تو میرے پاپا میرے سرہانے بیٹھے میرا سر دبا رہے تھے اور میں انہیں اپنے پاس دیکھ کر مطمئن ہو کر سو گئی تھی۔ اسی طرح میری امی جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ صرف اور صرف ہماری ذات میں مصروف ہو کر گزارا اور آج تک گزار رہی ہیں' میں نے تو ان کے لیے کچھ بھی نہیں

کیا۔ وہ تو ہم سے خدمت بھی نہیں لیتیں خود اپنے کام کرنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ ہمیں کوئی پریشانی نہ ہو۔ میری وہ امی جنہوں نے ہمیں راتوں کو جاگ جاگ کر پالا ہماری خاطر اپنی نیند اپنے آرام کی قربانیاں دیں وہ میرے بارہا کہنے کے باوجود رات کو کسی چیز کی ضرورت پڑنے پر بھی مجھے نہیں جگاتیں کہ کہیں میری نیند نہ خراب ہوجائے ان کی خدمتوں ان کی محبتوں کا ہم کیسے قرض ادا کرسکتے ہیں۔

میرا امی سے کبھی کبھار کھانے پینے کی چیزوں پر اختلاف ہوجاتا ہے کیوں کہ کچھ اشیا ان کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں منع کی گئی ہیں جب اس بات پر ہماری بحث ہوتی ہے تو امی مجھ سے ناراض ہوجاتی ہیں اور یہاں میں ان سے زچ ہوجاتی ہوں۔ میں کہتی ہوں کہ یہ آپ کے لیے مضر صحت ہے اور اپنی جانب سے انہیں جذباتی طور پر دباؤ میں لاتی ہوں تو پھر وہ میری بات مان جاتی ہیں مگر اس معاملے میں صرف میں ہی ہوں جس کی وہ بات مان لیتی ہیں۔

بہنو! یقیناً آپ سب کی مائیں بھی بالکل میری ماں کی طرح ہوں گی' خود سے بے پروا مگر اولاد کی فکر و پریشانی میں ہر پل گھلنے والی' میرے نزدیک وہ شخص دنیا کا خوش نصیب ترین انسان ہے جس کے حصے میں اپنے والدین کی خدمت آتی ہے اور اپنا یہ فرض یہ ذمہ داری وہ انتہائی خندہ پیشانی سے ادا کرتا ہے ایسے لوگوں کو میں سلام پیش کرتی ہوں جو اپنے والدین یا اگر ان میں سے کوئی ایک حیات ہے ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں' ان کا بڑھاپا سمیٹتے ہیں' میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ ہم سب کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ ہم بھی اپنے والدین کی خدمت کرسکیں۔

امی آج بھی اپنے بچوں کی فکروں میں مبتلا رہتی ہیں انہی کی ذات انہی کی خوشیوں کے لیے ہمہ وقت دعاگو رہتی ہیں۔ میں ان سے بے پناہ محبت کرتی ہوں ان کی صحت کے حوالے سے بھی بہت فکر مند رہتی ہوں کیوں کہ وہ ڈاکٹروں سے ذرا کتراتی ہیں' ڈاکٹر کے پاس تو انہیں بھیجنا جوئے شیر کے مترادف ہوتا ہے اور پھر وہ اپنی اندرونی کیفیت سے بھی ہمیں آگاہ نہیں کرتیں تاکہ ہم پریشان نہ ہوجائیں۔ امی میری زندگی ہیں اگر وہ سارا دن کے لیے کہیں چلی جائیں اور میں ان کو چار پانچ گھنٹے کے بعد نہ دیکھوں تو میں اداس ہونے لگتی ہوں' مجھے وہ بے پناہ یاد آنے لگتی ہیں پھر میں ان کو فون کرکے کہتی ہوں کہ ''بھئی جلدی سے گھر آئیں میں بور ہورہی ہوں'' یہ رشتہ ہوتا ہے ماں اور اولاد کا اٹوٹ و محبت بھرا......

اللہ تعالیٰ میری ماں کو سدا صحت مند و سلامت رکھے اور بہنو! آپ سب کی ماؤں کو بھی ہمیشہ خوش و تندرست رکھے میں اس سلسلے کے توسط سے اپنی ماں کے ساتھ ساتھ آپ سب کی ماؤں کو بھی خراج تحسین پیش کرتی ہوں کیوں کہ ساری مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔

''اے ربّ العزت! ہم سب کو اپنے اپنے والدین کی خدمت و فرماں برداری کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے لیے ہمارے اعمال کو قابل فخر اور ثواب جاریہ کا ذریعہ بنادے اور جس طرح بچپن میں انہوں نے ہم پر رحم کیا تُو بھی ان پر اپنا رحم و کرم نازل کر (آمین)۔

جھل مل ستارے

رابعہ شیخ

شوبز کی دنیا سے تعلق رکھنے والی کومل رضوی نے جہاں مداحوں کو سپر ہٹ گانوں سے محظوظ کیا وہیں اپنی اداکاری کے جوہر دکھانے کے علاوہ میزبانی کے فرائض بھی انجام دیے۔ خوش مزاج

شخصیت کی مالک کومل رضوی کا کہنا ہے کہ ”عورت سب کچھ کرسکتی ہے اور وہ بہت بہادر بھی ہے بس اسے خود پر یقین ہونا چاہیے“۔ کومل سے کی گئی دلچسپ گفتگو آپ کی نذر ہے۔

س: اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں بتائیے؟

کومل: میں نے ابتدائی تعلیم ”امریکن انٹرنیشنل اسکول“ سے حاصل کی جب کہ دو سال انگلینڈ کے ہاسٹل میں بھی گزارے۔

س: گھر والوں کی طرف سے حمایت حاصل رہی؟

کومل: شروع میں امی تھوڑی مخالف رہیں لیکن جب انہوں نے میری لگن اور محنت دیکھی اور لوگوں کی میرے لیے پسندیدگی دیکھی تو انہیں بھی اچھا لگا۔ اب تو مجھے اپنے والدین کی پوری حمایت حاصل ہے۔

س: موسیقی کی تربیت کہاں سے حاصل کی؟

کومل: میں اس معاملے میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے بڑے نامور لوگوں سے سیکھنے کا موقعہ ملا، پاکستان میں اُستاد حامد علی خان، اُستاد ظفر علی خان اور ادریس حسین سے سیکھا جب کہ انڈیا میں اُستاد بنواری لال شرما سے موسیقی کی تربیت حاصل کی۔

س: جب 16 سال کی نوجوان لڑکی نے گانا شروع کیا تو اسے اندازہ تھا کہ وہ کامیابی کی چوٹی سر کرلے گی؟

کومل: نہیں! میں بس گانا چاہتی تھی اور اس فیلڈ میں کامیاب ہونا چاہتی تھی لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ لوگ اتنی محبت دیں گے، میرے کام کو اتنا سراہا جائے گا، آج میں خود کو بہت خوش قسمت سمجھتی ہوں۔

س: آپ نے اداکاری بھی کی، اس طرف آنے کا باقاعدہ ارادہ تھا یا اتفاقاً ایسا ہوا؟

کومل: میں نے صرف تفریح اور نئے تجربے کے لیے ڈرامے میں اداکاری کی لیکن ایک ڈرامہ کرنے کے بعد مجھے بہت مزہ آیا تو میں نے سوچا کہ مزید کام بھی کرنا چاہیے۔

س: آپ نے انڈیا جا کر گانا گایا اور بطور V.J بھی کام کیا یہ تجربہ کیسا رہا؟ یہاں بھی آپ نے میزبانی کی دونوں ممالک میں کیا فرق دیکھا؟

کومل: ہاں دونوں ممالک میں کام کرنے کا انداز تھوڑا مختلف ہے، یہاں لوگ کافی دوستانہ، پُرسکون اور آسان انداز میں کام کرتے ہیں جو بھی

کبھی غیر پیشہ ورانہ بھی لگتا ہے جب کہ انڈیا میں لوگ وقت کی پابندی کا خیال رکھتے ہیں، اپنے کام کو بہت سنجیدگی کے ساتھ پیشہ ورانہ طریقے سے کرتے ہیں، جو کبھی کبھی بہت مشکل بھی لگتا ہے۔ دونوں جگہ کے طریقے اپنے اپنے طور پر بہت عمدہ ہیں لیکن کبھی کبھی کچھ چیزیں بھلی نہیں لگتیں۔

س: پاکستانی فلم ''دی سسٹم'' میں گانا گایا، پلے بیک سنگنگ کا تجربہ کیسا رہا؟ آگے بھی پلے بیک سنگنگ کی طرف قدم بڑھائیں گی؟

کومل: مجھے پلے بیک سنگنگ سے عشق ہے تو یقیناً آئندہ بھی یہ ضرور کرتی رہوں گی۔

س: ڈراموں کی طرح فلم میں بھی اداکاری کے جوہر دکھانے کا کوئی ارادہ؟

کومل: ہاں ضرور، میں بہت جلد پاکستانی فلم میں نظر آؤں گی۔

س: گزشتہ برسوں میں آپ چند برس منظرِ عام سے غائب رہیں اس کی کوئی خاص وجہ؟

کومل: پہلے میں اپنی شادی کی وجہ سے مصروف رہی پھر میرے سسرال والوں کو میرا فیلڈ سے

جڑے رہنا مناسب نہیں لگتا تھا تو ان کی خواہش تھی کہ میں کام نہ کروں۔

س: واپس آکر فیلڈ میں کوئی دقت پیش آئی جب کہ مسابقت بہت بڑھ چکی ہے؟

کومل: شکر ہے خدا کا! مجھے اس نے اتنی عزت عطا کی کہ واپس آنے پر مجھے کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

س: کوک اسٹوڈیو نے جہاں میوزک کو نئے رنگ میں رنگا وہاں گلوکاروں کو بھی الگ الگ انداز میں گانے کا موقع فراہم کیا، اس حوالے سے آپ کیا کہیں گی؟

کومل: میں اس پلیٹ فارم کی بہت عزت وقدر کرتی ہوں، میں خوش قسمت ہوں کہ میں نے کوک اسٹوڈیو میں جو بھی گانا گایا وہ بہت ہٹ رہا اور اس بات کی بھی خوشی ہے کہ مجھے یہاں مختلف انداز اور مختلف زبانوں میں گانے کا موقع ملا۔

س: آپ کو نیشنل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا، کیسا محسوس ہوا؟

کومل: یقیناً یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

س: اندرون ملک سے لے کر بیرون ملک تک کنسرٹ ہوتے رہتے ہیں، اس حوالے سے کوئی دلچسپ واقعہ؟

کومل: کنسرٹ تو ہوتے ہی دلچسپ ہیں، بیرون ملک کنسرٹ کرکے یہ احساس بہت خوب لگتا ہے کہ دوسرے ممالک کے لوگ کتنا پسند کرتے ہیں اور اپنے ملک کے کنسرٹ کی کیا ہی بات ہے لیکن بیرون ملک کے علاوہ مجھے پاکستان پنجاب کا جب ٹور لگا تھا جس میں ایک ماہ میں 30 کالجز کا ٹور کیا تھا اس میں بہت زیادہ مزہ آیا تھا۔

س: آپ کے نزدیک کومل رضوی کون ہے؟
کومل: اس کی شخصیت میں کافی رنگ موجود ہیں، وہ خود کو حالات کے مطابق ڈھالنا جانتی ہے، اس کی شخصیت میں کئی پہلو ہیں، وہ اپنے عقیدے، فیملی اور اصولوں میں سمجھوتا نہیں کرتی۔ وہ ایک باوفا، محبت کرنے والی اور بااعتبار انسان ہے، اس کے علاوہ وہ ایک مقابلہ کرنے والی محنتی لڑکی کے ساتھ ساتھ بہت سست بھی ہے۔

س: اپنے پرستاروں سے کیا کہنا چاہیں گی؟
کومل: میں تمام چاہنے والوں سے بہت محبت کرتی ہوں اور ان سب کا شکریہ کرنا چاہتی ہوں کہ آپ نے مجھے اتنا سراہا اور اتنی محبت دی۔ اسی طرح آپ میرے گانے سنتے رہیں، ڈاؤن لوڈ کرتے رہیں اور مجھے ہمیشہ یاد رکھیں۔

☆......☆......☆......☆

22 دسمبر 1976 کو اس دنیا میں آنکھ کھولنے والی ننھی کومل رضوی دبئی میں پیدا ہوئیں اور پھر انگلینڈ چلی گئیں ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی جب کہ اسکولنگ کے بعد وہ پاکستان آ گئیں۔ جب پہلا گانا (ساتھیا) گایا تب ان کی عمر صرف سولہ سال تھی۔ اس کے بعد 1997 میں کومل نے پہلی مرتبہ اداکاری کے جوہر ڈرامہ ہوائیں میں دکھائے پھر کبھی کبھی، تیسرا پتھر اور سمندر ہے درمیاں جیسے ڈراموں میں اپنے کرداروں سے رنگ بھر دیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی گائیکی کو بھی پورا وقت دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ آئندہ اداکاری کے لیے بہت سوچ سمجھ کر انتخاب کریں گی۔ کومل نے انڈیا جا کر بھی میزبانی اور گلوکاری کی ہے، جو ان کے لیے بہت اچھا تجربہ رہا۔ اس کے علاوہ انہوں نے پاکستان میں بھی کئی پروگرامز ہوسٹ کیے ہیں جن میں ''کراچی نائٹس ود کومل'' ''مارننگ شو'' اور ڈانس ریلائنٹی شو ''نچ لے'' شامل ہیں۔ وہ آنے والے دنوں میں ہمیں ڈراموں کے ساتھ ساتھ پاکستانی فلموں میں بھی نظر آئیں گی۔ کوک اسٹوڈیو میں جس طرح نت نئے انداز میں موسیقی پر طبع آزمائی ہوتی ہے، ایسے ماحول میں نئے انداز میں گانا ہر گلوکار کو اچھا لگتا ہے، ان گلوکاروں میں ایک نام کومل رضوی کا بھی ہے۔ وہ چند برس انڈسٹری سے دور رہی لیکن جب 2011 میں اس میدان میں دوبارہ اتریں تو کوک اسٹوڈیو میں اپنی گائیکی سے پرستاروں کے دل میں پھر سے جگہ بنا لی، انہوں نے ''دانے پہ دانا'' اور ''لمبی جدائی'' جیسے ہمیشہ یاد رہنے والے گانیں گا کر کوک اسٹوڈیو میں چار چاند لگا دیئے۔ اس کے بعد سیزن 7 میں ''وشملے'' جیسا عمدہ گانا اس خوب صورتی سے گایا کہ سننے والے بار بار سنتے ہیں۔

یہ جو اک موڑ آیا ہے

نگہت عبداللہ

"بھئی تمہاری تیاری کہاں تک......؟" شہزاد نے ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور آئینے میں آسیہ پر نظر پڑی تو بات ہونٹوں ہی میں رہ گئی۔ کتنی دیر تک مبہوت کھڑا رہا۔ اس کی خواہش کے مطابق وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی اور اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ وہ نظریں ہٹانا ہی بھول گیا تھا۔

"واؤ......!" بڑی دیر بعد اس کے ہونٹوں سے آواز نکلی' پھر آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں نے تمہیں تیار ہونے کے لیے کہا تھا' یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم میرے قتل کے سارے سامان کر ڈالو۔"

"کیا میں اچھی لگ رہی ہوں؟" وہ خود کو آئینے میں دیکھنے لگی۔

"صرف اچھی' میری جان میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت اس روئے زمین پر تم سا حسین کوئی اور نہیں۔"

"اچھا......" اس کی ہنسی نے جلترنگ بجائے پھر سر کو ذرا سا خم دے کر بولی۔

"آپ کا حسن نظر ہے ورنہ......"

"اوں ہوں...... میری نظروں میں بھی تمہارا ہی حسن ہے۔"

"اچھی بات ہے' وہ اپنے کندھے پر رکھے اس کے ہاتھ کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی تو پوچھنے لگی۔

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"پروگرام میں نے صبح ہی تمہیں بتا دیا تھا اور اس میں کوئی ترمیم یا اضافہ نہیں ہے۔"

"اچھا......" وہ جانے کیا سوچنے لگی۔

"کیا تمہیں میرا پروگرام پسند نہیں آیا؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"یہ بات نہیں۔"

"پھر......"

"بس میں یہ چاہ رہی تھی کہ شادی کی پہلی سال گرہ ہے اسے ہم گھر پر ہی ارینج کر لیتے۔"

"کوئی بات نہیں' اگلی بار ہم ایسا کریں گے۔ آج تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اور میں ہوں بس۔"

"آپ بھول رہے ہیں جناب' دو ماہ پہلے ہمارے درمیان ننھی منی رابعہ آچکی ہے۔ اب صرف میں اور آپ نہیں۔"

"ہاں۔" بے حد سرشار ہو کر اس نے گہری سانس لی پھر اس کے ہاتھ تھام کر بولا۔ "میں رابعہ کو نہیں بھولا' وہ تو ہمارے درمیان محبت کی ایک اور حسین کڑی ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"آپا کے پاس' اسے بھی ساتھ لے چلیں۔"

"اوں ہوں' ابھی بہت چھوٹی ہے' جب بھاگنے دوڑنے والی ہوگی تب ہر پل اسے ساتھ رکھیں گے۔" پھر گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب چلو ناں باقی باتیں راستے میں کر لینا۔"

"آپ چلیں' میں رابی کو دیکھ کر آتی ہوں۔" وہ تیز قدموں سے اپنے بیڈ روم سے ملحقہ کمرے میں آئی' کاٹ میں سوئی بچی کو جھک کر پیار کیا پھر اس کی آپا کو کچھ ہدایات دے کر باہر آئی تو وہ گاڑی کے پاس کھڑا تھا' اسے دیکھتے ہی اس کے لیے دروازہ کھولا اور جب وہ بیٹھ گئی تو دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"پتہ ہے شہزاد......" وہ سامنے شفاف راستے پر نظریں جما کر بولی۔ "کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں' پرسکون' پرآسائش اور محبتوں سے لبریز زندگی کا حسین اور دل فریب خواب۔"

''اس خواب میں کہیں میں بھی ہوں؟'' اس نے پوچھا اور اسے دیکھا' اس کی آنکھوں میں بڑے خوب صورت رنگ اترے ہوئے تھے۔

''آپ' صرف آپ ہی آپ ہیں' باقی ساری باتیں تو آپ کی مرہون منت ہیں۔''

''اچھا......'' وہ ذرا سا ہنسا۔ ''میری جان یہ حقیقت ہے' تمہیں اس پر خواب کا گمان کیوں ہوتا ہے۔''

''شاید اس لیے کہ......'' وہ قصداً خاموش ہوئی اور وہ بھی جانتا تھا کہ گزشتہ زندگی کی تلخیوں نے اسے کبھی اچھے خوابوں کی جھلک بھی نہیں دکھائی ہوگی' اس وقت بھی ان دنوں کے تصور نے اسے خاموش کردیا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی بات کو یاد کر کے وہ اس وقت آزردہ ہو' جبھی اس کی بات کو مزاح کا رنگ دے کر چھیڑنے کے انداز میں بولا۔

''شاید اس لیے کہ تمہیں میری محبت پر اعتبار نہیں۔''

''نہیں شہزاد۔'' وہ فوراً بولی۔ ''آپ کی محبت نے تو مجھے زندگی سے پیار کرنا سکھایا ہے' یہ اعتبار ہی تو ہے جو میری امنگیں اور آرزوئیں برسوں تک پھیل گئی ہیں' پتہ ہے میں بہت دور تک سوچنے لگی ہوں۔''

''کتنی دور تک؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اب میں کیا بتاؤں؟'' وہ اپنی سوچ پر خود ہی محظوظ ہو کر بولی۔ ''ابھی تو رابی صرف دو ماہ کی ہے اور میں اس کے بچوں کو اپنے آنگن میں کھیلتے ہوئے سوچتی ہوں' ذرا آپ تصور کریں تو کتنا اچھا لگے گا جب......''

''کم آن یار' پہلے ہمارے بچوں کی ٹیم تو مکمل ہو جائے پھر رابی کے بچوں کا تصور کریں گے۔'' پھر اس پر ایک شرارت بھری نظر ڈال کر بولا۔ ''تمہارے خیال میں کتنے بچے ہونے چاہئیں؟''

''پتہ نہیں۔'' وہ اس کی شرارت سے لجا گئی۔

''مجھے پتہ ہے۔''

''بس رہنے دیں۔''

''اچھا دیکھو' ہم یہاں ڈنر کریں گے۔'' وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے پارکنگ میں گاڑی روکتے ہوئے بولا۔ ''اور ڈنر کے دوران' ہم صرف اپنی باتیں کریں گے' سمجھی تم۔''

''ابھی بھی' ہم اپنی ہی باتیں کر رہے تھے۔''

''اپنی باتوں سے مراد صرف پیار محبت کی باتیں۔''

''اچھا۔'' وہ ہنستے ہوئے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی پھر شہزاد نے آ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا۔

کبھی بلکہ سال بھر پہلے تک وہ اپنی زندگی اور اپنی قسمت سے بہت شاکی تھی' یہاں تک سوچتی کہ آخر وہ پیدا کیوں ہوئی یا پھر اب تک زندہ کیوں ہے' اماں کے ساتھ ہی کیوں نہ مرگئی' پانچ سال کی تھی جب اماں کا انتقال ہوا اور پھر دو ماہ بعد ہی ابا نے دوسری شادی کرلی۔ نئی آنے والی نے اول روز ہی اسے ایسی نظروں سے دیکھا تھا کہ وہ سہم کر رہ گئی تھی۔ یوں کہ کبھی زندگی میں اس کے سامنے نظر اٹھا کر بات نہیں کرسکی تھی۔ اس کے باوجود سوتیلی ماں ہر آئے گئے کے سامنے اسے بدتمیز اور بدلحاظ ثابت کرتی رہتیں۔ ابا تک کو اس سے متنفر کردیا تھا اور اپنے بچوں سے الگ بات بے بات اس کی بے عزتی کروایا کرتی۔ ایسے حالات میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کی زندگی میں اچھے دن بھی آسکتے ہیں لیکن اوپر والے کو شاید اس کا صبر پسند آیا تھا جس کا انعام شہزاد کی صورت میں عطا کیا تھا۔

❁......❁❁❁......❁

شہزاد چار سال مڈل ایسٹ میں رہنے کے بعد ابھی حال ہی میں پاکستان آیا تھا' اس کے والدین حیات نہیں تھے' بس ایک بڑے بھائی' ان کی بیوی' اور دو بچے تھے۔ مڈل ایسٹ جانے سے پہلے شہزاد اپنے بھائی جان کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ درحقیقت وہ اپنے بھائی بھابی بیگم کو والدین کا درجہ دیتا تھا۔

مڈل ایسٹ سے واپسی پر بھی وہ بھائی جان کے پاس آیا' انہی کے ساتھ رہا' اور اتنا زرمبادلہ لے کر آیا تھا کہ اس کے خیال میں بھائی جان کے ساتھ مل کر کاروبار کرسکتا ہے اس سلسلے میں جب اس نے بھائی جان سے بات کی تو انہیں کوئی اعتراض تو نہیں تھا لیکن فوراً راضی بھی نہیں

ہوئے' شاید اس لیے کہ ان کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کاروبار میں لگا سکتے' ویسے بھی وہ ایک تو تنخواہ دار ملازم تھے' دوسرے ان کا بڑا بیٹا پیدائشی معذور تھا' جس کے علاج معالجے پر ان کی ساری جمع پونجی خرچ ہوجاتی اور ہوسکتا ہے انہیں یہ خیال بھی ہو کہ بڑے بھائی ہونے کے ناطے انہوں نے شہزاد کے لیے کچھ نہیں کیا کیونکہ جب ان کے والد کا انتقال ہوا' اس وقت شہزاد انٹر میں تھا اور والد کے انتقال کے بعد اس نے اپنا بوجھ بھائی پر ڈالنے کے بجائے ایک جگہ پارٹ ٹائم جاب کی اور ٹیوشن وغیرہ بھی پڑھائیں اور مڈل ایسٹ بھی وہ اپنی ذاتی کاوشوں سے ہی گیا تھا۔

بہرحال آج وہ جس مقام پر بھی تھا' اپنی محنت اور جدوجہد سے ہی پہنچا تھا۔ اس کے باوجود خود اسے یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ اس کے بڑے بھائی نے اس کے لیے کچھ نہیں کیا' بلکہ وہ ان کے محدود وسائل اور بڑھتے ہوئے مسائل کو اچھی طرح سمجھتا تھا اگر اسے ذرا سا بھی شبہ ہوجاتا کہ بھائی جان رقم نہ ہونے کے سبب اس کے ساتھ کاروبار میں شریک ہونے سے کترا رہے ہیں تو وہ انہیں یقین دلاتا کہ اس کے پاس جو کچھ ہے انہی کا ہے لیکن وہ یہ سمجھتا رہا کہ وہ اپنے بیٹے ابرار کی بیماری کے باعث پریشان اور ذہنی طور پر الجھے ہوئے ہیں جبھی اس کا ساتھ نہیں دے پا رہے' تب وہ خود ہی کاروبار سیٹ کرنے میں لگ گیا اور اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اس طرف سے مطمئن ہوتے ہی وہ نہ صرف بھائی جان کو زبردستی اپنے ساتھ شامل کرے گا بلکہ ابرار کو علاج کے لیے بھی باہر لے جائے گا۔ اور جب وہ کاروبار کی طرف سے مطمئن ہوا تو آسیہ کی ایک جھلک نے چین وقرار لوٹ لیا' وقتی طور پر آئندہ کے لیے ترتیب دیئے ہوئے سارے پروگرام کہیں پس منظر میں چلے گئے' بس ایک ہی لگن تھی کہ آسیہ اس کی زندگی میں شامل ہوجائے اور اس کے لیے اسے بھابی بیگم سے بات کرنی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ گزشتہ کئی روز سے وہ دیکھ رہا تھا کہ بھابی بیگم ہر دوسرے دن اپنی بہن کو بلا لیتیں' خصوصاً اس وقت جب وہ گھر پر ہوتا ہے اور بھابی بیگم کی بہن نجمہ بہانے بہانے سے اس کے سامنے آتی' کبھی اس کا کوئی کام کرنے لگتی ہے اور وہ نادان نہیں تھا۔ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ بھابی بیگم کیا چاہ رہی ہیں' ایسی صورت حال میں اسے فوراً بھابی بیگم سے بات کرنا مناسب نہیں لگا کیونکہ وہ ان کا بہت احترام کرتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس کی کوئی بات یا عمل انہیں رنجیدہ کرے یہ بھی حقیقت تھی کہ اگر وہ آسیہ کی ایک جھلک دیکھ کر اس کا اسیر نہ ہوگیا ہوتا تو بخوشی بھابی بیگم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے نجمہ سے شادی کرلیتا' لیکن دل تو پھر دل ہے جتنا سمجھایا اتنا ہی مچلا۔

پھر انہی دنوں ابرار اور رخشندہ کے بعد فرخندہ پیدا ہوئی تو بھابی بیگم کو نجمہ کو اپنے پاس رکھنے کا بہانہ مل گیا۔ بھائی جان بھی اٹھتے بیٹھتے نجمہ کی تعریف کرنے لگے تو اس کے لیے اور مشکل ہوگئی' ادھر دل تھا کہ صرف آسیہ کا طلب گار اور زیادہ انتظار کرنے کو بھی تیار نہیں تھا۔ شاید یہ خوف تھا کہ ایسا نہ ہو وہ وقت کا انتظار کرتا رہ جائے اور وہ کسی اور کی ہوجائے' بس اسی خیال کے تحت پہلے اس نے خود ہی آسیہ کے والد سے راہ ورسم بڑھائے' انہی کی زبانی اسے ان کے گھر کے حالات معلوم ہوئے اور وہ آسیہ کے بارے میں بھی جان گیا کہ سوتیلے رشتوں کے درمیان وہ کیسی زندگی گزار رہی ہے۔ تب محبت کے ساتھ ہمدردی کے جذبات بھی پیدا ہوگئے تھے اور وہ جلد سے جلد اسے اس گھر سے نکالنے کی سوچنے لگا اور جس روز بھابی بیگم نے اس کی شادی کا ذکر چھیڑا' اس نے ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر آسیہ کا نام لے دیا' گو کہ بھابی بیگم حیران بھی ہوئیں اور انہیں شاک بھی لگا لیکن وہ چالاک عورت تھیں' جانتی تھیں کہ مخالفت کی صورت میں دیور سے ہاتھ دھونے پڑیں گے جو اپنا بزنس سیٹ کرکے اس مقام تک پہنچ چکا تھا کہ چار لوگوں میں بیٹھ کر فخریہ اس کا نام لے کر اس سے رشتہ داری جتائی جاتی پھر وہ تو خاصا فرماں بردار اور خیال رکھنے والا بھی تھا اور بھابی بیگم کسی صورت

اس سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتی تھیں۔

اس لیے بظاہر اس کی خوشی میں خوش بلکہ پیش پیش رہیں اور آسیہ کو اپنے ہاتھوں سے بیاہ لائیں' شہزاد بے انتہا خوش تھا کہ اسے اس کی منزل مل گئی تھی' جبکہ آسیہ تقدیر کے یوں اچانک مہربان ہونے پر حیران تھی اور یقیناً وہ محبت کے مفہوم سے ہی ناآشنا تھی کیونکہ اپنی اب تک کی زندگی میں اس نے کسی کو اپنے لیے نرم نہیں دیکھا تھا اور وہ تھا کہ دھیرے دھیرے محبت کا امرت اس کی رگ و پے میں اتار رہا تھا۔

⁂

زندگی اچانک بے پناہ حسین ہوگئی تھی اور قسمت بھی ساتھ دے رہی تھی کہ شادی کے بعد شہزاد مٹی میں ہاتھ ڈالتا تو وہ بھی سونا ہوجاتی اور یہ فطری سی بات تھی کہ اب وہ اپنی کامیابیوں کا سہرا آسیہ کے سر باندھتا' مہینے بھر بعد ہی آسیہ نے اسے خوش خبری سنائی کہ وہ ماں بننے والی ہے تو اس کی خوشیوں میں مزید اضافہ ہوگیا اور اس مقام پر بھابی بیگم کی سوچ بھی فطری سی تھی کہ اپنا بچہ ہونے کے بعد شہزاد ان کے بچوں سے غافل ہوجائے گا جن کی تمام تر ذمہ داری بھابی بیگم نے بالکل غیر محسوس طریقے سے شہزاد پر ڈال رکھی تھی۔

انہوں نے شروع ہی سے شہزاد کے ساتھ ایک مخصوص رویہ رکھا تھا' یعنی اپنی بڑائی جتاتے ہوئے گھر کے اخراجات یا ضروریات کے لیے اس سے کوئی پیسہ نہیں لیتی تھیں' وہ خواہ کتنے ہی خلوص سے یا کسی بھی بہانے دینے کی کوشش کرتا لیکن ان کا ایک ہی جواب ہوتا تم چھوٹے ہو اور پھر ہم نے تمہارے لیے کیا کیا ہے' جواب لینے بیٹھ جائیں' تمہارے بھائی جان بھی برا مانیں گے' وغیرہ وغیرہ۔ ایک طرح سے اپنی خودداری جتاتیں یا پھر یہ کہ وہ خواہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ بن جائے' ان کے لیے چھوٹا ہی رہے گا' ان کا ایک رخ یہ تھا اور دوسرا خود کو مظلوم ظاہر کرتیں۔

ابرار کی معذوری' اس کے علاج معالجے کا خرچ پھر رخشندہ بھی اسکول جانے کی قابل ہوگئی تھی اور شیر خوار فرخندہ کے لیے بھی بہت کچھ چاہیے تھا اور بھابی بیگم بچوں کی ان ضروریات کے لیے براہ راست اس سے نہیں کہتی تھیں بلکہ جس وقت وہ بھائی جان کے پاس بیٹھا ہوتا خصوصاً اس وقت وہ اپنے میاں سے کہتیں اور ان کا انداز بھی کچھ ایسا ہوتا تھا جیسے اس سے چھپا رہی ہوں' اس لیے ان ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اس کے انداز میں جھجک سی ہوتی کہ بھابی بیگم کی خودداری کو ٹھیس نہ لگے جیسے بھابی بیگم اپنے میاں سے کہتیں۔

ابرار کی دوائیں ختم ہوجاتی تو وہ رات میں بہت خاموشی سے اس کی دوائیں لاکر اس کے سرہانے رکھ دیتا۔ صبح رخشندہ کی فیس جانی ہے اگلے روز وہ پہلا کام اس کی فیس جمع کروانے کا کرتا۔ فرخندہ کا دودھ نہیں ہے اور آفس سے واپسی پر مہینے بھر کے دودھ کے ڈبے اس کے ہاتھوں میں ہوتے۔

''تم سے کس نے کہا تھا یہ سب کرنے کو؟'' بھابی بیگم اس پر بگڑنے لگتیں اور وہ ان سے نظریں ملانے کی ہمت بھی نہیں کرپاتا تھا۔

''بچوں کے لیے تو مت روکیں بھابی بیگم' کیا میں ان کا کچھ نہیں لگتا۔''

''کیوں نہیں' چاچا ہو ان کے۔''

''پھر آپ کیوں منع کرتی ہیں؟''

''بس مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' یہ بھابی بیگم کا انداز تھا کہ ہر حال میں اپنا ہاتھ اوپر رکھنا چاہتی تھیں اور اس میں کامیاب بھی تھیں۔

⁂

آسیہ تین ماہ ان کے ساتھ رہی اور اس عرصے میں کبھی ایک پل کو بھی اسے شبہ نہیں ہوا کہ بھابی بیگم اس کے خلاف دل میں نفرت و کدورت رکھتی ہیں۔ حالانکہ شہزاد نے اسے بتادیا تھا کہ بھابی بیگم اس کی شادی اپنی بہن سے کرنا چاہتی تھیں' اس لحاظ سے ان کا رویہ اس کے ساتھ لیا دیا سا ہونا چاہیے تھا لیکن جس طرح وہ اس کا خیال رکھتی

تھیں اس سے وہ ان کی اعلیٰ ظرفی کی معترف ہوگئی تھیں پھر تین ماہ بعد ہی شہزاد نے شہر کے اچھے علاقے میں بنگلہ خرید لیا تھا۔ وہ اور آسیہ دونوں ہی یہ چاہتے تھے کہ بھائی جان اور بھابی بیگم بھی ان کے ساتھ رہیں اور بھابی بیگم لاکھ دل سے ایسا ہی چاہتی ہوں لیکن اپنا بھرم توڑنے کو ہرگز تیار نہیں ہوئیں تھیں۔

''ہاں کیوں نہیں شہزاد تم اور ہم کوئی الگ تو نہیں ہیں وہ بھی اپنا گھر ہے یہ بھی اپنا ہے یہاں رہیں یا وہاں کیا فرق پڑتا ہے اور پھر اس گھر میں تو اللہ بخشے میرے ساس سسر تھے جو اپنے ہاتھوں سے میری ڈولی اس گھر میں لائے تھے۔ میں اس گھر کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔'' آخر میں انہوں نے پتہ نہیں آسیہ کو جتایا تھا یا کیا تھا کہ وہ دونوں خاموش ہورہے تھے۔

اور پھر نئے گھر میں زندگی اور زیادہ حسین ہوگئی خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتے ہوئے یوں بھی وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلتا' اس کی گزشتہ زندگی کی تلخیوں سے واقفیت کی بنا پر جیسا کہ شہزاد نے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ اب کبھی اسے ایک پل کو بھی افسردہ نہیں ہونے دے گا بلکہ اپنی محبتوں اور چاہتوں کی بارش اس پر یوں برسائے گا کہ تمام عمر وہ اس کی پھوار میں اپنا تن من بھگوتی رہے گی تو ہر طلوع ہوتے دن کے ساتھ اس کی محبتوں میں اضافہ ہوتا رہا اور وہ اتنی بے حساب چاہتوں پر بوکھلا سی جاتی تھی' دامن جو تنگ ہونے لگتا تھا' کبھی وہ دامن پھیلاتی تھی تو کوئی بھیک میں دو میٹھے بول نہیں ڈالتا تھا اور اب ہر بول ہی میٹھا تھا' روح تک کو سیراب کردینے والا۔

پھر ابھی ان کی شادی کو دس مہینے ہی ہوئے تھے کہ رابعہ ان کی خوشیوں میں اضافہ کرنے آ گئی' ماں بن کر آسیہ پر جو نکھار آیا تھا' وہ شہزاد کو دنگ کیے دے رہا تھا۔ پہلے سے زیادہ اس کا گرویدہ ہوگیا اور یوں خیال رکھتا جیسے وہ کوئی کانچ کی گڑیا ہو' اس موقع پر بھابی بیگم خاص طور سے مبارک باد دینے آئیں' یوں بھی ان کا آنا جانا رہتا ہی تھا' ویسے زیادہ تر شہزاد اور آسیہ ہی جاتے تھے اور ابھی تک

شہزاد ان کے بچوں کا اسی طرح خیال رکھتا اور ان کی ضروریات پوری کرتا تھا۔ بلکہ اس کی کوشش یہی تھی کہ بھائی جان نوکری چھوڑ کر اس کے ساتھ شامل ہوجائیں لیکن پتہ نہیں وہ اس بات پر رضامند کیوں نہیں ہوتے تھے۔ بہرحال اس کی کوششیں جاری تھیں اور آسیہ بھی اس کے ساتھ شریک تھی اور آج ان کی شادی کی پہلی سال گرہ تھی' ابھی اندر آتے ہوئے اس نے کہا تھا کہ ڈنر کے دوران ہم صرف اپنی باتیں کریں گے اور اپنی باتیں کرتے ہوئے آپ ہی آپ باتوں کا رخ بھائی جان اور بھابی بیگم کی طرف مڑ گیا' وہ کہنے لگی۔

''ہمیں اپنی اس خوشی میں بھائی جان کی فیملی کو ضرور شریک کرنا چاہیے تھا۔''

''چاہتا تو میں بھی تھا لیکن اس دل کا کیا کروں جو آج اپنے اور تمہارے درمیان کسی تیسرے کی موجودگی برداشت کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوا۔''

''آپ کا دل تو بس۔''

''اوں ہوں......'' وہ ہاتھ اٹھا کر ٹوکتے ہوئے بولا۔

''میرے دل کو کچھ مت کہنا۔''

''کیوں؟''

''اس میں تمہاری محبت کا تاج محل ہے۔''

''ہوگا......'' اس نے اٹھلا کر بے نیازی برتی پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

''دیکھیں ناں اگر بھابی بیگم کو یاد آ گیا کہ آج ہماری شادی کی سال گرہ ہے اور ہم نے انہیں بلایا نہیں تو......''

''وہ خفا نہیں ہوں گی۔'' وہ فوراً بول پڑا۔

''میں جانتی ہوں' وہ خفا نہیں ہوتیں پھر بھی ہمارا فرض تھا کہ ہم ان کے لیے اچھی سی دعوت کا اہتمام کرتے۔''

''کل کرلیں گے لیکن مجھے یقین ہے وہ نہیں آئیں گی۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوکر بولی۔

''اس لیے کہ پرسوں شام میں' میں ان کی طرف گیا تھا اور ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

''آپ نے مجھے نہیں بتایا' کیا ہوا ہے انہیں؟''

''میرا خیال ہے چوتھے بچے کی آمد۔'' وہ جو ان کی طبیعت کی خرابی کا سن کر پریشان ہوگئی تھی' سبب جان کر ذرا مسکرائی اور وہ جو اسے دیکھ رہا تھا شرارت سے بولا۔

''میں بھی سوچ رہا ہوں' اگلے سال کے لیے ماڈل ابھی سے......'' شہزاد اس کے بے ساختہ چیخنے پر خاموش ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ خجل سی ہوگئی۔

''نیور مائنڈ۔'' وہ کندھے اچکا کر بولا۔ ''میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ کوئی تو مجھ سے تمہارے چیخنے کا سبب پوچھے اور میں سچ سچ بتاؤں۔''

''آپ تو بس...... خیر یہ بتائیں اب کیا پروگرام ہے؟''

''آوارہ گردی کریں گے۔'' وہ بڑے آرام سے بولا۔

''میرا خیال ہے آج آپ اپنے آپ میں نہیں ہیں' چلیں اٹھیں بھائی جان کی طرف چلتے ہیں اور ہاں بچوں کے لیے چکن وغیرہ پیک کروالیں۔''

''کل چلیں گے۔''

''نہیں ابھی اور اس کے بعد گھر چلیں گے۔''

''کم آن یار ابھی تو صرف آٹھ بجے ہیں۔''

''تو آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''کچھ نہیں' وہ بچوں کی طرح منہ پھلا کر بولا اور پھر ویٹر کو بلا کر بل پے کرنے کے ساتھ چکن وغیرہ پیک کرنے کے لیے کہا اور جب وہ مطلوبہ چیزوں کے پیکٹ لے کر آیا تو وہ لے کر اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

''روٹھے ہو تم' تم کو کیسے مناؤں پیا۔'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی ہلکے سے گنگنائی تو وہ ہنس پڑا۔

''یونہی ہنستے رہا کریں کیونکہ آپ ہنستے ہوئے اچھے لگتے ہیں۔''

''اور تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''خود پر کبھی غور نہیں کیا۔''

''میں غور کروں؟''

سسپنس تجسس اور سے لبریز ایک ناقابل فراموش کہانی

امجد جاوید کے قلم کا شاہکار ناول

عورت زاد

عورت زاد اس حسینہ کی کہانی جسے اِس ظالم معاشرے نے جنم دیا

عورت زاد اس عورت کا احوال جس نے ظالم معاشرے میں علم بغاوت بلند کیا

عورت زاد آہنی ارادوں والی ریشم بدن کی روداد جس نے وقت کی لگام کو تھام لیا

عورت زاد حالات کی بنائی ہوئی سنگلاخ راہوں پر چلنے والی ایک نازک اندام

عورت زاد آگ و خون سے گذر کر منزل کی طرف گامزن رہنے والی برق صفت دلربا

عورت زاد ایک صنف نازک کی سرگذشت، جو باغی دلوں پر حکومت کرنا جانتی تھی۔

بہت جلد نئے افق کے صفحات پر ملاحظہ کیجئے

نئے افق کے سالانہ خریدار بن کر اپنی کاپی آج ہی محفوظ کرالیں

"جی نہیں' سامنے دیکھ کر گاڑی چلائیں۔ یہاں ویسے ہی ٹریفک بہت زیادہ ہے۔" اس نے فوراً اس کی توجہ خود پر سے ہٹا کر سامنے مبذول کرائی تو وہ بھی سنبھل گیا۔

❁ .... ❁ ❁ ❁ ❁ .... ❁

خلاف معمول بھائی جان کے گھر نسبتاً خاموشی تھی' بچے کھیلتے کودتے ہوئے نظر نہیں آئے تو وہ برآمدے ہی سے ابرار کو اونچی آواز سے پکارتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا تو بھابی بیگم رخشندہ کے سرہانے بیٹھی نظر آئیں۔

"کیا ہوا بھابی بیگم اس قدر خاموشی کیوں ہے؟" وہ انہیں سلام کرنے کے بعد پوچھنے لگا۔

"بخار میں پڑے ہیں سب' پہلے ابرار کو ہوا' شام سے رخشندہ بھی پڑ گئی' آؤ آسیہ کھڑی کیوں ہو' بیٹھو ناں۔" بھابی بیگم اچانک اس کے سجے سراپے پر تنقیدی نظر ڈال کر بولیں۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" وہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"بس ٹھیک ہی ہے۔"

"بھائی جان کہاں ہیں؟"

"بچوں کی دوا وغیرہ لینے گئے ہیں۔ بیٹھو ابھی آتے ہوں گے' چائے پیو گے؟"

"نہیں بھابی' آپ آرام سے بیٹھیں۔" اسی وقت بھائی جان آگئے تو اس کے اشارے پر آسیہ جو کھانے پینے کی اشیاء ساتھ لائی تھی' وہ لے کر کچن میں چلی گئی اور پلیٹوں میں نکال کر لے آئی۔

"یہ سب۔" بھابی بیگم ایک نظر ٹرے پر ڈال کر باری باری دونوں کو دیکھنے لگیں۔

"ابرار شوق سے کھاتا ہے اور میں اسے اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گا۔" وہ ہمیشہ کی طرح سب کر کے بھی شرمندہ نظر آرہا تھا' بھابی بیگم سے نظریں چرا کر ابرار کے پاس جا بیٹھا اور وہ بھائی جان اور بھابی بیگم کو کھانے پر اصرار کرنے لگی پھر اٹھ کر چائے بنانے چلی گئی۔

"رابعہ کو بھی لے آتیں۔" وہ چائے لے کر آئی تو بھابی بیگم نے اس سے کہا۔

"ٹھیک تو ہے نا بچی' ویسے اچھا ہوا اسے لے کر نہیں آئیں' یہاں اب مجھے فرخندہ کی فکر ہو رہی ہے' ایک بیمار ہو تو سب پڑ جاتے ہیں۔"

"اگر آپ کہیں تو ہم فرخندہ کو اپنے ساتھ لے جائیں۔"

"نہیں' تمہارے پاس کہاں رہے گی' میرا مطلب ہے ابھی چھوٹی ہے تنگ کرے گی۔" وہ خاموش ہو کر شہزاد کو دیکھنے لگی۔ وہ بھائی جان سے اپنے بزنس کی باتیں کرتے ہوئے پھر اصرار کر رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ شریک ہو جائیں' اس بار بھائی جان نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ ان کی خاموشی کو نیم رضامندی سمجھ کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں کل فرصت سے آؤں گا پھر بات کریں گے۔"

"چلیں آسیہ۔"

"جی۔" اس نے اجازت طلب نظروں سے بھابی بیگم کو دیکھا پھر باری باری سب بچوں کو پیار کر کے اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

"آخر بھائی جان آپ کی بات مان کیوں نہیں لیتے؟" راستے میں وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"پتہ نہیں' خیر میں انہیں منالوں گا' تم بتاؤ گھر چلیں یا......"

"گھر......گھر......گھر۔"

"اچھی بات ہے اور اب یہ بھی سن لو کہ گھر جا کر میں سب سے پہلا کام کیا کروں گا۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں مجھے پتہ ہے۔" وہ شرمگیں مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر بولی۔

"تمہیں نہیں پتہ۔" اس نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ سامنے تیز روشنیوں کا عکس اس کی آنکھوں میں یوں جھلملا رہا تھا جیسے ایک ساتھ کئی جگنو جل اٹھے ہوں اور وہ بھول گیا کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔

اس کی چاہتوں کی یہ آخری منزل تھی کہ وہ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر اس کا ہاتھ تھام رہا تھا' سگنل پر سرخ بتی

روشن ہو چکی تھی، لیکن اسے خبر نہیں ہوئی تھی اور جب تک وہ اسے خبردار کرتی، وہ اپنے ساتھ اسے بھی زندگی کی حدود سے بہت آگے لے گیا، ایک نئے سفر پر جہاں سے واپسی ممکن نہیں تھی۔

✿ ......❀✿❀...... ✿

ان کے پیچھے رونے والوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی، بھائی جان اور بھابی بیگم یا پھر آسیہ کے والد آئے تھے۔ شہزاد کا حلقہ بھی زیادہ وسیع نہیں تھا۔ چند دوست اور وہ لوگ جو اس کے آفس میں کام کرتے تھے، جواں مرگی پر دکھ تو سبھی کو تھا لیکن جس کے لیے یہ سب سے بڑا دکھ اور سانحہ تھا وہ ابھی صرف دو ماہ کی تھی اور وہ کب جان سکتی تھی کہ اب نہ کبھی اسے ماں کی گود میسر آئے گی، نہ باپ کی شفقت، خود پر گرنے والی اس قیامت سے بے خبر آپا کی گود میں وہ بے خبر سو رہی تھی، اس وقت بھابی بیگم دروازے میں آکر بولیں۔

''آپا بچی کو ڈرائنگ روم میں لے آؤ، اس کے نانا اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔'' آپا نے چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور رابعہ کو گود میں لیے ہوئے ان کے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اسے دیکھتے ہی نانا نے اپنے بازو پھیلا دیئے، آپا بچی کو ان کی گود میں دے کر خود ایک طرف کھڑی ہوگئی۔

''اسے میں لے جاؤں۔'' بچی کو سینے میں بھینچ کر وہ بھائی جان سے پوچھنے لگے اور ان سے پہلے ہی بھابی بیگم بول پڑیں۔

''بالکل بھی نہیں یہ ہماری بچی ہے، ہمارے پاس رہے گی۔'' نانا فوراً کچھ نہیں بولے۔ بچی کو پیار کرنے میں لگ گئے، کبھی اس کی پیشانی چومتے، کبھی گال اور کبھی ہاتھوں کو ہونٹوں اور آنکھوں سے لگاتے پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے بھابی بیگم کی گود میں دیتے ہوئے بولے۔

''یہ یتیم ہی نہیں مسکین بھی ہے، اس کا خیال رکھنا اللہ بڑا اجر دے گا۔''

''ہم سے زیادہ کون خیال رکھے گا۔'' بھائی جان فوراً بول پڑے۔ ''آپ بالکل فکر نہ کریں، یہ میرا اپنا خون ہے۔''

''ہاں میاں، اب تم ہی اس کے باپ ہو۔''

''بے شک اور میں اسے یتیم کا احساس نہیں ہونے دوں گا۔'' بھابی جان نے نانا کو یقین دلا کر رخصت کر دیا تھا۔

✿ ......❀✿❀...... ✿

پھر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ وہ گھر جس کی پیشانی پر شہزاد احمد کا نام جگمگاتا تھا وہاں بہزاد احمد کا نام لکھ دیا گیا جو شہزاد کی زندگی میں اور اس کے بے حد اصرار کے باوجود اس کے بزنس میں شریک نہیں ہوئے تھے، وہ اب بلا شرکت غیرے اس کے مالک بن بیٹھے اور گھر کے اندر سیاہ و سفید کی مالک سلمٰی بیگم تھیں، وہی سلمٰی بیگم جو شہزاد سے لیتے ہوئے بھی اپنا ہاتھ اوپر رکھنے کا فن جانتی تھیں، اور یہی نہیں بلکہ انہیں اپنے جذبات و احساسات چھپانے میں بھی کمال حاصل تھا، جبھی تو نہ کبھی آسیہ جان سکی کہ وہ اس کے خلاف دل میں کتنی نفرت و کدورت رکھتی ہیں اور نہ ہی کبھی شہزاد کو شبہ ہوا، ہوسکتا ہے وہ کبھی نہ کبھی ان کی اصلیت جان لیتے لیکن زندگی نے مہلت ہی نہیں دی اور اب سلمٰی بیگم کے وہ سارے منفی جذبے جو ان دونوں کے لیے تھے، وہ آپ ہی آپ اس ننھی سی جان کی طرف منتقل ہوگئے، جس کے نانا کے سامنے انہوں نے بڑے دھڑلے سے اس کی سرپرستی کا دعویٰ کیا تھا۔

اس گھر میں آتے ہی انہوں نے اپنی گزشتہ زندگی کو خیر باد کہہ دیا تھا، خود ان کے اطوار ایسے تھے کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ کبھی انہوں نے غربت کا مزا بھی چکھا ہوگا۔ بلکہ یوں لگتا تھا جیسے ہمیشہ سے اسی ٹھاٹ باٹ کی عادی ہوں، آٹھ سالہ ابرار جو پیدائشی معذور تھا، اس کے لیے گھر پر ٹیوٹر کا انتظام کر دیا اور چھ سالہ رخشندہ کو سرکاری اسکول سے نکال کر شہر کے بہترین اسکول میں داخل کر دیا، ساتھ ہی فرخندہ کو بھی مونٹیسوری میں ڈال دیا اور وہ جو صحیح معنوں میں اس گھر کی مالک تھی، وہ آپا کے رحم و کرم پر تھی، یہ بھی غنیمت تھا کہ آپا اچھی عورت تھی، نا صرف اس کا بے حد خیال رکھتی

بلکہ اس کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں پر دل ہی دل میں کڑھتی بھی تھی اور وہ اس کے سوا کچھ کر ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ بہرحال ملازمہ تھی اور اچھی طرح جانتی تھی کہ کسی معمولی سی بات پر بھی ملازمت سے نکالی جاسکتی ہے پھر اسے اپنی ملازمت سے زیادہ رابعہ کا خیال تھا کیونکہ ملازمت تو اسے کہیں بھی مل سکتی تھی لیکن وہ رابعہ کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی' جس کا اب اس دنیا میں کوئی نہیں رہا تھا۔

اس کی پیدائش پر ہی شہزاد اسے لے کر آیا تھا اور وہ شہزاد اور آسیہ کے حسن سلوک کو بھولی نہیں تھی' دو ماہ بہت زیادہ نہیں ہوتے لیکن وہ اتنے عرصے میں ہی جان گئی تھی کہ دونوں میاں بیوی کتنے ہمدرد اور خدا ترس ہیں اور ان دونوں کی اپنی بڑے بھائی اور بھاوج کے لیے جو جذبات اور سوچ تھی' اس سے بھی وہ آگاہ تھی جب ہی تو اب ان کا رابعہ کے ساتھ جو رویہ تھا' وہ اسے بے حد دکھ پہنچاتا تھا۔ سلمٰی بیگم دودھ کا ڈبہ خیرات کے سے انداز میں اس کے سامنے ڈالتی تھیں اور ختم ہونے پر باقاعدہ جرح کرتیں کہ اتنی جلدی کیسے ختم ہوگیا اور یہ کہ اسے کم پلایا کرو وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال وقت خواہ کیسا بھی ہو' گزر ہی جاتا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ جو باتیں شروع میں بہت تکلیف دیتی ہیں' رفتہ رفتہ انسان ان کا عادی ہوجاتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہی تکلیف دہ باتیں روزانہ کا معمول لگنے لگتی ہیں۔ آپا بھی شروع میں بہت کڑھتی اور چھپ چھپ کر روتی بھی تھی لیکن پھر ان حالات کی عادی ہوگئی۔

رابعہ ابھی پوری ایک سال کی نہیں ہوئی تھی کہ سلمٰی بیگم کے ہاں چوتھے بچے کی آمد ہوئی اور سلمٰی بیگم جنہیں اولاد نرینہ کی شدید خواہش تھی' گو کہ پہلوٹھی کی اولاد ابرار تھا لیکن اس کی معذوری سے غالباً وہ مایوس تھیں اور اب صحت مند فراز کو پاکر وہ بے حد خوش تھیں اور اس میں اس حد تک مگن کہ اپنی دوسری اولادوں سے قدرے اور رابعہ سے بالکل ہی غافل ہوگئیں اور ان کی یہ غفلت آپا کو بہت غنیمت لگی کیونکہ پہلے تو وہ ہر بات ہر کام میں ٹوکنا اپنا فرض سمجھتی تھیں اور اب یوں ہونے لگا کہ دن میں ایک آدھ بار ہی ان سے سامنا ہوتا اور اس وقت بھی آپا کترا کر نکل جاتی۔

❁.....❁❁❁.....❁

وقت کچھ اور آگے سرکا' رابعہ نے بولنا شروع کیا تو آپا کو اماں کہنے لگی اور وہ جو کہتے ہیں کہ پیدا کرنے والی سے پالنے والی کا حق بھی زیادہ اور محبت بھی تو آپا سچ مچ اس کی اماں بن گئی یوں بھی بچہ صرف محبت کی زبان سمجھتا ہے۔ وہ کسی وقت کھیلتی ہوئی فرخندہ' رخشندہ کی طرف نکل جاتی تو دونوں بہنیں ڈانٹ کر بھگا دیتیں۔

ابرار کا مزاج الگ تھا' غالباً اپنی معذوری کے باعث کچھ چڑچڑا ہوگیا تھا' کبھی اس پر خاموشی کے دورے پڑتے اور کبھی چیخنے چلانے لگتا تھا' گو کہ شکلاً اچھا تھا لیکن سنجیدگی کے ساتھ کچھ ایسی سختی طاری کیے رہتا کہ وہ اسے دیکھ کر ہی سہم جاتی تھی' اسی طرح سلمٰی بیگم سے بھی دور بھاگتی تھی اور ظاہر ہے ایسے حالات میں ایک آپا ہی تھی جن کی آغوش میں سمٹ کر وہ خود کو محفوظ تصور کرتی اور سارا دن بھی انہی کے ساتھ لگی رہتی تھی پھر اسکول جانے کی عمر کو پہنچی تو گھر سے قریب جو اسکول تھا' وہاں سلمٰی بیگم نے اسے داخل کروادیا اور پہلے سلمٰی بیگم کا خیال تھا کہ جیسے ہی وہ اپنے ہاتھ پاؤں والی ہوگی' آپا کی چھٹی کردیں گی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ آپا کو اپنی ماں سمجھنے لگی ہے تو انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔

غالباً ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اس طرح ان کی اولاد کے مقابلے میں وہ ہمیشہ احساس کمتری کا شکار رہے گی اور وہ واقعی احساس کمتری کا شکار رہی۔ اسی گھر میں اب بہزاد احمد بھی تھے جنہوں نے دعوٰی سے کہا تھا کہ وہ ان کا اپنا خون ہے اور یہ کہ وہ اسے کبھی یتیمی کا احساس نہیں ہونے دیں گے تو بڑے آدمی بن کر وہ اس سے تو کیا گھر سے ہی خاصے لاتعلق ہوگئے تھے۔ غالباً اس گھر میں آتے ہی ان کے اور سلمٰی بیگم کے درمیان یہ طے ہوگیا تھا کہ گھر

سے باہر کے معاملات وہ دیکھیں گے اور اندر کی ذمہ داری سلمیٰ بیگم کی ہوگی اور مرد یوں بھی تھوڑا بہت خودغرض ضرور ہوتا ہے یعنی اپنے لیے آسانیاں ڈھونڈتا ہے' خصوصاً گھر کے اندر کے بکھیڑوں سے خود کو دور ہی رکھنا چاہتا ہے اور بہزاد احمد بھی گھریلو معاملات سے یا تو واقعی بے خبر رہتے تھے یا قصداً انجان بنے رہتے تھے۔ ہفتے میں ایک آدھ دن ہی رات کے کھانے پر سب بچوں کے ساتھ شریک ہوتے اور ان میں انہیں رابعہ بھی نظر آجاتی تھی' کبھی موڈ میں ہوتے تو سب کے ساتھ ساتھ اس کا حال احوال بھی پوچھ لیتے ورنہ زیادہ تر خاموش ہی رہتے تھے۔ یونہی وقت کا کارواں اپنے ساتھ کتنے ماہ و سال سمیٹ لے گیا۔

......☆☆☆......

سلمیٰ بیگم ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد آخر میں رخشی کے کمرے میں آئیں تو اسے اطمینان سے لیٹے دیکھ کر خفگی سے بولیں۔

''تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟''

''کیوں...... میرا مطلب ہے کہیں جانا ہے کیا؟''

''انجان مت بنو رخشی' میں نے صبح ہی تمہیں بتایا تھا کہ آج تمہاری نجمہ آنٹی کچھ مہمانوں کے ساتھ آرہی ہیں۔''

''ارے ہاں' آپ نے بتایا تو تھا۔''

''پھر تم تیار کیوں نہیں ہوئیں؟''

''اس لیے کہ میرا مہمانوں کے سامنے جانے کا بالکل موڈ نہیں۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو وہ خاص طور سے تمہیں دیکھنے آرہے ہیں۔'' سلمیٰ بیگم کے تیز لہجے کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اسی اطمینان سے اچھا کہہ کر رہ گئی تب سلمیٰ بیگم نرم پڑتے ہوئے بولیں۔

''دیکھو رخشی اب تم بچی نہیں ہو جو ان باتوں کو سمجھ نہ سکو' نجمہ بہت اچھا پروپوزل لے کر آرہی ہے' تم میرے لیے پریشانی مت کھڑی کرو اور ایک تم ہی نہیں ہو' تمہارے بعد فرحی بھی ہے جو اب دیکھنے میں تم سے بڑی نظر آنے لگی ہے۔''

''تو آپ پہلے اس کی شادی کردیں۔''

''نہیں پہلے میں تمہاری کروں گی' چلو اٹھ کر حلیہ ٹھیک کرو اپنا' میرے پاس فضول بحث کے لیے وقت نہیں ہے۔'' پھر جاتے جاتے بولیں۔ ''اور سنو مہمانوں کے سامنے ذرا خاموش ہی رہنا۔''

''فار گاڈ سیک امی۔'' وہ چیخی۔ ''یعنی اب آپ مجھے ایٹی کیٹس سکھائیں گی۔''

''اسی لیے میں نے خاموش رہنے کے لیے کہا ہے کہ تم بہت جلدی غصے میں آجاتی ہو۔''

''غلط بات پر غصہ نہیں آئے گا کیا؟''

''اچھا چپ رہو' میرا خیال ہے وہ لوگ آگئے ہیں' تم جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔'' سلمیٰ بیگم عجلت میں بات ختم کرکے اس کے کمرے سے نکل آئیں تو سامنے سے نجمہ تیز قدموں سے آرہی تھی' اشارے سے مہمانوں کی آمد کا بتایا اور دونوں بہنیں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئیں پھر اندر موجود خواتین کو دیکھ کر ہی سلمیٰ بیگم خاصی مرعوب ہوئیں' ویسے ان کے بارے میں نجمہ نے پہلے سے ہی انہیں بتادیا تھا کہ ان کی بہ نسبت وہ بہت اونچی فیملی ہے اور وہ اپنی بیٹیوں کے لیے ایسے ہی گھروں کی خواہش مند بھی تھیں۔ اس لیے ان کے سامنے بچھی جارہی تھیں اور ابھی ابتدائی رسمی بات چیت کا مرحلہ ہی طے ہوا تھا کہ ایک کول سی لڑکی وہاں کی صورت حال سے یکسر انجان ہاتھ میں کتاب لیے اندر چلی آئی' مہمان خواتین نے دلچسپی سے اسے دیکھا جبکہ نجمہ اور سلمیٰ بیگم کی تیوریوں پر بل پڑگئے' بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے اٹھا کر کہیں دور پھینک دیں' بہت کوشش سے لہجے پر قابو پاکر سلمیٰ بیگم نے اس سے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟''

''رخشی آپا کہاں ہیں؟'' وہ خود پر اتنی نظریں محسوس کرکے گھبرا سی گئی۔

''اپنے کمرے میں' جاؤ اسے یہاں بھیج دو۔''

''جی۔'' وہ وہیں سے پلٹ گئی تو مہمان خاتون نے اشتیاق سے پوچھا۔
''یہ بھی آپ کی بیٹی ہے؟''
''میری ہی سمجھیں۔'' سلمیٰ بیگم ان کا اشتیاق سمجھتے ہوئے سنبھل کر بولیں۔
''یہ میرے دیور کی بیٹی ہے' اس کی پیدائش کے دو ماہ بعد ہی میرے دیور اور دیورانی ایک حادثے کا شکار ہوگئے پھر ظاہر ہے ہم ہی اس کے ماں باپ بن گئے اور سچ پوچھیں تو یہ مجھے اپنی اولاد سے زیادہ عزیز ہے۔''
''ہاں۔'' نجمہ بیگم ان کی تائید کرتے ہوئے بولیں۔
''ایک پل کے لیے آپا بیگم اسے خود سے جدا نہیں کرسکتیں' ابھی دو ماہ پہلے ہی تو اپنے بیٹے کے ساتھ اس کی منگنی کی ہے' ان کا بس چلے تو فوراً شادی بھی کردیں لیکن......''
''ابھی چھوٹی ہے۔'' سلمیٰ بیگم نے بات اچک لی۔
''ابھی تو میٹرک کا امتحان دے رہی ہے۔ ان شاء اللہ بی اے کرے گی تو پھر شادی کروں گی' جاؤ نجمہ رخشی کو بلاؤ۔''
''جی اچھا۔'' نجمہ فوراً اٹھ کر چلی گئیں اور کچھ دیر بعد رخشی کو ساتھ لے کر آئیں تو دونوں خواتین اس کی طرف متوجہ ہوگئیں' رخشی اچھی صورت شکل کی مالک تھی' دراز قد اور اسمارٹ' رنگ بھی گورا تھا۔ اس کے باوجود اگر اسے رابعہ کے ساتھ کھڑا کیا جاتا تو اس کے حصے میں سرسری نظر ہی آتی تھی اور گو کہ اس وقت رابعہ اس کے ساتھ نہیں تھی لیکن دیکھنے والی آنکھوں نے کچھ دیر پہلے اسے دیکھا تھا' اس لیے اب اس کے حصے میں سرسری نظر ہی آئی' جس میں ناپسندیدگی تو نہیں تھی اور پسندیدگی کا اظہار بھی فوراً نہیں ہوسکا' جبکہ سلمیٰ بیگم چاہ رہی تھیں کہ اسی نشست میں ابتدائی مراحل طے ہوجائیں لیکن وہ خواتین کوئی بھی بات چھیڑے بغیر دوبارہ آنے کا کہہ کر چلی گئیں۔

❁ ...... ❁ ❁ ❁ ...... ❁

''یہ سب اس منحوس رابعہ کی وجہ سے ہوا ہے' ان کے جاتے ہی سلمیٰ بیگم پھٹ پڑیں۔ ''آخر وہ یہاں لینے کیا آئی تھی؟ بلاؤ اس نامراد کو میں پوچھتی ہوں۔''
''دفع کریں۔'' نجمہ کے انداز میں بیزاری تھی۔
''کیسے دفع کروں' اس کی ماں نے تمہارا حق مارا اور یہ......''
''چھوڑیں آپا بیگم میرا حق مار کر کیا پایا اس نے؟ یہ بھی کچھ نہیں پاسکے گی۔'' قدرے توقف کے بعد بولیں۔
''میرا خیال ہے آپ اسے اپنے پاس رکھ کر غلطی کررہی ہیں اگر اس کے نانا کے پاس بھجوادیں تو......''
''نہیں۔'' ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سلمیٰ بیگم بول پڑیں۔ ''اگر اسے نانا کے پاس بھجوانا ہوتا تو اپنے پاس رکھتی ہی کیوں؟''
''کیا مطلب' کیا اسے کسی مقصد کے تحت یہاں رکھا ہے؟''
''مقصد کیا ہونا ہے بے وقوف' کیا تم نہیں جانتیں کہ یہ گھر' روپیہ پیسہ سب اس کے باپ کا تھا اگر یہ کسی اور جگہ رہتی تو لوگ اسے بہکاتے کہ باپ کے بعد وارث اور حق دار تم ہو۔''
''ہاں۔'' نجمہ نے ایک پل میں ساری بات سمجھ کر ہاں کی صورت گہری سانس کھینچی۔ پھر پوچھنے لگی۔
''اسے اپنے ماں باپ کے بارے میں معلوم بھی ہے یا نہیں؟''
''نہیں' وہ آپا کو ہی اپنی ماں سمجھتی ہے۔''
''ہوسکتا ہے آپا نے اسے بتایا ہو یا آپ نے آپا کو منع کیا ہے؟''
''نہیں' مجھے اسے منع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ بے وقوف عورت اس کی محبت اور ہمدردی میں بتانے سے گریز کرتی ہے کہ کہیں اسے دکھ نہ ہو۔'' پھر استہزائیہ انداز میں ہنس کر بولی۔
''ایک بار مجھے سمجھا رہی تھی کہ بی بی! رابعہ کو مت بتائیے گا میں اس کی ماں نہیں ہوں ورنہ بے چاری کو بہت دکھ ہوگا۔''
''اچھا۔'' نجمہ زور سے ہنسی۔ ''تب سے آپ اور بے فکر ہوگئی ہوں گی۔''

"ہاں لیکن اب کی بات کرو یہ خواتین دوبارہ آئیں گی یانہیں۔"

"ضرور آئیں گی۔" نجمہ کے اتنے یقین سے کہنے پر سلمٰی بیگم پرسوچ انداز میں انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

✿......❀✿❀......✿

کمرے کے سامنے بنا چھوٹا سا چوکور برآمدہ شروع ہی سے اس کی پسندیدہ جگہ تھی' جب وہ چھوٹی سی تھی تو یہیں بیٹھ کر کھیلا کرتی تھی' ذرا بڑی ہوئی تو ستون کے پاس کھڑی ہو کر رخشی' فرحی اور فراز کو لان میں کھیلتے اور ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھتی تھی' اور اب جب بھی فارغ ہوتی تو یہیں آ بیٹھتی تھی' ابھی میٹرک کے امتحانوں سے فارغ ہوئی تھی' کچی عمر کچا ذہن اور سوچوں کی پرواز بھی بس اسی حد تک تھی کہ......

"بے چارے ابرار بھائی وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے تھک جاتے ہوں گے' جبھی تو اتنا غصہ کرتے ہیں' پتہ نہیں اللہ میاں نے انہیں ایسا کیوں بنایا ہے۔ رخشی آپا کتنی اچھی لگتی ہیں لیکن پتہ نہیں کیوں مجھے دیکھتے ہی منہ پھیر لیتی ہیں' شاید میں انہیں اچھی نہیں لگتی۔ فرحی باجی تو بس چپ ہی رہتی ہیں۔ اور فراز وہ جھرجھری لیتی' کتنا بدتمیز ہے کسی کا لحاظ نہیں کرتا' تائی جی بھی اس کے سامنے خاموش ہو جاتی ہیں' میں تائی جی سے کہوں گی کہ.....نہیں میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتی وہ تو......!!" رابعہ! اماں کی آواز پر وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

"بیٹا دونوں وقت مل رہے ہیں' آؤ اندر آجاؤ' وہ چپ چاپ اٹھ کر اندر چلی گئی' اماں نماز کے لیے کھڑی ہو رہی تھیں وہ دوسرے دروازے سے ٹی وی لاؤنج میں آئی تو رخشی جانے کس بات پر تائی جی سے الجھتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"آپ چند دنوں کی بات کرتی ہیں' میں چند لمحوں کے لیے بھی ایسی پابندیاں برداشت نہیں کر سکتی' کہیں جاؤ آؤ نہیں' یہ نہ کرو وہ نہ کرو آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ جہاں تمہاری بات چل رہی ہے' میں نہیں جانتی کہ وہ لوگ کس خیال کے ہیں' پتہ نہیں تمہارا آزادانہ گھومنا پھرنا پسند کریں یا نہیں۔" تائی جی نے رسان سے سمجھانا چاہا لیکن وہ چیخ پڑی۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں امی آپ تو کہہ رہی تھیں کہ وہ بہت اونچی فیملی کے ایڈوانس لوگ ہیں پھر کیوں نہیں پسند کریں گے۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو رخشی' ایڈوانس لوگوں کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔"

"بس رہنے دیں' مجھے ان کی قسمیں جاننے کا کوئی شوق نہیں ہے البتہ آپ اچھی طرح جان لیں کہ مجھے بیک ورڈ لوگ بالکل پسند نہیں۔" اسی وقت فراز سیٹی پر کوئی دھن بجاتا ہوا اس طرف آیا اور اسی مگن انداز میں اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ رخشی کی اونچی آواز سن کر رک گیا پھر ایک دم اس کی طرف پلٹ کر بولا۔

"یہ تم کیا ہر وقت چلاتی رہتی ہو' تمہیں بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔"

"تمہیں!" وہ اس پر غرائی۔ "تمہیں تمیز ہے' پورے سات سال چھوٹے ہو مجھ سے۔ کبھی آپا یا باجی کہنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ مخاطب بھی کرتے ہو تم کر کے۔"

"تم میں بڑی بہنوں والی کوئی بات ہو' تب تو آپا' باجی کہوں۔"

"شٹ اپ' میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔"

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو رخشی تم چپ ہو جاؤ۔" تائی جی درمیان میں آ کر بولیں تو رخشی کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

"مجھے نہیں' اسے چپ کرائیں وہ چھوٹا ہے ورنہ میں ابو کے سامنے اس کا سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دوں گی۔"

"کیا ہے میرا کچا چٹھا' ذرا بتاؤ تو۔"

"میں سب جانتی ہوں' کسی بھول میں مت رہنا۔"

"تم بھی کسی بھول میں مت رہنا۔" وہ برابر سے جواب دے کر اپنے کمرے کی طرف پلٹا ہی تھا کہ دو قدم کے فاصلے پر وہ کھڑی نظر آ گئی' اس چیخ و پکار سے خاصی سہمی

ہوئی تھی اور راہ فرار ڈھونڈ رہی تھی کہ وہ جاتے جاتے اس پر دھاڑا۔

''تم یہاں کیا کررہی ہو؟'' اس کے منہ سے آواز نہیں نکلی بس نفی میں سر ہلاسکی۔

''جاؤ اپنا کام کرو تماشا دیکھنے آجاتی ہو۔'' وہ جلدی سے دوبارہ اپنے کمرے میں آگئی اماں نماز کے بعد غالباً کچن میں چلی گئی تھیں وہ ان کے پیچھے جانے کی ہمت نہیں کرسکی اور وہیں بیٹھ گئی اسے گھر کے اندر ہونے والی ایسی لڑائیوں پر بہت دکھ ہوتا تھا گوکہ وہ بچپن سے یہی ماحول دیکھتی آئی تھی اور یہ بھی کہ گھر کے افراد اسے کبھی اپنے ساتھ یا اپنے کسی معاملے میں شریک نہیں کرتے تھے پھر بھی ان کے لڑائی جھگڑے پر وہ یہ سوچ کر الگ نہیں بیٹھ سکتی تھی کہ یہ ان کا معاملہ ہے وہ اسے اپنا سمجھیں نہ سمجھیں لیکن وہ سب کو اپنا سمجھتی تھی رخشی کا اسے دیکھ کر ناگواری سے منہ موڑنا ابرار بھائی کا بات بے بات ڈانٹنا اور فراز کی حد درجہ بدتمیزی بس کچھ دیر کو ہی اسے رلاتی تھی اس کے بعد وہ یہی سوچتی کہ صرف میرے ساتھ ہی تو ان کا رویہ ایسا نہیں ہے ان سب کا آپس میں بھی یہی رویہ ہے اماں کچن سے فارغ ہوکر آئیں تو وہ گم سم بیٹھی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہے میری بیٹی؟'' انہوں نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ کر پوچھا تو وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

''میں سوچ رہی ہوں اماں کہ یہ فراز اتنا بدتمیز کیوں ہے؟''

''تم سے کچھ کہا اس نے؟''

''نہیں وہ رخشی آپا کے ساتھ جھگڑ رہا تھا اماں! رخشی آپا اس سے کتنی بڑی ہیں اور وہ تو مجھ سے بھی چھوٹا ہے۔''

''ہاں لیکن ہم کیا کرسکتے ہیں یہ تو اس کی ماں کو چاہیے کہ اسے سمجھائیں اور اب کیا سمجھے گا شروع ہی سے سر چڑھا رکھا ہے۔''

''آپ کیوں نہیں سمجھاتیں اسے؟'' وہ سادگی سے بولی۔

''میں۔'' اماں افسردگی سے مسکرائیں۔ ''بیٹا میں کون ہوتی ہوں ان کے معاملے میں بولنے والی میری حیثیت ہی کیا ہے؟''

''کیا ہے ہماری حیثیت؟''

''میں اپنی حیثیت کی بات کررہی ہوں تم تو بہت کچھ ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''تم نہیں سمجھوگی اور میں تمہیں سمجھا بھی نہیں سکتی۔'' پھر اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے بات بدلتے ہوئے بولیں۔

''خیر یہ بتاؤ تمہاری پڑھائی ختم ہوگئی کیا؟''

''نہیں تو۔''

''پھر تم اسکول کیوں نہیں جاتیں؟''

''اسکول کی پڑھائی ختم ہوگئی جب رزلٹ آئے گا پھر کالج جاؤں گی۔''

''اچھا چلو اب اٹھو تمہارے تایا جی آگئے ہوں گے کھانا لگادیں۔''

''چلیں۔'' وہ ان کے ساتھ کھڑی ہوئی لیکن پھر ایک دم رک کر بولی۔

''اماں! یہ سارے کام آپ ہی کیوں کرتی ہیں؟''

''بس عادت سی ہوگئی ہے۔'' اماں کہتی ہوئی آگے بڑھ گئیں تو وہ بھی ان کے پیچھے چل دی۔

✿......✿✿✿......✿

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے اس کا رزلٹ آیا وہ فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئی تھی پہلے اماں کے گلے لگ کر انہیں خوش خبری سنائی پھر اخبار ہاتھ میں لیے بھاگتی ہوئی رخشی کے پاس جارہی تھی کہ راستے میں ابرار بھائی نے روک لیا۔

''کیا تمہارے پیچھے کسی نے کتا چھوڑ دیا ہے؟''

''نہیں تو۔''

''پھر اتنی بدحواس ہوکر کیوں بھاگ رہی ہو؟''

''وہ...... یہ......'' وہ ہکلائی اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو

اخباران کے سامنے کردیا۔

"کیا کہیں ایٹم بم گرا ہے؟" وہ اخبار پر سرسری نظر ڈال کر بولے۔

"میرا رزلٹ۔"

"رزلٹ......!" خاصی مضحکہ خیز ہنسی تھی۔ "پاس ہوگئی ہو؟"

"جی۔"

"اچھا۔" وہ چیئر کی بیک سے سر ٹکا کر باقاعدہ اس کا جائزہ لینے لگے تو وہ گھبرا کر بولی۔

"میں جاؤں؟"

"کہاں؟"

"رخشی آپا کے پاس۔"

"کیوں؟" پھر خود ہی بولے۔ "اچھا اسے اپنا رزلٹ دکھاؤ گی' ضرور دکھاؤ لیکن اسے کیا دلچسپی ہوگی بلکہ یہاں کسی کو بھی دلچسپی نہیں ہے۔"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا' بہت خاموشی سے اخباران کے ہاتھ سے لے کر وہیں سے واپس پلٹ آئی اور ہمیشہ وہ بہت تھوڑی دیر کے لیے آزردہ ہوتی تھی لیکن آج صبح سے شام ہوگئی پھر رات لیکن اس کی آزردگی سمٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی اور جب کوئی بات بہت شدت سے محسوس کی جائے تو سوچنے کا انداز بھی قدرے بدل جاتا ہے بلکہ بہت ساری باتیں لاشعور سے نکل کر شعور پر دستک دینے لگتی ہیں۔

"اماں! میں کتنی بڑی تھی جب میرے ابو کا انتقال ہوا؟" شاید پہلے بھی کئی بار اس نے پوچھا تھا لیکن آج اس کا انداز گہری سوچ لیے ہوئے تھا' جیسے اس کے بعد بھی بہت کچھ جاننا چاہتی ہے۔

"تم دو مہینے کی تھیں۔"

"ابو کے بعد آپ تایا جی کے گھر کیوں آگئیں؟ میرا مطلب ہے' کیا کوئی اور نہیں تھا' آپ کے اماں' ابا یا کوئی اور۔" اماں نے چونک کر اسے دیکھا پھر سوچ کر بولیں۔

"تمہارے والد یہیں رہتے تھے' ان کے بعد تمہارے نانا لینے کے لیے آئے تو لیکن......"

"نانا اب کہاں ہیں؟"

"پتہ نہیں۔" اماں کے انداز میں بے بسی تھی۔

"آپ کو نہیں پتہ۔" وہ حیران ہوئی۔

"کیا کرتی پتہ رکھ کے' جب یہیں رہنا تھا۔" اماں کی بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے کیسے مطمئن کریں' بے حد الجھ کر بولیں۔ "پر آج تمہیں نانا کیسے یاد آگئے؟"

"بس یونہی خیال آگیا تھا' کیا آپ کو یاد نہیں آتے؟"

"ہاں۔" اماں خاموش ہوکر کوئی دوسری بات چھیڑنے کی سوچ رہی تھیں کہ ٹی وی لاؤنج سے ابرار بھائی کے چلانے کی آواز آنے لگی۔

"یہ تو ابرار بھائی ہیں۔" وہ ادھر متوجہ ہوگئی۔ "پتہ نہیں کس بات پر چلارہے ہیں۔ میں دیکھوں۔"

"نہیں تم مت جاؤ' خوامخواہ تم پر بھی بگڑے گا' چلو میں لائٹ بند کررہی ہوں سوجاؤ۔" اس کے ساتھ ہی اماں نے لائٹ آف کردی تو اس نے تکیے پر سر رکھ لیا' لیکن نیند کوسوں دور تھی۔

صبح ناشتے پر بھی ابرار بھائی کا موڈ خراب تھا اور جب وہ بولے تب اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ کس بات پر بگڑ رہے ہیں' فراز نے اس کے ساتھ ہی میٹرک کا امتحان دیا تھا اور وہ فیل ہوگیا تھا' ابرار بھائی تایا جی کے سامنے اسے ڈانٹتے ہوئے کہنے لگے۔

"سارا دن آوارہ لڑکوں کے ساتھ پھرتے رہتے ہو' کبھی میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا' یاد رکھو یہ لڑکے کبھی تمہارے کام نہیں آئیں گے جو صبح شام پکارنے چلے آتے ہیں' مجھے تو تمہاری سرگرمیاں بھی مشکوک لگتی ہیں اور حیرت ہے کہ کسی کو اس گھر میں پرواہ ہی نہیں۔" پھر اچانک اس کی طرف رخ موڑ کر اس پر برس پڑے۔

"اور رابعہ' تم یہ مت سمجھنا کہ میٹرک کرلیا ہے تو پڑھائی ختم' اب آرام سے گھر بیٹھ جاؤ گی۔ کون سے کالج میں داخلہ لوگی۔"

"جی۔" وہ ٹپٹا کر دیکھنے لگی۔
"کون سے کالج میں جاؤ گی؟" ان کے دھاڑنے پر وہ بری طرح سہم گئی۔
یہی بات وہ آرام سے بھی کہہ سکتے تھے لیکن شاید انہیں چیخ کر بات کرنے کی عادت تھی' تب تائی جی کو پتہ نہیں اس کی حالت پر رحم آیا یا اس خیال سے کہ کہیں وہ دوبارہ فراز کی طرف متوجہ نہ ہوجائیں' کہنے لگیں۔
"ابھی تو کل ہی رزلٹ آیا ہے' مارکس شیٹ آجائے پھر رخشی کے ساتھ چلی جانا۔"
"ہاں' میں تمہیں داخل کرا آؤں گی۔" رخشی نے بھی گویا احسان کیا۔
"تم خود بھی کچھ کرنا سیکھو' کب تک دوسروں کی انگلی پکڑ کر چلو گی۔" اب کے ابرار بھائی نے ذرا نرمی سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے اٹھ آئی۔
یہ بھی غنیمت تھا کہ ابرار بھائی نے غصے میں ہی سہی بات چھیڑ دی تھی۔ ورنہ اسے خود سے کہنے میں بہت دن لگتے اور ابرار بھائی ایک ہی بار ٹوک کر خاموش نہیں ہوگئے تھے' روزانہ سب کے سامنے پوچھتے اور جب تک وہ کالج نہیں جانے لگی' انہوں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

ان دنوں تائی جی رخشی کی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں اور رخشی جو شروع ہی سے بہت آزاد خیال رہی تھی' خود پر کسی قسم کی پابندی اس نے کبھی برداشت نہیں کی تھی' وہ اب تائی جی کی منت سماجت کرنے پر کسی حد تک دوستوں سے کٹ کر گھر تو بیٹھ گئی تھی لیکن اس کا زیادہ وقت ٹیلی فون کے ساتھ ہی گزرتا' کم از کم رابعہ نے جب بھی اسے دیکھا' وہ ٹیلی فون پر کسی سے بات کرتی نظر آتی تھی گو کہ رخشی اس سے کبھی سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی پھر بھی اسے جب بھی کوئی بات کہنی ہوتی یا کوئی چیز سمجھنا ہوتا اسی کے پاس آتی تھی حالانکہ اس گھر میں فرحی بھی تھی لیکن جانے کیوں اسے فرحی کی خاموشی سے الجھن ہوتی تھی اور ابرار بھائی کے سامنے خود سے جانے کی تو اس نے کبھی ہمت نہیں کی تھی' اچانک سامنا ہوجاتا یا وہ بلالیتے تب بھی اس کی روح فنا ہوجاتی تھی' اس وقت بھی انہوں نے پتہ نہیں کس کام سے بلایا تھا' وہ بہت ڈرتی ہوئی ان کے کمرے میں آگئی۔
"کیا کررہی تھیں؟" خلاف معمول اور خلاف توقع انہوں نے بڑے آرام سے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔"
"کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہوتا ہے' سمجھی تم۔"
"جی......" اس نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولے۔
"بیٹھ جاؤ۔" وہ حیران ہوتی ہوئی بیٹھ گئی تو وہ پھر بہت خاموشی سے اس کا جائزہ لینے لگے۔
"ابرار بھائی' کوئی کام ہے تو بتایئے۔" وہ ان کی نظروں سے گھبرا کر بولی۔
"نہیں' کوئی کام نہیں۔"
"پھر میں جاؤں؟"
"کہاں؟"
"اماں کچن میں ہیں' ان کا ہاتھ بٹاؤں گی۔" وہ کسی طرح جانا چاہ رہی تھی۔
"پہلے یہ تو سن لو کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟" وہ اپنی چیئر اس کے قریب لے آئے اور اس کی سوالیہ نظروں کو دیکھ کر کہنے لگے۔
"ابھی مجھے شہزاد چچا یعنی تمہارے والد بہت شدت سے یاد آرہے تھے' وہ بہت ہمدرد اور نیک انسان تھے' ہم سب کا بہت خیال رکھتے تھے' مجھ سے کہتے تھے کہ میں بہت جلد تمہیں علاج کے لیے باہر لے جاؤں گا اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ ہوتے تو شاید میں اسی طرح وہیل چیئر پر نہ بیٹھا ہوتا۔"
"آپ کو میرے ابو یاد ہیں؟" وہ حسرت سے پوچھنے لگی۔
"بیوقوف یاد ہیں جبھی تو ان کی بات کررہا ہوں۔ پتہ ہے اس وقت میں آٹھ سال کا تھا اور مجھے ان کی بہت

ساری باتیں یاد ہیں لیکن ان کی شکل ٹھیک سے یاد نہیں' شاید تمہاری طرح بلکہ تم ان کی طرح ہو یا شاید اپنی امی کی طرح۔'' وہ اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے اس میں چچا' چچی کا عکس ڈھونڈ رہے ہوں۔

''لیکن ابرار بھائی' میں اماں سے تو نہیں ملتی۔''

''کون اماں؟'' انہوں نے چونک کر پوچھا۔

''میری اماں۔'' اس کے معصومیت سے کہنے پر انہوں نے گہری سانس لی۔

''ہاں تم ان سے نہیں ملتی' تم ان سے مل بھی کیسے سکتی ہو۔''

''کیوں؟''

''کیوں کا جواب تم خود کھوجو' رابعہ! خود......'' وہ زور دے کر بولے۔ ''تم یہ کیوں سمجھتی ہو کہ جو کچھ تمہاری آنکھیں دیکھتی ہیں اور جو کچھ کان سنتے ہیں' وہی سچ ہے' نہیں کبھی کبھی مجھے تم پر بہت رحم آتا ہے اور کبھی میرا دل چاہتا ہے تمہیں اتنی اذیت دوں کہ تم سسک سسک کر مر جاؤ۔''

''ابرار بھائی!'' اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی اور آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں اتر آئیں' جنہیں دیکھتے ہی وہ ہتھے سے اکھڑ گئے۔

''تم تو یونہی ڈر ڈر کر مر جاؤ گی' دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے۔''

اگر اس میں ہمت ہوتی تو فوراً اٹھ کر بھاگ آتی لیکن اسے اٹھنے میں دیر لگی اور بمشکل تمام خود کو گھسیٹتی ہوئی باہر آئی تو سامنے فرحی کو دیکھ کر بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔

''کیا ہوا؟'' فرحی نے اسے خود سے الگ کرنا چاہا لیکن اس نے اپنے بازوؤں کا حلقہ مزید تنگ کر دیا۔ تب فرحی نے محسوس کیا کہ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

''آؤ یہاں بیٹھو۔'' فرحی اسے ساتھ لگائے ہوئے کمرے میں لے آئی اور اسے بٹھا کر پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا پھر پوچھنے لگی۔

''اب بتاؤ کیا بات ہے؟''

''ابرار بھائی......!'' وہ اسی قدر کہہ سکی اور فرحی سمجھ کر بولی۔

''ابرار بھائی نے ڈانٹا ہے' ان کی تو عادت ہی ہے' تم کیوں گئی تھیں ان کے کمرے میں۔''

''انہوں نے خود بلایا تھا۔''

''یعنی بلا کر ڈانٹا لیکن کس بات پر۔''

''پتہ نہیں' پہلے تو ٹھیک طرح سے بات کر رہے تھے پھر اچانک......''

''ہاں انہیں اچانک ہی غصہ آتا ہے اور تم جانتی تو ہو اور تمہیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ معذوری کی وجہ سے ان کا مزاج ایسا ہے' اس لیے برا نہیں ماننا چاہیے۔'' فرحی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ سادگی سے بولی۔

''میں نے برا نہیں مانا۔''

''پھر؟''

''بس ان کے غصے سے ڈر گئی تھی۔''

''اچھا چلو اب وہ بلائیں بھی تو مت جانا اور ہاں وہ تمہاری کلاسز شروع ہو گئیں؟''

''جی۔''

''پھر تو تمہیں دل لگا کر پڑھنا چاہیے' کسی سبجیکٹ میں مشکل ہو تو مجھ سے پوچھ لینا۔''

''جی۔'' پہلی بار فرحی نے اس سے اتنی دیر تک بات کی تھی' وہ اپنے کمرے میں آ کر بھی حیران ہوتی رہی تھی۔

❀......❀❀❀❀......❀

اسکول میں بھی اس نے زیادہ سہیلیاں نہیں بنائی تھیں' بس ایک فاطمہ سے دوستی تھی اور خیال تھا کالج میں بھی اسی کا ساتھ رہے گا لیکن اپنے والد کی ٹرانسفر کے باعث وہ لاہور چلی گئی اور وہ دوستی کے معاملے میں محتاط تو نہیں تھی' بس اس کے اندر ایک جھجک سی تھی اور حالات کا بخشا ہوا احساس کمتری جو وہ خود سے پہل نہیں کرتی تھی' کالج آتے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا تھا' اور اس عرصے میں چند لڑکیوں سے رسمی بات چیت ہوئی تھی' وہ بھی اگر پہل ان کی طرف سے ہوتی' تب ورنہ وہ الگ

تھلگ ہی بیٹھی رہتی اور ابھی وہ پوری طرح کلاس میں ایڈجسٹ بھی نہیں ہو پائی تھی کہ گھر میں رخشی کی شادی کا ہنگامہ جاگ اٹھا' اماں کے کہنے پر اس نے کالج سے ہفتے بھر کی چھٹی لے لی تھی۔

اسے یوں بھی رخشی اپنی تمام تر کج ادائیوں کے باوجود اچھی لگتی تھی اور جہاں اس کی شادی کی خوشی تھی وہاں اس کے جانے کا افسوس بھی تھا' اس کا دل چاہتا تو وہ سارا وقت اس کے پاس بیٹھی رہی' بہانے سے اس کے کمرے میں جاتی' لیکن وہ اپنی سہیلیوں میں گھری ہوتی اور اسے دیکھتے ہی بھگا دیتی اور اسے بس کچھ دیر کو ہی دکھ ہوتا پھر خود کو بہلا لیتی' بہر حال تائی جی نے اگر رخشی کی شادی بڑے لوگوں میں کی تھی تو انتظام بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر کیا تھا۔ بارات کے استقبال کے لیے وہ چپکے سے فرحی کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی اور بہت خوش تھی لیکن اس مرحلے سے گزر کر اندر آتے ہوئے اس کی ساری خوشی اس وقت رخصت ہوگئی جب اس نے سنا' تائی جی کسی خاتون کے پوچھنے پر اس کے بارے میں کہہ رہی تھیں۔

''یہ میرے دیور کی بیٹی ہے اور میری ہونے والی بہو۔'' اور اس وقت سے اب تک وہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ آخر تائی جی نے کس حساب سے یہ بات کہی' کبھی ابرار بھائی کا خیال آتا' جنہیں دیکھتے ہی اس کی روح فنا ہونے لگتی تھی اور ان کے مزاج سے قطع نظر اس نے سادگی سے سوچا۔

''ابرار بھائی تو معذور ہیں' چل بھی نہیں سکتے پھر بھلا ان کی شادی کیسے ہوسکتی ہے۔'' ان کے بعد فراز کا خیال آیا۔

''فراز تو مجھ سے چھوٹا ہے اور وہ تو کبھی بھی مجھ سے شادی نہیں کرے گا۔'' شاید میں نے غلط سنا تھا' آخر میں اس نے خود کو بہلایا کیونکہ اس کا ذہن کسی طرح بھی اس بات کو قبول نہیں کر رہا تھا کہ ابرار بھائی یا فراز میں سے کوئی اس سے شادی پر تیار ہوگا اور یہ اس کا احساس کمتری ہی تو تھا کہ ایک بار بھی اسے یہ خیال نہیں آیا کہ وہ کیا چاہتی ہے گویا خود اس کے نزدیک بھی اپنی ذات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

❁......❁❁❁......❁

پورے ایک ہفتے بعد کالج آئی تب احساس ہوا کہ اس کی کتنی کلاسز اور کتنے اہم لیکچرز مس ہوگئے ہیں' ایک لڑکی سے نوٹس مانگے تو اس نے اس شرط پر دیئے کہ وہ یہیں اتار کر واپس کردے گی' تب فری پیریڈ میں وہ نوٹس اپنی کاپی پر اتارنے کی غرض سے لائبریری میں آ بیٹھی اور ابھی اس نے لکھنا شروع ہی کیا تھا کہ ایک لڑکی اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''اتنے دنوں سے آ کیوں نہیں آ رہی تھیں؟''

''ہیں۔'' اس نے چونک کر دیکھا' حیران بھی ہوئی کہ کوئی اس کی غیر حاضری کو محسوس بھی کرسکتا ہے۔

''کیا بیمار تھیں؟'' لڑکی نے پھر پوچھا۔

''نہیں میری بہن کی شادی تھی۔''

''اچھا' مبارک ہو' بلایا نہیں۔''

''کیسے بلاتی' میرا مطلب ہے ہماری جان پہچان ہی نہیں تھی۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''یہ تو ہے' خیر جان پہچان میں کیا دیر لگتی ہے' میرا نام افشاں ہے اور تمہاری ہی کلاس میں ہوں۔''

''میں رابعہ ہوں۔''

''کہاں رہتی ہو؟'' افشاں کچھ زیادہ ہی باتونی تھی یا پھر ایک ہی نشست میں اس کے بارے میں سب جان لینا چاہتی تھی۔

''میرا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے' شاید تم نے دیکھا بھی ہو' یہ سڑک جہاں ختم ہوتی ہے' وہاں سے بائیں ہاتھ پر پہلا بنگلہ جس پر بہزاد منزل لکھا ہوا ہے۔'' اس نے بتایا تو افشاں کچھ دیر تک پرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اسی انداز میں بولی۔

''تم بہزاد منزل میں رہتی ہو' وہاں میری ایک کزن بھی ہے۔''

''کون رخشی آپا؟''

''میں نام نہیں جانتی لیکن یہ جانتی ہوں کہ وہ شہزاد انکل کی بیٹی ہے۔'' اس کا چونکنا اور حیران ہونا فطری تھا' یونہی اسے دیکھے گئی تو وہ پوچھنے لگی۔

''تم جانتی ہو اسے' میرا مطلب ہے شہزاد انکل کی بیٹی کو؟''

''ہاں میں ہی ان کی بیٹی ہوں۔''

''اچھا......'' وہ ایک دم خوش ہو کر بولی۔ ''پھر تو تم سے مل کر خوشی ہوئی۔''

''لیکن تم۔''

''بھئی میں تمہاری خالہ زاد ہوں۔''

''خالہ زاد......'' اور اسے یاد آیا' اس نے اماں سے نانا کے بارے میں پوچھا تھا' گہری سانس لے کر بولی۔

''کتنی عجیب بات ہے کہ خالہ زاد ہوتے ہوئے بھی ہم پہلے کبھی نہیں ملے اور اس میں غلطی سراسر تمہاری ہے۔''

''میری کیوں؟''

''اس لیے کہ مجھے تو سرے سے کچھ معلوم ہی نہیں جبکہ تم جانتی تھیں کہ میں بہزاد منزل میں رہتی ہوں پھر بھی کبھی آئیں نہیں۔'' اس نے اپنی فطری سادگی سے الزام اس کے سر رکھ کر توجیح بھی پیش کردی۔

''تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن میں کیا کرسکتی تھی' جب بڑے ہی آپس میں نہیں ملتے۔''

''خیر آج تم میرے ساتھ گھر چلنا' اماں تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔''

''کون اماں...... کیا تم اپنی تائی کو اماں کہتی ہو؟''

''نہیں میں اپنی اماں کی بات کررہی ہوں' میری اماں۔''

''لیکن......'' افشاں کچھ کہتے کہتے رہ گئی' اس لیے نہیں کہ اسے کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی بلکہ اسے اپنی معلومات پر شبہ ہوا کہ شاید وہ ٹھیک طرح سے نہیں جانتی اور ایسا نہ ہو کوئی غلط بات منہ سے نکل جائے۔

''کیا کہہ رہی تھیں تم؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ پہلے تم میرے ساتھ چلو' نانا تمہیں دیکھ کر خوش ہوجائیں گے۔'' اس نے فوراً بات سنبھالی۔

''ٹھیک ہے' میں چلوں گی۔'' وہ تیار ہوگئی۔

''پہلے میں یہ نوٹس اتارلوں کیونکہ کاپی ابھی اس لڑکی کو واپس کرنی ہے۔''

''واپس کردو اور نوٹس مجھ سے لے لینا۔''

''اچھی بات ہے۔'' وہ کاپی اٹھا کر کونے میں بیٹھی لڑکی کو دے آئی پھر افشاں کے ساتھ باہر آ گئی۔

نانا اسے دیکھ کر خوش تو ہوئے پھر سینے سے لگا کر اتنا روئے کہ وہ پریشان ہوگئی۔ ان کا جھریوں زدہ چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولی۔

''آپ روئیں مت نانا۔ میں اماں سے کہوں گی وہ بھی آپ سے ملنے آئیں گی۔''

''میری بچی۔'' نانا نے پھر اسے سینے میں بھینچ لیا۔

''اب تو مجھے ہی تیری ماں کے پاس جانا ہے۔''

''نہیں نانا آپ تو چل بھی نہیں سکتے' میں ابھی اماں کو لے آتی ہوں۔'' نانا نے چونک کر پوچھا۔

''کہاں ہے تیری اماں؟''

''گھر پر ہیں۔'' اس کے اتنے یقین سے کہنے پر کمرے میں سناٹا چھا گیا' تب افشاں کی امی اس کے قریب آتے ہوئے بولیں۔

''شاید تم اپنی تائی کو اماں کہتی ہو ورنہ تمہاری امی اور ابو کا تو ایک ساتھ ہی انتقال ہوگیا تھا۔''

''جی......!'' غیر یقینی اپنی بے خبری کا دکھ اور جانے کیا کچھ تھا' جس نے اس کی زبان گنگ کردی تھی' کبھی خالہ کو دیکھتی' کبھی نانا کو' تب نانا' خالہ کو ٹوکتے ہوئے بولے۔

''تم نے ناحق بچی کو پریشان کیا' جب تایا تائی نے اسے اولاد کی طرح سمجھا تو پھر وہی اس کے ماں باپ ہوئے اور شاید اسی لیے تو انہوں نے اسے کبھی ہم سے ملنے نہیں دیا کہ کہیں ہم اسے بتا نہ دیں۔'' پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"بیٹا! وہی تمہارے ماں باپ ہیں۔" وہ اب بھی بولنے سے قاصر تھی لیکن اس کا ذہن بری طرح الجھ گیا تھا' اسے ابرار بھائی کی بات یاد آئی۔

"تم کیا سمجھتی ہو کہ جو کچھ تمہاری آنکھیں دیکھتی ہیں اور جو کچھ کان سنتے ہیں وہی سچ ہے' نہیں۔"

"تو پھر سچ کیا ہے؟" اس نے نانا کے ہاتھ تھام لیے۔ "مجھے بتایئے نانا میرے امی' ابو کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

"حادثہ! دونوں گاڑی میں جا رہے تھے کہ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور موقع پر ہی دونوں جاں بحق ہو گئے تھے۔"

"میں اس وقت کہاں تھی؟"

"گھر پر آیا کے پاس چھوڑ گئے تھے' وہ اچھی عورت تھی' کیا اب بھی وہیں ہوتی ہے یا؟"

"پتہ نہیں۔" وہ بری طرح ڈسٹرب ہو رہی تھی' اسی وقت افشاں نے آ کر کھانا لگنے کی اطلاع دی تو خالہ اسے اٹھاتے ہوئے بولیں۔

"چلو پہلے کھانا کھالو۔"

"مجھے بھوک نہیں خالہ اور میں اب گھر جاؤں گی۔"

"یہ بھی گھر ہی ہے' آؤ شاباش۔" وہ ان کے اصرار پر دسترخوان پر آ بیٹھی پھر کھانے کے دوران خالہ اسے بتاتی رہیں کہ کئی بار نانا اسے ملنے کے لیے گئے لیکن اس کی تائی جی نے کسی نہ کسی بہانے ٹال دیا' اور اپنے بارے میں کہنے لگیں کہ کیونکہ میں ایک سوتیلی بہن تھی' اس لیے تمہارے پاس آنے کا صرف سوچ سکی کیونکہ میں دیکھ رہی تھی کہ جب سگے نانا کو مایوس لوٹا دیا جاتا ہے تو میرے ساتھ پتہ نہیں کیا سلوک ہو پھر اس سے پوچھنے لگیں۔

"تمہارے ساتھ تو سب ٹھیک ٹھاک ہیں ناں؟"

"جی.....'' وہ اسی قدر کہہ سکی پھر کھانے کے بعد وہ نانا کے پاس بیٹھی تو ان کے ساتھ اپنی امی ابو کی باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا' اس دوران خالہ کے دوسرے بچے بھی اسکول کالج سے آ گئے تھے اور سب ہی غائبانہ طور پر اس سے واقف تھے' اس کے تعارف میں خالہ نے اس قدر کہا تھا کہ یہ تمہاری آسیہ خالہ کی بیٹی ہے اور سب بہت خوش ہو کر اس سے ملے تھے۔

دوپہر ڈھل چکی تھی' جب ایک دم اسے گھر کا خیال آیا اور یہ بھی کہ وہ بتائے بغیر آئی ہے اور اماں پریشان ہو رہی ہوں گی' بس اسی وقت جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ نانا نے دوبارہ آنے کے لیے کہا اور پھر ان کے کہنے پر عبید اسے گھر تک چھوڑنے کے لیے آیا تھا۔

✿......✿✿✿......✿

اس کا خیال تھا صرف اماں ہی اس کے لیے پریشان ہوں گی اور دیر سے آنے پر باز پرس بھی صرف وہی کریں گی لیکن پہلے ہی مرحلے پر ابرار بھائی موجود تھے اور ایسی چبھتی ہوئی نظریں تھیں ان کی کہ اس کے قدم آپ ہی آپ ان کے سامنے رک گئے۔

"کہاں سے آ رہی ہو؟" خاصا جارحانہ لہجہ تھا ان کا کہ وہ کوئی جواب نہیں دے سکی' تب انہوں نے اپنے سوال کو نیا رنگ دیا۔

"اتنی دیر سے کیوں آئی ہو؟"

"دیر ہو گئی۔" وہ بہت آہستہ آواز میں بولی۔

"کہاں دیر ہوئی' اس وقت تک کالج میں تو نہیں بیٹھی رہی ہو گی تم۔"

"میں اپنی دوست کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی تھی۔" اسے یہی جواب سوجھا۔

"کیوں' گھر سے فالتو ہو تم اور کس کی اجازت سے گئی تھیں یا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اب تمہیں کسی اجازت کی ضرورت نہیں رہی جو تمہارا دل چاہے گا' کرتی پھرو گی' بہت بڑی ہو گئی ہو ناں تم' اپنی مرضی کی مالک' جیسے اس گھر کی دوسری لڑکیاں اپنی من مانی کرتی پھرتی ہیں تم بھی ان کے نقش قدم پر چلو گی۔" ابرار بھائی کسی طرح خاموش ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے جبکہ اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع ہو گیا تھا جسے روکنے کی کوشش میں وہ ناکام ہو گئی تو ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسک پڑی۔

"دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے اور یاد رکھنا آئندہ

اگر کالج سے کہیں گئیں تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔" وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی جہاں اماں بے چینی سے یوں ٹہل رہی تھیں جیسے ان کا بس نہ چل رہا ہو کہ اسے ابرار بھائی کے سامنے سے کھینچ کر لے آئیں۔

"اماں......" وہ ان کی گود میں منہ چھپا کر شدت سے رونے لگی۔

"بیٹا غلطی تمہاری ہے، تم بتا کر جاتیں، ہم اتنا پریشان تو نہ ہوتے۔"

"ہم۔" وہ سر اونچا کر کے دیکھنے لگی۔ "کیا ابرار بھائی بھی پریشان تھے؟"

"ہاں جب ہی تو اتنا بگڑ رہا ہے، ایک تو بے چارہ چل نہیں سکتا، کتنی بار کرسی دھکیلتا ہوا گیٹ تک گیا تھا۔" پھر اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔ "کون سی سہیلی کے گھر گئی تھیں؟"

"وہ......" اماں کے چہرے پر نظر پڑی تو وہ کچھ کنفیوژ سی ہوگئی۔ سمجھ میں نہیں آیا انہیں کیسے بتائے کہ وہ نانا کے پاس گئی تھی اور وہاں سے بہت ساری باتیں جان کر آ گئی ہے، یہ حقیقت کہ وہ اس کی ماں نہیں تھیں لیکن ماں جیسی ضرور تھیں، اپنی آغوش کی پناہیں بخش کر اسے ہمیشہ سرد و گرم سے بچایا تھا اور وہ ایک دم سے ان کی نفی کر کے انہیں دکھ نہیں دے سکتی تھی۔

"چلو منہ ہاتھ دھو کر کچھ دیر لیٹ جاؤ، بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" اماں یہی سمجھیں کہ وہ بتانا نہیں چاہتی اس لیے بات بدل دی اور اس نے بھی ان کی بات پر فوراً عمل کر ڈالا۔

❁......❁❁❁......❁

شام میں سو کر اٹھی تو ذہن کافی حد تک پرسکون ہو چکا تھا، طبیعت میں بوجھل پن بھی نہیں تھا بلکہ وہ خود کو کافی حد تک ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی اماں اس وقت کچن میں ہوتی تھیں اور وہ بھی ان کا ہاتھ بٹاتی تھی لیکن اس وقت وہ ان کے پیچھے جانے کے بجائے اپنی من پسند جگہ پر آ بیٹھی اور نانا کی باتوں کو سوچنے لگی۔ درمیان میں کہیں کہیں ذہن بھٹک جاتا۔

"میں کون ہوتی ہوں، میری حیثیت ہی کیا ہے۔" اماں نے کہا تھا اور ان کی بات کو سوچتے ہوئے ابرار بھائی کی بات یاد آ گئی۔

"تم اماں سے نہیں ملتیں، تم ان سے مل بھی کیسے سکتی ہو؟"

"کیوں؟" اس کے پوچھنے پر انہوں نے کہا تھا۔

"کیوں کا جواب تم خود کھوجو رابعہ...... خود۔" اور جواب اس نے کھوج لیا تھا لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس کی اِی کے بارے میں کیوں نہیں بتایا گیا اور بھی کئی باتیں تھیں جو اسرار کے پردوں میں چھپی ہوئی تھیں۔

"مجھے اماں سے پوچھنا پڑے گا، صرف وہی ہیں جو سچ بتائیں گی۔" اس نے خود کلامی کے انداز میں سوچا اور پھر وہاں سے اٹھ کر لان میں چلی آئی۔

❁......❁❁❁......❁
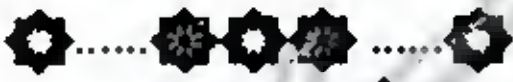
کبھی کبھی درمیانی کیفیات انسان کو بڑا بے بس کر دیتی ہیں، پتہ نہیں اس کے اندر کیسا موسم اترا تھا جو نہ اسے خوش ہونے دے رہا تھا، نہ اداس، یونہی چلتی ہوئی لان کے آخری سرے تک پہنچ گئی، واپس پلٹی تو گیٹ سے فراز کو داخل ہوتے دیکھ کر وہیں رک گئی۔ وہ غالباً اپنے کسی دوست کے ساتھ تھا، بائیک کی آواز آ رہی تھی اور وہ گیٹ پر ہی رک کر اس سے کوئی بات کر رہا تھا۔ وہ اس وقت اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لیے تیز قدموں سے روش پار کر کے لابی میں آئی، پہلا کمرہ ابرار بھائی کا تھا اور وہ بلا ارادہ ان کے کمرے میں داخل ہوگئی، اندر آتے ہی احساس ہوا لیکن وہ دیکھ چکے تھے، اس لیے فوراً واپس نہیں پلٹ سکی۔

"کیا بات ہے؟" شکر ہے وہ دھاڑے نہیں، جبھی اس کے حواس قائم رہے۔ دو قدم اندر آگے بڑھ کر بولی۔

"آئی ایم سوری ابرار بھائی، دوپہر میں آپ کو میری وجہ سے پریشانی ہوئی۔"

"بیٹھ جاؤ۔" جواب میں بیٹھنے کا حکم دیا' وہ فوراً بیٹھ گئی تو کہنے لگے۔

"میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ' مجھے تمہاری قطعی پروا نہیں ہے سمجھی تم۔" اس نے بے حد حیران ہو کر دیکھا تو کہنے لگے۔

"مجھے صرف شہزاد چچا کا خیال آتا ہے' اور میں نہیں چاہتا کہ تم کسی غلط راستے پر چلو۔" اس نے سر جھکا لیا اور سوچ کر بولی۔

"آپ کو صرف ابو کا خیال آتا ہے' امی کا خیال کیوں نہیں آتا' کیا وہ آپ سے محبت نہیں کرتی تھیں۔" وہ چونکے' حیران بھی ہوئے اور پھر اپنے مخصوص انداز میں کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر اس کا جائزہ لینے لگے' پہلی بار وہ نروس نہیں ہوئی اور سر اونچا کر کے براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تو انہوں نے پوچھا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"میں آج اپنے نانا کے پاس گئی تھی' وہیں سے معلوم ہوا کہ میری امی بھی ابو کے ساتھ ہی......" وہ قصداً خاموش ہوگئی۔

"نانا کا پتہ تمہیں کس نے دیا تھا؟"

"اس بات کو چھوڑیں ابرار بھائی' مجھے یہ بتائیں کہ مجھے امی کے بارے میں کیوں نہیں بتایا گیا۔"

"مجھے کیا پتہ؟"

"آپ کو پتہ ہے۔"

"کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں' جا کر اپنی اماں سے پوچھو۔" ان کا موڈ بگڑتے دیر نہیں لگتی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ مزید چیختے چلاتے وہ جلدی سے ان کے کمرے سے نکل آئی۔

......☆☆☆......

کتنے دن گزر گئے' اس کے اندر عجیب سی بے کلی سمائی ہوئی تھی' یہ دکھ بھی تھا کہ جس عورت کی کوکھ سے اس نے جنم لیا' اس سے وہ یکسر لاعلم کیوں رہی' اسے کچھ تو خبر ہوتی تاکہ جس طرح وہ اپنے ابو کو یاد کرتی تھی ان کے ساتھ امی کو بھی یاد رکھتی' اس رات وہ اماں کے برابر لیٹی تو ان کے گلے میں بازو ڈال کر پوچھنے لگی۔

"اماں! آپ نے میری امی کو بھی دیکھا تھا؟" اماں اس اچانک سوال پر حیران ہوئیں۔ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکیں۔

"بتایئے ناں اماں اور اب یہ مت پوچھیے گا کہ مجھے امی کے بارے میں کس نے بتایا' بس مجھے معلوم ہوگیا ہے۔"

"ہاں میں نے اسے دیکھا تھا۔" اماں گہری سانس لے کر بولیں۔ "بڑی خوب صورت تھی وہ' تمہاری طرح بھولی بھالی معصوم سی' ہنستی تھی تو گھنگرو سے بجنے لگتے تھے ایسی پیاری جوڑی بنائی تھی اللہ نے' پتہ نہیں کس کی نظر لگی کہ دونوں ہنستے کھیلتے گھر سے نکلے اور واپس آئے تو خون میں نہائے ہوئے تھے۔"

"پھر......؟" اماں کی خاموشی اسے گراں گزرنے لگی۔ "پھر کیا ہوا تھا اماں؟"

"پھر کیا ہونا تھا' سب کچھ ہی ختم ہوگیا۔" اماں اس وقت کو یاد کرتے ہوئے بولیں۔ "تمہاری پیدائش پر شہزاد مجھے لے کر آئے تھے میں نے بس دو مہینے میں ان دونوں کو دیکھا' ان کے بعد سچ پوچھو تو میرا جی بھی یہاں سے اچاٹ ہوگیا تھا لیکن تمہاری وجہ سے میں یہیں رہ گئی ورنہ جس وقت تمہارے نانا تمہیں لینے آئے تھے اگر تمہارے تایا اور تائی تمہیں ان کے حوالے کر دیتے تو پھر میں بھی یہاں سے چلی جاتی۔"

"تایا جی نے مجھے نانا کے ساتھ کیوں نہیں جانے دیا تھا؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں بیٹا۔" اماں نے پہلے لاعلمی ظاہر کی پھر اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے بولیں۔ "اس وقت میرا خیال تھا کہ شاید بھائی بھاوج کی نشانی کو خود سے جدا نہیں کرنا چاہتے اور پھر تمہارے تایا جی نے کہا بھی تھا کہ تم ان کا خون ہو وہ تمہیں اپنی اولاد کی طرح سمجھیں گے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ

انہوں نے تمہیں اولاد کی طرح تو کیا کبھی یتیم بھتیجی سمجھ کر بھی سر پر ہاتھ نہیں رکھا' بے شک تمہیں سر پر نہ بٹھائیں لیکن تمہیں تمہارے حق سے محروم بھی نہ کریں۔"

"میرا کیا حق ہے اماں؟" وہ آزردگی میں گھر کر بولی۔ "یہی بہت ہے کہ تایا جی نے ہمیں یہاں رہنے دیا اور میرے اخراجات بھی پورے کرتے ہیں۔"

"وہ تمہارے اخراجات پورے کرتے ہیں......!" اماں کے لہجے میں ہلکی سی تلخی اور ہلکا سا طنز تھا پھر اس کے چہرے پر آئے بال سمیٹتے ہوئے بولیں۔

"کوئی تم پر احسان نہیں کر رہا بیٹی' یہ سب تمہارے ماں باپ کا ہے' گھر بھی اور کاروبار بھی۔"

"اچھا......!" وہ ابھی اتنی میچور نہیں ہوئی تھی کہ اس بات کو اپنے مفاد میں سوچتی' یا پھر ماں باپ کی طرف سے ورثے میں ملی ہوئی حد درجہ سادگی تھی جو کہنے لگی۔

"اماں میں تو اس وقت بہت چھوٹی تھی اگر تایا جی یہاں نہ آتے کاروبار نہ سنبھالتے تو کوئی اور......" قدرے توقف سے بولی۔ "اماں آپ کبھی کسی پر جتایئے گا نہیں؟"

"نہیں بیٹا' میں کون ہوتی ہوں۔"

"آپ میری اماں ہیں' بہت اچھی اماں۔" وہ ان کے مہربان اور شفیق سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

......☆☆☆......

ان دنوں اس کے امتحان قریب تھے اور وہ یکسوئی سے پڑھنا چاہتی تھی کہ رخشی نے آ کر سارے گھر کو ڈسٹرب کر دیا' اس کا کہنا تھا کہ وہ دقیانوسی لوگوں کے ساتھ مزید نہیں رہ سکتی اور اتنا عرصہ بھی وہ خود پر جبر کر کے رہی ہے۔ تائی جی اسے سمجھانے کی کوشش کرتیں تو جواب میں وہ چیخ چیخ کر سارا الزام ان کے سر رکھتی کہ انہوں نے صرف یہ دیکھا کہ پیسے والے بڑے لوگ ہیں اور ان کا ماحول دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی جہاں بقول اس کے وہ پابند ہو کے رہ گئی تھی۔

بہرحال گھر کی فضا خاصی مکدر ہوگئی تھی یا تو ایک دم سکوت چھایا رہتا یا پھر جیسے ہر شے بولنے لگتی اور ظاہر ہے کہ وہ بھی وہیں رہتی تھی اور کوئی اسے اپنا سمجھے نہ سمجھے وہ تو سب کو اپنا سمجھتی تھی اور اس کشیدگی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے اسے دکھ ہوتا۔

کبھی تائی جی پر رحم آتا جن کی کوئی اولاد ان کے اختیار میں نہیں تھی اور اس کا دل چاہتا' وہ ایک ایک کے سامنے ہاتھ جوڑ کر منت کرے کہ تائی جی کی پریشانیوں میں اضافہ مت کرو وہ نہیں جانتی تھی کہ ساری پریشانیاں خریدی ہوئی ان کی اپنی ہیں۔ پھر کبھی اسے رخشی آپا پر رحم آتا جو بہت چیخنے چلانے کے بعد کمرے میں بند ہو کر رونا شروع کر دیتی اور کبھی عزیز بھائی کے لیے اس کا دل دکھتا جو صبح شام رخشی کو فون کر رہے تھے اور اس شام وہ خود چلے آئے' اس وقت وہ لان میں کھڑی تھی۔ انہیں دیکھ کر خوش ہوئی اور سوچا کہ وہ رخشی آپا کو ساتھ لے جائیں گے تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا لیکن رخشی کسی طرح بھی ان کے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ عجیب عجیب مطالبے تھے اس کے اور وہ ہر صورت منوانا چاہتی تھی بلکہ اس کے لہجے کا گھمنڈ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ عزیز کو جھکا کر یا اپنی مرضی پر چلا کر رہے گی اور عزیز نے بڑے سکون سے اس کی باتیں سنیں اور کچھ کہے بغیر خاموشی سے چلے گئے' اس کے بعد ایک بار ان کا فون آیا اور بس اسی قدر کہا تھا۔

"سوچ لو رخشی' میں تمہیں سوچنے کو وقت دے رہا ہوں۔" اور رخشی نے ان کی بات کو طنز آمیز ہنسی میں اڑا دیا تھا' شاید اسے یقین تھا کہ عزیز بار بار اس کے در پر آئیں گے اور بالآخر اس کی ہر بات ماننے کا وعدہ کرتے ہوئے ساتھ لے جائیں گے' جبھی وہ نا صرف اطمینان سے تھی بلکہ کسی وقت تائی جی کسی خدشے کا اظہار کرتیں تو وہ بڑے زعم سے کہتی۔

"آپ نے جو کرنا تھا کر لیا' اب یہ میرا معاملہ ہے اسے میں خود نمٹاؤں گی اور آپ دیکھیے گا عزیز کیسے آتے ہیں۔" اور اس کا سارا زعم اس وقت دھرا رہ گیا جب عزیز اسے دیئے ہوئے وقت کے بعد بہت خاموشی سے طلاق

نامہ بھیج دیا' لمحہ بھر کو تو رخشی بھی سناٹے میں آ گئی تھی' ظاہر ہے اس کا یقین اور گھمنڈ ٹوٹا تھا پھر اس سے پہلے کہ تائی جی اسے کچھ کہتیں' وہ یہ کہتی ہوئی اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی کہ......

"میرا ویسے بھی اس شخص کے ساتھ گزارہ مشکل تھا۔"

گھر کی فضا پہلے مکدر ہوگئی تھی اور پراسرار بھی' کوئی کسی سے بات نہیں کرتا تھا' اس لیے نہیں کہ کوئی اپنے کیے پر نادم تھا بلکہ سب ہی کو اندازہ تھا کہ جہاں بات شروع ہوئی' ایک ہنگامہ کھڑا ہوجائے گا اور سب ایک دوسرے کو الزام دیں گے بس ایک ابرار بھائی ہی تھے جو کسی بھی الزام کی پروا کیے بغیر بولتے تھے۔ تایا جی کی موجودگی کا خیال بھی نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں سنا کر کہتے کہ اس گھر میں ہر شخص اپنی من مانی کرتا ہے' کسی کو دوسرے کی پروا نہیں ہے پھر براہ راست رخشی کو مخاطب کرکے کہتے۔

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا رخشندہ بیگم کہ شوہر اور سسرال والوں کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھو گی' دیکھ لیا اس کا انجام' نادان لڑکی' عورت تو پیدا ہی سمجھوتے کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ کبھی اپنے لیے کرتی ہے اور کبھی اپنے گھر والوں کے لیے' تمہیں اگر اپنا خیال نہیں تھا تو فرخندہ اور رابعہ کا خیال کرلیتیں' ابھی ان کی ڈولیاں اٹھنی باقی ہیں' اب جو بھی آئے گا پہلا سوال تمہارے بارے میں کرے گا کہ طلاق کیوں ہوئی' کیا تم ایمان داری سے جواب دے سکو گی؟"

"ہاں۔" ایک دن وہ چیخ پڑی تھی۔ "میں دوں گی جواب' وقت تو آنے دیجیے پھر میں جواب بھی دوں گی۔"

اور یہ اس کی آخری چیخ تھی' اس کے بعد وہ یوں خاموش ہوئی کہ کبھی کبھی شبہ ہونے لگتا کہ کہیں وہ قوت گویائی سے محروم تو نہیں ہوگئی۔ اس کی زندگی میں زبردست تبدیلی آئی تھی کہ وہ جو بہت آزاد خیال اور فیشن کی دل دادہ تھی' اب زیادہ وقت اپنے کمرے میں بند رہتی' باہر نکلتی بھی تو کسی تنہا گوشے میں بیٹھی نظر آتی ہاتھ میں موٹی سی کتاب لیے گرد و پیش سے یکسر بے نیاز۔ رابعہ کو وہ شروع سے اچھی لگتی تھی' اپنی تنک مزاجی کے باوجود شاید اس لیے کہ وہ فرحی کی طرح چپ نہیں رہتی تھی جو دل میں آتا کہہ دیتی تھی اور اب اس کی چپ اور تنہائی پر وہ کڑھتی تھی' یہ جاننے کے باوجود کہ غلطی سراسر اس کی ہے اسے عزیز پر غصہ آتا جنہوں نے فیصلہ کرنے میں جلدی کی تھی۔ بہرحال وقت گزرنے اور ساری حقیقتیں جان لینے اور سب کے رویوں کو سمجھنے کے باوجود اس کے سوچنے کا انداز نہیں بدلا تھا۔

ان دنوں تائی جی فرحی کی شادی کرنے کی فکر میں تھیں' ایک دو اچھے پرپوزل بھی تھے اور جب انہوں نے فرحی سے پوچھا تو وہ لڑکی جو ہمیشہ چپ رہتی تھی اس نے ایک ہنگامہ کھڑا کردیا۔

"فرحی باجی!" وہ فرحی کی اونچی آواز سن کر حیران ہوکر اپنے کمرے سے نکل کر آئی تھی اور پھر اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کے باوجود اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ فرحی ہے جو تائی جی سے کہہ رہی تھی۔

"رخشی کی شادی آپ نے اپنی مرضی سے کی تھی اور اس کا انجام بھی دیکھ لیا' اب یہ کیوں چاہتی ہیں کہ میرا انجام بھی اس جیسا ہو۔"

"یہ اپنی دشمن خود ہے' پوچھ لو اس سے۔" تائی جی نے رخشی کی طرف اشارہ کیا تو اس نے ایک لحظہ کو سر اٹھا کر دیکھا پھر دوبارہ کتاب پر نظریں جمادیں۔

"اور میں اپنی دشمن نہیں ہوں' اس لیے آپ کے فیصلے پر سر نہیں جھکا سکتی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"سیدھی سی بات ہے جن پرپوزلز کے بارے میں آپ کہہ رہی ہیں' وہ مجھے منظور نہیں اور یہ بھی سن لیں کہ میں زبیر سے شادی کروں گی جو میرے ساتھ پڑھتا ہے۔"

"تم......!" تائی جی پتہ نہیں صدمے انتہا پر تھیں یا غصے کی کہ بس اسی قدر کہہ سکیں پھر اسے چھوڑ کر رخشی کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔

"سن رہی ہو رخشی تم' سمجھاؤ اسے۔"

"میں......!" رخشی نے حیران ہو کر اپنی طرف اشارہ کیا پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگی کہ رابعہ کو دیکھ کر رک گئی۔

"یہاں آؤ رابعہ۔" اتنی حلیم وہ کبھی نہیں تھی۔ وہ ڈرتے ڈرتے آگے آئی تو اس کا ہاتھ پکڑ کر تائی جی کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

"امی! رابعہ بھی تو ہے آپ اس کی شادی کردیں۔"

"کیا......؟" تائی جی نے سرتاپا اسے گھورا تو وہ رخشی کے پیچھے ہوگئی۔

"کیوں، کیا آپ کو اس کی شادی نہیں کرنی؟" رخشی کے ٹھہرے ہوئے سنجیدہ لہجے نے تائی جی کو خاموش کردیا۔

قدرے تاخیر سے بولیں۔

"فرحی بڑی ہے پہلے اس کی شادی ہوگی۔"

"ہاں لیکن جب دو پروپوزل ہیں تو دونوں کی ایک ساتھ کردیجیے۔"

"دو پروپوزل کون سے؟" تائی جی انجان بن گئیں۔

"فرحی زبیر کے ساتھ شادی کرے گی اور جو آپ کہہ رہی تھیں وہ......"

"نہیں۔" تائی جی نے فوراً ٹوکا۔ "رابعہ اسی گھر میں رہے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے اس کی شادی ابرار کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" ان کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"لیکن امی......"

"بس میں نے تم سے کوئی مشورہ نہیں مانگا۔ کیوں رابعہ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" انہوں نے براہ راست اس سے پوچھا اور اسے ہمیشہ ان پر رحم آتا تھا کہ ان کی کوئی اولاد ان کے اختیار میں نہیں ہے اور کبھی کبھی اس کا دل چاہتا کہ وہ سب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر منت سے کہے کہ تائی جی کو پریشان مت کرو اور وہی عورت جو اسے مظلوم نظر آتی تھی، انتہائی سنگ دل لگی، اس کا دل دہائیاں دینے لگا، کاش ان کی اولاد کی طرح وہ بھی من مانی کرسکتی لیکن ایک تو اس نے پہلے بھی کبھی ان کی کسی بات سے انکار کی جرأت نہیں کی تھی، دوسرے اس وقت وہ جن نظروں سے دیکھ رہی تھیں، اس سے اس کا رہا سہا حوصلہ بھی جاتا رہا تھا، ایسے میں رخشی کی نرم آواز نے اس کی ذرا سی ڈھارس بندھائی۔

"کہہ دو رابعہ تمہیں اعتراض ہے۔" اس نے حیرت کی وسعتوں میں پرواز کرتے ہوئے رخشی کی طرف دیکھا تو اس نے مزید آنکھوں کے اشارے سے سہارا دیا۔

"تم چپ رہو رخشی، میں رابعہ سے پوچھ رہی ہوں۔" تائی جی کی آواز گونجی اور وہ ساری ہمتیں یکجا کرکے جیسے ہی تائی جی کی طرف پلٹی، ابرار بھائی اپنی چیئر دھکیلتے ہوئے آگئے۔

"کیا شور مچا رکھا ہے، آپ لوگوں کو اور کوئی کام نہیں ہے سوائے چیخنے چلانے کے۔" انہوں نے باری باری سب کو دیکھ کر صورت حال جاننے کی کوشش کی، تب فرحی استہزائیہ قہقہہ لگا کر بولی۔

"اس وقت یہاں بہت اہم مسئلے پر بات ہو رہی ہے ابرار بھائی۔"

"کیا مسئلہ ہے؟" انہوں نے اسی سے پوچھا۔

"امی! آپ سے شادی کے لیے رابعہ سے ہامی بھروا رہی ہیں۔" فرحی نے مزے لے کر بتایا اور بالکل غیر ارادی طور پر انہوں نے فوراً رابعہ کی طرف دیکھا اور پھر فوراً ہی اپنا چہرہ دوسری طرف موڑتے ہوئے وہ جو ایک کرب آمیز کیفیت سے گزرے تھے جانے کیسے وہ اس کے دل میں ترازو ہوگئی۔

بے چارے ابرار بھائی شاید انہیں دکھ ہوا تھا۔ اس نے سوچا اور کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر ان کی طرف کھنچی چلی گئی۔ پیچھے سے آکر ان کی چیئر پر ہاتھ رکھا اور پھر آہستہ سے دھکیلتی ہوئی ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پتہ نہیں پتھر ہوجانے کے خوف سے اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا یا پھر تائی جی کے ہونٹوں پر کھیلتی فاتحانہ

مسکراہٹ وہ بنا دیکھے ہی محسوس کررہی تھی۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اپنے کمرے میں آتے ہی ابرار بھائی نے اس سے کہا تو وہ چپ چاپ ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

''اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے کیا کہہ رہی تھیں امی؟''

''فرحی باجی نے بتایا تو ہے۔'' وہ سر جھکا کر آہستہ آواز میں بولی۔

''میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' گو کہ ان کی آواز دھیمی تھی لیکن لہجہ سخت اور انداز ایسا تھا جیسے اس نے کسی بات کا جواب نہیں دیا تو اس کے منہ پر تھپڑ دے ماریں گے اور ایک بار بچپن میں وہ ان کے تھپڑ کا مزہ چکھ چکی تھی جو اب تک نا صرف اسے یاد تھا بلکہ رونگٹے کھڑے کردیتا تھا' اب بھی ان کا وہی انداز تھا۔ جبھی اس نے فوراً تائی جی کی بات دہرائی۔

''تائی جی پوچھ رہی تھیں کہ مجھے آپ سے شادی پر کوئی اعتراض تو نہیں۔''

''پھر تم نے کیا جواب دیا؟''

''نہیں۔''

''کیا نہیں؟''

''مجھے اعتراض نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں عاجزی سمٹ آئی۔

''کیوں؟'' اس کی بے بسی اور عاجزی محسوس کرنے کے باوجود انہوں نے اپنا انداز نہیں بدلا اور اس کیوں کا جواب تو خود اس کے پاس نہیں تھا۔

''میری بات کا جواب دو۔''

''ابرار بھائی۔'' وہ رونے لگی اور ہاتھوں میں چہرہ چھپانا چاہتی تھی کہ وہ زور سے دھاڑے۔

''خبردار رونا دھونا مچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیدھی طرح میری بات کا جواب دو' آخر تمہیں مجھ سے شادی پر اعتراض کیوں نہیں ہے جبکہ تم یہ جانتی ہو کہ میں تمہیں بے حساب دکھ دوں گا۔'' وہ چپ چاپ انہیں دیکھے گئی' آنکھوں سے ایک تسلسل سے اشک رواں تھے' جنہیں اس نے صاف کرنے کی کوشش نہیں کی' شاید اس لیے کہ دھند کے باوجود ان کا چہرہ واضح اور شفاف نظر آرہا تھا۔

''ابرار بھائی وہ لوگ جو خوشیوں کی آس دے کر دکھ دیتے ہیں' ان سے آپ بہت اچھے ہیں' کم از کم میں یہ سوچ کر آزردہ تو نہیں ہوں گی کہ کبھی آپ نے مجھ سے کوئی دعویٰ کیا تھا یا کوئی آس کا جگنو میری جھولی میں ڈالا تھا۔ قدرے توقف کے بعد کہنے لگی۔

''یقین کریں میں نے کبھی کوئی خواب نہیں دیکھا کیونکہ مجھے ایسے خوابوں سے بہت ڈر لگتا ہے جن کی ساری خوب صورتی بند پلکوں کی مرہون منت ہو' اس کے برعکس کھلی آنکھوں دیکھنے والی حقیقتیں خواہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہوں' مجھے منظور ہیں۔'' وہ اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے جب خاموش ہوئی تو گہری سانس لے کر کہنے لگے۔

''اچھی بات ہے' اب تم جاؤ لیکن پہلے اپنے آنسو پونچھ لو۔'' اس نے بڑی بے دردی سے ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں رگڑیں اور پھر وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی تو اماں کو اپنا منتظر پایا۔ وہ اصل صورت حال سے لاعلم صرف اتنا جانتی تھیں کہ تائی جی اسے کسی بات پر ڈانٹ رہی تھیں' وہ جیسے ہی بیٹھی اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''کیا ہوا بیٹی' کیا تائی جی نے کچھ کہا ہے؟''

''نہیں اماں' کسی نے کچھ نہیں کہا۔'' اس نے دکھ کو اپنے اندر جذب کرنے کی ابتدا کی کیونکہ وہ جان گئی تھی کہ اب اسے یہی کچھ کرنا ہے اور پھر اماں کو بتانے اور نہ بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا' وہ کون سا احتجاج کرسکتی تھیں۔

❁......❁❁❁......❁

اس کا نہیں تو ابرار کا ہی خیال کرلیا جاتا لیکن شاید تایا جی اور تائی جی میں لوگوں کی باتیں سننے اور ان کے سوالوں کا جواب دینے کی ہمت نہیں تھی' جبھی بہت سادگی سے اس کا نکاح ہوا' گنتی کے چند لوگ ہی تھے اور پتہ نہیں کیسے اس کے ننھیال والوں کو بلایا گیا تھا حالانکہ اب تک ان

سے کوئی واسطہ نہیں رکھا گیا تھا' بہرحال سب مہمانوں کے جانے کے بعد رخشی نے اسے سنوار کر ابرار کے کمرے میں لا بٹھایا اور ابرار پتہ نہیں کہاں تھے' کافی دیر بعد ان کی چیئر کی آواز آئی تو وہ اپنے آپ میں سمٹنے کے باوجود جیسے پوری جان سے ان کی طرف متوجہ ہوگئی تھی اور خواب تو اس نے نہیں سجائے تھے لیکن ایجاب وقبول کے مراحل سے گزر کر اندر کہیں کوئی آرزو ضرور چٹکی تھی' جس نے دھڑکنوں کو ایک مخصوص تسلی بخشی تھی' بہت مدھم اور قدرے وقفے وقفے سے دھک' دھک' دھک......

کوئی چاہنے والا ہوتا تو پل میں کچی ڈور سے بندھ جاتا اور اگلے پل سارے فاصلے سمیٹ کر من وتو کا فرق مٹاڈالتا لیکن ابرار جانے کیا سوچے ہوئے تھا' پہلے دور بیٹھے اطمینان سے سگریٹ پیتے رہے پھر کرسی بیڈ کے قریب لے آئے اور اپنے ہاتھوں سے ایک ایک پیر اٹھا کر بیڈ پر ٹانگیں سیدھی رکھتے ہوئے بولے۔

''ادھر دیکھو رابعہ میری طرف۔'' ان کے تحکمانہ لہجے پر اس نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا تو کچھ دیر کو واقعی وہ مبہوت سے ہوگئے۔

''اوں......'' ان کی محویت توڑنے کی خاطر اس نے ہلکی سی آواز نکالی اور وہ چونکتے ہی پیشانی پر بے شمار شکنیں سمیٹ لائے۔

''جاؤ پہلے اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔''

''جی......'' اس نے خود پر نظر ڈالی پھر حیران ہوکر انہیں دیکھا تو وہ مٹھیاں بھینچ کر بولے۔

''تم نے مجھے تلخ حقیقت سمجھ کر قبول کیا ہے رابعہ لیکن میں تمہیں تمہارا خواب سمجھ کر بھی قبول نہیں کرسکتا سمجھی تم۔''

''آپ غلط سمجھے ہیں ابرار میں تو......''

''شٹ اپ......'' وہ دبی دبی آواز میں چیخے۔ ''فوراً نکل جاؤ میرے کمرے سے ورنہ میں تمہارا حلیہ بگاڑ دوں گا۔''

''لیکن......''

''آئی سے گیٹ آؤٹ۔'' بس ایک ہی کلی تو چٹکی تھی۔

''اسے بھی روند ڈالا ظالم نے۔'' وہ بیڈ کے دوسری طرف سے اتر کر کھڑی ہوئی تو قصداً سینڈل پہننے میں دیر کی کہ شاید وہ روک لیں' لیکن روکنا تو دور کی بات وہ تو یکسر انجان بن گئے تھے۔ تب وہ بمشکل خود کو سمیٹتی ہوئی کمرے سے نکل آئی' فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں جائے' تائی جی کے پاس یا چپ چاپ اماں کی آغوش میں جا چھپے' ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرپائی تھی کہ رخشی جانے کس کام سے اپنے کمرے سے نکل آئی اور اس پر نظر پڑی تو ٹھٹک کر رک گئی' تب وہ خود ہی اس کے پاس آگئی۔

''کیا ہوا؟ ابرار بھائی نے نکال دیا۔'' رخشی نے یوں کہا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔ اس نے سر جھکا لیا۔

''میرے ساتھ آؤ بلکہ تم میرے کمرے میں جاؤ' میں فراز کو دیکھ کر آتی ہوں۔''

''کیا ہوا فراز کو؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''وہ ابھی تک گھر نہیں آیا۔'' رخشی کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور وہ اس کے کمرے میں آگئی' کچھ دیر بعد رخشی بڑبڑاتی ہوئی آئی۔

''پتہ نہیں کن چکروں میں رہتا ہے' تمہارے نکاح کے فوراً بعد یہ کہہ کر نکلا تھا کہ ابھی آرہا ہے لیکن دیکھو بارہ بج گئے ہیں اور اس کا کوئی پتہ نہیں' حالات ویسے ہی ٹھیک نہیں رہتے' ہزار بار کہا ہے شام کے بعد گھر سے نہ نکلا کرو لیکن سنتا ہی نہیں۔'' پھر ایک دم خاموش ہوکر سامنے دیکھنے لگی' پتہ نہیں اسے اپنے ساتھ ہونے والے المیے کا احساس ہی نہیں تھا یا اس نے پہلے سے ہی ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کر رکھا تھا کہ اس کے چہرے پر ''اب میں کیا کروں؟'' کے علاوہ اور کوئی تاثر نہیں تھا' رخشی کو حیرت ہوئی' اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں پتہ ہے تمہارے ساتھ کیا ہورہا ہے۔" اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا تو رخشی اپنے لہجے پر زور دے کر بولی۔

"ظلم اور تم کیسی لڑکی ہو کہ سارے ظلم چپ چاپ سہہ رہی ہو' کیا تمہیں دکھ نہیں ہوتا؟" اس کا انداز نہ سمجھنے والا تھا۔

"اب تمہیں کرنا تو یہ چاہیے کہ اسی وقت امی' ابو کے سامنے جا کھڑی ہو کہ ان کے بیٹے نے تمہیں کمرے سے نکال دیا ہے اور ان سے پوچھو کہ اب تمہارے لیے کیا حکم ہے' لیکن نہیں' میں جانتی ہوں کہ وہ ساری ذمہ داری تمہارے سر ڈالیں گے' الٹا تمہیں ہی الزام دیں گے۔"

"رخشی آپا! آپ کیسی باتیں کررہی ہیں' میں نے تو کچھ نہیں کیا یقین کریں ابرار بھائی......"

"اوں ہوں۔" رخشی ٹوکتے ہوئے بے ساختہ مسکرائی۔ "اب وہ تمہارے شوہر ہیں' ٹھہرو میں ان سے پوچھ کر آتی ہوں کہ......"

"نہیں رخشی آپا۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "آپ نہ جائیں' وہ اس وقت بہت غصے میں ہیں۔"

"پتہ بھی تو چلے کہ کس بات کا غصہ ہے۔"

"اس وقت نہیں۔" اس کی عاجزی دیکھ کر رخشی نے کندھے اچکائے پھر وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی' ایک سوٹ نکال کر اس کے سامنے پھینکتے ہوئے بولی۔

"یہیں سو جاؤ' صبح دیکھیں گے امی کیا کہتی ہیں۔" وہ بیڈ پر رخشی کے لیے کافی جگہ چھوڑ کر خود کنارے پر سکڑ سمٹ کر لیٹ گئی اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا' تب رخشی لائٹ آف کر کے اس کے برابر لیٹ گئی۔

✿......✿✿✿✿......✿

حسب معمول صبح اٹھتے ہی وہ اماں کا ہاتھ بٹانے کے لیے کچن میں جا پہنچی تو انہوں نے حیران ہو کر اسے دیکھا' اس کی آنکھوں میں اتری لالی رت جگے کی غماز ضرور تھی لیکن اس میں شب زفاف کی کسی ہلکی سی شوخی کا ہلکا سا عکس بھی نہیں تھا' تب ان کے ہونٹوں سے آہ کی صورت سانس خارج ہوئی تو وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"آپ ہٹیں اماں میں ناشتہ بناتی ہوں۔"

"نہیں تم اپنا اور ابرار کا ناشتہ لے جاؤ' باقی میں کرلوں گی۔" اماں نے ٹرے اٹھا کر اس کے ہاتھوں میں تھمائی تو وہ ٹپٹا گئی' سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے' ابرار کا سامنا کرنے کی ہمت بالکل نہیں تھی۔

"کیا ہوا......ابرار سو رہا ہے کیا؟"

"نہیں۔" اس نے چونک کر دیکھا اور کوئی جواب دیے بغیر کچن سے نکل آئی' مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ابرار کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کھڑکی کے پاس بیٹھے غالباً صبح کی تازہ ہوا سے لطف اندوز ہورہے تھے' اس کی آمد پر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کے انداز سے نہ تو یہ ظاہر ہوا کہ وہ ان کے ساتھ ایک نئے بندھن میں بندھ چکی ہے اور نہ ہی رات کی تلخی کا شائبہ تھا بلکہ ناشتے کی ٹرے دیکھ کر حیرت سے بولے۔

"یہ تم ناشتہ یہاں کیوں لے آئی ہو' جاؤ ٹیبل پر رکھو میں وہیں سب کے ساتھ کروں گا۔" وہ اسی خاموشی سے پلٹ آئی اور ٹرے ٹیبل پر رکھ کر اسی کمرے میں آگئی جہاں وہ شروع سے اماں کے ساتھ رہتی آئی تھی اور جب یہیں رہنا تھا تو پتہ نہیں رات اچانک ایک ناٹک کیوں رچایا گیا تھا' یہ حقیقت ہے کہ اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی شادی ایک معذور شخص کے ساتھ کی جارہی ہے البتہ اس شخص کے رویے نے اسے دکھ پہنچایا تھا' اچانک اسے بے پناہ گھٹن کا احساس ہونے لگا تو وہ برآمدے میں نکل آئی' طلوع ہوتے سورج کی روپہلی کرنیں درختوں کے سروں کو چھو رہی تھیں' وہ ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی اور اس کی نظریں نیلے آسمان کے پار دیکھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اندر سے شور کی آوازیں آنے لگیں' اس نے جلدی سے آنکھوں میں اتری نمی دوپٹے میں جذب کی اور اٹھ کر اندر چلی آئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے سامنے سے آتی رخشی کو

دیکھ کر پوچھا۔
"ابرار بھائی تمہیں بلا رہے ہیں۔" رخشی کے لہجے میں ہلکا سا طنز اور تمسخر تھا۔ "کہہ رہے ہیں ٹیبل پر ان کی بیوی موجود کیوں نہیں ہے۔"
"آپ بھی چلیں۔"
"نہیں تم جاؤ۔" رخشی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور اسے ڈائننگ روم میں آنا پڑا۔
"کہاں تھیں؟" تائی جی نے اسے دیکھتے ہی ناگواری سے پوچھا۔
"بیٹھ جاؤ۔" اس کے جواب دینے سے پہلے ہی ابرار نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا پھر اپنے سامنے سے انڈا اور سلائس اٹھا کر اس کے آگے رکھتے ہوئے بولے۔
"ناشتہ کرو۔" پھر جیسے سب کو سنا کر بولے۔ "تم میری بیوی ہو اس گھر کی بڑی بہو اور اس ناطے یہاں سب سے زیادہ حق تمہارا ہے یہاں پر ہر شخص اپنی من مانی کرتا ہے لیکن میں تمہیں من مانی کی اجازت نہیں دوں گا البتہ حکمرانی کرسکتی ہو۔"
"لو بھئی رابعہ! تمہارے عیش ہوگئے۔" فراز نے ہنس کر کہا تو ابرار نے فوراً اسے سرزنش کی۔
"یہ تمہاری بڑی بھاوج ہے اور آئندہ اسی حساب سے احترام دینا۔ سمجھے تم۔"
"سمجھ تو گیا ہوں لیکن یہ بات ہضم نہیں ہورہی۔" وہ شروع سے ہی بدتمیز تھا اور تائی جی اس کی طرفداری میں بولیں۔
"رابعہ اس سے زیادہ بڑی نہیں ہے۔"
"میری بیوی ہونے کے ناطے اب یہ سب سے بڑی ہے۔" ابرار کے دوٹوک لہجے پر تائی جی خاموش تو ہوگئیں لیکن جن نظروں سے اسے دیکھا' اس سے وہ دہل کر رہ گئی تھی۔

✿......✿✿✿......✿

ابرار کا رویہ اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا تھا کہ کسی دوسرے کا اس سے ذرا سی اونچی آواز میں بات کرنا بھی برداشت نہیں کرتے تھے جبکہ خود زیادتی پر زیادتی کررہے تھے' نہ تو اسے اپنے کمرے میں آنے دیتے اگر اچانک سامنا ہوجاتا تو ناگواری سے منہ موڑ لیتے' ناشتے' کھانے وغیرہ کے دوران سب کی موجودگی میں کبھی مہربان اور کبھی انتہائی نامہربان اور تائی جی جنہیں یہ خدشہ لاحق ہوگیا تھا کہ ابرار کی من چاہی بیوی بن کر کہیں سچ مچ وہ حکمرانی کے خواب نہ دیکھنے لگے۔
بیٹے کے رویے سے نا صرف مطمئن ہوئیں بلکہ اس کے لیے ان کے انداز میں اب تحقیر بھی سمٹ آئی تھی کیونکہ اب وہ صرف تائی جی نہیں' اس کی ساس بھی تھیں اور ساس بہو کو اہمیت اسی صورت دیتی ہے جب اسے بیٹے کے ہاتھ سے نکل جانے کا خدشہ ہو اور یہاں یہ خدشہ نہیں تھا اور کچھ بھی تھا' وہ بہرحال حیران تھی از خود ہی اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتی کہ آخر ابرار نے اس کے ساتھ شادی کیوں کی' جب کوئی واسطہ ہی نہیں رکھنا تھا اور جب اس کا وجود ایسا ہی ناقابل برداشت تھا تو پھر انہوں نے منع کیوں نہیں کیا تھا' اس کا دل چاہتا وہ کسی وقت جا کر اس سے پوچھے' بارہا ان کے دروازے تک آئی بھی لیکن خود سے اندر داخل ہونے کی ہمت نہیں کرسکی۔
ادھر اماں تھیں کہ اسے ابرار کا دل جیتنے کے سو طریقے بتاتیں جنہیں وہ سنتی توجہ سے ضرور تھی لیکن عمل کرنے کے تصور سے ہی پریشان ہوجاتی۔

☆......☆......☆

اس شام اس کے خالہ زاد عبید نے آکر اسے نانا کی تشویش ناک حالت کے بارے میں بتایا تو وہ پریشان ہوگئی۔ اماں سے پوچھا کہ کیا وہ نانا کو دیکھنے چلی جائے تو انہوں نے خود کو معذور ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اپنی تائی جی سے پوچھ لو اور تائی جی گھر پر نہیں تھیں' وہ بھاگتے ہوئے رخشی کے پاس آئی۔
"رخشی آپا! میرے نانا بہت بیمار ہیں' میں انہیں دیکھنے چلی جاؤں۔"
"ضرور جاؤ۔" رخشی نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا پھر

ایک دم رک کر بولیں۔ ''سنو ابرار بھائی کو بتا دو۔''
''وہ منع تو نہیں کریں گے؟''
''میرا خیال ہے انہیں منع کرنے کا کوئی حق نہیں۔'' وہ کچھ الجھتے ہوئے ابرار کے کمرے تک آئی اور دروازے پر دستک دے کر انتظار کرنے لگی جب آ جاؤ کی آواز آئی تب اندر داخل ہوئی۔
''ارے.....'' جانے وہ کس موڈ میں تھے کہ اسے دیکھ کر ہنس پڑے۔
''یعنی اب تم دستک دے کر اندر آؤ گی' اس کا مطلب ہے مجھے دل کے دروازے پر بھی تمہاری دستک کا انتظار کرنا چاہیے۔''
''جی۔'' وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔
''کہو کیا بات ہے؟''
''میرے نانا بیمار ہیں' میں انہیں دیکھنے جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے فوراً اصل بات کہی۔
''مجھ سے پوچھنے آئی ہو یعنی اجازت لینے' کیوں؟''
''میرے خدا۔'' وہ پریشان ہو گئی۔ آخر یہ شخص ہر اس بات کی وضاحت کیوں مانگتا ہے جس کا اس کے پاس جواب ہی نہیں ہوتا۔
''کس کے ساتھ جاؤ گی؟'' شاید انہیں رحم آ گیا تھا۔
''عبید آیا ہے۔ اس کے ساتھ۔''
''ٹھیک ہے' چلی جاؤ اور ہاں میری طرف سے بھی انہیں پوچھ لینا۔'' وہ سر ہلا کر جلدی سے ان کے کمرے سے نکل آئی پھر اماں کو بتا کر عبید کے ساتھ نانا کے گھر آ گئی۔ وہاں اس کے ماموں اور دوسری خالائیں وغیرہ بھی آئی ہوئی تھیں۔ افشاں کی زبانی وہ سب سے غائبانہ تعارف حاصل کر چکی تھی اور اب مل پہلی بار رہی تھی۔ وہ سب بھی نانا کو دیکھنے آئے تھے اور نانا کی حالت خاصی تشویشناک تھی۔ مسلسل غنودگی میں تھے' کسی کسی وقت اپنی اولادوں میں سے کسی کو پکار لیتے' دو تین بار ان کی زبان پر اس کی امی آسیہ کا نام بھی آیا تھا اور پہلی بار اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ کس قدر تنہا ہے۔

❁.......❁❁❁.......❁

رات میں سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے لیکن اس نے اپنا جانا ملتوی کر دیا' نانا کے سرہانے بیٹھی کبھی ان کا چہرہ چھو کر دیکھتی اور کبھی ان کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیتی۔ ایک ایسا لمس جو اسے یاد نہیں تھا' وہ اب محسوس کر رہی تھی۔
امی' اپنی امی کو اس چہرے میں کھوجتے ہوئے اس کی آنکھیں جل تھل ہو گئیں اور پھر وہ اس شدت سے روئی کہ افشاں اور خالہ بھاگی چلی آئیں۔ نانا کو دیکھا جو شاید اس کی فریاد لے کر اس کی امی کے پاس جا پہنچے تھے۔
صبح تائی جی آئیں' کچھ دیر بیٹھیں اور پھر جاتے ہوئے سرسری انداز میں اسے ساتھ چلنے کے لیے کہا اور وہ ابھی جانا بھی نہیں چاہتی تھی' اس لیے سہولت سے منع کر دیا کہ سوئم کے بعد آئے گی پھر تائی جی مزید اصرار کیے بغیر چلی گئیں۔
''بہت ظالم ہیں تمہارے گھر والے۔'' اس رات افشاں اس کے برابر لیٹی تو کہنے لگی۔ ''حیرت ہے تم اتنے ستم کیسے سہہ لیتی ہو' تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو ایک ایک زیادتی کا حساب لیتی۔''
''نہیں افشاں' میرے ساتھ کسی نے کیا زیادتی کرنی ہے' بس ساری خرابی میرے اپنے نصیب کی ہے۔'' وہ سیاہ آسمان پر جگمگاتے ستاروں میں جانے کیا تلاش کرتے ہوئے بولی تو افشاں نے دانت پیسے۔
''نصیب کو الزام مت دو رابعہ' تمہارے نصیب میں صرف ماں باپ سے محرومی لکھی تھی' اس کے بعد ساری محرومیاں بخشی ہوئی تمہارے اپنوں کی ہیں۔''
''اچھا۔'' وہ دکھ سے ہنسی۔ ''ابتدا تو نصیب سے ہی ہوئی ناں' نہ ماں باپ مجھے چھوڑ کر جاتے' نہ اس کے بعد یہ سلسلہ چلتا۔''
''تم نے یہ سلسلہ چلنے ہی کیوں دیا؟ یہ صحیح ہے کہ تم خدا سے نہیں لڑ سکتی لیکن بندوں سے اپنے حق کے لیے لڑا جا سکتا ہے پھر تم نے ہر مقام پر ہتھیار کیوں ڈالے۔'' اس

نے بے بسی سے دیکھا تو تاسف سے بولی۔
"مجھے ہرگز معلوم نہیں تھا کہ اس گھر میں تمہارے ساتھ کیا ہوتا رہا ہے لیکن تمہاری شادی سے میں نے ازخود بہت ساری باتیں جان لیں۔"
"کیسی باتیں؟"
"یہی کہ تمہیں اس گھر میں وہ مقام نہیں دیا گیا جو تمہارا حق تھا بلکہ انہوں نے تو تمہارے سارے حقوق پامال کرکے اپنے معذور بیٹے کے پلے باندھ کر ایک طرح سے تم پر احسان بھی کردیا۔"
"افشاں پلیز ابرار کے لیے ایسے الفاظ مت استعمال کرو۔" اس کے عاجزی سے ٹوکنے پر افشاں نے مزید حیرت کا اظہار کیا۔
"ارے...... یعنی تمہیں اس شخص سے ہمدردی ہے جو تمہاری جھولی میں سوائے خوشامد اور جھوٹی آس کے کچھ بھی نہیں ڈال سکتا۔"
"خوشامد جھوٹی آس نہیں افشاں ابرار نے میری جھولی میں ایسا کچھ نہیں ڈالا۔"
"اچھا......" افشاں طنز آمیز ہنسی کے ساتھ کہنے لگی۔ "میں یقین سے کہوں گی کہ جسے تم ابرار کی سچی محبت سمجھتی ہو وہ صرف اور صرف خوشامد ہے اور وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے کیونکہ اس کے بغیر اس کی زندگی کی گاڑی نہیں چل سکتی۔"
"اتنے یقین سے کچھ مت کہو جبکہ میں نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ ابرار مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" اس نے ذرا سی گردن موڑ کر افشاں کو دیکھا پھر بڑے آرام سے اسے حیرتوں کے ساگر میں دھکیل دیا۔
"وہ تو میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔"
"کیا؟" کتنی دیر بعد افشاں بول سکی۔ "کیا کہا تم نے ابرار تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتے۔"
"ہاں یہی کہا میں نے اور شادی سے پہلے ہی انہوں نے مجھ پر جتا دیا تھا کہ وہ مجھے بے حساب دکھ دیں گے اور میں کیا کرتی خوشی دیکھی نہیں تھی جبکہ دکھوں سے ناطہ ایک عمر کا تھا مجھے خدشہ ہوا کہیں ایک ان دیکھی شکی آرزو میں یہ ناطہ نہ ٹوٹ جائے بس اسی کو مضبوط کرلیا۔"
"تم......" افشاں کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے تکیے پر زور سے مکا مارتے ہوئے بولی۔ "تم یقیناً پاگل ہو جب وقت کی لگامیں تمہارے ہاتھوں میں آنے کو تھیں تو تم نے ہاتھ باندھ دیئے چہ...... چہ۔"
"مجھے افسوس نہیں ہے افشاں اور نہ کوئی پچھتاوا ہے البتہ اس وقت ضرور دکھ ہوتا اگر جو میں کوئی خواب سجاتی اور خوشیوں کی آس لے کر کسی دوسرے گھر کا رخ کرتے ہوئے یہ بھول جاتی کہ میری سیاہ بختی دروازے پر کھڑی ہوگی۔" پھر اسے دیکھ کر بولی۔ "تم نہیں سمجھو گی۔"
"واقعی میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں تم سے ہمدردی کروں یا تمہیں شوٹ کردوں۔"
"یہ فیصلہ تو ابرار بھی نہیں کرسکے تھے۔" اس نے سوچا اور پھر ستاروں کے جھرمٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "چھوڑو یہ سب اور دیکھو وہ ستارے آپس میں کیا باتیں کررہے ہیں۔"
"وہ سب مل کر تمہاری عقل پر ماتم کررہے ہیں۔" افشاں نے جل کر کہا تو وہ گہرے دکھ کے احساس میں گھرنے کے باوجود ہنس پڑی۔

✿......✿✿✿......✿

چوتھے دن شام میں وہ گھر آئی تو گیٹ سے داخل ہوتے ہی تایا جی سے سامنا ہوگیا وہ غالباً کہیں جارہے تھے۔ وہیں کھڑے کھڑے اس کے نانا کا افسوس کیا اور باہر نکل گئے۔ تب وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اماں موجود نہیں تھیں پہلے اس نے سوچا ان کے پاس کچن میں چلی جائے لیکن پھر کسی خیال کے تحت وہیں بیٹھ گئی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ابرار کی چیئر کی آواز آنے لگی اس نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا ہی تھا کہ وہ کھلتا چلا گیا اور ابرار اندر آگئے۔
"مجھے بلا لیتے۔" وہ یونہی کہہ گئی۔
"کیوں کیا میں یہاں نہیں آسکتا۔" وہ ہونٹوں تک

آئی گہری سانس کو دوبارہ سینے کے اندر اتار کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو وہ پتہ نہیں کیا سمجھ کر بولے۔

"آئی ایم سوری' مجھے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے۔" وہ خاموش رہی۔

"کیا ناراض ہو؟"

"نہیں میں کیوں ناراض ہوں گی۔"

"اب آگے یہ مت کہہ دینا کہ میرا آپ سے ناطہ ہی کیا ہے۔" اس نے چونک کر دیکھا تو فوراً بات بدل گئے۔

"تمہارے نانا کا افسوس ہوا' میں وہاں آنا چاہتا تھا لیکن......"

"تائی جی کہاں ہیں؟" وہ انہیں احساس محرومی میں گھرنے سے بچانے کی خاطر فوراً بول پڑی۔

"اپنے کمرے میں بڑی سوگ منا رہی ہیں۔" ان کے لہجے میں اچانک تلخی گھل گئی۔

"کیا! کس بات کا؟" وہ سچ مچ پریشان ہوگئی۔

"فرحی کی شادی کا۔"

"فرحی کی شادی......!" وہ الجھنے لگی اور ان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کیا کہہ رہے ہیں ابرار آپ' میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہا۔"

"اس میں نہ سمجھنے والی کون سی بات ہے۔" وہ کوشش کے باوجود اپنے لہجے کو نارمل نہیں رکھ سکے۔ یوں بتانا چاہا جیسے معمول کی کوئی بات ہو لیکن لہجے میں تاسف اور چہرے پر کرب چھپائے نہ چھپے۔ "فرحی نے اپنے کلاس فیلو زبیر کے ساتھ کورٹ میرج کرلی ہے۔"

"کیا......؟" اس کے صرف ہونٹ نیم وا ہوئے اور غیر یقینی سے انہیں دیکھے گئی تو وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولے۔

"یہ کوئی ایسی غیر متوقع بات تو نہیں ہے جو تم اتنی حیران ہورہی ہو' کیا تم نہیں جانتیں کہ یہاں ہر شخص اپنی من مانی کرتا ہے۔" پھر ذرا سا جھکے اور ایک دم اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر بولے۔

"من مانی تم نے کیوں نہیں سیکھی۔"

"ابرار......" تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا' پتہ نہیں وہ اچانک دیوانے ہوکر سنگ دلی کی انتہا کیوں کر جاتے تھے۔

"اگر شروع سے اس گھر کے اصول اپنا لیتیں تو آج ایک اپاہج کے رحم و کرم پر نہ ہوتیں' اب بھی وقت ہے جاؤ بھاگ جاؤ۔"

"نہیں۔" اس نے ہاتھوں سے چہرہ چھپانا چاہا لیکن ہمیشہ کی طرح انہوں نے فوراً روک دیا۔

"خبردار جب میں مرجاؤں تب ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونا۔"

"خدا کے لیے ابرار ایسی باتیں مت کریں۔"

"مجھے تم سے شدید نفرت ہے رابعہ' اس لیے کہ اس گھر پر ٹوٹنے والی ساری قیامتیں تمہارے وجود کی مرہون منت ہیں۔" انہوں نے ایک جھٹکے سے اس کے بالوں کو چھوڑا تو وہ پیچھے جا گری۔

"ہاں میں منحوس ہوں۔" اس نے روتے ہوئے اعتراف کیا۔

"منحوس نہیں تم......" پتہ نہیں کیا کہنے جارہے تھے کہ ہونٹ بھینچ گئے اور کرسی کے ہتھے پر زور زور سے ہاتھ مارنے لگے' جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کررہے ہوں پھر کسی حد تک اپنی کوشش میں کامیاب ہوکر بولے۔

"پتہ نہیں تم کب سمجھو گی' ایسا کرو جاکر اپنی تائی جی کو مبارک باد دو' ان کے سامنے اونچے اونچے قہقہے لگا کر ان کا مذاق اڑاؤ۔" اسے ان کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا۔

"تم کیا سمجھ رہی ہو میں پاگل ہوگیا ہوں۔" وہ پل میں اس کے تاثرات جان گئے۔

"نہیں۔"

"تو پھر جاؤ جیسا میں کہہ رہا ہوں' ویسا کرو۔" وہ اتنی زور سے دہاڑے کہ وہ فوراً کھڑی ہوئی اور اس سے کہیں زیادہ تیزی سے کمرے سے نکل آئی لیکن تائی جی کے پاس جانے کے بجائے رخشی کے کمرے میں آکر دروازہ

اندر سے بند کرلیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ارے۔'' رخشی نے حیران ہوکر اسے دیکھا۔ ''کیا ہوا رابعہ؟''

''رخشی آپا......'' وہ رخشی کے سامنے آ بیٹھی۔

''ابرار پتہ نہیں کیسی باتیں کررہے ہیں۔''

''ابرار بھائی تو بس۔'' رخشی بڑبڑاتے ہوئے اٹھی اور اس کے لیے پانی لے آئی۔ گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا پھر باقی پانی ہاتھ میں لے کر اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

''تمہیں پتہ تو ہے ابرار بھائی کا پھر خوامخواہ ان کی باتوں پر کیوں کڑھتی ہو کیا تمہارے نانا کے گھر رہ جانے پر خفا ہورہے ہیں؟''

''نہیں۔''

''پھر؟''

''فرحی باجی کی شادی کا بتایا پھر مجھے الزام دینے لگے کہ اس گھر پر ساری قیامتیں میری وجہ سے ٹوٹتی ہیں۔'' وہ تواتر سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو مسلسل دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے بولی۔ ''شاید وہ مجھے منحوس سمجھتے ہیں۔''

''نہیں ایسا مت کہو۔''

''پھر رخشی آپا وہ مجھے کیوں الزام دے رہے ہیں جبکہ میں تو یہاں تھی ہی نہیں۔'' اس کی سادگی سے پوچھنے پر رخشی کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر گہری سانس لے کر بولی۔

''وہ تمہیں الزام نہیں دے رہے اور سچ پوچھو رابعہ تو میں بھی یہی کہوں گی کہ اس گھر پر ساری قیامتیں تمہاری وجہ سے ٹوٹتی ہیں۔''

''رخشی آپا......آپ......'' وہ رونا بھول گئی' تاسف سے بولی۔ ''آپ بھی مجھے منحوس کہہ رہی ہیں۔''

''بیوقوف ہو تم' میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔''

''کہا نہیں' سمجھتی تو ہیں اگر میری وجہ سے آپ سب پریشان ہیں تو میں یہاں سے چلی جاتی ہوں لیکن کہاں جاؤں' اب تو نانا بھی نہیں رہے۔''

''رابعہ......رابعہ۔'' رخشی زچ ہوکر بولی۔ ''اب میں تمہیں کیا کہوں کیسے سمجھاؤں تمہیں' چلو اٹھ کر منہ ہاتھ دھو' میں چائے لے کر آتی ہوں۔''

''آپ بیٹھیں رخشی آپا' چائے میں لے آتی ہوں۔''

''نہیں تم منہ ہاتھ دھو۔'' رخشی اسے باتھ روم کی طرف دھکیل کر کمرے سے نکل گئی تو اس نے جلدی جلدی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور تولیے سے صاف کرکے دوبارہ کمرے میں آ بیٹھی۔ رخشی چائے لے کر آئی تو وہ اپنی پیشانی انگلیوں سے دبا رہی تھی۔

''کیا سر میں درد ہورہا ہے؟''

''جی اگر آپ کے پاس کوئی ٹیبلٹ ہو تو......''

''ہاں یہ لو۔'' رخشی نے دراز میں سے ٹیبلٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھی پھر چائے کا مگ اسے تھما کر بولی۔

''ذرا ذرا سی بات پر رویا مت کرو اور تمہیں ابرار بھائی سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے' وہ ایک بار چیخیں تم دس بار چیخ لیا کرو۔ خود ہی ٹھیک ہوجائیں گے بلکہ وہ ٹھیک ہی ایسے ہوں گے۔''

''نہیں میں ان کے سامنے نہیں چیخ سکتی۔''

''کیوں؟''

''اس طرح تو رخشی آپا' انہیں اپنی معذوری اور محرومی کا احساس اور زیادہ ہونے لگے گا کہ میرے چلانے پر وہ اٹھ کر میرے منہ پر تھپڑ بھی نہیں مار سکتے۔'' رخشی یوں سناٹے میں آئی کہ اس پر سے نظریں ہٹانا بھول گئی۔

''کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟'' وہ رخشی کی نظروں سے گھبرا کر بولی۔

''نہیں۔'' رخشی نے نہیں کی صورت گہری سانس لی پھر بیڈ کی پٹی پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

''تمہاری یہی ادائیں تو ہمیں مارے ڈال رہی ہیں رابعہ' تم جھک کر بھی اونچے مقام پر کھڑی ہو اور ہم سر اٹھا کر بھی پاتال میں دھنسے جارہے ہیں۔''

''رخشی آپا۔'' اس نے حیران ہوکر رخشی کی آنکھوں

میں اتری نمی دیکھی جسے چھپانے کی خاطر ہی وہ پلکیں موند گئی تھیں۔

✿......❀✿❀......✿

اسے اب سچ مچ اس گھر سے دحشت ہونے لگی تھی جہاں ہر دم سناٹوں کا راج ہوگیا تھا۔ ابرار زیادہ تر اپنے کمرے میں بند رہتے‘ رخشی نے کسی ایڈورٹائزنگ کمپنی میں جاب کرلی تھی اور صبح کی گئی شام کولوٹتی‘ گوکہ تائی جی نے بہت مخالفت کی تھی لیکن وہ شاید گھر بیٹھے بیٹھے بور ہوگئی تھی اور فراز تو ویسے بھی گھر میں کم ہی ٹکتا تھا‘ میٹرک میں دوبارہ فیل ہونے کے بعد اس نے پڑھائی چھوڑ دی تھی پھر تایا جی نے بہت کوشش کی کہ وہ ان کے ساتھ آفس جایا کرے تاکہ کچھ تجربہ حاصل کر سکے لیکن خود اس کا کہنا تھا کہ ابھی اس کے کھیلنے کھانے کے دن ہیں‘ وہ زندگی کو انجوائے کرنا چاہتا ہے‘ جب وقت آئے گا تب آفس بھی سنبھال لے گا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ زندگی کو کس طرح انجوائے کررہا ہے‘ صبح کا گیا رات میں گھر آتا تھا اور کبھی تو وہ دو دو دن نظر نہیں آتا تھا۔

تایا جی اور تائی جی اسے سمجھانے میں ناکام ہوگئے تو دونوں ایک دوسرے کو الزام دینے لگے تھے‘ سارا دن وہ ہوتی اور اس کی تنہائیاں‘ کبھی اماں کے ساتھ کام میں ان کا ہاتھ بٹاتی لیکن اب پتہ نہیں کیوں اس کا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا‘ بہت جلد اکتا کر اپنے کمرے میں آبیٹھتی یا پھر برآمدہ اس کا منتظر ہوتا جہاں بیٹھ کر وہ ایک ایک کے بارے میں سوچتی اور اب بھی اسے سب پر رحم آتا۔

وہ فرحی کے بارے میں بھی ضرور سوچتی تھی جو ماں باپ کو رسوائیاں بخش کر خود نئی دنیا آباد کر بیٹھی تھی۔ اس کا دل چاہتا وہ کسی دن چپکے سے جا کر اس کی دنیا میں جھانک آئے کہ وہ کتنی خوش ہے‘ پھر وہ اس کی خوشی کے لیے دعا بھی ضرور کرتی اور جب وہ ایک ایک کو سوچ لیتی تو آخر میں اسے اپنا خیال آتا۔

پتہ نہیں میرے ساتھ ایسا کیوں ہورہا ہے‘ شاید رخشی آپا کی طرح میں بھی اپنی دشمن خود ہوں‘ میں نے کیوں ابرار سے شادی کے لیے ہامی بھرلی۔ میں منع بھی تو کرسکتی تھی اور شاید ابرار بھی یہی چاہ رہے تھے کہ میں منع کردوں پھر؟ اس تمام عرصے میں پہلی بار وہ اپنا محاسبہ کرنے بیٹھی تھی کہ اماں نے پکارلیا۔

”کیا بات ہے اماں؟“ اس نے اندر آ کر پوچھا۔

”ابرار بلا رہا ہے تمہیں۔“

”مجھے......!“ اسے حیرت ہوئی کیونکہ اس روز کے بعد سے انہوں نے اس سے بات ہی نہیں کی تھی‘ کچھ دیر سوچنے کے بعد ان کے کمرے کی طرف آئی تو پہلے دروازے پر دستک دی‘ اندر سے کوئی جواب نہیں آیا پھر دوبارہ اور سہ بارہ دستک پر بھی خاموشی رہی۔ تب اس نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو ابرار نا صرف سامنے بیٹھے بلکہ نظریں بھی دروازے پر جمی ہوئی تھیں اور ظاہر ہے دروازہ کھلا تو نظروں کی گرفت میں وہ آگئی‘ جبھی وہیں سے پلٹ جانا ممکن نہیں رہا‘ فوراً سنبھل کر اندر آئی اور محض خود پر سے ان کا دھیان ہٹانے کی غرض سے بولی۔

”آپ نے دستک کا جواب نہیں دیا۔“

”ہاں۔“ وہ کسی خیال سے محظوظ ہو کر بولے۔ ”میں دیکھنا چاہتا تھا تمہاری دستک میں کتنا اثر ہے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ بالکل نہیں سمجھی۔

”مطلب یہ کہ دستک تم وہاں دو اور دروازہ میرے دل کا کھلے۔“

”جن دروازوں پر قفل لگے ہوں‘ وہ صرف دستک سے نہیں کھلتے۔“ وہ پتہ نہیں کیسے کہہ گئی۔

”شاید تم ٹھیک کہتی ہو اور تم کھڑی کیوں ہو‘ بیٹھ جاؤ۔“

”آپ نے کسی کام سے بلایا ہے؟“ وہ ان کی بات نظر انداز کر کے پوچھنے لگی۔

”نہیں بس یونہی تم سے باتیں کرنا چاہ رہا تھا اگر تمہیں کوئی کام نہ ہو تو بیٹھ جاؤ۔“ وہ خاصے تکلف سے بیٹھی تو وہ ٹوک کر بولے۔

”آرام سے بیٹھو میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔“

”آپ سے کچھ بعید بھی نہیں۔“ اس نے سوچا اور

قدرے آرام دہ حالت میں بیٹھ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
''کیا کررہی تھیں؟''
''کچھ بھی نہیں بلکہ اب تو کرنے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ سارا دن یونہی فراغت میں گزر جاتا ہے۔''
''کیا کرنا چاہتی ہو؟''
''میں......'' وہ اپنے آپ پر ذرا سا ہنسی لہجے میں تاسف بھی اپنی ذات کے لیے تھا۔''میں کیا کرسکتی ہوں' اپنی اب تک کی زندگی میں جب یہ ہی نہیں جان سکی کہ جو کچھ میرے ساتھ ہوتا رہا ہے یا ہورہا ہے' اس میں میرا دوش کتنا ہے' آپ کہتے ہیں اس گھر میں ٹوٹنے والی قیامتوں کی ذمہ دار میں ہوں' رخشی آپا سے کہا تو انہوں نے بھی آپ کی تائید کردی اور میں اس روز سے الجھ رہی ہوں کہ میں نے تو کبھی کسی کے لیے غلط انداز سے سوچا تک نہیں' کبھی شکوہ نہیں کیا پھر آپ نے کیسے میرے سر الزام رکھ دیا' مجھے بتائیں ابرار کیوں۔''
''کیوں کا جواب تم خود کھوجو رابعہ' خود۔'' انہوں نے ایک بار پھر یہ ذمہ داری اس پر ڈال دی پھر پوچھنے لگے۔''اور کیا کیا سوچا کرتی ہو' میرا مطلب ہے جب فراغت ہی فراغت ہو تو ذہن مختلف خیالات کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔''
''ہاں لیکن آپ جانتے ہیں کہ میری دنیا اس چار دیواری کے اندر تک محدود ہے اور میری سوچیں بھی اس سے باہر نہیں نکلتیں۔''
''تب تو تمہیں منفی انداز سے سوچنا چاہیے کیونکہ یہاں کوئی بھی تم سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔'' اس کے خاموش رہنے پر کہنے لگے۔''تم سب کے رویوں کو سرے سے محسوس ہی نہیں کرتیں' یا قصداً نظر انداز کردیتی ہو۔''
''نظر انداز کرنا میری مجبوری ہے۔'' اس کی صاف گوئی پر انہوں نے چونک کر دیکھا۔
''کیا مجبوری ہے؟''
''آپ سمجھ سکتے ہیں' یہاں میری طرف داری میں بولنے والا کون ہے' کوئی بھی نہیں۔ میں اگر سب کے رویوں کے جواب میں ویسا ہی رویہ اختیار کرلوں تو کون برداشت کرے گا آپ......؟'' اس نے براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھا پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔''نہیں بلکہ آپ تو سب سے پہلے مجھے یہاں سے نکل جانے کا حکم سنائیں گے اور پھر میں کہاں جاؤں گی' میرا تو کوئی بھی نہیں ہے' ایک اماں ہیں جنہیں اب تک اپنی حیثیت نہیں بھولی' اور میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جب انہوں نے مجھے اپنی بیٹی بنالیا تھا تو پھر مجھے رشتوں کی پہچان کیوں دی' کیا ہی اچھا ہوتا جو میں ایک آیا کی بیٹی بن کر آپ سب کا تحقیر آمیز سلوک برداشت کرتی اور دل ہی دل میں سب کو گالیاں بھی دیتی۔''
''کیا اب گالیاں نہیں دیتیں؟''
''نہیں۔''
''کیوں؟''
''کیا میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ کیوں کا جواب آپ خود کھوجیں۔'' وہ ہلکی سی بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلانے لگے تو اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ وہ اچانک کسی بات پر غصے میں آجائیں' اسے ان کے سامنے سے ہٹ جانا چاہیے' فوراً پوچھنے لگی۔
''میں جاؤں۔''
''نہیں' جب تمہیں اور کوئی کام ہی نہیں ہے تو یہیں بیٹھی رہو۔'' وہ ذرا سا پہلو بدل کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی' شام گہری ہوکر رات میں ڈھلنے لگی تھی۔ ہوا بالکل ساکت تھی' باہر کی فضا میں کوئی ہلچل نہیں تھی' اونچے اونچے درخت خاموش کھڑے تھے' اسے ایک دم گھٹن کا احساس ہونے لگا' گہری سانس لے کر ابرار کی طرف دیکھا۔ وہ سگریٹ سلگانے میں مصروف تھے' پھر ڈھیر سارا دھواں اس کی طرف اچھال دیا تو کچھ دیر کو وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔
''میرا خیال ہے تمہیں میری باتیں بور کرتی ہیں۔''

جیسے ہی دھند چھٹی وہ اسے دیکھ کر بولے تو اسے کہنا پڑا۔
"نہیں۔"
"نہیں۔" انہوں نے تعجب سے دہرایا پھر ذرا سے کندھے اچکا کر رہ گئے۔
"آپ سارا دن کمرے میں بند رہ کر بور نہیں ہوتے؟"
"نہیں۔" وہ اس کے انداز میں بولے تب وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اماں اکیلی کچن میں ہیں' مجھے ان کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔"
"یونہی کہہ دو کہ جانا چاہتی ہو۔ بہانا ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔"
"اگر آپ نہیں چاہتے تو میں نہیں جاتی۔"
"نہیں جاؤ۔" وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی تو اچانک پکار کر بولے۔
"سنو میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا لیکن وقت تمہیں ضرور بتائے گا کہ تم کبھی بھی تنہا نہیں تھیں۔" وہ ان کی بات پر رک کر انہیں دیکھنے لگی پھر کمرے سے نکلی تو افسردہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

ابرار احمد اپنے کمرے میں آ کر اس نے سوچا۔
"جب دل ہر بات سے سمجھوتہ کر کے ٹھہر سا گیا ہے تو تم بہلانے کی بات کرتے ہو ورنہ حقیقت تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ کوئی اور تو کیا تم بھی میرے نہیں ویسے حیرت ہے کہ آج تمہیں کسی بات پر غصہ نہیں آیا۔
"رابعہ!" اماں نے اندر آ کر آہستہ سے پکارا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی' تب اماں آواز دبا کر سرگوشی میں بولیں۔
"فرحی آئی ہے زبیر کے ساتھ دیکھو اب کوئی ہنگامہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔"
"فرحی باجی......" وہ فوراً کھڑی ہوئی اور اماں کے منع کرنے کے باوجود کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو فرحی اور زبیر اجنبیوں کی طرح کھڑے نظر آئے۔ تائی جی اور رخشی پتہ نہیں کہاں تھیں' وہ خود ہی بڑھ کر فرحی کے گلے لگی۔
"یہ میری بھابی ہے۔" فرحی نے زبیر سے اس کا تعارف کرایا تو وہ سلام کرنے کے بعد بولی۔
"آپ بیٹھیں ناں۔"
"امی کہاں ہیں؟" فرحی ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔
"اپنے کمرے میں ہوں گی۔"
"تو پہلے ان سے پوچھ آؤ کہ ہمیں بٹھانا ہے یا دھکے دے کر نکالنا ہے۔" فرحی نے زبیر کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنسنے لگا اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے پھر سوچ کر بولی۔
"میں رخشی آپا کو بلاتی ہوں۔"
"ضرور بلاؤ' لیکن بیٹھیں گے ہم امی ابو کی اجازت سے۔" اپنی بات کہہ کر فرحی بڑے آرام سے ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی تو وہ جلدی سے رخشی کے کمرے میں آئی لیکن وہ ابھی تک آفس سے نہیں لوٹی تھی' تائی جی کے پاس جانے کی اس میں ہمت نہیں تھی تب کچھ سوچ کر ابرار کے کمرے میں آ گئی اور ظاہر ہے کچھ بدحواس اور کچھ جلدی میں تھی' اس لیے بنا دستک دیئے ہی اندر داخل ہو گئی۔
"کیا بات ہے؟" وہ اس کے چہرے پر گھبراہٹ دیکھ کر پوچھنے لگے۔
"پہلے وعدہ کریں آپ خفا نہیں ہوں گے۔"
"ایسی کیا بات ہے؟"
"وہ...... فرحی باجی آئی ہیں' ان کے ساتھ زبیر بھائی بھی ہیں۔" "آپ پلیز تائی جی کو بتا دیں اور ان سے یہ بھی کہیں کہ وہ ان دونوں پر خفا نہ ہوں۔" وہ جلدی جلدی بتا رہی تھی اور اسی طرح ان کی پیشانی پر شکنیں بڑھتی گئیں' جیسے ہی وہ خاموش ہوئی نا گواری سے بولے۔
"کیوں آئی ہے وہ؟"
"آپ سب سے ملنے۔"
"لیکن ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

''نہیں ابرار......'' وہ بے اختیار ان کے سامنے ہاتھ جوڑ گئی۔ ''تعلق توڑنے کی بات نہ کریں وہ اگر خوش ہیں تو آپ ان کی خوشی میں خوش ہوجائیں' پلیز ابرار میری خاطر۔''

''رابعہ۔'' اسی کی طرح بے اختیار ہوکر انہوں نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ ''ای کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔''

''آپ کوشش تو کریں۔''

''اچھا تم چلو میں آتا ہوں۔''

''میرے ساتھ چلیں۔'' اس نے ان کی چیئر پر ہاتھ رکھے اور دھکیلتی ہوئی لاؤنج میں آئی تو وہ دونوں اسی طرح کھڑے تھے۔

''یہ ابرار بھائی ہیں۔'' فرحی نے زبیر سے کہا تو وہ انہیں سلام کرکے اسے دیکھنے لگا اور اس کی نظروں میں اپنے لیے تاسف اور رحم محسوس کرکے اسے بڑا عجیب سا لگا' بالکل غیر محسوس طریقے سے کرسی چھوڑ کر پیچھے ہٹی پھر اپنے کمرے میں آگئی' اس کے بعد اس نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ آیا تائی جی اور تایا جی نے ان دونوں کو گلے لگایا یا نکال باہر کیا۔ جب کھانے کے لیے خاص طور سے اس کا بلاوا آیا تب ٹیبل پر ان دونوں کو دیکھ کر وہ ازخود جان گئی کہ تائی جی لاکھ خفا ہوئی ہوں پھر بھی معاف کرچکی ہیں۔ بہرحال بڑے دنوں بعد سب اچھے موڈ میں نظر آئے' تایا جی زبیر سے اس کی جاب وغیرہ کے بارے میں پوچھتے رہے پھر شاید وہ کافی حد تک مطمئن ہوگئے تھے۔ کھانے کے بعد ابرار اپنے کمرے کی طرف جارہے تھے کہ زبیر اس سے کہنے لگا۔

''بھابی آپ جائیں ابرار بھائی کو آپ کی ضرورت ہوگی۔'' اس نے ابرار کے پیچھے نظر دوڑائی اور اس کی بات ان سنی کرکے برتن سمیٹنے لگی۔

''کیا حادثہ ہوا تھا ابرار بھائی کے ساتھ؟'' زبیر ہمدردی جتاتے ہوئے پوچھنے لگا۔ اس نے قصداً جواب دینے سے گریز کیا کہ ہوسکتا ہے کوئی کسی فرضی حادثے کی داستان سنائے لیکن رخشی نے سچ بول دیا۔

''کوئی حادثہ نہیں ہوا ابرار بھائی پیدائشی ایسے ہیں۔''

''کیا؟'' زبیر کے منہ سے حیرت بھری آواز نکلی تو تائی جی آہ بھر کر بولیں۔

''بس اللہ کی مرضی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے آنٹی لیکن......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا تو وہ جلدی سے ٹرے اٹھا کر کچن میں آگئی اور پھر فرحی اور زبیر کے جانے کے بعد ہی وہاں سے نکلی۔

❁......❁❁❁❁......❁

کتنی عجیب بات تھی کہ جو اپنے تھے انہیں کبھی احساس ہی نہیں ہوا تھا اور جو غیر تھا اسے نہ صرف خود احساس ہوا بلکہ اسے بھی احساس دلایا گیا تھا پھر بھی وہ خود پر اس احساس کو طاری نہیں کرنا چاہتی تھی' اس لیے جب بھی زبیر کی بات یاد آتی تو فوراً سر جھٹک دیتی اور خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف کرلیتی۔ اس وقت کوئی کام نہیں تھا تو وہ ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی گو کہ کوئی خاص پروگرام نہیں آرہا تھا لیکن وہ محض اوٹ پٹانگ خیالات سے بچنے کی خاطر بڑی توجہ سے دیکھنے لگی' رخشی آفس سے آئی تو وہ بھی وہیں بیٹھ گئی۔ خاصا ڈھیلا ڈھالا انداز تھا اس کا چند لمحے اسکرین پر دیکھ کر اس سے بولی۔

''کیا بور پروگرام دیکھ رہی ہو۔''

''اسے اور کام ہی کیا ہے؟'' تائی جی سنتی ہوئی آگئیں' فوراً ٹی وی بند کردیا۔ اس وقت فون کی بیل بجنے لگی تو رخشی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف جانے کون تھا اور کیا کہہ رہا تھا کہ وہ جو ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھی تھی' فوراً سیدھی ہوئی اور توجہ سے سننے لگی پھر فون بند کرکے تائی جی کو دیکھا اور صوفے کی پشت پر سر ٹکادیا۔

''کیا ہوا؟'' تائی جی کا جیسے ماتھا ٹھنکا تھا۔

''آپ کا لاڈلا سپوت فراز کار چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہے۔'' رخشی کا چہرہ اور لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

''کیا......؟'' تائی جی یقین کرنے پر تیار نہیں ہوئیں۔

"کس کا فون تھا اور کیا کہہ رہا تھا؟"

"وسطی تھانے کا انسپکٹر حامد اور اس کا کہنا ہے کہ فراز پہلے بھی ایسی وارداتیں کر چکا ہے' آج وہ اور اس کے ساتھی رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہیں۔"

"نہیں......!" تائی جی سینے پر ہاتھ رکھ کر وہیں ڈھے گئی تو وہ جلدی سے گلاس میں گلوکوز گھول لائی۔

"جلدی سے اپنے ابو کو فون کرو۔" تائی جی نے کہا اور پھر خود ہی اٹھ کر نمبر ملانے لگیں۔ ادھر وہ نمبر ملا رہی تھیں کہ تایا جی آ گئے' ان کی آواز سن کر انہوں نے سلسلہ منقطع کیا اور جیسے ہی پلٹیں' وہ گلاس ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔ اس سے ٹکرا گئی۔

"منحوس تو تو سامنے سے ہٹ۔" اتنی زور سے اسے دھکا دیا کہ وہ دور جا گری' گلاس فرش پر گر کر چور چور ہو گیا اور اس کا ہاتھ کانچ پر جا پڑا تھا' پل میں اس کی ہتھیلی سرخ ہو گئی لیکن اسے پروا نہیں تھی۔ وہ فراز کے بارے میں جاننا چاہتی تھی' اس لیے وہیں بیٹھے بیٹھے تائی جی کی بات سننے لگی' وہ تایا جی سے کہہ رہی تھیں۔

"میرا بچہ ایسا نہیں ہے' وہ تو بہت معصوم ہے' پتہ نہیں کن لڑکوں کے چکر میں پڑ گیا ہے' آپ فوراً پتہ کریں بلکہ جا کر لے آئیں اسے۔" تائی جی باقاعدہ رونے لگیں اور اسے ہمیشہ ان پر رحم آیا کرتا تھا' اپنے ساتھ کی گئی ہر زیادتی بھلا کر وہ ان کے لیے کڑھتی تھی' ابھی بھی اگر وہ خود پر نظر ڈالتی تو اطراف میں کانچ ہی کانچ تھے' لیکن اسے وہ کانچ نظر نہیں آ رہے تھے۔ بس ہر طرف تائی جی کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو تھے پھر اس نے تایا جی کی طرف دیکھا جو غالباً کسی منسٹر سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور ان کے برابر بیٹھی رخشی' اس کے چہرے پر اب بھی کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ پھر تایا جی نے مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا تو تائی جی بے تابی سے پوچھنے لگیں۔

"کیا ہوا؟"

"کوئی نہیں مل رہا' وزیر مشیر سب۔" تایا جی نے اسی قدر کہا تھا کہ رخشی اسی پرسکون انداز میں بولی۔

"کوئی نہیں ملے گا ابو' اس وقت سب دروازے بند ہو چکے ہیں آپ لاکھ کوشش کر کے دیکھ لیں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سارے اختیار آپ کو یا وزیروں' مشیروں کو ہی حاصل ہیں اور اس زمین پر جو چاہے کرتے پھریں گے' اس بااختیار ہستی کو کیوں بھول گئے جس کے سامنے ہماری حقیقت ایک ذرے سے بھی کمتر ہے۔ اس لڑکی کو دیکھیں۔" اس نے رابعہ کی طرف اشارہ کیا تو تائی جی بول پڑیں۔

"یہ منحوس ابھی تک......"

"منحوس نہیں امی' مظلوم کہیے۔" رخشی ٹوک کر بولی۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ خدا اور مظلوم کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا' اس کی آہ اور فریاد عرش تک کو ہلا دیتی ہے اور یہ تو ایک گھر ہے معمولی سا گھر۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو تم؟"

"میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کبھی آپ نے سوچا کہ اتنی حکمت عملی کے باوجود آپ دونوں زندگی میں اس بری طرح ناکام کیوں ہیں' اولاد کا دکھ' حالات کی گردش' کچھ دن نہیں گزرتے کہ ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے آخر کیوں؟"

"آپ نہیں بتا سکتے لیکن میں بتا سکتی ہوں' اس لیے کہ اس یتیم اور مظلوم لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھنے کی بجائے آپ نے اس کا حق مارا ہے۔"

"نہیں رخشی آپا۔" اس نے بے حد دہل کر گھٹنوں میں منہ چھپا لیا۔

"یہی بات ہے۔" وہ زور دے کر بولی۔ "آپ بتائیے ابو آپ نے شہزاد چچا کے گھر اور کاروبار پر کس حساب سے اور کس نیت سے قبضہ کیا اگر رابعہ اس وقت چھوٹی تھی تو آپ اس کے سرپرست بن سکتے تھے اور اس وقت بھی آپ کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ اس کے مال سے آپ خود پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے۔ آپ نے تو حد ہی کر دی کہ جو مالک تھی اسے کنارے ڈال دیا اگر

اپنی اولاد کے برابر درجہ دیتے' تب بھی بخشش کی گنجائش نکل سکتی تھی لیکن آپ مسلسل اپنے لیے آگ خرید تے رہے کہ وہ وقتاً فوقتاً آزمائش میں ڈال کر تنبیہ کرتا ہے کہ اپنے اعمال درست کرلو اور یہ ہماری نادانی ہے کہ سمجھتے نہیں۔'' قدرے توقف کے بعد کہنے لگی۔

''ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو طاقوں میں سجا کر رکھ دیا ہے' پڑھتے بھی ہیں تو سمجھتے نہیں' سمجھتے ہیں تو عمل نہیں کرتے یہ ہم مسلمان ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب ہمارا کام مذہب کے نام پر صرف لڑنا رہ گیا ہے۔ مذہب ہمیں کن باتوں کی ترغیب دیتا ہے اور کن باتوں سے روکتا ہے' یہ جاننے کی ہم ضرورت ہی نہیں سمجھتے' کیوں ابو؟'' اس نے باری باری اپنے ماں باپ کو دیکھا جو اچانک اپنا محاسبہ کیے جانے پر سناٹے میں آگئے تھے' تب وہ کہنے لگی۔

''قرآن پاک میں ہے کہ جو خود یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں' وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور یہ کہ یتیموں کو ان کے مال دو اور ستھرے کے بدلے گندا نہ دو اور ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھاؤ' بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔ اور ہم ایک خدا' ایک رسول کو ماننے والے ان کے نام پر جان قربان کرنے کی صرف باتیں کرتے ہیں لیکن ان کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے' ہم جھوٹے ہیں' منافق ہیں۔''

''کیا کہہ رہی ہو رخشی۔'' وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی تھی کہ تائی جی بول پڑیں۔

''تمہارا مقصد کیا ہے' کیا تم ہمیں غاصب اور گناہ گار ثابت کرنا چاہتی ہو' یہی گناہ ہے ناں ہمارا کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر اس کے پاس آرہے' دو مہینے کی تھی یہ جب اس کے ماں باپ کا انتقال ہوا اگر اس وقت ہم بھی اوروں کی طرح تین دن سوگ میں شریک ہو کر اپنے گھر جا بیٹھتے تو کون دیکھتا اسے' کیا یہ گھر' یہ کاروبار اسی طرح سلامت رہتا' ہرگز نہیں۔ اور پھر ہم نے کون سے اس پر ظلم توڑے ہیں' کھانے پینے میں کمی کی' پڑھایا لکھایا نہیں' شادی نہیں ہونے دی۔''

''ہاں سب کیا آپ نے لیکن اس طرح بھی نہیں جس طرح کوئی کسی پر ترس کھا کر کرتا ہے' میرا مقصد آپ کو گناہ گار ثابت کرنا نہیں ہے لیکن میں یہ ضرور چاہتی ہوں کہ آپ اپنی غلطی تسلیم کرلیں۔''

''بیٹا!'' تایا جی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ لگانا چاہا لیکن وہ مچل کر پیچھے ہٹ گئی۔

''ابھی بھی وقت ہے ابو' توبہ کے دروازے بند نہیں ہوئے' آپ امی کو سمجھائیے کہ اس لڑکی کو اس کا اصل مقام دیں' یقین کریں آپ کی اولاد پر آئی گردشیں آپ ہی آپ دور ہو جائیں گی ورنہ ہم ہمیشہ بھٹکتے رہیں گے' میں' ابرار بھائی' فراز' فرحی۔''

''رخشی آپا' خدا کے لیے بس کریں۔'' وہ سر اٹھا کر عاجزی سے بولی' پھر تایا جی کے چہرے پر ندامت دیکھ کر کٹ کر رہ گئی' ایسا تو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ کوئی اس کے سامنے نادم ہو اور تائی جی کی نظروں میں جانے کیا تھا' وہ راہ فرار ڈھونڈنے لگی۔ وہاں سے اٹھنے کی خاطر جیسے ہی کسی سہارے کے لیے ہاتھ اونچا کیا' ابرار جانے کب وہاں آگئے تھے اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی' انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' اس کے چونکنے اور حیران ہو کر دیکھنے پر انہوں نے آہستہ آواز میں کہا اور پھر اس کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کر کے اسے اٹھنے میں مدد دی۔

''رابعہ!'' تائی جی نے پتہ نہیں کیسے پکارا لیکن ابرار فوراً بول پڑے۔

''اس کے ہاتھ سے بہت خون بہہ رہا ہے امی' میں اس کی بینڈیج کردوں۔'' وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں آگئے اور بیڈ پر بیٹھنے کا کہہ کر خود دراز میں سے بینڈیج' روئی اور جانے کیا کچھ نکال کر اس کے سامنے رکھتے گئے پھر بہت نرمی سے اس کی ایک انگلی تھام کر ہتھیلی اپنے سامنے کی تو پوچھنے لگے۔

''کیا ہوا تھا؟''

"گلاس ٹوٹ گیا اور اس کا کانچ......" وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"میں تمہارے گرنے کی آواز سن کر ہی وہاں آیا تھا' کیسے گری تھیں؟"

"وہ صوفے سے ٹھوکر لگ گئی تھی۔"

"اچھا۔" انہوں نے ایک اچٹتی نظر اس کے چہرے پر ڈالی پھر روئی میں اسپرٹ لگا کر اس کی ہتھیلی صاف کرنے لگے' وہ اتنے انہماک سے مصروف تھے جیسے دنیا میں بس یہی ایک کام ہو' اسی دوران وہ کبھی ان کے چہرے کو دیکھتی' کبھی بالوں کو اور کبھی نظریں ان کے ہاتھوں پر ٹھہر جاتیں' پھر انہوں نے سارا سامان واپس دراز میں رکھا اور واش روم سے ہاتھ دھونے آئے۔

"میں جاؤں؟" وہ جیسے ہی آئے اس نے پوچھا۔

"کہاں؟"

"تائی جی کچھ کہہ رہی تھیں۔"

"ہاں لیکن ابھی تم یہیں بیٹھو۔" وہ اسے بیٹھے رہنے کا کہہ کر اپنی رائٹنگ ٹیبل کے پاس چلے آئے اور اس کی دراز میں جانے کیا تلاش کرنے لگے' کتنی دیر ہوگئی اسے الجھن ہونے لگی۔ تائی جی کا خیال کر کے اٹھنا چاہتی تھی کہ وہ وہیں سے پکار کر بولے۔

"سنو کیا تم نے جان لیا ہے کہ میں ہر واقعے کا ذمہ دار تمہیں کیوں ٹھہراتا رہا ہوں؟" اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں یا کیا کہنا چاہتے ہیں' چپ چاپ ان کی طرف دیکھے گئی تو انہوں نے دراز بند کر کے اپنی چیئر کا رخ اس کی طرف موڑا پھر کہنے لگے۔

"شاید تمہیں یاد ہو' میں نے تم سے کہا تھا کہ یا تو تم بہت سادہ ہو یا پھر انتہائی مکار اور میرے پوچھنے پر تم نے کہا تھا کہ جو میرا دل چاہے سمجھ لوں اور میں تو تمہیں بہت پہلے سے سمجھتا تھا رابعہ اور بہت حیران ہوتا تھا کہ بنانے والے نے جانے کس مٹی سے تمہارا خمیر اٹھایا ہے کہ تم اپنے ساتھ کی گئی زیادتیوں کو محسوس کرنے کے بجائے زیادتی کرنے والے کے حق میں دعا کرتی ہو' مجھے بتاؤ' اس گھر میں تمہیں کیا ملا؟" اس نے پہلے سر جھکایا پھر ان کی طرف سے ذرا سا رخ بھی موڑا۔

"تم ہمیشہ خاموش کیوں رہیں رابعہ' کبھی کسی مقام پر تو احتجاج کرتیں' یہاں تک کہ مجھ جیسے ناکارہ وجود کے ساتھ تمہیں باندھا گیا تب بھی تم خاموش رہیں آخر کیوں؟" کچھ دیر رک کر اس کے جواب کا انتظار کیا پھر کہنے لگے۔

"ہاں یاد آیا تم نے کہا تھا نظر انداز کرنا تمہاری مجبوری ہے' اس لیے کہ کوئی تمہارا ساتھ دینے والا نہیں' میں' رخشی' فرحی اور فراز' ہم سب تمہارے ساتھ تھے لیکن ہم چاہتے تھے کہ احتجاج میں پہل تمہاری طرف سے ہو کیونکہ مقابل کوئی غیر نہیں ہمارے ماں باپ تھے' یاد کرو کس کس مقام پر ہم نے تمہیں کس کس طرح اکسایا لیکن تم......" دکھ' تاسف کی کیفیت انہیں بے بس کر رہی تھی۔

"ہمارے ماں باپ نہیں سمجھ سکے لیکن ہم جان گئے تھے کہ جب جب تمہارے ساتھ زیادتی ہوتی ہے' اوپر والا بدلے میں ہم پر آزمائش یا مصیبت ڈال دیتا ہے' جب ہی میں نے تم سے کہا کہ اس گھر پر ٹوٹنے والی قیامتوں کی ذمہ دار تم ہو اور میں نے غلط نہیں کہا تھا' مجھے سچ بھی کبھی تمہاری معصومیت پر بہت رحم آتا اور کبھی میرا دل چاہتا تمہیں اتنی اذیت دوں کہ تم سسک سسک کر مر جاؤ...... جب رخشی کو طلاق ہوئی...... جب فراز بری صحبت میں پڑ کر پڑھنا لکھنا چھوڑ بیٹھا...... جب فرحی اس گھر کی ناموس کو اپنے پیروں تلے روند گئی...... اور اب فراز جرم کرتے ہوئے جیل تک جا پہنچا۔ ان ساری باتوں کی ذمہ دار تم ہو اور تمہاری خاموشیاں' تم اپنا معاملہ اوپر والے پر چھوڑ کر کتنے اطمینان سے ہو گئیں اور وہ تو بڑا منصف ہے۔ جہاں تم پر کوئی زیادتی ہوئی' اس نے بدلے میں ہمارے مقدروں پر سیاہی پھیر دی' اس لیے کبھی کبھی میرا دل چاہتا تمہارے وجود کو ختم کر ڈالوں تاکہ ایک ہی بار سب ختم ہو جائے۔"

"ابرار......!" وہ رو پڑی۔ "خدا گواہ ہے کہ میں نے

کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔"
"میں جانتا ہوں اور اسی لیے تو ہم زیادہ گرفت میں آئے۔ اگر تم برا چاہتیں' احتجاج کرتیں' انصاف مانگتیں تب تو کہیں حساب برابر ہوتا' تم نے تو انجانے میں سب کچھ ہمارے کھاتے میں ڈال دیا۔" ان کی ہنسی میں دکھ تھا۔
"بس کریں ابرار۔" اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپایا اور پہلی بار انہوں نے اسے روکا نہیں' چلائے نہیں' چپ چاپ اسے روتے ہوئے دیکھتے رہے' یہاں تک کہ وہ خود ہی چپ ہوگئی۔ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولی۔
"یہ بھی میرا جرم ہے کہ میں خاموش ہوں۔"
"میرے نزدیک۔"
"پھر تو اس جرم میں آپ بھی برابر کے شریک ہیں کیونکہ آپ کو کم از کم یہ خوف تو نہیں تھا کہ کوئی آپ کو گھر سے نکال دے گا' اس کے برعکس اپنی بات منوانا بھی جانتے تھے پھر مجھ سے شادی کے وقت آپ نے خاموشی کیوں اختیار کرلی جبکہ مجھ سے نفرت بھی کرتے ہیں۔"
بات کے اختتام پر اس نے براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ ہونٹ بھینچ کر سر جھکا گئے' تب وہ کہنے لگی۔
"یقین کریں مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں رہا' اب بھی نہیں ہے' لیکن ایک ہی بات شدت سے کھٹکتی ہے کہ آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی؟"
"تو میں توڑ دیتا ہوں اس نام نہاد بندھن کو ابھی اسی وقت۔"
"کیا......!" وہ ایک دم سناٹے میں آگئی۔
"ہاں' بشرط کہ تم خود کو دوسروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دو گی۔ سنجیدگی سے اپنے بارے میں سوچ کر دیکھو' تم کسی طرح بھی رخشی' فرحی سے کم نہیں ہو بلکہ ان سے بہت بہتر ہو' ہر لحاظ سے اور تمہیں بہت اچھا ساتھی مل سکتا ہے۔"
"ابرار......" اس کے منہ سے گھٹی گھٹی سی چیخ نما آواز نکلی۔
"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں رابعہ' میں تمہیں اپنے ساتھ باندھ کر نہیں رکھنا چاہتا' اتنی طویل زندگی مجھ اپاہج کے سہارے کیسے گزارو گی' جاؤ میں تمہیں آزاد......"
"نہیں ابرار۔" وہ پوری قوت سے چیخی اور ان کے سامنے سے بھاگ جانے کے ارادے سے اٹھی تھی لیکن دو قدم کے بعد ہی اوندھے منہ جا گری۔
جس وقت اسے ہوش آیا' اس نے دیکھا وہ ابرار کے کمرے میں ان کے بیڈ پر لیٹی ہے' تایا جی اور تائی جی اس کے سرہانے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ رخشی اور اماں سامنے کھڑی تھیں جبکہ اس ستم گر تک اس کی نظر یں رسائی حاصل نہیں کرسکیں۔
"کیسی ہو بیٹا؟" تائی جی نے اس پر جھک کر پوچھا اور سماعتوں نے کب ایسا شہد آگیں لہجہ سنا تھا' پل میں آنکھیں یوں پانیوں سے لبریز ہوئیں کہ وہ خود کو کسی طرح نہیں روک سکی' ان کی گود میں منہ چھپا کر یوں مچل مچل کر روئی کہ سب پریشان ہوگئے۔
"تائی جی! ابرار سے کہیں کہ اپنے ہاتھوں سے میرا گلہ گھونٹ دیں لیکن مجھے خود سے جدا نہ کریں۔" اور وہ جو اس کے رونے کے باوجود سنگ دلی سے انجان بنے بیٹھے تھے' اس کی بات پر چونک کر حیران ہوکر اسے دیکھا پھر پہیوں پر ہاتھ مارتے ہوئے چیئر بیڈ کے قریب لے آئے۔
"کیا کہا ہے تم نے اس سے؟" تایا جی نے پوچھا تو انہوں نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا پھر رخشی کو جانے کیا اشارہ کیا کہ وہ کہنے لگی۔
"ابو! آیئے ہم فراز کا پتہ کرتے ہیں' رابعہ کو ابرار بھائی دیکھ لیں گے۔"
"تائی جی! آپ نہ جائیں۔" وہ بہت ڈر رہی تھی۔
"امی کو اور بھی بہت کام ہیں۔" انہوں نے ڈپٹ کر کہا تو اس نے جلدی سے تائی جی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
"ڈرو مت' میں یہیں ہوں۔" تائی جی نے جھک کر

اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھے تو اس کی مانگ میں چمکیے سے دو ستارے آن سجے اور ابھی وہ ان ستاروں کی جھلملاہٹ میں خود کو دیکھنے کی کوشش کررہی تھی کہ پہلے تائی جی اور ان کے پیچھے سب کمرے سے نکل گئے۔ اچانک خاموشی کا احساس ہوا تو اس نے چونک کر دیکھا' ابرار اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے' دوسری طرف کروٹ بدلتے ہوئے بولی۔

''مجھے نیند آرہی ہے۔''

''لیکن میں تمہیں سونے نہیں دوں گا۔'' وہ کچھ نہیں بولی۔''ادھر دیکھو میری طرف۔'' انہوں نے رعب سے کہا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''اچھا دیکھو مت' لیکن میری بات ضرور سنو۔''

''مجھے پتہ ہے آپ کیا کہیں گے۔'' وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

''خیر اتنی عقل مند تو تم نہیں ہو جو بنا نے سمجھ جاؤ' تمہیں تو ایک بات کو دس بار سمجھانا پڑتا ہے۔''

''جی نہیں۔'' وہ بلاارادہ ان کی طرف پلٹ کر بولی۔

''بعض باتیں آپ ہی آپ سمجھ میں آجاتی ہیں۔''

''اچھا۔'' وہ اس کی شدت گریہ سے سرخ آنکھوں میں دیکھ کر ذرا سا ہنسے۔''ذرا بتاؤ تو ابھی میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔''

''آپ اپنی صفائی بیان کرنا چاہ رہے ہیں ابرار احمد کہ آپ نے مجھ سے شادی اس لیے کی کہ آپ مجھے اس گھر میں میرا مقام دلانا چاہتے تھے لیکن ساتھ ہی آپ کو یہ احساس بھی تھا کہ میں ایک معذور شخص کے ساتھ کیسے زندگی گزاروں گی' اس لیے مجھ سے نفرت کا اظہار کرتے رہے تاکہ میں آپ کی محبت میں گرفتار نہ ہوسکوں' اس کے برعکس آپ سے متنفر ہوکر اپنے لیے نئی راہیں تلاش کروں' مجھے یاد ہے آپ نے مجھے یہاں سے بھاگ جانے کا مشورہ بھی دیا تھا' چہ...... چہ......'' اس نے باقاعدہ تاسف کا اظہار کیا اور وہ اس قدر حیران تھے کہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکے' یہاں تک کہ اس پر جمی آنکھیں تک ساکت ہوگئی تھیں۔

''یہی سب بتانا چاہ رہے ہیں ناں آپ مجھے۔'' وہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر بولی تو وہ گہری سانس لے کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

''اس وقت مجھے آپ پر رحم آرہا ہے ابرار احمد اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ دیر بعد میں آپ کو اذیت دینے کا سوچنے لگوں۔'' وہ ان کی خجالت پر دل ہی دل میں محظوظ ہوکر بولی۔

''کسی اور سے نہیں لیکن آپ سے میں ہر زیادتی کا حساب ضرور لوں گی' کہیے گنوانا شروع کروں' آپ کی زیادتیاں۔''

''نہیں...... اس میں وقت ضائع کرنے کے بجائے سیدھے سیدھے سزا سنادو۔'' وہ اس کی طرف نہیں دیکھ پارہے تھے حالانکہ دل میں یہ خواہش مچل رہی تھی کہ ان آنکھوں میں خوشیوں کے رنگ اترتے دیکھیں جن میں ہمہ وقت اداسیوں کا موسم بسیرا کیے رہتا تھا۔

''سزا بھی سناؤں گی' پہلے آپ اعتراف تو کریں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔''

''اور اگر میں یہ اعتراف نہ کروں تب؟''

''تب بھی میری محبت میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور ابرار احمد محبت بھی کہیں چھپتی ہے' آپ لاکھ اس کے گرد نفرتوں کی دیواریں کھڑی کردیں' اس کی مہک اپنے زندہ ہونے کا پتہ دیتی ہے اور میں نے بہت پہلے اس مہک کو پالیا تھا پھر بھی خواب سجانے سے ڈرتی رہی اور اب آپ کی سزا یہ ہے......'' وہ ایک جذب کے عالم میں بولتے ہوئے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی اور ابرار احمد اپنی سزا سننے کے لیے پوری جان سے اس کی طرف متوجہ ہوگئے' کس قدر پرسکون ہوکر پلکیں موندتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''حسین تعبیر کا وعدہ دے کر میری آنکھوں میں خواب سجادو۔''

ٹوٹے بکھرے سپنے

اقبال بانو

"تم بہت بے وقوف ہو آخر تم اسے کہتیں کیوں نہیں؟" صبا نے غصے سے کہا۔

"کیا کہوں؟ وہ سیریس ہوتا ہی نہیں۔" انعم نے دکھی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بڑے جبر سے کہا۔

"کیوں نہیں ہوتا وہ سنجیدہ؟" صبا نے چیخ کر کہا۔

"وہ سمجھتا ہے میں اس سے مذاق کررہی ہوں۔"

"جب تم کسی اور کی ڈولی میں بیٹھ کر چلی جاؤ گی تب اسے یقین آئے گا۔"

"ڈولی نہ کہو۔" انعم جلدی سے بولی۔

"ہیں....." صبا نے حیرانی سے اس کے معصوم چہرے کی طرف دیکھا۔

"بھئی آج کل ڈولی کا تصور ہی مفقود ہوکر رہ گیا ہے اب تو دلہا کار میں آتے ہیں بجی سنوری ہوئی۔" انعم کے چہرے پر گلال پھیل گیا۔

"تم سمجھ رہی ہو میں تم سے فضول میں مغز ماری کررہی ہوں۔" صبا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے علم ہے کہ تم میرے لیے بہت مخلص ہو میری بہت اچھی سی بہنوں جیسی دوست ہو اور....."

"اور تمہارا سر..... جو میں سمجھا رہی ہوں آخر تم سمجھتیں کیوں نہیں دیکھو انعم ڈارلنگ! مجھے لگتا ہے وہ تم سے محبت کے معاملے میں مخلص ہے ہی نہیں لکھوالو مجھ سے۔" صبا چیخی۔

"ایسا نہ کہو۔" انعم کانپ کر رہ گئی۔

"کیوں نہ کہوں تمہارے عشق کو پورے چھ برس ہونے کو آئے ہیں اگر فواد مخلص ہوتا تو وہ یقینی طور پر تمہیں پرپوز کرتا؟"

"صبا ڈیئر!" انعم نے ایک طویل سانس لی اور بولی۔

"کل وہ گھر آیا تھا میں نے اسے بتایا بھی کہ کسی سلمان صاحب کا پرپوزل آیا ہوا ہے اور امی ابو سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔"

"پھر....." صبا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھر پتا ہے وہ حسب معمول سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے زور سے ہنسا اور سگریٹ کا سارا دھواں میرے چہرے پر چھوڑ دیا۔" انعم یہ سب بتاتے ہوئے سرخ ہوگئی۔

"تاکہ تم اس کے چہرے پر آئی خوشی کی لہر نہ دیکھ سکو۔" صبا نے اس کا جملہ کاٹ کر کہا تو وہ اسے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔

"صبا تم میری بہت اچھی دوست ہو فواد مجھے بہت عزیز ہے اور تم....." ہمیشہ کی طرح اس کا لہجہ سخت ہوگیا۔

"انعم میری بہن تم خود سوچو کہ میں ایسا کیوں کرتی ہوں صرف تمہاری خاطر میری جان تم جو اتنی معصوم ہو بھولی بھالی ہو اور وہ تمہاری سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔" صبا نے اس کا ہاتھ تھاما اور نہایت شیریں لہجے میں اسے سمجھانے لگی۔

"وہ ایسا نہیں ہے فواد وقت کا منتظر ہے۔"

"ابھی اور کتنا وقت چاہیے اسے؟ یا خدا! آخر لڑکیوں کو کب عقل آئے گی؟" صبا اپنا ماتھا پیٹ کر بولی۔

"تم بھی تو لڑکی ہو۔" انعم نے کہا۔

"اگر میرے ساتھ یہ مسئلہ ہوتا تو سچ کہتی ہوں کہ صاف صاف کہہ دیتی کہ میاں پرپوزل بھیجو ورنہ میں والدین کی پسند سے نکاح پڑھوالوں گی۔" صبا تلملا کر بولی۔

"میں اسے یہ نہیں کہہ سکتی۔" انعم چہرے پر آئی لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے بولی۔

"کیوں نہیں کہہ سکتیں کھا جائے گا کیا؟ میں پھر کہتی

ہوں اس کے دل میں تمہارے لیے رتی بھر بھی جگہ نہیں۔ وہ چھ برس سے تم سے محبت کا کھیل کھیل رہا ہے۔"

"نہیں ڈیئر! تم اسے نہیں جانتی۔" انعم نے اس کی بات کاٹی۔

"تم نے اسے جان کر کون سے آسمان کے تارے توڑ لیے ہیں' اس پر ڈھیروں پرتیں ہیں۔ پیاز کی طرح ہر پرت کے بعد نئی پرت نظر آئے گی تمہیں' تم اسے کبھی نہیں جان پاؤ گی لکھ لو۔" صبا نے گاؤن اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کہاں چلیں؟" انعم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"فرح سے نوٹس مانگے تھے' وہ آج لائی ہوگی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بھی چلوں؟" انعم نے کہا۔

"فی الحال تم سلمان کے پرپوزل کے بارے میں سوچو میں ابھی آئی۔" صبا نے کہا۔

"تم بکواس کرتی رہنا۔" انعم کو غصہ آ گیا۔

"پلیز انعم! تم ایک بار اپنے دل کو فواد کی محبت کے حصار سے نکال کر سوچو تو تمہارا دل خود ہی گواہی دے گا کہ وہ مخلص نہیں ہے تم سے۔" صبا کا لہجہ نہایت نرم تھا۔

"بس...... بس......" انعم نے ناگواری سے ہاتھ اٹھا کر کہا تو صبا نے اسے زخمی نظروں سے دیکھا اور اس پر تقریباً جھکتے ہوئے بولی۔

"مجھے لگتا ہے اس پر مونا کے حسن کا اثر ہوگیا ہے وہ اسے چاہتا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" انعم گیلی لکڑی کی طرح چیخ کر بولی۔

"وہ تو دو ماہ ہوئے امریکہ جا چکی ہے۔"

"سائنس کے ذریعے فاصلے سمٹ گئے ہیں نمی جان!" صبا نے سمجھایا۔

"بکواس مت کرو۔" انعم چیخی تو صبا نے اسے مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور سیمینار روم کی طرف چل دی' انعم خالی خالی نظروں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

"فاصلے سمٹ گئے ہیں...... وہ مونا کو چاہتا ہے...... اس پر مونا کے حسن کا اثر ہوگیا ہے......"

"نہیں......" انعم نے بے قرار ہو کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے مگر اسے لگتا تھا کہ صبا کی باتوں کی بازگشت اب بھی سنائی دے رہی ہے۔

فواد انعم کا پھوپی زاد تھا' وہ ایک بینک میں آفیسر تھا۔ انعم کو ہمیشہ بڑی عمر کے مرد بہت اچھے لگتے تھے تب ہی تو جب وہ پندرہ برس کی نوخیز کلی تھی اسے اپنی اتھل پتھل دھڑکنوں کے انداز کی بھی خبر نہ تھی کہ یہ فواد کو دیکھتے ہی ایک دم کیوں تیز ہو جاتی ہیں۔ دل کی دنیا میں سمندروں جیسی طغیانی کیوں آ جاتی ہے؟

پھر ایک دم ہی دل میں لطیف لطیف جذبوں کی کسک کا احساس جاگنے لگا اور اسے تب پتا چلا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بنا دستک دیے دل کے چور دروازوں سے داخل ہو جاتے ہیں اور پھر ساتھ ہی باہر جانے کے

تمام راستے بھی مسدود کردیتے ہیں۔ فواد کی نظروں میں بھی اس نے اپنے لیے محبت کے فانوس جلتے بجھتے دیکھے تو دل کی لگی کو مزید ہوا ملی اور آگ تیز سے تیز تر ہوتی رہی‘ دونوں زبان سے کچھ نہ بولے نہ وعدے وعید ہوئے۔ بس آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں ہوئیں اور جب انہیں ہوش آیا تو اپنا آپ وہ ایک دوسرے کو سونپ چکے تھے۔ محبت کی خوش بو دونوں کے دلوں میں بس چکی تھی۔

اس نے اپنے عشق کا راز سب سے پہلے صبا ہی کو بتایا‘ دونوں کلاس فیلو تھیں۔ صبا زمانہ شناس تھی اور حقیقت بھی تھی کہ وہ انعم سے زیادہ دنیا کے بارے میں جانتی تھی اس نے کہا تھا۔

”انعم دیکھ بھال کر قدم اٹھانا‘ آج کل دھوکے بہت ہوتے ہیں اور ایسا بہت کم ہے کہ وہ محبت کرنے والے ملیں۔“

”ہمارے درمیان کوئی ظالم سماج جیسی دیوار نہیں آئے گی‘ اس لیے کہ فواد میری پھوپی کا بیٹا ہے ابو جی اسے بہت چاہتے ہیں۔“

”تم بہت معصوم ہو انعم! بہت سادہ دل اور بزدل بھی۔“

”اس کی محبت نے مجھے بہادر کردیا ہے۔“ انعم کے لہجے میں فواد کی محبت کا غرور تھا۔ ”رات بھر ہم فون پر باتیں کرتے ہیں یہ اس کی محبت ہے۔“

”خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔“ صبا نے صدق دل سے دعا کی۔

وقت گزرتا رہا اور انعم و صبا تعلیمی مدارج طے کرتی رہیں‘ انعم کے مجبور کرنے پر صبا کئی بار اس کے ساتھ ہی فواد سے ملنے گئی۔ پہلی بار ہی فواد اسے بالکل اچھا نہ لگا‘ نہ جانے کس طرح صبا کو اندازہ ہوگیا کہ فواد انعم سے محبت کے معاملے میں بالکل سنجیدہ نہیں۔ جب یہی بات اس نے انعم سے کہی تو انعم کو بہت غصہ آیا اور کہا کہ وہ آئندہ فواد کے متعلق کچھ نہیں کہے گی۔

انعم اور صبا کی بہت اچھی دوستی تھی اور اسی دوستی کے ناتے وہ کبھی کبھی انعم کو سمجھاتی کہ اس اوکھلی سے نکل آؤ مگر اسے تو محبت کی اوکھلی کی گرمائش اتنی بھائی کہ وہ وہاں سے نکلنا ہی نہ چاہتی تھی۔

جب وہ بی اے فائنل میں تھی تب فواد کی دونوں بڑی بہنوں کی شادی ہوگئی اب فواد کا نمبر تھا مگر فواد نے انعم سے ہزاروں باتیں کی تھیں۔ محبت کے وعدے کیے تھے مگر کبھی بھی شادی کا ذکر نہ لایا تھا‘ کبھی یہ نہ کہا کہ میں جلد ای کو بھیجوں گا کہ وہ تمہیں ہمیشہ کے لیے ماموں جی سے مانگ لیں حالانکہ بعض مرتبہ انعم کا جی چاہتا کہ وہ اور مدہوش کردینے والی باتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہے مگر وہ کچھ نہ کہتا پھر ایک روز جو کچھ صبا نے اسے بتایا‘ اس بات نے انعم کے دل میں بنے محبت کے تاج محل کی اینٹیں کھسکادیں۔

”نہیں..... نہیں یہ جھوٹ ہے۔“ اس نے بے یقینی سے صبا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہ مانو تم‘ میں نے خود شاپنگ مال میں اشتہاری فلموں کی مشہور اداکارہ مونا کے ساتھ دیکھا ہے۔“

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“ اسے اب بھی اعتبار نہ تھا۔

”تمہاری آنکھوں پر تو فواد کی محبت کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔“ صبا نے غصے سے کہا اور انعم آنکھوں میں نمی لیے اس کے غصے سے تمتماتے سرخ چہرے کو دیکھتی رہی اور پھر اسی شام جب وہ خالی خالی ذہن لیے ڈرائنگ روم میں ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ اپنے مخصوص وقت پر فواد آ گیا۔

اسے دیکھتے ہی انعم کے دل میں پھلجھڑیاں سی چھوٹنے لگیں مگر ایک دم ہی اسے صبح صبا کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی۔

”کیسی ہو؟“ فواد نے محبت سے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ نہ جانے کیوں انعم کی آواز بھرا گئی۔

”آج بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ فواد اس کے قریب بیٹھ گیا۔ یہی تو اس کی باتیں تھیں جن سے وہ مخمور و مسحور ہوجایا کرتی تھی۔

''آپ کی لیے چائے لاؤں؟''
''نیکی اور پوچھ پوچھ سچ آج بہت تھک گیا ہوں۔ فوزیہ نے چائے پلائی تو تھی مگر وہ بات کہاں جو تمہاری بنائی ہوئی چائے میں ہے۔''
''ہوں.....'' انعم مغرور ہوگئی۔
''چاہ سے بنائی ہونا۔'' فواد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا تو وہ مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔
''صبا غلط کہتی ہے فواد صرف مجھے چاہتا ہے اسے یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔'' چائے بناتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی اور فواد کے بارے میں جتنے خدشات اس کے ذہن میں ابھرے تھے وہ فواد نے آنِ واحد میں مٹا ڈالے۔
''آپا جلدی سے چائے بنالیں' مجھے روٹی پکانی ہے۔'' انعم کی چھوٹی بہن فہمیدہ نے کہا تو وہ خیالوں کے گرداب سے نکل آئی۔ اس نے سنا فہمیدہ پیاز کاٹتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔
''روز منہ اٹھائے آجاتے ہیں فواد بھائی! روز چائے پلاؤ' ہونہہ.....'' تب انعم اس کی بڑبڑاہٹ سن کر مسکرائی اور دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔
''تمہیں کیا معلوم فہی ڈیئر! فواد تمہاری آپا کے لیے کیا ہے اور وہ تو صرف آتا ہی میری خاطر ہے' میری کشش اسے کھینچ لاتی ہے۔'' انعم نے دو پیالی چائے بنائی اور ٹرے میں رکھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ فواد نے اس کے آنے کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ وہ تو ٹی وی پر شیمپو کا اشتہار دیکھنے میں مستغرق تھا جہاں مونا اپنے لانبے بالوں کو لہراتی ہوئی پھولوں کے درمیان بھاگتی ہوئی رنگین تتلی لگ رہی تھی انعم کے دل میں ایک عجیب سا درد انگڑائی لینے لگا۔
''بہت پسند ہے تمہیں مونا؟'' انعم نے ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھی' اس کی آواز پر فواد چونکا اور حسب معمول مسکراہٹوں کی بجلیاں اس کے دل پر گراتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولا۔
''ہاں بہت پسند ہے مگر..... ایک فنکار کی حیثیت سے اور تم دیکھو مونا جیسی کوئی ماڈل گرل نہیں ہے۔ وہ سب کو پیچھے چھوڑ گئی ہے' راتوں رات شہرت حاصل کرلی ہے' کوئی اشتہار اس کے بغیر نہیں ہوتا۔''
''تم جانتے ہو اسے؟'' انعم نے پوچھا۔
''ہاں اتنا جانتا ہوں جس قدر تم جانتی ہو ٹی وی کی حد تک۔''
''کبھی ملے ہو؟'' انعم نے بغیر سوچے سمجھے سوال کیا۔
''لاحول ولاقوۃ! میں اور اس سے ملوں گا بھلا۔'' فواد نے جھنجلا کر کہا۔
''تم ناراض کیوں ہو رہے ہو؟'' انعم نے دھیرے سے کہا۔
''تم باتیں ہی ایسی بے تکی کرنے لگی ہو' کیا ہو گیا ہے جان تمہیں۔'' فواد نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جذبات سے چُور چُور لہجے میں پوچھا تو اپنے شک پر اسے خود ہی غصہ آ گیا۔ میں بھی فضول میں صبا کی باتوں میں آجاتی ہوں وہ تو شروع سے یہی چاہتی ہے کہ میں فواد سے دور ہو جاؤں حالانکہ اسے علم ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا۔
فواد میرے وجود کا حصہ ہے' میرے جسم میں روح کی مانند ہے اور میری شریانوں میں خون کی مانند فواد کی محبت بہہ رہی ہے' دل کے نہاں خانوں میں صرف اور صرف فواد کی تصویر فٹ ہے۔ صبا تو بے وقوف ہے اس نے کبھی محبت کی ہو تو اسے پتا ہو کہ محبت کیا ہے؟ محبت کرنے والوں کے لیے تو یہی دین ایمان ہے' سب کچھ یہی ہے۔
''کیا سوچ رہی ہو؟'' فواد نے اس کے گال پر جھولتی لٹ کو کھینچتے ہوئے شوخی سے کہا تو انعم خیالات کے گرداب سے نکل آئی اور مسکراتی ہوئی بولی۔
''میری سوچوں کا ہر سرا تمہی سے شروع ہوتا اور تمہی پر ہر سوچ ختم ہوتی ہے۔''

''سچ......'' فواد کی آنکھوں میں محبت کی قندیلیں روشن ہوگئیں۔

''فواد ایک بات کہنی تھی تم سے۔''

''حکم کرو۔'' وہ وجد میں بولا۔

''وہ......وہ فواد......'' انعم چپ ہوگئی۔

''آؤ ننگ پر چلنا ہے؟'' وہ شوخی سے بولا۔

''یہ بات نہیں ہے۔'' اس کی بات پر انعم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''پھر؟'' فواد نے مدہوش نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''آج کل گھر میں میری شادی کی باتیں گردش کررہی ہیں۔'' انعم نے آخر کہہ دیا۔

''اچھا۔'' فواد زور سے ہنسا۔

''دو رشتے آئے ہوئے ہیں۔'' انعم نے تفصیل بتائی۔

''چل جھوٹی۔'' فواد نے سدا کے لاابالی پن سے کہا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں فواد!'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''ارے یار تم کیوں دکھی ہوتی ہو' ہمارا سنجوگ تو آسمانوں پر ہوا ہے تمہیں کوئی اور نہیں لے جاسکتا' سوائے ملک الموت کے۔'' فواد نے انعم کا ہاتھ تھام کر نہایت پریم سے کہا۔ اس کی یہی تو باتیں تھیں جو کہ انعم کے دل میں اٹھتے سوالات کے سامنے بند باندھ دیتی تھیں وہ کچھ نہ کہہ سکتی اور واقعی یہ سچ تھا کہ فواد کے کہنے پر وہ یہی سمجھتی تھی کہ ہمارا سنجوگ تو آسمانوں پر ہوگیا ہے۔ تبھی تو وہ جو دونوں رشتے آئے تھے انعم کے والدین نے انکار کردیا مگر پھر بھی فواد کے کان پر جوں نہ رینگی اور اس نے اپنی ماں کو نہ بھیجا۔

ادھر صبا نے انعم کے کان کھالیے تھے یہ کہہ کہہ کر کہ فواد کے دل میں کھوٹ ہے' اس کے دل میں تم نہیں مونا بسی ہوئی ہے کیونکہ صبا نے کئی بار فواد کو مونا کے ساتھ دیکھا تھا۔ ایک بار صبا اپنے بھائی فاروق اور طاہرہ بھابی کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی تو وہاں بھی اس نے فواد اور مونا کو دیکھا اس کا جی چاہا فواد کا بازو تھام کر کہے۔

''بہت خوب......وہ دو لڑکیوں کو بے وقوف بنا رکھا ہے یہ تو بتاؤ کچی محبت کس سے ہے؟'' مگر فاروق بھائی کی موجودگی میں وہ ایسا نہیں کہہ سکتی تھی۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ یہاں سے ہی بھاگ جائے اور انعم کو لے آئے۔ اسے دکھائے جس کی محبت کا دل وہ بھرتی ہے وہ ایک نمبر کا فلرٹ ہے' کمینہ پاجی اور ایک وہ بے وقوف گدھی ہے کہ میری بات سنتی نہیں۔ سمجھتی ہے کہ جیسے میں اس کی دشمن ہوں۔ ساری زندگی روئے گی اگر فواد کی ہو بھی گئی' یہ تو ہر پھول پر منڈلانے والا بھنورا ہے رس چوس کر اڑ جانے والا۔

صبا کا سمجھانا اپنی جگہ رہا اور انعم' فواد کی محبت میں گوڈے گوڈے دھنستی رہی۔ فواد کی باتیں اسے سچ لگتیں اور صبا کی بات تو وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی۔ صبا کی باتوں کو وہ دیوانے کی بڑ سے زیادہ اہمیت نہ دیتی تھی۔ کسی کے روکنے سے وقت کا پنچھی نہیں رکتا بلکہ یہ تو اپنی مخصوص پرواز کے ساتھ پر پھیلائے اڑتا رہتا ہے۔

جب وہ ایم اے میں تھی تو صبا کی منگنی اس کے کزن افتخار سے ہوگئی۔ صبا نے اچھی لڑکیوں کی طرح والدین کی پسند پر سر جھکا دیا۔ اس کی راتوں کی نیندیں حرام نہ ہوئی تھیں' انعم کی طرح۔ انعم کو تو جب بھی پتا چلتا کہ اس کے لیے کوئی رشتہ آیا ہے تو دل ابھرنے ڈوبنے لگتا۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اماں بی اب کے حامی بھرلیں گی' وہ فواد کو بتاتی تو وہ ہنس کر ٹال جاتا اور اپنا مخصوص جملہ دہراتا رہتا۔

''ہمارا سنجوگ تو آسمانوں پر ہوگیا ہے انعم جان! میرے علاوہ تمہیں کوئی نہیں لے جاسکتا۔''

بعض مرتبہ وہ سوچتی کہ شاید صبا ٹھیک ہی کہتی ہے اس کے جذبے سچے تھے تبھی تو اس بیری پر پڑنے والا کوئی پتھر نشانے پر نہیں بیٹھ رہا تھا مگر کب تک؟ اب جو رشتہ آیا تھا سلمان احمد کا ہر لحاظ سے موزوں تھا۔ سلمان احمد کا ڈنمارک میں وسیع کاروبار تھا اور سلمان احمد انعم کی

بڑی بہن رخشندہ کے سسرالی رشتے داروں میں سے اچھا رشتہ دار تھا۔

رخشندہ خود بھی والدین پر زور دے رہی تھی کہ سلمان سے اچھا رشتہ نہیں ملے گا۔ وہ ذاتی طور پر سلمان کو جانتی تھی وہ بہت بردبار قسم کا انسان تھا۔ ابی ابو کو کوئی اعتراض نہ تھا اور انعم نے تقریباً روتے ہوئے فواد کو بتایا تو وہ بولا۔

"بھئی میرا ارادہ ابھی شادی کا نہیں ہے' میں سی اے کرنے لندن جانا چاہ رہا ہوں' تم نے جہاں اتنے برس انتظار کیا ہے چند سال اور کرلو۔"

"اور اگر ابو نہ کریں انتظار پھر......؟" انعم نے خدشہ ظاہر کیا۔

"پلیز میری خاطر انعم! مجھے علم ہے کہ تم میرے بن کبھی نہ رہ سکو گی اور...... اور نہ ہی میں تمہارے بغیر چین سے رہ سکوں گا۔ تم...... تم انکار کردو۔" فواد کے چہرے پر اندرونی دکھوں کا عکس لہرانے لگا تو انعم کے دل کے سمندر میں درد کی لہریں اٹھنے لگیں' وہ اپنے فواد کو دکھی نہ دیکھ سکتی تھی۔

"میں انکار کردوں گی فواد تمہاری خاطر...... مگر پلیز تم مجھے دھوکا نہ دینا۔" انعم نے اس کا ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگالیا۔

"پگلی! تم تو میری زندگی ہو بھلا کوئی اپنی زندگی سے بھی دھوکا کرتا ہے؟" فواد نے اسے کھینچ کر قریب کرلیا اور انعم اس کے سینے میں منہ چھپا کر بلک پڑی۔ دوسرے روز اس نے ساری بات صبا کو بتائی تو اس نے حسب معمول یہی کہا۔

"انعم! تم نری بدھو ہو' فواد تم سے محبت کے معاملے میں مخلص نہیں ہے۔" اور ابھی ابھی وہ اسے سمجھا بجھا کر گئی تھی اور ساتھ ساتھ اس کے پرسکون سمندر میں ایک جملے کا پتھر پھینک کر ارتعاش بھی پیدا کردیا تھا۔

"اس پر مونا کے حسن کا جادو چل گیا ہے۔"

"نہیں' وہ صرف میرا ہے اس نے خود کہا ہے کہ میں اس کا انتظار کروں' اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایسا کیوں کہتا؟" انعم نے سر جھٹکتے ہوئے سوچا تب ہی صبا آ گئی۔

"لے آئیں نوٹس......؟" اس نے صبا کے سوال کرنے سے پہلے ہی سوال کردیا۔

"فرح آج آئی ہی نہیں۔" صبا نے کہا۔

"چلو لائبریری چلتے ہیں۔" انعم نے گاؤن' کا پیاں کتابیں اٹھائیں اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اصل میں وہ نہیں چاہتی تھی کہ صبا مزید کچھ کہے اور اسے علم تھا کہ اب پھر وہ نصیحتوں کی پٹاری کھول کر بیٹھ جائے گی اور مجھے بے سکون کردے گی اور پھر صبا نے بھی اس سے کچھ نہ کہا اور چپ چاپ اس کے ساتھ چل دی۔

☆......☆......☆

انعم حیران و ششدر رہ گئی تھی جب سلمان کی بہن نے اسے آ کر انگوٹھی پہنائی' اس نے ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ سب کچھ دیکھا۔ اس کی گویائی ختم ہوچکی تھی' اسے تو پتا بھی نہ چلا تھا کہ کب نکاح ہوجانا تھا اور شادی اس کے ایم اے کے بعد ہونی تھی اور پھر جب سب چلے گئے تو انعم کو ہوش آیا' اس نے غصے سے انگوٹھی اتار کر امی جی کے سامنے پھینک دی' انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور بولیں۔

"تمہارا دماغ تو صحیح ہے؟"

"ہاں مجھ سے پوچھے بغیر آپ نے کیوں میری زندگی کا فیصلہ کردیا۔" انعم نے ہمت کرکے کہا۔

"دنیا جہاں کے والدین ہی اپنی اولاد کی آئندہ زندگی کے فیصلے کرتے ہیں۔ ہم نے کردیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟" امی جان نے رسان سے جواب دیا۔

"آپ نے یہ سب رخشندہ آپا کے کہنے پر کیا ہے' نہ لڑکے کو دیکھا بھالا نہ کچھ کیا' میں اتنا بوجھ ہوں امی جان!" انعم رودی۔

"لڑکیاں پرایا دھن ہوتی ہیں' آخر کون کب تک بیٹھتی ہے اور رخشندہ تمہاری بہن ہے دشمن نہیں۔"

"پھر بھی مجھے...... مجھے نہیں کرنی سلمان سے شادی۔" انعم نے کہا۔

''یہ تم کہہ رہی ہو۔'' امی جی کا چشمہ مارے حیرت کے ڈھلکنے لگا۔

''جی......''

''مگر اس انکار کی وجہ؟'' امی جی نے خود پر قابو پاکر پوچھ ہی لیا۔

''میں پڑھنا چاہتی ہوں۔'' انعم نے ہولے سے کہا۔

''تو کون منع کرتا ہے تمہیں پڑھنے سے' یہ آخری سال تو ہے تمہارا اس کے بعد تمہیں گھر تو بسانا ہے۔'' امی جی نے فیصلہ سنا دیا۔

''مگر......'' انعم نے کہنا چاہا۔

''مگر کچھ نہیں انعم اگر تم نے مزید کچھ کہنا چاہا تو میں کچھ پھانک کر مر جاؤں گی۔'' امی جی روایتی ماں بن گئیں اور یہاں انعم ہار گئی ایک دم ہی اس کی ساری ہمت جواب دے گئی۔ وہ بھربھری مٹی کی طرح ڈھے سی گئی۔ ساری تیزی طراری دھری رہ گئی۔

وہ فواد کے سامنے روئی گڑگڑائی کہ اب بھی وقت ہے تم پھوپی کو بھیج دو ابو جی مان جائیں گے مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا بس سگریٹ کے کش پر کش لگاتے ہوئے اسے اپنی سرخ ڈورے والی زخمی نظروں سے دیکھتا رہا۔

''میں امی سے بات کروں گا اور...... اور اگر وہ نہ مانیں تو میں یہ ملک چھوڑ دوں گا پھر...... پھر کیا رہ جائے گا میرے لیے یہاں۔'' فواد کی آواز بھرا گئی' اس کے دکھ پر انعم اپنا دکھ بھول گئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''حوصلہ کرو فواد! اب بھی کچھ نہیں بگڑا' تم تو کہتے ہو ہمارا سنجوگ آسمانوں پر ہوا ہے۔''

''ہاں کہتا ہوں مگر مجھے لگتا ہے اب مشکل ہی سے ماموں جی مانیں۔''

''کیوں بدفال نکالتے ہو منہ سے۔'' انعم نے تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

پھر پورا ہفتہ فواد اسے نہ ملا نہ گھر آیا' وہ مخصوص وقت پر اس کی منتظر رہتی۔ ایک ہفتے تک وہ بولائی بولائی پھری یونیورسٹی بھی نہ جا سکی۔ صبا بھی نہ آئی تھی کہ اسی سے کچھ کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی۔

اس روز دوپہر کو خلاف توقع فواد آ گیا تو اس کا مرجھایا ہوا دل کلی کی مانند کھل اٹھا۔ امی جی رخشندہ باجی کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھیں' ابا ابھی دفتر سے لوٹے نہ تھے اور راستہ صاف تھا۔ فواد آیا اور ڈرائنگ روم میں صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا فواد؟'' انعم نے دھڑکتے دل سے اس سے پوچھا تو اس نے اپنی سرخ انگارہ جیسی نگاہیں اس پر گاڑ دیں۔

''انعم! میں تم بن نہیں رہ سکتا۔'' وہ رو دینے کو تھا۔

''تو...... تو پھوپی جی نہیں مانیں؟'' انعم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''میں ایک ہفتے سے انہیں منا رہا ہوں۔'' فواد کا لہجہ کانچ کی طرح ٹوٹا ہوا تھا' وہ اپنی الفت جتا کر انعم کی بے قراری بڑھا رہا تھا۔

''مگر وہ کیوں نہیں مان رہیں؟'' انعم نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

''وہ رابعہ آپا کی نند سے......''

''اوہ......'' انعم نے ایک طویل سانس لی۔

''ایک تجویز ہے میرے ذہن میں اگر تم مانو تو کام بن سکتا ہے۔'' فواد نے کہا۔

''کیا......؟'' انعم کو لگا جیسے اندھیری رات میں کوئی جگنو چمک اٹھا ہو۔

''ہم سب سے چھپ کر کورٹ میرج نہ کر لیں۔'' فواد نے کہا تو وہ کپکپا کر رہ گئی۔

''نہیں فواد! یہ بدنامی کا راستہ ہے۔''

''مگر اس کے بغیر ہمارا سنجوگ ممکن نہیں ہے انعم!'' فواد نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''فواد بدنامی ہوگی' لوگ باتیں بنائیں گے۔''

''جب تم میری بن جاؤ گی تو کیسی بدنامی' کہاں کی بدنامی اور رہا لوگوں کی باتوں کا تو دنیا کا تو کام ہی باتیں

بنانا ہے چند روز بعد سب چپ ہو جائیں گے۔" فواد نے سمجھایا۔

"پھر بھی مجھے سوچنے تو دو۔" انعم نے ہولے سے کہا حالانکہ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ابھی حامی بھر لو مگر اس نے دل کی صدا کو دبا دیا' پتا نہیں یہ بات اس کا ذہن کیوں نہ مان رہا تھا۔

"کل جواب دو مجھے تاکہ میں سارا انتظام کرلوں۔" فواد فوراً جواب چاہتا تھا۔

"تم سی اے کرنے انگلینڈ نہیں جاؤ گے؟"

"تم مجھے مل جاؤ میں سمجھوں گا مجھے سب کچھ مل گیا ہے۔" فواد نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کے اس طرح دیکھنے پر لاجونتی کے پودے کی مانند سمٹ گئی۔

☆......☆......☆

"تم اس سے کہہ دو کہ تم کورٹ میرج پر راضی ہو' صاحب بہادر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔" صبا نے انعم کی پوری بات سننے کے بعد کہا۔

"وہ بہت سیریس تھا صبا!"

"میں نہیں مان سکتی انعم ڈیئر! وہ تم سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے' اسے معلوم ہے کہ تم کورٹ میرج کے حق میں نہیں ہوگی اور اس طرح وہ دامن بچا لے گا۔"

"وہ ایسا نہیں ہے۔" انعم کا دل اس بات کو نہ مان رہا تھا۔

"اس نے تمہیں بتایا نہیں کہ تمہاری پھوپو نے انکار کیوں کیا؟" صبا نے کہا۔

"میں نے پوچھا ہی نہیں۔" انعم نے یہ بات گول کردی کہ اس کی پھوپی اپنی بیٹی کی نند کو بہو بنانا چاہتی ہیں۔

"بدھو ہو ایک دم سے بھلی مانس! بھول جاؤ اسے' وہ جو چاہتا ہے تم وہی کہو' اسے کہہ دو کہ تم اپنے والدین کی عزت نیلام نہیں کرسکتیں۔"

"صبا پلیز کوئی حل سوچو میں بہت پریشان ہوں۔" انعم روہانسی ہوگئی۔

"میں نے جو کہنا تھا کہہ چکی اور انعم! میں تمہیں برسوں سے سمجھاتی آرہی ہوں' وہ تم سے محبت کے معاملے میں ایک رتی بھی مخلص نہیں ہے۔ وہ تمہیں نہیں چاہتا جب تم دونوں کا عشق چلا وہ سروس کر رہا تھا' خود مختار تھا۔ اپنی ماں سے ضد کرکے ہر بات منوا سکتا تھا اب جب کہ تمہاری منگنی ہوگئی ہے اب اسے ہوش آیا ہے اور تمہیں اندھیروں کے غار میں دھکیلنا چاہتا ہے کورٹ میرج کرکے ایسی محبت کے بوٹے کو دل کی زمین سے نوچ پھینکو جس میں لگنے والے پھولوں کی خوش بو تمہارے والدین کی رسوائی کا باعث بنے۔ فرض کرو تم دونوں نے سب سے چھپ کر شادی کر بھی لی تو نہ تمہاری سسرال میں عزت ہوگی اور نہ تمہارے چہیتے فواد کے دل میں تمہارے لیے کوئی جگہ ہوگی۔ وہ طعنے دے دے کر تمہارا جینا حرام کردے گا۔" صبا نے سمجھایا۔

"پھر میں کیا کروں۔"

"اچھی لڑکیوں کی طرح والدین کی رضا پر سر جھکا دو' والدین جو کچھ کرتے ہیں بہتر کرتے ہیں۔ آئندہ زندگی میں بھی والدین کی دعائیں سر پر سائبان کی طرح تنی رہتی ہیں اگر تم ان کا دل دکھاؤ گی تو ہمیشہ بے سکون رہو گی۔ انعم ڈیئر! اتنی محبتیں چھوڑ کر ایک محبت مت اپناؤ' وہ بھی ایسی محبت جو کہ ڈانواں ڈول ہو۔" صبا نے اس کا ہاتھ تھام کر تھپکتے ہوئے نہایت نرم لہجے میں سمجھایا۔

"پھر...... میں اسے کہہ دوں کہ میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتی۔" انعم نے نہایت ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا اور ساتھ ہی آنسو پلکوں کا بند توڑ کر گالوں پر آگئے۔

"ہاں' تمہیں ایسا کرنا ہی ہوگا۔" صبا نے انگلی کی پور سے اس کے گالوں پر بہنے والے آنسو صاف کیے۔ "اس لیے انعم جان کہ وہ تم جیسی معصوم اور سادہ لڑکی کے قابل نہیں ہے۔ وہ نہایت شاطر انسان ہے' وہ ادھر تمہارے ساتھ محبت کا کھیل کھیلتا رہا اور اُدھر مونا کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھاتا رہا۔ ایسا مرد مخلص نہیں ہوتا۔"

"مگر وہ تو کہتا ہے کہ وہ بحیثیت فنکار کے مونا کو پسند کرتا ہے۔" انعم نے بھیگی بھیگی پلکوں کو اٹھا کر صبا کی طرف دیکھا۔

"سو بہانے ہیں خود کو بچانے کے۔"

"مگر یہ تو بتاؤ تمہیں کیسے پتا ہے کہ وہ مجھ سے مخلص نہیں ہے' پہلی بار دیکھتے ہی تم نے کیسے اندازہ لگا لیا تھا؟" انعم نے پوچھا۔

"انسان کے اندر ایک اور چیز بھی ہوتی ہے جسے چھٹی حس کہتے ہیں' وہ کوئی خطرہ محسوس کرکے فوراً دماغ میں خطرے کا الارم بجانے لگتی ہے اگر کوئی اس الارم کی آواز سن لے تو کبھی نقصان نہیں اٹھا سکتا۔ پھر بھی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پہلی نظر میں اچھے لگتے ہیں' ان سے دوبارہ ملنے کو باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے جبکہ فواد مجھے پہلی نظر ہی میں اچھا نہیں لگا۔ اس کے دیکھنے کا انداز ہی مجھے نہیں بھایا تھا۔" صبا نے نہایت صاف گوئی سے کہا تو انعم نے پہلی بار فواد کے خلاف اتنا کچھ کہنے کے باوجود صبا کو کچھ نہ کہا بس وہ نہ جانے کیا سوچتے ہوئے گھاس توڑتی رہی۔

☆......☆......☆
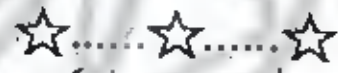
"فواد! میں تمہاری بات نہیں مان سکتی۔" شام کو جب فواد انعم کا فیصلہ سننے آیا تو اس نے اپنے دل پر نہایت جبر کرکے کہہ دیا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟" فواد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں فواد میں اپنی والدین کی عزت نیلام نہیں کرسکتی' میں ایک محبت پانے کے لیے ڈھیروں محبتیں نہیں گنوا سکتی۔" انعم نے صبا کے کہے ہوئے الفاظ دہرا دیئے۔

"انعم تم کو کیا ہوگیا ہے؟" فواد نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"خدا کو ہمارا سنجوگ منظور نہیں ہے فواد!" انعم نے اس سے اپنا آپ چھڑایا اور پھر تقریباً بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ وہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ فواد آنکھوں میں حیرت لیے ہلتے پردوں کو دیکھے جارہا تھا۔

❀......❀......❀

دن عجیب بے کل انداز میں گزرنے لگے تھے' وہ یونیورسٹی بھی جاتی مگر خالی خالی ذہن کے ساتھ کلاسز اٹینڈ کرتی۔ صبا نے اس سے کچھ نہ پوچھا مگر اسے علم تھا کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔ انعم نے فواد کو اپنا فیصلہ سنا تو دیا مگر خود ٹوٹ پھوٹ گئی ہے' بکھر گئی ہے۔ ظاہر ہے اب سمٹنے میں کچھ وقت تو لگے گا ہی؟ دوسرا سمسٹر ختم ہوا ہی تھا کہ پتا چلا سلمان احمد پاکستان آرہے ہیں' صرف پندرہ روز کے لیے اور ان کی بہن سلطانہ چاہتی تھی کہ نکاح کردیا جائے یوں جلدی جلدی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

انعم کے نکاح سے صرف چار دن قبل فواد انگلینڈ چلا گیا' جاتے وقت انعم سے ملا بھی نہ بس فون پر ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اب میں کبھی واپس نہیں آؤں انعم جان! خدا تمہیں خوش رکھے' اللہ حافظ۔" اور جواب میں انعم کچھ بھی نہ بول سکی تھی' فواد نے سلسلہ منقطع کردیا۔ انعم کی رو رو کر بری حالت تھی' سب کا خیال تھا کہ لڑکیاں اپنی شادی کے موقع پر ایسے ہی تڑپتی روتی ہیں۔ اصل وجہ تو کسی کو معلوم نہ تھی کہ وہ کیوں تڑپ رہی ہے۔

پرانی محبت اس کے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ دل کے سنگھاسن پر بیٹھا فواد اپنے شہد آگیں لہجے میں بول رہا تھا۔

"تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔" انعم کا دل خون کی ندی بنا ہوا تھا' ہر طرف ماتم ہی ماتم ہورہا تھا۔

وہ خالی خالی نظروں کے ساتھ سب کچھ دیکھ رہی تھی' نکاح کے وقت جب اس سے قبولیت کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے بڑے دھڑلے سے دل کی آواز کو دبا کر ہاں کہہ دی' کاغذات پر دستخط کردیئے اور پھر صبا کے کندھے پر سر رکھ کر بکھر گئی۔ ساری خواتین کمرے سے جاچکی تھیں اس کے پاس صرف صبا تھی۔

"صبو...... صبو...... وہ چلا گیا۔" انعم نے گلوگیر آواز

میں کہا۔

''بہت اچھا ہوا۔'' صبا نے کہا۔

''وہ بہت دکھی تھا۔''

''دکھ سکھ سب کی زندگی میں آتے ہیں' مجھے یقین نہیں کہ وہ دکھی ہوگا اور اب تم اس کے بارے میں سوچو بھی مت' سلمان احمد بہت اچھے ہیں۔'' صبا نے اس کی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں میں جھانکتے ہوئے محبت سے کہا تو وہ آہ بھر کر رہ گئی جبھی کسی نے ٹیپ ریکارڈ آن کردیا اور دلوں کو چیرنے والا گانا انعم کی سماعت سے ٹکرایا۔

''زندگی..... امتحان لیتی ہے''

''پلیز صبو! اسے بند کرادو۔'' اس نے نہایت بے قراری سے ہونٹ کچلتے ہوئے کہا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کہ یہ گیت اس کے حسب حال ہو۔ اس کی زندگی بھی تو کڑے امتحان سے گزر رہی تھی اس کی بھی تو جان پر بنی ہوئی تھی' صبا نے ٹیپ ریکارد بند کردیا اور پھر ایک دم شور اٹھا کہ انعم کی رخصتی ابھی آج ہی ہے کیونکہ اس کی نند سلطانہ نے کہا تھا کہ صرف دو روز کے لیے انعم کو بھیج دیا جائے۔ اس لیے کہ انہوں نے مشہور ہوٹل میں ولیمے کا انتظام کررکھا تھا سب دوستوں کو بھی مدعو کیا جاچکا تھا اور یہ بات پہلے سے انعم کے والدین کو بتادی گئی تھی وہ راضی تھے مگر انعم اس دھوکہ دہی پر آگ بگولہ ہوگئی تھی۔

''صبو! میں نہیں جاؤں گی' ابھی میں سلمان کو ذہنی طور پر قبول نہیں کرسکتی پھر اس کی قربت..... نہیں صبو! امی سے کہہ دو اتنا تو میرے ضبط کو نہ آزمائیں۔''

''پوری برادری جمع ہے انعم! اور تم جاؤ مجھے یقین ہے کہ سلمان تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔'' صبا نے اسے سمجھایا۔

''مرد کا کیا بھروسہ۔'' انعم نے کہا۔

''تم نے فواد کو نہیں آزمایا' انہیں آزما کر دیکھ لو اگر میرا اندازہ درست نہ ہوا تو میں ہر سزا کے لیے تیار ہوں۔'' صبا نے وثوق سے کہا۔

''آخر میں انہیں کیا کہوں گی۔'' انعم رو دی۔

''کہہ دینا کہ جب تک تم ایم اے نہیں کرلیتیں ازدواجی تعلقات کے لیے.....''

''اُف بدتمیز کیسی باتیں مجھ کنواری لڑکی سے کہلوا رہی ہو۔'' صبا ایک دم شرما گئی تو انعم بھی مسکرادی اور پھر رات گئے انعم کی رخصتی بھی ہوگئی۔

اور جو کچھ صبا نے کہا تھا' وہ درست تھا اور انعم حیرت سے سوچ رہی تھی کہ میں بھی اسی کی ہم عمر ہوں پھر اس کے اندازے اس قدر درست کیسے ہوتے ہیں۔ سامنے ہی سلمان احمد صوفے پر کشن سر تلے دیے لیٹے ہوئے تھے۔

انہوں نے انعم کا گھونگھٹ الٹتے ہی اس کے حسن کی ڈھیروں تعریفیں کی اور جب وہ بیڈ کے قریب لگا بٹن دبا کر لائٹ آف کرنے لگے تو انعم نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ انہوں نے چونک کر انعم کی طرف دیکھا' اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ وہ سب سمجھ گئے اور مسکراتے ہوئے بولے۔

''جیسی تمہاری مرضی' ویسے سہاگ رات یونہی گزارنے کا ہمیشہ قلق رہے گا۔''

''آپ ناراض ہیں مجھ سے؟'' انعم کے لبوں سے یہ جملہ گولی کی طرح نکلا۔

''یہ تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟'' انہوں نے انعم کی تھوڑی پکڑ کر اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں جھانکا۔

''آپ کو تو علم ہے کہ میں ابھی پڑھ رہی ہوں اور اگر کچھ.....'' وہ بُری طرح شرما گئی۔

''ہاں یہ تو ہے تم پڑھو گی یا بچے سنبھالو گی' ٹھیک ہے دیکھو مجھے عقل ہی نہ آئی چلو آرام سے سو جاؤ جہاں ہم نے بیوی کے بغیر اتنے برس گزارے ہیں چند ماہ اور سہی' ہے نا۔'' انہوں نے انعم کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر پیار کیا اور ان کی اس حرکت نے انعم کے وجود میں آگ سی لگادی پھر سلمان احمد اٹھے اور صوفے پر جاکر لیٹ گئے چند لمحے بعد ہی انہیں نیند آگئی اور وہ اب تک انہیں

دیکھ رہی تھی فواد اور سلمان احمد کا موازنہ کررہی تھی۔

فواد سے لاکھ درجہ خوب صورت تھے سلمان احمد مگر اسے تو فواد ہی اچھا لگتا تھا پھر وہ کیا کرتی۔ سرخ دگندمی رنگت' گھنگھریالے بال' ٹھوڑی میں ننھا سا گڑھا جو انہیں اور جاذب نظر بنادیتا تھا۔ وہ سلمان احمد کو دیکھتی رہی اور نہ جانے کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوگئی۔

دوسرے روز شام کو ولیمہ تھا' انعم بہت خوش تھی اور صبا نے جب اس کے گالوں پر پھوٹتے ہوئے خوشی کے انار دیکھے تو وہ جھوم اٹھی اس کا قیاس درست تھا اس کے پوچھنے سے پہلے بول پڑی۔

''سلمان بہت اچھے ہیں صبو!''

''والدین کی پسند ہمیشہ ہی اچھی ہوتی ہے۔'' صبا نے کہا۔

''انسان کی اپنی پسند بھی تو کوئی چیز ہے۔'' انعم نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''یہ پسند وسند صرف جوانی کے ابال ہیں اور کچھ نہیں جونہی عمر آگے بڑھتی ہے یہ سارے طوفان ہلکے پڑ جاتے ہیں۔'' صبا نے کہا۔

اس سے پہلے کہ انعم جواب دیتی' کچھ اور لڑکیاں آگئیں اور یوں بات ختم ہوگئی۔ انعم ایک ہفتہ اپنی سسرال میں رہی اور سلمان احمد کی شرافت نے اس کے دل میں گھر تو کرلیا مگر یہ شرافت کی کھرپی اس کے دل کی دیواروں پر لکھا فواد کا نام نہ کھرچ سکی۔ سلمان احمد شادی کے صرف نو روز بعد واپس ڈنمارک چلے گئے اور انعم اپنے میکے آگئی۔ دوسرے روز سے حسب معمول وہ یونیورسٹی جانے لگی اب بھی وہ صبا سے فواد ہی کا ذکر کرتی' وہ جل کر کہتی۔

''اب تم سلمان احمد کی باتیں کیا کرو' فواد کو گزرا وقت سمجھ کر بھلادو۔''

''گزرا ہوا وقت اچھا ہو یا برا بھلایا نہیں جاتا۔'' انعم دکھ سے کہتی۔

''اگر تم نے اسے نہ بھلایا تو زندگی اجیرن ہوجائے گی تمہاری۔'' صبا سمجھاتی۔

''اب بھی تو دکھ بھری زندگی گزار رہی ہوں۔'' انعم مسکرا کر کہتی تو صبا کا جی چاہتا کہ کم بخت کو اتنا مارے کہ اس کے دل میں بچی فواد کی تصویر مسخ ہوجائے مگر ایسا کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔

فواد کو انگلینڈ گئے تین ماہ ہی ہوئے تھے کہ انعم کی بھابی رفعت کے بھائی اور بھاوج پورے پانچ برس بعد انگلینڈ سے لوٹے رفعت بھابی کئی روز میکے میں رہیں۔ شہزاد بھائی نے سالے کو دعوت دی' خاصا اہتمام کیا گیا تھا۔

کھانے کے بعد سب ڈرائنگ روم میں جمع تھے انعم کافی بنالائی' تب ایک دم ہی میمونہ بولیں۔

''آنٹی! وہ آپ کی نند کا بیٹا ہے نا فواد!''

''ہاں...... ہاں وہ بھی سی اے کرنے انگلینڈ گیا ہے۔'' امی جی نے کہا۔

''سی اے کرنے تو نہیں' کیوں طارق؟'' میمونہ نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اس کا لہجہ ایسا ذومعنی تھا کہ انعم کا دل دھڑک اٹھا۔

''ہاں خالہ جان وہ تو ہمیں ڈرگ اسٹور میں ملا تھا' اس کی وائف بھی اس کے ساتھ تھی۔'' طارق نے بتایا تو انعم کو لگا جیسے اس کا دل ٹھہر جائے گا' اس نے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

''وائف......'' شہزاد بھائی نے حیرانگی سے پوچھا۔

''وہ تو یہاں سے اکیلا گیا تھا۔''

''شاید مونا نام بتایا تھا' اس نے گھر آنے کا بھی کہا مگر ہمیں فرصت ہی نہ ملی۔'' طارق بتارہے تھے اور انعم کو ساری دنیا چکراتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ اسے کیا علم تھا کہ فواد نے مونا سے تو ایک برس پہلے کورٹ میرج کرلی تھی۔ مونا کے دونوں بھائی برسوں سے انگلینڈ میں رہتے تھے اور وہ تو شوقیہ ماڈلنگ کرتی تھی۔ فواد سے اس کی ملاقات ایک کاک ٹیل پارٹی میں ہوئی اور وہ جو اپنا آپ معصوم وسادہ سی انعم کے سامنے نہ ہارا تھا اس تیز طرار مونا

کے آگے اپنا سب کچھ ہار گیا اور پھر گزشتہ برس دل کے
تقاضوں سے مجبور ہو کر اس نے اور مونا نے شادی کر لی۔
مونا اپنے بڑے بھائی کے پاس امریکہ چلی گئی' وہاں
ایک ماہ رہنے کے بعد انگلینڈ آ گئی۔ اس کے بھائی نے
ذاتی طور پر...... کوشش کر کے فواد کو بھی بلوا لیا۔

اسے جاب بھی دلوا دی اور وہ اب بہت خوش تھا جبکہ
یہاں انعم یہ سمجھ رہی تھی کہ فواد نے اس خاطر بن باس لیا
تھا۔ ایسا تو نہ تھا' صبا کی بات سچ تھی کہ وہ محبت کے
معاملے میں رتی بھر بھی مخلص نہ تھا' جاتے جاتے بھی
اپنے من کا کھوٹ عیاں نہ کر سکا اور پھر اس رات انعم نے
آخری بار فواد کو یاد کیا' اس کی بے وفائی کو یاد کر کے آنسو
بہائے اور اپنے آنسوؤں کی برسات میں اس نے اپنی
پلکوں میں ثبت فواد کی شبیہہ بھی بہا ڈالی۔ کتنا بڑا دھوکا کیا
تھا اس نے جاتے جاتے بھی خود کو باوفا ثابت کر گیا تھا
اور میں کیسی ذلیل ہوں کہ اس کی ہر بات پر آنکھ بند
کر کے اعتبار کرتی رہی اس نے اپنی مصنوعی محبت کے
حصار میں مجھے ایسا جکڑا کہ میں حقیقت سے آنکھیں
چرانے لگی۔

''فواد! تم بہت کمینے ہو۔'' انعم نے ہونٹ چباتے
ہوئے غصے سے سوچا اور پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیپ
ٹاپ اٹھا کر گود میں رکھا اور سلمان کے لیے میسج ٹائپ
کرنے لگی۔

''میرے سرتاج! میں اب مزید تنہا نہیں رہ سکتی پلیز
آپ مجھے بلوانے کا انتظام کریں۔ میرے آخری سمسٹر
جلدی ہونے والے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے
ساتھ رہوں اور آپ کی خدمت کروں۔ آپ کو کام کرنے
میں دشواری ہوتی ہوگی نا' اپنی صحت کا خیال رکھیے اگر خود
نہیں رکھ سکتے تو مجھے بلوا لیجیے۔ اب آپ کے بنا نہیں رہ
سکتی جلد از جلد...... پیار کے ساتھ آپ کی انعم!''

انعم نے یہی چند لائنیں لکھیں' اس کی سمجھ میں نہیں
آ رہا تھا کہ آخر لکھے تو کیا لکھے بس جو سمجھ میں آیا ای میل
کر دیا حالانکہ پہلے بھی کسی خط میں اس نے سلمان کو یہ نہ
لکھا تھا کہ وہ اسے بلوا لیں اور اب اس نے فیصلہ کر لیا
تھا آج رات کی تنہائیاں اسے ناگ بن کر ڈسنے لگیں۔

دل میں سلمان احمد کی محبت چٹکیاں لینے لگی' دل میں
ہر طرف سلمان احمد کی صدائیں آ رہی تھیں' دل کے ہر
خانے سے اس نے فواد کی تصویر نوچ پھینکی تھی۔ وہ
دھوکے باز' فریبی تھا وہ...... جو محبتوں کی قدر نہ کر سکا اور
ایک مسلمان احمد تھے۔

شرافت کے مینار تھے وہ' جو اسے دل کی عمیق
گہرائیوں سے چاہتے تھے اور اب انعم اتنی کم ظرف بھی نہ
تھی کہ ان کی چاہت کا جواب چاہت سے نہ دیتی۔

قدرت نے بہت جلد ہی فیصلہ کر دیا تھا۔

''واقعی صبو جان! تم صحیح کہتی ہو' والدین کی دعائیں
سائبان بن کر ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔ والدین کبھی اولاد کا
برا نہیں سوچتے یہ تو اولاد ہی ہے جو جھوٹی محبتوں کے جال
میں جکڑ جاتی ہے تو سمجھتی ہے کہ سب کچھ وہی محبت ہے
حتیٰ کہ والدین کو دشمن سمجھنے لگتی ہے۔ جبکہ ایسا ہے نہیں' یہ
ابو جی اور امی جی کی دعائیں ہی تو تھیں جو میں فواد جیسے
ناگ سے بچ گئی اگر وہ مجھے ڈس لیتا تو میں کہیں منہ
دکھانے کے قابل نہ رہتی۔''

انعم نے سینے تک کمبل اوڑھتے ہوئے یہ سب کچھ
سوچ ڈالا اور پھر سلمان کا تصور کرتے ہوئے اس نے
آنکھیں موند لیں۔ اس کے لبوں پر بڑی سندر اور
پرسکون مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ وہ یہ فیصلہ کر کے
نہایت مطمئن تھی۔ بہت پرسکون تھی آج پہلی بار سلمان
کی شبیہہ آنکھوں میں ہلکورے لے رہی تھی۔

قسط نمبر 1

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

وہ بالوں کو سلیقے سے سیٹ کر کے نک سک سے تیار ہو کر اپنے کمرے سے جونہی صحن میں آیا شدید کوفت زدہ ہو گیا۔

سامنے ہی اس کی پرانی موٹر سائیکل پنکچر حالت میں کھڑی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔

"اُف اس چھٹی کو اسی وقت ہی پنکچر ہونا تھا۔" وہ انتہائی جھنجھلا کر بولا پھر اپنی بائیک کو طیش میں آ کر ایک زوردار لات رسید کی۔

"احتشام بیٹا! تو باہر جا ہی رہا ہے تو اپنی خالہ صغریٰ کی بھی خیریت معلوم کر لینا' بے چاری کئی دن سے بخار میں پڑی ہیں۔" اماں بلند آواز میں بولتے ہوئے اندر کمرے سے باہر آئیں تو احتشام کے بگڑے تیور دیکھ کر تھوڑا چونکیں پھر یک دم زمین پر لڑھکی بائیک پر نگاہ پڑی تو پریشان ہی ہو گئیں۔

"ہائیں یہ تیری ہوائی جہاز کی سواری زمین پر کیسے گر گئی؟" احتشام بائیک بہت تیز چلاتا تھا' اماں ابا کے بار بار ٹوکنے کے باوجود وہ اپنی روش سے باز نہیں آتا تھا اور اس نتیجے میں وہ اپنے دو تین چھوٹے موٹے حادثے بھی کروا بیٹھا تھا۔ اماں اس کی موٹر سائیکل کو ہوائی جہاز کی سواری کہتی تھیں۔

"یہ خالہ صغریٰ تو روز ہی بیمار پڑ جاتی ہیں' تو کیا میں ہر روز ہی وہاں کے چکر لگاؤں۔" احتشام بدتہذیبی سے بولا پھر انتہائی بے زار ہو کر اپنی بائیک کو اٹھایا اس پل اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اسی وقت وہ اس چھٹی پر پیٹرول چھڑک کر اسے آگ لگا دے۔ اتنی کھٹارا اور پرانی موٹر سائیکل وہ کتنی مشکل سے چلاتا تھا یہ بات وہی جانتا تھا۔

"احتشام وہ صرف تیری خالہ نہیں بلکہ ہونے والی ساس بھی ہے تو ایسی بات کیوں کرتا ہے؟" اماں اسے سرزنش کرتے ہوئے بولی۔

"اگر خالہ صغریٰ میری ہونے والی ساس ہے تو کیا میں اس کو اپنے سر پر بٹھا لوں یا پھر جا کر اس کے سر پیر دباؤں۔" وہ اپنی بائیک کے پنکچر ہونے کی تمام جھنجھلاہٹ اماں پر نکالنے لگا۔

"ایک تو ہزار دفعہ ابا سے کہا کہ مجھے نئی موٹر سائیکل دلا دیں اس آثار قدیمہ کے نمونے کو تو ردی پیپر والا دو پیسے میں بھی نہیں خریدے گا مگر ابا بالکل چکنا گھڑا ہیں مجال ہے جو میری بات کا ذرا اثر لیں۔ اونہہ...... اکلوتی اولاد کی ایک خواہش بھی وہ پوری نہیں کر سکتے۔ میں تو کہتا ہوں جب آپ دونوں مجھے اچھی زندگی نہیں دے سکتے تھے تو پھر مجھے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" احتشام اپنی مخصوص ٹون میں بولتا چلا گیا جب کہ اماں نے انتہائی دکھ و تاسف سے اسے دیکھا۔

"بس اسی بات کی کمی رہ گئی تھی کہ تو ہمیں یہ طعنہ دے کہ ہم نے تجھے پیدا ہی کیوں کیا؟" اماں گلوگیر لہجے میں بولیں جب کہ آنکھوں میں ایک ساتھ ہی ڈھیروں آنسو اتر آئے۔

"اب آپ جذباتی مت ہو جانا' مجھے بے پناہ چڑ ہے آنسوؤں سے اونہہ......" احتشام انتہائی بدتمیزی سے بول کر بائیک کونے میں کھڑی کر کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

"ارے میرے سوہنے رب ہم سے کیا ایسی خطا ہوئی جو ہماری اکلوتی اولاد ایسی نکلی۔ ہمیں معاف کر دے ہمارے رب' ہماری اولاد کو ہدایت دے۔" احتشام کے جانے کے بعد اماں بے ساختہ آسمان کی جانب متوجہ ہو کر روتے ہوئے بولی تھیں۔

❀......❀......❀

دن بھر کے حبس زدہ ماحول کے بعد ڈھلتی شام انتہائی پُرکیف اور سہانی تھی‘ خاور واک مین کر ہینڈفری کان سے لگائے کسی گانے پر اپنا سر دھن رہا تھا جب کہ سمیر میگزین بینی کر رہا تھا اس وقت وہ دونوں خاور ولا کے انتہائی پُرشکوہ لان میں بیٹھے شام کے اس پہر کو انجوائے کر رہے تھے جب ہی خاور کا خاص ملازم ہاتھ میں کارڈلیس تھامے وہاں آیا اور انتہائی مودبانہ انداز میں کارڈلیس خاور کی جانب بڑھایا جو اس پل میوزک سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ملازم کے اس عمل پر خاور نے اپنے کانوں سے ہینڈفری کھینچا اور اشارے سے پوچھا کہ لائن پر کون ہے؟ خاور کا ملازم بھی آہستگی سے بولا۔

”سویٹی میڈم!“ یہ نام سنتے ہی خاور نے کڑوا سا منہ بنایا اور اشاری سے منا کر دیا۔ سمیر بھی سویٹی کا نام سن چونکا تھا خاور کے منہ بنانے پر اسے کافی حیرت ہوئی تھی کیوں کہ خاور تو سویٹی کے آگے پیچھے پروانے کی مانند گھومتا تھا۔

”میڈم! خاور صاحب تو تھوڑی دیر پہلے گھر سے باہر جاچکے ہیں۔“ ملازم خاور کا اشارہ سمجھتے ہوئے بڑی سمجھ داری سے جھوٹ بول رہا تھا جبکہ سمیر کو اب دوسرا جھٹکا لگا تھا۔ ملازم کے جانے کے بعد سمیر نے اسے جانچتی نگاہوں سے گھورا جواب واک مین ایک طرف رکھ کر بڑے اطمینان سے میگزین اٹھا رہا تھا۔

”یہ کیا چکر ہے خاور!“

”کون سا چکر میری جان!“ خاور مگن انداز میں بولا۔

”اوہ تو تم نے اور کتنے چکر چلا رکھے ہیں؟“ سمیر ابولا۔

”میری جان تم ان چکروں کو جاننے کی کوشش مت کرو ورنہ گھن چکر بن کر چکراتے پھرو گے۔“ خاور لہک کر بولا تو سمیر چڑ گیا۔

”بکواس بند کرو‘ کل تک تو تم مجنوں‘ فرہاد بنے سویٹی کے قدموں تلے بچھے چلے جاتے تھے اور آج اس طرح نظر انداز کر رہے ہو اس کا کیا جواز ہے؟“ سمیر اسے گھورتے ہوئے بولا تو خاور اسے اتنا سنجیدہ دیکھ کر یک دم ہنس دیا۔

”ارے میرے دوست تُو کیوں اس بات کو لے کر اتنا ہلکان ہو رہا ہے۔ سویٹی مجھے کل اچھی لگتی تھی آج نہیں سمپل۔“ آخری جملہ وہ شانے اچکا کر بولا۔

”خاور میں تجھے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ فلرٹ کرنا چھوڑ دے ورنہ پھر میری دوستی چھوڑ دے۔“ یہ کہہ کر سمیر کرسی سے اٹھنے لگا تو خاور گھبرا گیا۔

”ارے میرے یار تُو تو لڑکیوں کی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو جاتا ہے‘ اچھا بیٹھ تو سہی میں تجھے پوری بات بتاتا ہوں۔“ خاور سمیر کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا جب ہی اسے سہولت سے دوبارہ کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ سمیر بیٹھ تو گیا مگر خاور کو تادیبی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

”دراصل سویٹی بھی کوئی پارسا لڑکی نہیں ہے میرے علاوہ بھی اس کے کئی بوائے فرینڈز ہیں میری جان یہ نیا دور ہے یہاں خود لڑکیاں بھی لڑکوں سے دوستیاں کر کے ان سے فائدے حاصل کرتی ہیں۔“ خاور اسے سمجھانے والے انداز میں بولا تو سمیر نے برا سا منہ بنایا۔

”زمانہ چاہے کتنا ہی ماڈرن کیوں نہ ہو جائے مگر ہماری اقدار ہماری اخلاقیات کبھی نہیں بدلتیں‘ سمجھے تم۔“ سمیر سنجیدگی سے بولا۔

”اچھا میرے دادا جی اب چھوڑ و اس ٹاپک کو بھاڑ میں گئی سویٹی ارے یہ احتشام آج کہاں رہ گیا ابھی تک پہنچا کیوں نہیں۔“ بولتے بولتے اچانک خاور کو احتشام کا خیال آیا۔

"ہاں یار احتشام نے مجھے صبح فون کیا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ شام تک تمہارے گھر پہنچ جائے گا۔" سمیر بھی کچھ سوچ کر بولا۔
"اونہہ! اس کی اٹھارویں صدی کی شاہی سواری یقیناً خراب ہوگئی ہوگی ورنہ تو اب تک یہاں آ ٹپکتا۔" خاور نخوت سے بولا جب کہ سمیر محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔

❁......❁......❁
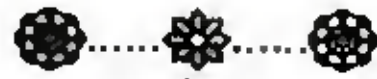
حاکم دین جب گھر میں داخل ہوئے تو اپنی شریک حیات کی سوچی سوچی آنکھیں دیکھ کر فوراً جان گئے کہ آج پھر ان کا چشم و چراغ ماں کا دل دکھا کر گیا ہے۔ کبریٰ بیگم نے حاکم دین کو پانی کا ٹھنڈا گلاس تھمایا تو انہوں نے بغور ان کے چہرے کو دیکھا جس پر کبریٰ بیگم خواہ مخواہ میں ٹپٹا گئیں۔
"نیک بخت آج پھر تیرا بیٹا تجھے جلی کٹی سنا کر گیا ہے نا۔" وہ ملول لہجے میں بولے تو کبریٰ بیگم گھبرا سی گئیں۔
"نہ...... نہیں نہیں تو......" وہ اپنے ہاتھوں کو ملتے ہوئے بولیں پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔
"آپ تو جانتے ہو جی اس کی موٹر سائیکل بالکل ہی ناکارہ ہوتی جارہی ہے وہ چاہتا ہے کہ دوسری لے لے۔"
"ہاں تو میری فیکٹریاں چل رہی ہیں ناجو میں اسے نئی موٹر سائیکل لاکر دے دوں۔ ارے اس ناہنجار کو اتنی شرم و غیرت نہیں کہ بڑھا باپ باہر دھکے کھا کھا کر اپنی ہڈیاں گھسوا کر اسے کھلا پلا رہا ہے مگر اس کی شاہ خرچیاں ہی ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔"
"اب اس نے آپ سے چاند ستاروں کی تو فرمائش نہیں کردی جو اتنے آگ بگولہ ہو رہے ہیں۔" اماں جز بز ہو کر ہمیشہ کی طرح اپنے بیٹے کی طرف داری کرتے ہوئے بولیں تو حاکم دین نے انہیں تاسف سے دیکھا۔
"تمہاری یہ طرف داری ہی ایک دن تمہارے چہرے پر طمانچے کی طرح آ لگے گی۔ اس ناخلف کی بے جا حمایت کیوں کرتی ہو تم۔" کبریٰ بیگم ندامت سے سر جھکا گئیں' احتشام کی نافرمانیاں اور بے پروائیاں ان کو بھی خون کے آنسو رلاتی تھیں مگر اپنی ممتا کے آگے بے بس تھیں۔
"جانتی ہو آج کرم بخش سے میری ملاقات ہوئی' کتنے فخر و مان سے وہ اپنے بیٹے کے گن گا رہا تھا اور میرا دوست رحمت جان اس کا بیٹا نہ صرف اسے کما کر کھلا رہا ہے بلکہ بیماری میں اس کی دل و جان سے خدمت بھی کررہا ہے اور میرا بیٹا...... اگر میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے اس سے یہ امید بھی نہیں ہے کہ ایک بوند بھی پانی میرے حلق میں ڈال دے۔ یا اللہ تو مجھے چلتے ہاتھ پاؤں ہی اٹھالینا ورنہ تو میری مٹی پلید ہوجائے گی۔" حاکم دین آخر میں ہاتھ اٹھا کر التجائیہ لہجے میں بولے تو کبریٰ بیگم تڑپ کر رہ گئیں۔
"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ...... مریں آپ کے دشمن۔ آپ احتشام کے لیے اتنا پریشان مت ہوں' ابھی بچپنا ہے اس کے اندر ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" وہ اس پل خاوند سے زیادہ خود کو تسلی دیتے ہوئے بولی تھیں۔
"ہوں نجانے یہ بچپنا کب ختم ہوگا اور یہ بڑا کب ہوگا۔" حاکم دین ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئے۔

❁......❁......❁

حورین نہا کر نکلی اور انتہائی مگن انداز میں آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بالوں کو جھٹکنے لگی سنگ مر مر کی مانند تراشدہ بدن' صراحی دار لمبی گردن کے دائیں جانب ایک چھوٹا سا تل اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا رہا تھا۔ دلکشی و معصومیت سے بھرپور صبیح چہرہ جس پر سیاہ گھمبیر پلکیں اس کی پُرکشش آنکھوں کی پہرہ دار تھیں۔ لمبی سیاہ گھنی زلفیں جب چوٹی کی قید سے آزاد ہوتیں تو اس کے پورے وجود کو بے پناہ حسین بنا کر اس کی دلکشی و رعنائی کو مزید سحر انگیز بنادیتے تھے۔ بال سکھاتے سکھاتے اچانک حورین کی ذہنی رو بھٹکی وہ احتشام کے متعلق سوچنے لگی۔ احتشام اس کا خالہ زاد ہونے کے ساتھ ساتھ منگیتر بھی تھا اگر حورین خوب صورت و حسین تھی تو احتشام بھی مردانہ وجاہت کا نمونہ تھا تقریباً چار سال پہلے احتشام کی اماں کبریٰ

بیگم نے اپنی چھوٹی بہن کی نازو پلی بیٹی حورین کا ہاتھ اپنے بیٹے احتشام کے لیے مانگ لیا تھا اور پھر اسی دن سے حورین کے دل کے کورے کاغذ پر احتشام کی شبیہ بڑی تیزی سے بن گئی تھی۔ اس کے خیالوں اور خوابوں میں احتشام نے بڑی تیزی سے قبضہ کرلیا تھا' احتشام ہی اب اس کی زندگی کا مرکز تھا اس کے خوابوں کا شہزادہ اس کی زیست کی آرزو اس کی پہلی چاہت وہ احتشام کو دیکھ دیکھ کر جینے لگی تھی وہ اس کی زندگی میں کیا آیا اس کی سپاٹ پھیکی اور بے معنی زندگی بدل گئی تھی اسے احتشام سے محبت ہوگئی تھی اور محبت کا لمس چکھ کر حورین حورین نہیں رہی تھی سراپا محبت بن گئی تھی۔

''ہوں یقیناً ہمارے دلہا بھائی کے خیالوں میں کھوئی ہوئی ہے ہماری بنو۔'' اچانک عقب سے پارس کی آواز ابھری تھی۔ اپنی واحد رازدار اور عزیز از جان سہیلی کے عکس کو دیکھا جو اسے معنی خیز انداز میں دیکھ کر مسکرا رہی تھی حورین بے تحاشا جھینپی پھر خفیف سی ہوکر بولی۔

''کیوں میں احتشام کے علاوہ کچھ اور نہیں سوچ سکتی کیا؟'' شرم سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر اس پل پارس کو یوں لگا جیسے سورج ڈوبتے ڈوبتے اپنی بنفشی شعاعیں حورین کے چہرے پر چھوڑ گیا ہو۔ اس لمحے پارس کو حورین دنیا کی سب سے حسین لڑکی لگی۔

''احتشام بھائی نے تمہیں اس قابل چھوڑا کہاں ہے کہ تم ان کے علاوہ کچھ اور سوچو۔'' پارس ہنستے ہوئے بولی تو حورین مزید جھینپ گئی۔

''اب اتنے اچھے بھی نہیں ہیں تمہارے احتشام بھائی.....'' وہ جزبز ہوکر بولی پھر کچھ یاد آنے پر اچانک اداس سی ہوگئی۔ پارس نے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور محسوس کیا تھا۔

''کیا ہوا حور! اب کیا سوچ کر تم اداس ہوگئیں۔'' پارس حورین کے نہ صرف گھر کے قریب رہتی تھی بلکہ وہ اس کے دل کے بھی قریب تھی۔ حورین کے تمام مزاج کے موسموں سے آشنا اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ حورین کو اپنی اس معصوم اور سادہ سہیلی کی دوستی پر فخر تھا جو اس کے لیے قیمتی سرمایہ تھی۔

''پارس تم تو مجھے مجھ سے بھی زیادہ جانتی ہو۔'' حورین اپنی سہیلی کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پیار سے بولی۔

''ہاں بھئی تمہیں بچپن سے جو جھیل رہی ہوں۔'' پارس اسے چھیڑتے ہوئے بولی پھر اصل بات کی جانب آتے ہوئے اداسی کی وجہ استفسار کرنے لگی حورین محض ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی۔

''پارس نجانے مجھے کیوں ایسا لگتا ہے کہ احتشام کے ساتھ زبردستی ہوئی ہے وہ شاید اس رشتے سے خوش نہیں۔'' حورین اپنی خوب صورت پلکیں جھکاتے ہوئے بولی۔

''یہ تمہارا وہم اور غلط قیاس ہے حور! پہلی بات تو یہ کہ ان کی شخصیت ایسی ہے کہ کوئی ان کے ساتھ میرے خیال میں زبردستی تو نہیں کرسکتا اور دوسری بات یہ کہ تمہارے اندر بھلا کس چیز کی کمی ہے جو وہ اس رشتے سے خوش نہ ہوں' ارے تم جیسی لڑکی انہیں زمین تو کیا آسمان پر بھی نہیں ملے گی۔'' پارس اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''تو پھر وہ مجھ میں دلچسپی کیوں نہیں لیتے' میں جب خالہ کے گھر جاتی ہوں احتشام میرے سامنا تنے نارمل رہتے ہیں جیسے میرے وجود سے ان کو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا جب کہ میں.....'' کہتے کہتے اچانک حورین چپ ہوگئی۔

''جب کہ تمہارا دل سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہوجاتا ہے..... ہے نا؟''

''بکومت۔'' حورین لجا کر بولی۔

''اچھا اب تم شرمانا بعد میں لینا پہلے میرے ساتھ ذرا بازار چلو مجھے کچھ چیزیں لینی ہیں۔''

''لیکن اماں اکیلی رہ جائیں گی بخار کے بعد کمزوری بہت ہوگئی ہے۔'' حورین پارس کی بات پر تھوڑا تفکر سے گویا ہوئی۔

"میں نے خالہ سے اجازت لے لی ہے وہ کہہ رہی ہیں کہ حورین کو ساتھ لے جاؤ انہیں بھی کچھ چیزیں منگوانی ہیں۔"
پارس اسے اطمینان دلاتے ہوئے بولی۔
"اچھا تو تم ذرا اماں کے پاس بیٹھو میں بس بال بنا کر ابھی آتی ہوں۔" یہ کہہ کر حورین نے پارس کو اماں کی جانب بھیجا اور پھر خود جلدی جلدی برش اپنے بالوں میں چلانے لگی۔

❁......❁......❁
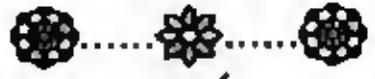
تینوں دوست نشاط سینما سے فلم دیکھ کر نکلے اور وہاں سے کلفٹن کے ساحل پر آ گئے اس وقت رات کے دس بج رہے تھے لہٰذا ساحل سمندر پر اتنی چہل پہل نہیں تھی تینوں دوست ایک پُرسکون جگہ کا انتخاب کر کے وہیں بیٹھ گئے۔ ٹھنڈی سبک ہوا سیاہ آسمان پر ٹمٹماتے ستارے اور آخری تاریخوں کا چاند اور سامنے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی لہریں منظر کو انتہائی رومانوی و دل کش بنا رہی تھیں۔
"اتنی گھٹیا اور بے کار فلم میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی سمیر! تمہاری وجہ سے ہمارا وقت برباد ہو گیا۔" خاور سگریٹ کے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر اسے لائٹر کے شعلے سے جلا کر تپے ہوئے لہجے میں بولا۔
"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے یہ فلم میں نے بنائی تھی ویسے اب اتنی بھی بُری نہیں تھی جتنا تم کہہ رہے ہو۔" سمیر ہنستے ہوئے بولا پھر احتشام کی جانب دیکھ کر گویا ہوا۔
"ہالی وڈ کی اتنی مشہور فلم خاور کو تو اچھی نہیں لگی احتشام تمہاری کیا رائے ہے؟"
"ہوں ٹھیک تھی۔" احتشام سگریٹ کا آخری کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے بولا۔
"ویسے اس کی ہیروئن بہت خوب صورت تھی مجھے تو اس ہیروئن میں حورین بھابی کی بہت شباہت نظر آ رہی تھی۔" خاور مگن انداز میں بولا تھا۔
"اب حورین اتنی بھی خوب صورت نہیں ہے کہ تم اسے ہالی وڈ کی مشہور ترین ہیروئن سے ملا رہے ہو۔" احتشام بے پروائی سے بولا۔
"کیا بات کر رہے ہو احتشام! ہماری حورین بھابی میں کس چیز کی کمی ہے؟ وہ ہیروئن تو ان کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ تم تو پاگل ہو بالکل ہاں ویسے تمہیں اتنا قیمتی ہیرا بنا کسی تگ و دو کے جو مل گیا تو موصوف کے مزاج ہی نہیں مل رہے۔" سمیر آخر میں لتے لینے والے انداز میں بولا تو خاور نے تیزی سے کہا۔
"میں سمیر کی بات سے اتفاق کرتا ہوں ہماری بھابی کسی شہزادی اور رانی سے کم نہیں۔"
"اچھا بابا کیا ہم کوئی دوسری بات نہیں کر سکتے؟" احتشام بے زار کن لہجے میں بولا تو سمیر اور خاور دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔
"کیا بات ہے احتشام کیا تم بھابی کو پسند نہیں کرتے ان کے ذکر پر تم ہمیشہ یونہی چپ ہو جاتے ہو۔ یار تم تو خوش قسمت ہو کہ ہر لحاظ سے مکمل اور اچھا جیون ساتھی تمہیں ملنے والا ہے۔" سمیر سمجھانے والے انداز میں بولا تو احتشام کا موڈ اچھا خاصا آف ہو گیا۔
"سمیر تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ لڑکیاں میرے لیے کوئی کشش نہیں رکھتیں صنف مخالف سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے ان کی قربت خوب صورتی اور چاہت مجھے متاثر نہیں کرتی۔"
"ہائے بے چاری حورین بھابی کی قسمت احتشام جیسے پتھر سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔" خاور احتشام کی بات پر مزاحیہ انداز سے بولا۔

''لیکن احتشام! حورین بھابی کوئی عام لڑکی نہیں تمہاری ہونے والی بیوی ہے کم از کم ان کے لیے تو تم اپنے دل میں احساسات جگاؤ آخر ان کے بھی تو کچھ خواب ہوں گے۔'' سمیر کو حورین اپنی بہنوں کی طرح عزیز تھی لہٰذا نا چاہتے ہوئے بھی وہ احتشام کو سمجھانے بیٹھ گیا حالانکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ احتشام بالکل چکنا گھڑا ہے اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔

''خاور اب تُو کچھ کھلا رہا ہے یا پھر میں بھوکا ہی گھر چلا جاؤں؟'' احتشام سمیر کی بات کو یکسر نظر انداز کرکے خاور کی جانب مڑ کر بولا۔

''چلو یارو! آج بکرے کی تِکّی کھاتے ہیں اور ساتھ میں مکھن والا بھیجہ مصالحہ۔'' خاور شاہی انداز میں بولا تو تِکّی اور بھیجے کا سن کر سمیر اور احتشام کی بھوک چمک اٹھی۔

''ہاں تو پھر جلدی چل۔'' احتشام بے صبرے انداز میں بولا تو تینوں دوست بجی ہاؤس کی جانب گاڑی میں بیٹھ کر چل دیئے۔

❀……❀……❀

حورین کی متلاشی نگاہیں بار بار اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں، وہ جسے دیکھنا چاہتی تھی وہ اسے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا اور خالہ سے پوچھنے میں حیا مانع آ رہی تھی وہ اپنی اماں کے ہمراہ آج احتشام کے گھر آئی تھی۔

''باجی احتشام گھر پر نہیں ہے کیا' بڑی دیر سے دکھائی نہیں دے رہا؟'' صغریٰ بیگم نے جب حورین کے منہ کی بات کہی تو حورین بے پناہ خوش ہوگئی مگر خالہ کے جملے نے اس کے ارمانوں پر اوس ڈال دی۔

''احتشام صبح سے ہی باہر نکلا ہوا ہے اپنی مرضی کا مالک ہے نجانے گھر کب آئے گا۔'' حورین کتنی اشتیاق سے تیار ہوکر آج اماں کے ہمراہ یہاں آئی تھی مگر احتشام کو نہ دارد پا کر وہ اندر ہی اندر بجھ سی گئی تھی وہ دونوں بہنوں کو باتیں کرتا دیکھ کر باہر صحن کے ایک کونے میں بنے چھوٹے سے باغیچے کی جانب چلی آئی خالو کا باغبانی کا شوق دیکھ کر وہ ڈھیرے سے مسکرا دی۔ حورین گملوں میں لگے چھوٹے چھوٹے پھولوں کو دیکھنے کی غرض سے تھوڑا سا جھکی کہ اسی دم کوئی شخص دروازے سے ہنستا ہوا اندر داخل ہوا حورین نے گردن اٹھا کر دروازے کی جانب دیکھا تو سامنے خاور حیات کو دیکھ کر وہ پل بھر کے لیے ہڑبڑائی پھر تیزی سے سیدھی ہوئی اور جلدی سے خاور کو سلام کر ڈالا جو اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا کچھ بولتے ہوئے احتشام بھی خاور کے پیچھے اندر داخل ہوا تو حورین کو سامنے پا کر پل بھر کے لیے خاموش ہوگیا جو میرون رنگ کے جوڑے میں کافی بدحواس لگ رہی تھی تقریباً ہکلاتے ہوئے حورین نے احتشام کو سلام کیا تو احتشام محض سنجیدگی سے جواب دے کر اندر کی جانب بڑھ گیا جب ہی خاور آہستگی سے چلتا ہوا حورین کے قریب آ گیا۔

''حورین بھابی! آپ احتشام کو دیکھ کر اتنا گھبرا کیوں جاتی ہیں' کیا بہت خوف ناک ہے وہ؟'' خاور اسے چھیڑتے ہوئے بولا تو وہ اور زیادہ گھبرا گئی۔

''نہ…… نہیں خاور بھائی…… ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' حورین سٹپٹاتے ہوئے انتہائی معصومیت سے بولی تو خاور زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''آپ تو واقعی میں بہت معصوم اور بھولی ہیں' میں تو مذاق کر رہا ہوں۔'' خاور بدستور ہنستے ہوئے وضاحت دیتے ہوئے بولا تو حورین کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔

''شاید اماں مجھے آواز دے رہی ہیں' میں اندر جاتی ہوں۔'' وہاں سے کھسکنے کا بہانہ بنا کر حورین جھپاک سے اندر بڑھ گئی جب کہ خاور وہیں کھڑا کافی دیر تک مسکراتا رہا۔

❀……❀……❀
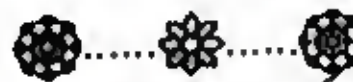
سمیر' خاور کے والد حیات افتخار کے بلانے پر کچھ کنفیوژ ہوتا وہاں پہنچا وہ اندر ہی اندر سوچ رہا تھا کہ آخر حیات انکل نے

کس کام کے لیے اسے گھر کے بجائے کلب میں بلایا ہے۔ حیات افتخار اور سمیر کے والد دونوں چچازاد بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے اچھے دوست بھی تھے۔ سمیر کلب کے بالائی جانب پول سائیڈ پر چلا آیا جہاں حیات افتخار کین کی کرسیوں میں ایک پر براجمان محوانتظار تھے۔ سمیر ان سے علیک سلیک کے بعد مقابل کرسی پر بیٹھ گیا۔

''سمیر میں نے تمہیں یہاں ایک ضروری بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔'' حیات افتخار بڑی تمکنت سے فرانسیسی سگار کا طویل کش لیتے ہوئے گمبھیر لہجے میں گویا ہوئے۔

''جی انکل ضرور کہیے' کیا بات ہیں۔'' سمیر مودبانہ انداز میں گویا ہوا۔

''سمیر بیٹا تم خاور کے اچھے دوست ہو اور اس کے بہت قریب بھی۔ میں چاہتا ہوں کہ خاور اب اپنی زندگی کو سنجیدگی سے لینا شروع کردے میرے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹائے اور شادی کرکے سیٹ ہوجائے۔'' حیات افتخار کے آخری جملے پر سمیر چونکا' خاور نے سمیر سے صاف صاف کہا تھا کہ وہ شادی جیسے جھنجٹ میں ہرگز پڑنا نہیں چاہتا۔

''انکل میں اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔'' سمیر اپنے ہنوز انداز میں گویا ہوا۔

''سمیر بیٹا میں یہ چاہتا ہوں کہ تم خاور کو شادی کے لیے کنوینس کرو سوئٹی اس کے لیے بہت اچھی لائف پارٹنر ثابت ہوسکتی ہے۔'' سوئٹی کے نام پر سمیر سوچ میں پڑ گیا وہ افتخار صاحب کے دوست کی بیٹی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے بزنس ایمپائر کی تنہا مالک بھی تھی۔ حیات افتخار پکے بزنس مین تھے ایک چالاک اور شاطر بزنس مین کی طرح انہوں نے کبھی بھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا' وہ اپنے بیٹے کی شادی کو بھی کیش کروانا چاہتے تھے۔ خاور اور سوئٹی کی شادی سے انہیں بہت بڑا فائدہ پہنچ سکتا تھا اور وہ یہ سنہری موقع اپنے ہاتھوں سے کسی طور گنوانا نہیں چاہتے تھے مگر فی الحال خاور شادی کے لیے ٹال مٹول کررہا تھا اسی وجہ سے حیات افتخار کو سمیر کی مدد لینے پڑرہی تھی۔

''میں خاور سے بات کرتا ہوں انکل!''

''صرف بات نہیں ینگ مین! اسے اس شادی کے لیے کنوینس بھی کرنا ہوگا۔'' سمیر کی بات پر حیات افتخار اپنے مخصوص گمبھیر لہجے میں بولے تو سمیر بے ساختہ مسکرا کر رہ گیا کہ اسی دم بلو جینز پر میرون سلیولیس ٹی شرٹ پہنی سوئٹی آدھمکی جس کے چہرے پر کیا گیا تیز میک اپ اس کے نقوش اور زیادہ تیکھا بنا رہا تھا۔ گولڈن براؤن شولڈر پر پڑے بال ہوا کی شوخیوں سے ادھر اُدھر بکھر رہے تھے۔ وہ کافی خوب صورت تھی مگر اس کا حسن بے باکی اور بے حجابی کے باریک پردے میں لپٹا ہوا تھا' اس نے سمیر کی جانب مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو سمیر نے ہلکا سا ہاتھ دبا کر فوراً چھوڑ دیا۔

''تھینک گاڈ انکل! آپ مجھے مل گئے میں آپ کے بیٹے کی آپ سے کمپلین کرنا چاہ رہی تھی۔ خاور آج کل مجھے بالکل ٹائم نہیں دے رہا۔'' سوئٹی منہ بسور کر روٹھے انداز میں بولی تو حیات افتخار مسکرا کر گویا ہوئے۔

''اب وہ صرف تمہیں ٹائم دے گا' یو ڈونٹ مائنڈ مائی ڈیئر!'' سمیر محض مسکرا کر رہ گیا پھر یک دم کسی لڑکے کے پکارے پر وہ ایکسکیوز کرکے وہاں سے چلی گئی تو حیات افتخار ایک بار پھر پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوکر بولے۔

''سمیر تمہیں خاور کو جلد سے جلد کنوینس کرنا ہے' ادکے۔''

''جی انکل! میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔'' وہ ان سے اجازت لے کر وہاں سے چلا آیا۔

❀......❀......❀
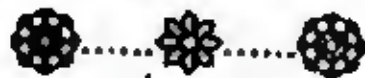
ابا کے گھر آجانے پر حورین حسب معمول جلدی جلدی روٹی کے لیے پیڑے بنانے لگی۔ عشاء کی نماز کے فوراً بعد وہ کھانا کھاتے تھے۔ وہ اپنے کام میں مگن تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی کانوں سے ٹکرائی ابھی دو ماہ پہلے ہی ابا کے دوست نے اپنا اثر رسوخ استعمال کرکے گھر میں فون لگوایا تھا حورین کے والد حکیم تھے اپنے مریضوں کے بار بار اصرار پر انہوں نے یہ ٹیلی فون

لکھوایا تھا کیوں کہ ان کے کچھ مریض دور دراز علاقوں میں رہتے تھے۔ ٹیلی فون لگنے کی وجہ سے انہیں کافی آسانی ہوگئی تھی اپنا حال احوال وہ فون پر ہی بتادیا کرتے تھے اور ابا انہیں دوا لکھوادیا کرتے۔

''ہیلو ہیلو..... کون ہے بھئی! آپ کی آواز نہیں آرہی۔'' ابا کی آواز باورچی خانے میں کام کرتی حورین کی سماعت سے ٹکرائی تو حورین چونک سی گئی۔ آج دن بھر یہی ہوتا رہا جب فون کی گھنٹی بجتی اور حورین اٹھاتی دوسری طرف بالکل خاموشی ہوتی۔ وہ ہیلو ہیلو کہتی رہ جاتی' حورین یہی سمجھی کہ کوئی فالٹ کی وجہ سے دوسری طرف سے آواز نہیں آرہی ہے کیوں کہ دوسری جانب بالکل جامد خاموشی اور سناٹا محسوس ہوتا تھا۔

''نجانے کون ہے؟'' حورین اچھی خاصی الجھ گئی کہ آخر کون ہے وہ جو لائن ملانے کی بار بار کوشش کررہا ہے پھر حورین سر جھٹک کر پوری طرح روٹی ڈالنے میں مصروف ہوگئی۔

❁......❁......❁

''مجھے شادی نہیں کرنی۔'' کوئی دھماکہ تھا جو احتشام نے اپنے والدین کے سامنے کیا تھا۔

''کیا..... کیا کہہ رہا ہے تو..... کیا تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ کیوں نہیں کرنی تجھے شادی اور اپنی بہن کو میں کیا منہ دکھاؤں گی چار سال تک اس کی بیٹی کو اپنے بیٹے کے نام پر بٹھائے رکھا اور اب میں یہ کیسے منہ پھاڑ کر کہہ دوں کہ ہم نہیں کررہے شادی۔ ارے کتنی بدنامی ہوگی میری بہن اور حورین کی بے چاری اس غریب بچی پر لوگ طرح طرح کے الزامات لگائیں گے تو کیوں اس عمر میں اپنے اماں باوا کو ذلیل ورسوا کروانے پر تلا ہوا ہے۔'' احتشام کے صاف انکار پر کبریٰ بیگم بری طرح حواس باختہ ہوگئیں۔ صغریٰ کی جانب سے بار بار شادی کے تقاضے پر انہوں نے احتشام سے بات کی تھی' دراصل صغریٰ بیگم اپنی زندگی کی جانب سے خوف زدہ ہوگئی تھیں' مستقل بیماری نے ان کے اندر یہ ڈر پیدا کردیا تھا کہ اب وہ زیادہ عرصہ جی نہیں سکیں گی وہ چاہتی تھیں کہ اپنی زندگی میں ہی وہ حورین کو اپنے گھر رخصت کردیں تاکہ وہ قبر میں چین کی نیند سوسکیں۔

احتشام کے انکار پر کبریٰ بیگم سہم گئی تھیں اگر منگنی ٹوٹ جاتی تو حورین کی بدنامی ہوسکتی تھی' احتشام کو لتاڑ کر جب انہیں کچھ نہ سوجھا تو منہ پر دوپٹہ رکھ کر رونے لگیں جبکہ احتشام یونہی بے حس بنا بیٹھا رہا۔

''کیوں میاں تم کیوں شادی سے انکاری ہو حورین سے منگنی ہم نے تمہاری مرضی جان کر ہی کی تھی نا یا تم سے کوئی زور زبردستی کی تھی۔'' حاکم دین کے کہنے پر احتشام جز بز ہوکر رہ گیا۔

''ابا مجھے حورین سے کوئی مسئلہ نہیں ہے بس فی الحال میں شادی کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میں اپنی زندگی بنانا چاہتا ہوں مجھے اپنی زندگی میں وہ سب کچھ چاہیے جو خاور اور سمیر کو حاصل ہے۔''

''تو اس کے لیے تمہیں محنت کرنا ہوگی کہیں نوکری کرنا ہوگی' کوئی جادو کی چھڑی گھما کر یا پھر الہ دین کا چراغ رگڑ کر تو دولت حاصل نہیں کی جاسکتی۔'' ابا نے طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولے تو ان کی بات پر احتشام نے کڑوا سا منہ بنایا۔

''دو ڈھائی ہزار روپے کی چاکری میں نہیں کرسکتا اور نہ ہی چند روپوں کی خاطر لوگوں کی گالیاں سننے کا روادار ہوں۔''

''تو پھر بادشاہ سلامت کیا چاہتے ہیں؟'' ابا جب سخت طیش میں آتے تھے تو اسی طرح طنز کے ڈونگرے برسانے لگتے تھے۔

''میں فی الحال اس چراغ اور جادو کی چھڑی کی تلاش میں ہوں جسے رگڑ کر اور گھما کر میں اپنے تمام مقاصد پورے کرلوں۔'' ابا کی بات پر احتشام کسی سوچ میں گم ہوکر عجیب سے لہجے میں بولا۔

''احتشام میرے بچے تو کیوں ہمیں رسوا کروانے پر تلا ہے' چل ٹھیک ہے تو ڈھونڈ لے وہ چراغ اور چھڑی مگر حورین سے شادی تو کرلے۔'' آخر میں اماں منت آمیز لہجے میں بولیں۔

''اف حورین..... حورین..... حورین میں تنگ آگیا ہوں اس نام سے۔'' احتشام تنگ کر بولا اور پیر پٹخ کر وہاں سے

باہر نکل گیا جب کہ اماں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ابا کسی گہری سوچ میں چلے گئے تھوڑی دیر بعد وہ گویا ہوئے۔
''نیک بخت احتشام کے ساتھ زور زبردستی مت کرو، یہ نہ ہو کہ ہم حورین کے ساتھ کوئی زیادتی کر بیٹھیں اور ویسے بھی یہ تو خود نکما ہے نہ کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا اس غریب حورین کو کیسے کھلائے گا۔'' آخر میں ابا غصے میں بولے تو کبریٰ بیگم سر اٹھا کر محض انہیں بے بسی سے دیکھ کر رہ گئیں۔

❁......❁......❁

شہر کے مضافات سے دور پُرسکون جگہ پر بنے اس فارم ہاؤس کے سوئمنگ پول میں خاور، سمیر اور احتشام تیراکی میں مصروف تھے خاور مہینے میں دو تین بار اپنے دوستوں کے ہمراہ یہاں چلا آتا تھا۔ سمیر اور خاور امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے جب کہ احتشام غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا وہ بچپن سے ہی خودسر خودپسند اور ضدی واقع ہوا تھا چونکہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا لہٰذا انہوں نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر اسے اچھے اسکول میں داخل کروایا تھا جہاں اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانوں کے بچے پڑھا کرتے تھے۔ احتشام انہیں اچھی اچھی اور قیمتی چیزیں استعمال کرتا دیکھ کر رشک و حسد کا شکار ہوجاتا تھا اس کا دل چاہتا تھا کہ ان کے بیگز، پنسل بکس، لنچ بکس ان سے چھین لے وہ اپنے ماں باپ سے ایسی ہی چیزیں خریدنے کی فرمائش کیا کرتا تھا۔
کالج میں آیا تو بھی اس نے بڑے گھرانے کے لڑکوں سے دوستیاں کیں ایسے ہی اس کی خاور اور سمیر سے دوستی ہوئی۔ انٹر میں تین بار فیل ہونے کے بعد اس نے تعلیم کو یکسر طور پر خیرآباد کہہ دیا تھا جب کہ خاور اور سمیر شہر کی معروف یونیورسٹیز میں اعلیٰ تعلیم حاصل کررہے تھے۔ سمیر امیر ہونے کے باوجود سادہ اور بھلی فطرت کا مالک تھا وہ احتشام سے مخلص تھا مگر خاور کو اپنی دولت اور اونچے اسٹیٹس پر بہت گھمنڈ تھا وہ لوئر مڈل کلاس کے لڑکوں سے دوستی تو دور ان سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا تھا مگر نجانے کیا ایسی وجہ تھی کہ وہ احتشام سے نہ صرف دوستی چلا رہا تھا بلکہ اکثر اوقات اپنی قیمتی چیزیں احتشام کو بڑی فراخ دلی سے دان کردیا کرتا تھا۔
''خاور تم نے شادی کے بارے میں کیا سوچا؟''
''یہ آج کل سب کو شادی شادی کا بھوت کیوں سوار ہوگیا ہے؟'' احتشام بُرا سا منہ بنا کر بولا۔
''کیا مطلب......اور کس کس پر شادی کا بھوت سوار ہوگیا ہے؟'' خاور متجسس لہجے میں گویا ہوا۔
''کسی پر نہیں......سمیر تم کیا کہہ رہے تھے؟'' احتشام خاور کو ٹال کر سمیر کی جانب متوجہ ہوا جو خود اسی موضوع پر بات کرنا چاہ رہا تھا۔
''میں کہہ رہا تھا کہ خاور کہ تمہیں اب شادی کرلینا چاہیے۔ تم ماشاء اللہ ویل سیٹ ہو ایم بی اے کی ڈگری بھی تمہیں ملنے والی ہے۔ شادی کرکے اپنے ڈیڈی کا بزنس سنبھال لوگے تو اچھا ہوگا۔''
''کیوں میرے بھائی تمہیں میری آزادی بُری لگ رہی ہے، ویل سیٹ تو تم بھی ہو تم کیوں نہیں کرلیتے شادی۔'' خاور نے سمیر کی بات پر توپوں کا رخ اسی کی جانب پلٹ دیا تو وہ تھوڑا جزبز ہوا پھر سنبھل کر بولا۔
''ہاں، کیوں نہیں، مجھے بھی شادی کرنی ہے اور میں کر بھی لوں گا مگر اس وقت میں تمہاری بات کررہا ہوں، ویسے سوئٹی تمہارے لیے پرفیکٹ ہے۔'' سمیر کے آخری جملے پر خاور اچھل پڑا۔
''تمہیں یہ سوئٹی سے اس قدر ہمدردی کیوں ہورہی ہے یا پھر آج کل تم نے میرج بیورو کا کام شروع کردیا ہے۔'' خاور سمیر کو تادیبی نظروں سے دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا تو سمیر تھوڑا کھسیا گیا۔
''میں تو ایسے ہی کہہ رہا ہوں وہ ایجوکیٹڈ ہے، خوب صورت ہے، کانفیڈنٹ ہے اور سب سے بڑھ کر اپنے باپ کی جائیداد کی

واحد مالک..... تمہیں اور کیا چاہیے۔'' سمیر کی اس تفصیلات کو سن کر احتشام نے خاور کو رشک سے دیکھا۔

''یار خاور! تو تو بہت لکی ہے اتنی امیر کبیر لڑکی تیری بیوی ہوگی۔''

''اونہہ..... روپیہ پیسہ عیش و آسائش میرے پاس پہلے سے موجود ہیں مجھے کسی اور کی دولت پر عیاشیاں کرنے کی ضرورت نہیں۔'' خاور نخوت سے ناک چڑھا کر بولا۔

''مگر خاور تم سوئٹی سے شادی کرلو۔'' سمیر سوئٹی کے نام پر زور دے کر بولا۔ خاور سخت چٹان کی مانند تھا' سمیر اچھی طرح جانتا تھا کہ اس چٹان سے سر ٹکرانے کا کوئی فائدہ نہیں مگر حیات افتخار نے اسے یہ کام سونپ کر اسے خاور کے آگے بین بجانے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ ان کی بات کو ٹال بھی نہیں سکتا تھا سو اپنی سی کوشش کرنے پر مجبور تھا۔

''پھر بھی سوئٹی سے شادی کرکے تم گھاٹے میں نہیں رہو گے اور پھر یہ دولت چیز ہی ایسی ہے کہ جتنا اس میں اضافہ ہوتا رہے روح کو تسکین ہی ملتی ہے۔'' احتشام نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا تو خاور ناگواری سے ماتھے پر سلوٹیں ڈال کر بولا۔

''مجھے سوئٹی پسند نہیں ہے۔''

''اچھا تو پھر تمہیں کوئی اور پسند ہے کیا؟'' سمیر ازراہِ مذاق مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں میں کسی کو چاہتا ہوں۔'' خاور اتنے جذب سے بولا کہ سمیر و احتشام نے بے ساختہ انتہائی اچنبھے سے اسے دیکھا۔

❁......❁......❁

حورین کچن سے فارغ ہو کر اماں کو کھانے پر بلانے کی غرض سے کمرے میں آوازیں دیتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو انہیں بے سدھ پڑا دیکھ کر بے تحاشا گھبرا گئی۔

''اماں..... اماں.....'' وہ تقریباً چلاتے ہوئے ان کے قریب آئی اور جلدی سے ان کا ہاتھ اور ماتھا چیک کیا جو اس پل برف کی مانند بالکل سرد پڑا تھا۔

''یا میرے اللہ میری اماں کی حفاظت کرنا۔'' وہ روتے ہوئے دعائیہ انداز میں بولی پھر جلدی سے دوڑتی ہوئی پارس کے گھر آئی اور اماں کی طبیعت کے بارے میں بتایا' پارس کے والد گلی کے نکڑ پر واقع ڈاکٹر کے کلینک کی جانب بھاگے جب کہ پارس اور اس کی اماں حورین کے ہمراہ اس کے گھر چلی آئیں' تھوڑی دیر میں ڈاکٹر آ گیا اور کچھ دیر ان کا اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد ہدایت جاری کی کہ انہیں فوراً ہسپتال میں داخل کرادیا جائے۔

حورین تھوڑی ہی دیر بعد پارس کے والد کے ہمراہ ٹیکسی میں اماں کو لے کر ہسپتال جارہی تھی جب کہ پارس حورین کے ابا کو اطلاع دینے کی غرض سے اس کے گھر پر ہی رک گئی تھی تاکہ وہ آئیں تو وہ انہیں ہسپتال کا بتاسکے کیوں کہ آج کل فون خراب تھا اور پارس کے گھر میں ٹیلی فون نہیں تھا۔

❁......❁......❁

آج صبح سے ہی کبریٰ بیگم کا دل بہت گھبرا رہا تھا انہیں رہ رہ کر حورین کا خیال آرہا تھا' کتنی چاہ اور محبت سے انہوں نے حورین کا ہاتھ اپنی چھوٹی بہن سے مانگا تھا۔ اپنی بھانجی انہیں دل و جان سے پسند تھی' انتہائی نیک سعادت مند اور خوب سیرت ہونے کے ساتھ ساتھ خوب صورت بھی وہ دل سے چاہتی تھیں کہ یہ چودھویں کا چاند ان کے آنگن میں اتر کر ان کے سونے گھر میں روشنیاں بکھیر دے مگر احتشام کے انکار نے انہیں سخت صدمے اور پریشانی سے دوچار کردیا تھا اب بھلا وہ کس منہ سے اپنی بیمار بہن سے یہ کہہ پائیں گی کہ احتشام نے شادی کرنے سے صاف انکار کردیا ہے انہوں نے اپنے شوہر نامدار سے کہا کہ وہ احتشام کو پھر سے سمجھائیں اسے مجبور کریں کہ وہ حورین کو بیاہ کر گھر لے آئے مگر حاکم دین کے منع کرنے پر وہ خاموش ہوگئی تھیں بقول ان کے کہ اس طرح حورین کی خوشیوں اور زندگی کو گہن لگ جائے گا کیوں کہ زبردستی کے طے

کیے رشتے ایسے خودرو پودے کی مانند ہوتے ہیں جو اپنی کوکھ سے صرف کانٹوں کو جنتے ہیں جو پنپنے کے بجائے آہستہ آہستہ مرجھا کر فنا ہوجاتے ہیں۔

ان کی بات سو فیصد درست تھی لہٰذا نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے دوبارہ احتشام سے بات نہیں کی تھی۔ کبریٰ بیگم کا ذہن سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن تھا کہ اسی دم حاکم دین گھبرائے ہوئے اندر داخل ہوئے جن کا اڑا اڑا چہرہ کسی انہونی کا احساس دلا رہا تھا۔

''احتشام کے ابا سب خیریت تو ہے نا آپ اس طرح اچانک اتنی جلدی گھر اور......''

''نیک بخت جلدی سے برقع پہن کر باہر آجاؤ باہر ٹیکسی کھڑی ہے ہمیں ابھی اسی وقت ہسپتال چلنا ہے۔'' حاکم دین نے کبریٰ بیگم کی بات درمیان میں سے قطع کرکے عجلت میں کہا' ہسپتال کا نام سن کر وہ بھی بدحواس سی ہوگئیں۔

''یا اللہ خیر ہو کیا ہوا ہے میرا بچہ تو ٹھیک ہے نا۔'' ان کا ذہن فوراً احتشام کی جانب گیا تھا' بے ساختہ ہاتھ سینے پر جا پڑا تھا۔

''احتشام بالکل ٹھیک ہے' تم وقت ضائع مت کرو فوراً برقع پہن کر باہر آجاؤ۔'' حاکم دین یہ کہہ کر گھر کا تالا لینے بڑھے تو کبریٰ بیگم بھی جلدی سے برقع لینے کمرے میں لپکیں۔

❁.......❁.......❁

''کیا تمہیں اور پیار...... نہیں یار تو یقیناً مذاق کررہا ہے۔'' سمیر بے یقین لہجے میں اس کی بات کو جھٹلایا۔

''کیوں مجھے کوئی اچھا نہیں لگ سکتا کیا؟'' خاور برامان کر بولا۔

''اچھا لگنے اور محبت ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' سمیر نے سنجیدگی سے کہا۔

''اب یہ پیار دیار' محبت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا' سب فضول کی باتیں ہیں اور میرا تو تمہیں یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ ان بے وقوفیوں سے دور رہو۔'' احتشام اپنے مخصوص بے پروا انداز میں بولا۔

''یارو تم لوگ کچھ بھی کہو مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں اب۔'' خاور اپنی آنکھیں موندھ کر مگن انداز میں بولا تو احتشام اور سمیر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ درست تھا کہ خاور نے آج سے پہلے پیار محبت کی باتیں کبھی نہیں کی تھیں وہ زندگی کو محض تفریح سمجھ کر گزارنے والا لاابالی لڑکا تھا۔ سمیر کو تو اب بھی یقین نہیں تھا کہ خاور کسی لڑکی کے لیے سنجیدہ ہوسکتا ہے' اس کی زندگی میں کافی ساری لڑکیاں آئیں اور گئیں مگر آج سے پہلے وہ کسی کے لیے اتنا سنجیدہ نظر نہیں آیا تھا جب کہ دوسری جانب حیات افتخار اسے سوئٹی سے منسوب کرنا چاہ رہے تھے۔

''اوہ تو تمہارا سوئٹی کے متعلق کیا خیال ہے؟ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو کچھ ماہ پہلے تمہیں سوئٹی کا حسن بھی انتہائی منفرد اور پُرکشش لگتا تھا۔'' سمیر نے آخری جملہ طنزیہ لہجے میں کہا تو خاور نے سمیر کو انتہائی ناگواری سے گھورا۔

''یہ اس وقت سوئٹی کہاں سے آٹپکی اور آج کل تمہارے دماغ میں سوئٹی کیوں سما گئی ہے۔'' خاور کی بات پر سمیر نے اس سے سیدھے طریقے سے بات کرنے کی ٹھان لی وہ گہرا سانس کھینچ کر بولا۔

''خاور! انکل چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی سوئٹی سے ہوجائے۔''

''کیا......؟'' خاور کرسی سے دوفٹ اچھلا تھا۔

''ارے واہ زبردست تُو تو قسمت کا دھنی ہے خاور! اتنے بڑے بزنس مین کی اکلوتی بیٹی تیری بیوی بننے والی ہے۔'' احتشام سمیر کی بات سن کر رشک وحسرت کے ملے جلے جذبات میں گھر کر بولا۔

''کیا بکواس ہے احتشام! میرا باپ بھی کوئی ٹٹ پونجیا نہیں' ملک کے معروف بزنس ٹائیکونز میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے۔'' خاور کافی رعونت سے بولا پھر سر جھٹک کر سمیر کی جانب متوجہ ہوا۔

"یہ بکواس تم سے کس نے کی ہے؟"

"خود تمہارے باپ نے۔"

"اوہ..... تو اس کا مطلب ہے کہ ڈیڈی اپنے بزنس کے مفاد کے لیے سوئٹی سے میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔" سمیر کے ٹکے سے جواب پر خاور منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"میری تو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آخر سوئٹی میں ایسے کون سے کانٹے ہیں جو وہ تجھے اتنا چبھ رہی ہے۔" احتشام شانے اچکا کر بولا۔

"سوئٹی واقعی اس پھول کے سامنے کانٹا ہی ہے بلکہ نہیں وہ تو ایسی بند کلی کی مانند ہے جو ابھی ابھی کھلی ہے جس پر سحر کی شبنم کی بوندیں بھی نہیں ٹپکی، جس پر بادِ صبا بھی بہت نزاکت اور خیال سے گزرتی ہے کہ کہیں وہ نازک کلی مرجھا نہ جائے۔" خاور چشم تصور میں اس پری پیکر چہرے کو دیکھتے ہوئے گم صم انداز میں بولا تو سمیر اور احتشام ایک دوسرے کو دیکھ کر بے ساختہ ہنسنے لگے۔

"یہ اپنا خاور تو بالکل مرزا غالب کا پوتا لگ رہا ہے۔" سمیر اس کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا جب کہ خاور ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا سمیر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"میرا تو مشورہ یہ ہے کہ تم پریکٹیکل بن کر سوچو کہیں دل کے معاملے میں پڑ کر اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا۔" احتشام خاور کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا۔

"میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہیے۔" خاور احتشام کی بات کو بھرپور انداز میں نظر انداز کر کے بولا تھا۔

❀......❀......❀
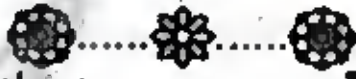
پارس حورین کے والد کے ساتھ ہسپتال پہنچی تھی اس وقت وہ اپنی سہیلی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ حورین پارس کے ہمراہ ہسپتال کے کاریڈور کے ایک کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ ابا جو کچھ دیر پہلے ہی وہاں پہنچے تھے۔ وہ پارس کے والد کے ساتھ ڈاکٹر کے کمرے میں تھے پھر کچھ دیر بعد ڈاکٹر کے ہمراہ کچھ بات کرتے ہوئے آئی سی یو میں چلے گئے۔ حورین کپکپاتے لبوں سے بار بار اللہ کو پکار رہی تھی وہ اندر ہی اندر خدا کے آگے سجدہ ریز تھی کہ کسی طرح اس کی ماں کو زندگی مل جائے۔

"پارس اماں ٹھیک تو ہو جائیں گی نا۔" تقریباً ہر دو منٹ بعد حورین انتہائی خوف زدہ ہو کر پارس کا ہاتھ تھام کر پوچھتی تو پارس اسے بے ساختہ گلے سے لگا کر کہتی۔

"اللہ پاک سے دعا کرو کہ وہ ہماری خالہ کو بھلا چنگا کر دے۔" پارس کا خود کا دل بھی ہولے ہولے کپکپا رہا تھا جیسے کوئی انہونی ہونے والی ہے اسی دم کبریٰ بیگم حاکم دین کے ہمراہ حواس باختہ سی آتی دکھائی دیں تو حورین تقریباً بھاگتے ہوئے ان کے وجود سے لپٹ کر رونے لگی، کبریٰ بیگم بے تحاشا گھبرا گئیں۔

"کیا ہوا میری بچی! سب خیر تو ہے نا؟" کبریٰ بیگم روہانسی ہو کر بولیں۔

"خالہ اماں...... اماں بچ جائیں گی نا وہ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی نا؟" حورین ان کے شانے سے چہرہ اٹھا کر کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح بولی تو کبریٰ بیگم نے بے ساختہ اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔

"تو کیوں اتنی ہلکان ہو رہی ہے میری بچی کچھ نہیں ہوگا میری صغریٰ کو ابھی سے کیسے چلی جائے گی وہ ارے ابھی تو اسے تجھے دلہن بنا کر رخصت کرنا ہے۔" یہ کہتے کہتے کبریٰ بیگم بھی خود پر ضبط نہیں کر سکیں۔

"یہ وقت دعا مانگنے کا ہے اللہ سے دعا کرنے کے بجائے تم دونوں رونا شروع ہو گئیں۔ بس اب دونوں خاموش ہو جاؤ اور

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ہماری صغریٰ کو لمبی حیاتی عطا کردے۔" حاکم دین دونوں خالہ بھانجی کو روتا دیکھ کر اس کونے کی جانب آگئے جہاں پارس کھڑی تھی' کاریڈور میں لوگوں کا رش ہونے کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ حورین خالہ کے لیے کوئی کرسی وغیرہ دیکھ ہی رہی تھی کہ اسی دم ابا سفید لٹھے کی مانند چہرہ لیے آئی سی یو سے باہر نکلے اور جن نگاہوں سے حورین کی جانب دیکھا حورین ان کا مفہوم جان کر کاریڈور میں بیٹھتی چلی گئی یک دم اسے محسوس ہوا جیسے وہ برہنہ پاؤں جلتی سلگتی ریت پہ آ کھڑی ہو۔

❁......❁......❁

"تمہاری پرابلم کیا ہے خاور! فون کرو تو تم اٹینڈ نہیں کرتے' گھر آؤ تو تم گھر پر نہیں ملتے۔ تم مجھے اس طرح نظر انداز نہیں کرسکتے سمجھے' میں سوٹی ہوں...... سوٹی ابراہیم سمجھے......" سوٹی غصے میں آگ بگولہ ہوتی اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ ڈیپ ریڈ کلر کے ٹاپ اور بلیک ٹراؤزر میں غصے سے نتھنے پھلاتی وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ خاور اسے کافی دنوں سے نظر انداز کررہا تھا مگر جب آج وہ سمیر کے ہمراہ کلب آیا تو سوٹی نے اسے آلیا اور وہ کچھ پل کے لیے ٹپٹا سا گیا تھا جبکہ اس وقت سوٹی ابراہیم کو ناراض کرنا اسے مہنگا پڑ سکتا تھا۔

"اوہ بے بی! میں بھلا تمہیں کیوں نظر انداز کروں گا دراصل وہ......"

"اسٹاپ اٹ خاور! تم سمجھتے کیا ہو خود کو' مجھ میں کسی چیز کی کمی ہے کیا جو تم مجھے نظر انداز کررہے ہو۔" سوٹی انتہائی چڑ کر اس کی بات درمیان میں کاٹ کر اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر طنزیہ نگاہوں سے خاور کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"مائی ڈارلنگ! تم تو دنیا کی حسین ترین لڑکی ہو اور وہ کوئی بدذوق انسان ہوگا جو تمہیں نظر انداز کرے گا۔" خاور جلدی سے بولا تو سمیر خاور کو بھیگی بلی بنا دیکھ کر زیر لب مسکرا اٹھا پھر دونوں سے ایکسکیوز کرکے وہاں سے اٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد خاور بھی وہیں چلا آیا۔

"کیا ہوا' کردیا مطمئن سوٹی کو۔" سمیر خاور کو دیکھ کر گویا ہوا۔

"ہاں یار بڑی مشکلوں سے اسے ٹھنڈا کیا ہے وہ تو پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔"

"تو تم اسے صاف صاف سب کچھ بتادیتے نا موقع اچھا تھا' میرے خیال میں وہ تمہیں دو چار القابات سے نواز کر پیر پٹخ کر وہاں سے چلی جاتی اور تمہاری جان بھی چھوٹ جاتی۔" سمیر خاور کی بات سن کر صاف گوئی سے بولا تو خاور نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس نے بہت انہونی بات کردی ہو۔

"سمیر ہر بات صاف صاف کہنے کی نہیں ہوتی اور فی الحال میں سوٹی کی ناراضی کو افورڈ نہیں کرسکتا ورنہ ڈیڈی مجھے کچا چبا جائیں گے۔" خاور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اس میں سے ایک سگریٹ نکالتے ہوئے بے پروائی سے بولا۔

"مطلب......؟"

"مطلب یہ میری جان کہ ڈیڈی سوٹی کے ابا کے ساتھ ایک بہت اہم پروجیکٹ فائنل کرنے والے ہیں لہٰذا فی الحال میں کوئی تماشہ نہیں کرسکتا۔" خاور کے جواب پر سمیر کچھ سوچ کر بولا۔

"خاور تم اس لڑکی کی خاطر انکل کے سامنے کھڑے ہوجاؤ گے؟"

"کس لڑکی کی خاطر۔" خاور غائب دماغی سے بولا اس سے پہلے سمیر مزید کچھ بولتا خاور کا ایک دوست وہاں آ دھمکا۔

❁......❁......❁

صغریٰ بیگم کے سوئم کے بعد جب مہمانوں نے اپنے گھر کی راہ لی تو خالی وحشت زدہ گھر میں حورین کا دل بے تحاشا گھبرا اٹھا وہ اماں کے کمرے میں آ کر ان کی خالی چارپائی دیکھ کر گھٹ گھٹ کر رونے لگی جب ہی کسی نے اس کے کندھے پر انتہائی

شفقت سے ہاتھ رکھا حورین نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مڑ کر دیکھا تو خالہ کو سامنے پا کر اس کا دل ایک بار پھر پارہ پارہ ہونے لگا۔

"نہ آنسو بہا میری بچی ورنہ تیری ماں کو بہت دکھ پہنچے گا اس کی روح کو سکون نہیں آئے گا۔" کبریٰ بیگم حورین کو سینے سے لگا کر اس کے بالوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔

"تو پھر میں کیا کروں خالہ مجھے صبر ہی نہیں آتا آخر انہیں میرا ابھی تو سوچنا چاہیے تھا نا مجھے بھی تو ان کی ضرورت تھی بھلا وہ مجھے ایسے اکیلا کیسے چھوڑ کر جا سکتی ہیں۔" حورین کی باتیں کبریٰ بیگم کو بھی رلانے پر مجبور کر رہی تھیں مگر حورین کی خاطر انہیں برداشت سے کام لینا تھا۔

"جھلی بھلا موت کے سامنے بھی کسی کی چلی ہے بادشاہ ہو یا شہنشاہ موت سے آج تک کوئی نہیں بچ سکا اور نہ بچے گا اس کو تو ایک نہ ایک دن آنا ہی ہے اور جب آتی ہے تو پھر ایک لمحہ کی بھی مہلت نہیں دیتی۔ تیری ماں اپنے رب سے بس اتنی ہی سانسیں لکھوا کر آئی تھی۔"

"مجھے بہت یاد آتی ہے اماں کی خالہ ایسا لگتا ہے کہ میں ان کے بغیر مر جاؤں گی زندہ نہیں رہ سکوں گی۔" خالہ کی باتیں سن کر حورین کو اماں اور شدت سے یاد آ گئیں۔

"کیا میں تیری ماں نہیں ہوں؟ میں ہوں نا تیری ماں مت فکر کر کسی بھی بات کی اور اپنے اللہ سے صبر مانگ وہ یقیناً تجھے صبر و ہمت عطا کرے گا۔" کبریٰ بیگم اس کا سر تھپتھپا کر بولیں کہ اسی دم احتشام اندر داخل ہوا حورین نے اسے دیکھ کر فوراً اپنے آنسو پلو سے پونچھے تھے۔

"اماں ابا آپ کو باہر بلا رہے ہیں آپ یہیں رکیں گی یا پھر ہمارے ساتھ گھر چلیں گی؟"

"نہیں بیٹا! میں تو حورین کے پاس ہی ٹھہروں گی۔" یہ کہہ کر اماں باہر چلی گئیں کمرے میں اب صرف حورین اور احتشام تھے۔ احتشام نے حورین پر نگاہ ڈالی جو اس وقت بہت غم زدہ اور شکستہ حال لگ رہی تھی۔

"اپنے آپ کو سنبھالو حورین! اللہ کی یہی مرضی تھی خود کو اس طرح ہلکان کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور پھر خالو کا خیال بھی تمہیں ہی رکھنا ہے نا۔" احتشام نرمی سے گویا ہوا تو بے اختیار حورین نے ہاں میں سر ہلایا۔

"اب بالکل بھی نہیں رونا سمجھی بہادر بنو اپنے دل کو مضبوط کرو اور خالو کا خیال کرو۔ وہ تمہارے لیے بہت پریشان ہو رہے ہیں۔" حورین جس کا دل اتنے سارے لوگوں کے دلاسے تسلیوں سے ایک پل کے لیے بھی ٹھہر نہیں رہا تھا احتشام کے چند جملوں سے اس کے دل کو ایک قرار سا آ گیا۔ آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو اس نے جلدی سے اپنی ہتھیلیوں سے پونچھ لیا۔ احتشام کی توجہ اور تسلی بھرے لفظوں نے اس کے دل کے ساتھ ساتھ اس کی روح کو بھی بہت تقویت دی تھی۔

❁......❁......❁

ناشتے کی میز پر حسب توقع حیات افتخار نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا جس کی توقع خاور پہلے ہی کر رہا تھا۔

"تمہیں شادی سے اعتراض ہے یا سوئی سے شادی کرنے سے انکار......؟" حیات افتخار خاور کو تادیبی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"دونوں سے ڈیڈ!" خاور بھی بغیر کسی لگی لپٹی کے صاف گوئی سے بولا تو حیات افتخار کے چہرے پر ناگواری کی لہر آ گئی۔

"تم جانتے ہو خاور کہ اس وقت میں ابراہیم کو ناراض نہیں کر سکتا اور سوئی کی ناراضی...... مطلب ابراہیم کی ناراضی ہے۔"

"جانتا ہوں ڈیڈ! اسی لیے میں نے سوئی کو منا لیا ہے اور آج رات میں اس کے ساتھ ڈنر پر جا رہا ہوں۔"

"سوئی کو ریجیکٹ کرنے کی وجہ کیا ہے؟" حیات افتخار کو خاور کی بات سن کر تھوڑا اطمینان ہوا انہوں نے خاور کو بغور دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''ڈیڈ کوئی خاص وجہ نہیں ہے وہ ڈیکوریٹڈ پھول ہے اور میں اسے اپنے بیڈروم کے گلدان میں سجانے میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔'' خاور جوس کا سپ لیتے ہوئے اپنے مخصوص بے پروا انداز میں کندھے اچکا کر بولا تو حیات افتخار اسے دیکھ کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ خاور ناشتے سے فارغ ہو کر کرسی سے اٹھنے لگا تو حیات افتخار گویا ہوئے۔

''اپنے لیے پھول تلاش کرتے وقت یہ بات ضرور دھیان میں رکھنا کہ وہ پھول کنول کا نہ ہو کیوں کہ گندگی میں کھلا پھول بھی گندگی کا ہی حصہ ہوتا ہے۔ جو بظاہر خوش نما ہوتا ہے مگر اندر سے ہوتا اسی خصلت کا ہے جیسے اس کی جڑیں ہوتی ہیں کیچڑ میں لتھڑی ہوئیں۔'' حیات افتخار کے نخوت بھرے انداز نے اسے بہت کچھ سمجھایا تھا کچھ پل کے لیے اس نے سوچا پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

❁......❁......❁

حورین دن بھر خود کو مختلف کاموں میں الجھائے رکھتی مگر ایسا لگتا تھا کہ وقت جیسے سرکنا ہی بھول گیا ہو ورنہ اماں کے ساتھ ان کے کاموں میں مصروف ہو کر وقت گزرنے کا گویا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ سارے گھر کے کام نمٹا کر پارس سے بھی بات چیت کر کے اب وہ تنہا خاموش صحن میں پڑے تخت پر اکیلی بیٹھی رہتی تھی۔

ابا شام ڈھلے ہی گھر میں داخل ہوتے تھے حورین گھر کی تنہائی اور اماں سے محرومی کی وجہ سے بہت قنوطی اور پژمردہ سی ہو گئی تھی اپنے گھر واپسی پر کبریٰ بیگم نے اس سے بارہا کہا کہ وہ اس کے ساتھ چلے' کچھ دن رہ کر پھر آ جائے مگر وہ ابا کی تنہائی کے خیال سے نہیں گئی اور دوسرا اس کے دل میں یہ خیال بھی تھا کہ شاید خالہ کے گھر پر ٹھہرنا ابا کو اچھا نہ لگے۔ وہ لامتناہی و منتشر سوچوں میں گھری ہوئی تھی کہ معاً ٹیلی فون کی گھنٹی نے اسے اپنے دھیان سے چونکایا حورین نے انتہائی بے زاری سے فون کی جانب دیکھا پھر خیال آیا کہ کہیں ابا کا فون نہ ہو یہ سوچتے ہی وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور فون اٹھا کر ''ہیلو'' کہا مگر دوسری جانب بالکل سناٹا تھا اس نے دو تین بار ہیلو کہا مگر ہنوز خاموشی تھی۔

حورین آج پھر یہی سمجھی کہ شاید لائن میں فالٹ کی وجہ سے دوسرے کی آواز نہیں آ رہی اس نے فون کریڈل پر رکھا مگر پھر دو منٹ بعد ہی گھنٹی دوبارہ بجی جب پانچویں بار بھی یہی ہوا تو حورین اچھی خاصی جھنجلا گئی۔

''اُف کیا مصیبت ہے آپ کی آواز مجھے نہیں آ رہی ہے۔'' وہ اونچی آواز میں بولی۔

''مگر مجھے آپ کی دلکش آواز بالکل صاف آ رہی ہے۔'' اچانک ہی ایک مردانہ گمبھیر آواز ماؤتھ پیس سے ابھری تو حورین کو ایک حیرت کا جھٹکا لگا وہ تو سمجھ رہی تھی کہ شاید لائن میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے مقابل کی آواز اس تک نہیں پہنچ رہی مگر وہ تو خود جان بوجھ کر خاموشی سے اس کی ''ہیلو ہیلو'' سن رہا تھا۔ یہ خیال ذہن میں در آتے ہی حورین کے وجود میں ناگواری کی لہر اٹھی۔

''جب آپ کو میری آواز آ رہی تھی تو بولنے کی زحمت کیوں نہیں کر رہے تھے۔'' حورین بُری طرح چڑ کر بولی۔

''اس لیے کہ میں آپ کی خوب صورت آواز کو اپنے دل اپنی روح میں جذب کر رہا تھا۔'' انتہائی رومانوی انداز میں بولے جانے والا جملہ حورین کو ٹپٹانے پر مجبور کر گیا۔ بے ساختہ اس کے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہوا مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے آپ کو تیزی سے سنبھالا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے مسٹر! آپ کو بات کس سے کرنی ہے؟'' حورین ڈپٹتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

''آپ سے..... آپ سے اپنی ساری زندگی آپ سے..... میں صرف آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں آپ کو سننا چاہتا ہوں آپ کو.....'' انتہائی والہانہ انداز میں لہک کر بولتا یہ شخص حورین کو خوف زدہ ہو کر کپکپانے پر مجبور کر گیا اس نے جلدی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اس پل اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر ہی نکل آئے گا جبکہ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں ہولے ہولے کپکپا رہی تھیں۔ آج سے پہلے کبھی کسی نے اس سے اس لہجے اس انداز میں بات نہیں کی تھی

وہ خود کو ابھی سنبھال بھی نہیں پائی تھی کہ اچانک دوبارہ فون کی گھنٹی بجی' حورین اپنی جگہ سے دو فٹ اچھل پڑی اس نے انتہائی سہمی ہوئی نگاہوں سے فون کی جانب دیکھا جیسے وہ فون نہیں کوئی سانپ یا بچھو ہو۔ بیل تواتر سے بج رہی تھی اور حورین یک ٹک فون کو دیکھے جارہی تھی اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کی تمام حسیات منجمد ہوگئی ہوں' کچھ دیر بعد فون بند ہوگیا تو حورین ہوش کی دنیا میں واپس آئی اور تھکے تھکے قدموں سے چلتی تخت پر آ کر ڈھے سی گئی۔

''یااللہ یہ شخص کون تھا اور مجھ سے اس طرح کی باتیں کیوں کررہا تھا۔'' حورین خود سے سوال کرتے ہوئے بولی تھی پھر ابا جی کے گھر آنے کے بعد وہ ان کے کاموں میں مصروف ہوگئی مگر ذہن بار بار اس شخص کی جانب اٹکتا رہا۔

❁......❁......❁
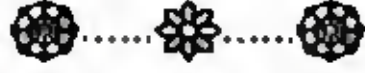
حاکم دین کرسی پر بیٹھے کسی گہری سوچ میں مستغرق تھے چہرے پر گہری سنجیدگی لیے وہ کبریٰ بیگم کو اچھے خاصے پریشان دکھائی دیئے وہ خود بھی اندر سے بے حد متفکر اور گھبرائی ہوئی تھیں اس مسئلے کا حل انہیں کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آج پہلی بار انہیں بھی اپنی اکلوتی اولاد احتشام پر بے پناہ غصہ آرہا تھا جو باپ کو اس عمر میں ستانے جلانے کا باعث بن رہا تھا' بجائے ان کے بڑھاپے کا سہارا بننے کے انہیں چین وسکون سے چند سانسیں بھی نہیں لینے دے رہا تھا۔ نجانے ان کی تربیت و پرورش میں کہاں کوئی کمی رہ گئی تھی جو احتشام اپنے والدین کا انتہائی نافرمان خود غرض اور مادیت پسند بیٹا ثابت ہورہا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ سوچوں کے اس ساغر میں گم تھے جب ہی حاکم دین ایک گہری سانس بھر کر پریشانی بھرے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''میری تو سمجھ میں نہیں آرہا نیک بخت کہ میں بھائی ہاشم کو کیا جواب دوں' وہ چاہتے ہیں کہ حورین جلد سے جلد اپنے گھر کی ہوجائے' انہیں حورین کی بے حد فکر ہے جو کہ درست بھی ہے بھلا بن ماں کی بچی جو کہ کسی کی منگ بھی ہے وہ کیوں گھر پر بیٹھی رہے۔''

''میں ایک بار پھر احتشام سے بات کرتی ہوں اور اس دفعہ اسے ہماری بات ماننی ہی ہوگی یہ کوئی بات ہوئی بھلا منگنی تو راضی خوشی اس نے حورین سے کرلی اور اب شادی کرنے سے کترا رہا ہے۔'' کبریٰ بیگم کو بھی اشتعال آگیا' وہ غصیلے لہجے میں بولیں تو حاکم دین نے کبریٰ بیگم کو دیکھا۔

''تم یہ بات سمجھنا کیوں نہیں چاہتیں کہ احتشام کو اگر ہم اس شادی کے لیے راضی بھی کرلیتے ہیں تو وہ اڑیل اس زبردستی شادی کا بدلہ اس بے چاری حورین سے لے گا۔ میں باپ ہوں اس نا ہنجار کا جانتا ہوں اس کا مزاج وہ حورین کو کبھی خوش نہیں رکھے گا۔''

''تو پھر ہم کیا کریں حورین مجھے اپنی اولاد کی طرح عزیز ہے۔ مجھے اس کی بے حد فکر ہے' چار سال سے وہ احتشام کے نام پر بیٹھی ہے یقیناً اس نے اپنی آنکھوں میں اس کے خواب سجا لیے ہوں گے اس کے ساتھ دلی وابستگی ہوگئی ہوگی کتنا دکھ ہوگا میری بچی کو اور......'' وہ کچھ پل کے لیے رکی پھر بے اختیار روتے ہوئے بولیں۔

''میری صغریٰ کی روح کو کتنی تکلیف واذیت ہوگی اس احتشام نے تو مجھے شرمندہ کردیا اپنی بہن اور بھانجی کے سامنے۔''

صغریٰ بیگم کے سوئم کے فوراً ہی حورین کے والد نے حاکم دین سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی امانت جلد ہی اپنے گھر لے جائیں وہ حورین کے فرض سے جلد سے جلد سبکدوش ہونا چاہتے تھے اپنی شریک حیات کے انتقال کے بعد انہیں اپنی زندگی پر سے بھروسہ اٹھ گیا تھا' وہ چاہتے تھے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہی حورین اپنے گھر بار کی ہوجائے اور ویسے بھی منگنی کو بھی کافی عرصہ ہوچلا تھا البتہ احتشام ابھی تک بے روزگار تھا مگر انہیں لگتا تھا کہ شادی کے بعد جب اس پر ذمہ داری پڑے گی تو وہ خود بخود ہی اپنے باپ کی کریانہ کی دکان کو سنبھال لے گا۔

حاکم دین ان کا تقاضا سن کر اندر ہی اندر پریشان ہوگئے تھے کیونکہ احتشام فی الحال شادی سے صاف انکاری تھا وہ اونچی

اڑان اُڑنے کا متمنی تھا۔ حورین کے والد کے اصرار پر دونوں میاں بیوی نے گزشتہ رات موقع دیکھ کر احتشام سے بات کی تو اس نے پہلے کی طرح ٹکا سا جواب دے دیا تھا۔

"آپ دونوں کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں، میں اس دو کمرے کے چھوٹے سے گھر میں ساری زندگی دو چار روپے کی بچت کی فکر میں ہلکان ہو کر بڈھا نہیں ہونا چاہتا یا پھر آپ کی کیبن نما دکان کو سنبھال کر دکان دار کہلوانا نہیں چاہتا۔ مجھے ملک سے باہر جانا ہے ڈھیر سارے روپے چاہئیں مجھے ایک اچھی زندگی چاہیے۔" احتشام شادی کے تذکرے پر انتہائی چڑتے ہوئے بےزار کن لہجے میں بولا۔

"ہاں ولایت میں تو تیرے تایا ماما بیٹھے ہیں نا جو تجھے وہاں بلانے کے لیے بےتاب و بےقرار ہیں۔" ابا انتہائی ناگواری سے طنزاً گویا ہوئے۔

"احتشام تُو کیوں ہمیں رسوا کروانے پر تلا ہے، جب حورین سے تُو نے منگنی کی ہے تو شادی بھی تجھے ہی کرنی ہوگی۔"

"میں کرلوں گا حورین سے شادی مگر ابھی نہیں، ابھی مجھے کسی سے شادی نہیں کرنی۔" احتشام اماں کی بات پر قطعیت بھرے انداز میں بولا۔

"تو تیرے بڑے آدمی بننے کے انتظار میں ہم اس حورین کو بوڑھا کردیں۔" حاکم دین مشتعل ہو کر گویا ہوئے۔

"تو پھر کسی اور سے شادی کردیں اس کی مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔" انتہائی بدتمیزی سے کہہ کر احتشام کمرے سے باہر چلا گیا جبکہ دونوں میاں بیوی محض بےبسی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"میں نے ایک فیصلہ کرلیا ہے نیک بخت میں بھائی ہاشم کو انکار کردوں گا اور پوری سچائی بتادوں گا۔" کافی سوچ بچار کے بعد حاکم دین نے سر اٹھا کر اپنی رفیق زندگی کو دیکھ کر انتہائی سنجیدگی اور ٹھوس انداز میں کہا تو کبریٰ بیگم کا دل سوکھے پتے کی مانند لرز اٹھا۔ درحقیقت یہ بہت کٹھن اور تکلیف دہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑا فیصلہ تھا انہوں نے ہمیشہ حورین کو اپنے احتشام کی دلہن کے روپ میں دیکھا تھا۔ وہ اس سے بھی بخوبی واقف تھیں کہ حساس دل اور کومل جذبات رکھنے والی حورین ان کے سنگ دل اور خود پسند بیٹے کی ایک نگاہ التفات کی متمنی رہتی ہے۔ حورین کے دل کے ٹوٹنے کا احساس ان کی آنکھوں میں ساون لے آیا وہ باقاعدہ سسکیاں لے کر رونے لگیں تو حاکم دین بےچین سے ہوگئے۔

"احتشام کی ماں اپنے دل کو مضبوط کرلو بار بار کے رونے سے ایک بار کا رونا بہتر ہے۔ یہ فیصلہ مجھے بھی دکھ دے رہا ہے مگر وقت بہت بڑا مرہم ہے ان شاءاللہ سب ٹھیک ہوجائے گا یہی ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔ تم دل چھوٹا نہ کرو۔" حاکم دین تسلی آمیز لہجے میں بولے تو کبریٰ بیگم بمشکل اپنے آنسوؤں پر قابو پا کر گلوگیر لہجے میں گویا ہوئیں۔

"مجھے تو اس بچی کا دکھ رُلا رہا ہے جو چار سال میرے بیٹے کے نام پر بیٹھی اس کا انتظار کرتی رہی۔"

"بس یوں سمجھ لو نیک بخت کہ ہمارا بیٹا حورین جیسے ہیرے کے قابل ہی نہیں تھا۔ ان شاءاللہ حورین کو احتشام سے زیادہ اچھا جیون ساتھی ملے گا۔" حاکم دین کی بات پر کبریٰ بیگم بےساختہ حورین کے لیے اپنے رب سے دعا گو ہوگئیں۔

❁......❁......❁
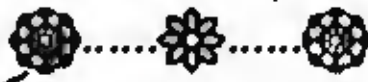
"او یارا! بہت بہت مبارک ہو تجھے آخر تیرے بھی سہرے کے پھول کھل ہی گئے۔ تُو بھی شہیدوں کی لسٹ میں شامل ہونے جارہا ہے اب تو تُو ہمیں ٹائم بھی نہیں دے گا نا۔" خاور سمیر کو مبارک باد دیتے ہوئے آخر میں شکوہ کرتے لہجے میں بولا تھا۔ سمیر کے والدین نے اس کی بات خاندان کی ہی لڑکی سے طے کردی تھی جب یہ خبر اس نے دونوں دوستوں کو سنائی تو دونوں نے ہی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے ہاں البتہ ذمہ داریاں کچھ زیادہ بڑھ جائیں گی کیونکہ سنگل لائف اور میرڈ لائف میں

کافی فرق ہوجاتا ہے۔" سمیر مسکراتے ہوئے کندھے اچکا کر بولا تو خاور نے جلدی سے کہا۔

"دیکھا دیکھا احتشام یہ ابھی سے ایسی باتیں کرنے لگا ہے۔"

"خاور بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے تُو تو ابھی سے اپنی لائن کلیئر کررہا ہے یہ صحیح بات نہیں ہے میرے دوست۔"

"اچھا اب تم دونوں ہی شروع ہوگئے۔" احتشام کی بات پر سمیر نے ہنستے ہوئے کہا پھر معاذ ہن میں کوئی خیال آیا تو احتشام سے استفسار کر بیٹھا۔

"احتشام تمہارے کیا ارادے ہیں چار سال ہوگئے ہیں تمہاری منگنی کو اور اب تو حورین بھابی کی امی بھی اس دنیا میں نہیں رہیں یقیناً ان کے والد کو بھابی کی فکر ہوگی تم کب کررہے ہو شادی؟" سمیر کی بات پر احتشام نے جزبز ہوکر پہلو بدلا تھا۔ شادی کا موضوع اب اسے اچھا خاصا چڑانے لگا تھا اس وقت وہ سمیر کے گھر کی ٹیرس پر براجمان تھے۔ شام کا نارنجی ٹھنڈا ماحول اور ٹیرس سے دکھائی دیتا ڈوبتا سورج اس پل بہت بھلا لگ رہا تھا۔

"میرا فی الحال شادی کا موڈ نہیں۔" احتشام اپنے دونوں ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر انہیں اپنے سر کی پشت پر رکھتے ہوئے کرسی پر ریلیکس انداز میں بیٹھتے ہوئے بے پروائی سے بولا تو سمیر نے اسے انتہائی متعجب ہوکر دیکھا۔

"کیا مطلب موڈ نہیں ہے جب تم نے منگنی کی ہے تو شادی بھی کرنی پڑے گی نا۔"

"یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ منگنی جس سے کرو تو شادی بھی اسی سے کرو۔" سمیر کی حیرت بھری آواز پر احتشام نے اسے ترچھی نگاہوں سے دیکھ کر کہا تو خاور کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"تُو تو واقعی عجیب وغریب انسان ہے تیرا کچھ نہیں پتا کب کہاں کیا کر جائے۔"

"احتشام زندگی کو سنجیدگی سے لینا سیکھو تم اب بچے نہیں ہو آخر کب تک اپنی ذمہ داریوں سے یوں بھاگتے رہو گے۔" سمیر نے ہمیشہ کی طرح ناصحانہ انداز میں اسے سمجھایا۔

"یار میں اس وقت کچھ نہیں کررہا مگر بہت سارے پیسے کمانا چاہتا ہوں ایک اچھی اور پُرآسائش زندگی گزارنا میرا بھی حق ہے اس ڈربے نما گھر میں ساری زندگی سسک سسک کر نہیں گزارنی مجھے۔ زندگی انسان کو صرف ایک بار ملتی ہے میں اپنی زندگی کو بدلنا چاہتا ہوں اسے سنوارنا چاہتا ہوں تو ایسا کیا غلط کررہا ہوں۔" احتشام کا لہجہ آخر میں کافی تند و ترش ہوگیا۔ خاور اور سمیر نے اسے خاموش نگاہوں سے دیکھا وہ دونوں بخوبی جانتے تھے کہ احتشام جو ہے جیسا ہے پر قناعت اور صبر و شکر کرنے والا انسان نہیں ہے اس کے خوابوں کی پرواز بہت اونچی ہے مگر اس کے پاس اڑنے کے لیے پر نہیں ہیں۔

"سمیر! احتشام اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہا یہ کرتا کیا ہے ابھی اس کا باپ اسے ذلیل وخوار کرکے چند روپے پاکٹ منی کے نام پر دیتا ہے خود کے اپنے اخراجات پورے نہیں ہوتے تو کل کو یہ اپنی بیوی بچوں کو کہاں سے کھلائے گا۔" خاور کچھ سوچ کر احتشام کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں مانتا ہوں کہ تمہاری خواہشات ناجائز یا غلط نہیں ہیں ایک اچھی زندگی گزارنے کا خواب ہر شخص کا حق ہے مگر اس کے لیے تمہیں محنت بھی کرنی چاہیے ہمارے ارادوں وخیالات میں عزم واستقلال اور مثبت پہلو ہونے چاہیے۔ تم مجھے یہ بتاؤ احتشام! جب بچپن سے ہی تم ایک بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھتے تھے تو پھر تم نے اپنی ایجوکیشن پر توجہ کیوں نہیں دی اعلیٰ تعلیمی ڈگری اپنے مقاصد کی کامیابی کی پہلی منزل ہوتی ہے حالانکہ تمہارے والدین نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر تمہیں اچھے تعلیمی اداروں میں پڑھایا۔" سمیر نے احتشام کو آئینہ دکھایا تو وہ پہلو بدلنے لگا پھر سمیر خاور سے گویا ہوا۔

"اور خاور رہی تمہاری بات کہ یہ کچھ کر نہیں رہا اپنی فیملی کو کیا کھلائے گا تو اس کے ذمہ دار بھی یہ موصوف خود ہیں۔"

"چھوڑ نا یار! احتشام کی شادی کو لے کر تو کیوں اتنا ٹچی ہورہا ہے۔" خاور اکتاہٹ بھرے انداز میں بولا۔

"نہیں خاور! اختشام ہمارا دوست ہے اور صحیح اور غلط بتانا ہمارا فرض ہے۔" سمیر کی بات پر اختشام کے چہرے پر بے زاری صاف دکھائی دینے لگی تھی مگر سمیر اسے نظر انداز کر گیا۔

"میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ اس وقت جو نوکری مل رہی ہے وہ ہی کر لو آگے اللہ مالک ہے وہ تمہاری مدد ضرور کرے گا خود میں نے تمہیں کتنی جابز کی آفر کیں مگر تم......"

"مجھے نہیں کرنی یہ ڈیڑھ دو ہزار کی نوکریاں' میں لعنت بھیجتا ہوں ان پر۔" اختشام زہر خند لہجے میں بولا پھر خاور کی جانب متوجہ ہو کر گویا ہوا۔

"خاور یار تم نے مجھے بتایا تھا نا کہ تمہارا کزن لڑکوں کو باہر بھجواتا ہے' یار میں نے پہلے بھی تم سے کتنی دفعہ کہا کہ مجھے کسی طرح ملک سے باہر بھجوا دو۔"

"تم کیا سمجھتے ہو کہ بیرون ملک پیسہ سڑکوں پر پڑا ہوتا ہے یا درختوں پر لگا ہوتا ہے۔" اختشام کو سمیر نے ایک بار پھر آڑے ہاتھوں لیا۔ دنیا میں صرف سمیر ہی ایسا آدمی تھا جو اختشام کی کلاس لے سکتا تھا ورنہ اختشام کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا' یہاں تک کہ اپنے باپ کی بھی نہیں سنتا تھا۔

"مجھے اگر یونہی کھری کھری سنانی ہے تو میں جا رہا ہوں۔" اختشام کرسی سے اٹھ کر ناراضگی والے انداز میں بولتا جانے کو پلٹا تو سمیر انتہائی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"حورین بھابی جیسی لڑکی تمہیں اس دنیا میں تو کیا کسی دوسرے جہان میں بھی نہیں ملے گی۔" اختشام عقب سے آتی سمیر کی آواز کو ان سنی کر کے وہاں سے چلا گیا۔

❁......❁......❁

شام کے دھندلکے گہرے ہو کر رات کی تاریکی میں بدل رہے تھے آج ابا سہ پہر کو ہی گھر آ گئے تھے اور شام کی چائے کے دوران انہوں نے جب سے حورین کو یہ بتایا تھا کہ انہوں نے اس کی خالہ خالو سے شادی کا تقاضا کیا تھا اور وہاں بالکل خاموشی ہے تو وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"حورین بیٹا! میں یہ چاہتا ہوں کہ سادگی سے سہی میں تمہیں اس گھر سے رخصت کر دوں جب تمہاری ماں زندہ تھی تو مجھے اتنی فکر نہیں تھی مگر اب تو راتوں کو بھی یہ خیال مجھے نیند سے جگا دیتا ہے کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تمہارا کیا ہوگا' میں صغریٰ کے جانے کے بعد تمہارے لیے بہت خوف زدہ رہنے لگا ہوں۔"

"اللہ نہ کرے ابا جو آپ کو کچھ ہو' آپ ایسی باتیں مت سوچا کریں پلیز۔" حورین ابا کے دل کی کیفیت جان کر پریشان ہو گئی۔

"ہوں' بیٹا سوچ پر بھی کسی کا اختیار چلتا ہے میں اب تمہارے فرض سے جلد سے جلد سبکدوش ہونا چاہتا ہوں مگر بھائی حاکم دین اور تمہاری خالہ نے ابھی تک کوئی بات کیوں نہیں کی۔" ابا جی متفکرانہ انداز میں دھیرے سے بولے تو حورین نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ اپنی شادی کے موضوع پر بھلا اپنے باپ سے وہ کیسے بات کر سکتی تھی' سو چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی رہی مگر اس کا خود کا دل ہزاروں خدشات میں گھر گیا تھا۔ اس وقت سے اب تک اس کا ذہن اسی سوال کی تکرار میں مصروف تھا کہ خالو خالہ نے اتنی لمبی چپ کیوں سادھ رکھی ہے۔

عشاء کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر جب ابا آرام کے لیے لیٹے تو وہ انہیں بتا کر تھوڑی دیر کے لیے پارس کے گھر چلی آئی۔

"تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو حورین! ہو سکتا ہے وہ لوگ تمہاری اماں کی وجہ سے چپ ہوں اور اب بات کریں۔" پارس

بھی حورین کی بات سن کر اندر ہی اندر متفکر سی ہوگئی تھی مگر اس نے حورین کو ریلیکس کرنے کی غرض سے اسے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''ہوں، بہت شوق ہو رہا ہے احتشام بھائی کی دلہن بننے کا اتنی بے قراری ہے پیا دیس سدھارنے کی۔''

''بکومت مم...... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' حورین بے ساختہ شرما گئی جھینپ کر اس نے پارس کو جھاڑا جبکہ اس پل حیا کے خوب صورت رنگ حورین کے چہرے پر بکھر کر اسے انتہائی حسین بنا گئے تھے۔ پارس نے انتہائی محبت سے اسے دیکھا اور بے اختیار دل ہی دل میں اپنی اس پیاری سی سہیلی کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا کر ڈالی۔

❀......❀......❀

خاور آج کل بہت خوش نظر آ رہا تھا، سمیر یہ بات کئی دن سے نوٹ کر رہا تھا اپنی پرانی سرگرمیاں اس نے موقوف کر دی تھیں آج کل کوئی لڑکی بھی اس کے رابطے میں نہیں تھی۔ فون پر لمبی لمبی باتیں کرنا لانگ ڈرائیو پر جانا لڑکیوں کو شاپنگ وغیرہ کرانا سب بند تھا۔ سونی نے بھی اس کی جان بخشی ہوئی تھی کیونکہ وہ اپنے کزنز کے ساتھ ورلڈ ٹور پر گئی ہوئی تھی۔ خاور کے وسیع و عریض لان میں بیڈمنٹن کھیلتے ہوئے سمیر بالآخر اس خوشی کی وجہ پوچھ ہی بیٹھا تھا۔

''ارے میرے یار میں تو ہر وقت خوش و خرم رہنے والا بندہ ہوں تم نے کب مجھے روتے بسورتے دیکھ لیا۔''

''میرے دوست جیسے آج کل تم مجھے دکھائی دے رہے ہو اس سے تو ایسا لگ رہا ہے کہ تمہیں ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہے۔''

''ہوں...... اس دولت کے آگے تو شاید ہفت اقلیم کی دولت بھی پھیکی اور ماند پڑ جائے۔'' سمیر کی بات پر خاور نے اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا تو سمیر اپنی جانب آتی شٹل کو ہٹ کرنے کے بجائے اسے نظر انداز کر کے خاور کی جانب چلا آیا اور اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

''تو گویا وہ دولت تمہارے ہاتھ لگ گئی ہے تب ہی تمہاری خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی۔'' خاور اس کی بات سن کر بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''ملی تو نہیں بس ملنے والی ہے صرف چند قدم اور کچھ ساعتیں اور۔'' سمیر بھی مسکرا دیا۔

''ہمیں کب ملوا رہے ہو اپنی قیمتی دولت سے جس کے آگے ہر دولت بے کار ہے۔''

''بس کچھ دن اور صبر کر لو میرے جگر! میں جلد ہی تمہیں ملواؤں گا اسے دیکھ کر یقیناً تمہاری آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی۔'' خاور لہک کر بولا تو سمیر اسے دیکھ کر ہنس دیا۔

❀......❀......❀
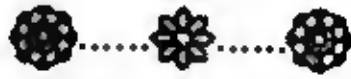
سمیر کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی اس کے باپ کا شمار ملک کے معروف و مشہور اور کامیاب بزنس مین میں ہوتا تھا۔ ساحرہ اس کی والدہ کی چچازاد بھائی اور منسٹر کی بیٹی تھی۔ خوب صورت نین نقوش سحر انگیز جسامت کی مالک اور کافی مغرور بھی تھی جبکہ سمیر کروڑ پتی باپ کا بیٹا ہونے کے باوجود انتہائی سادہ طبیعت آدمی تھا۔ وہ لوگوں کو دولت اور اسٹیٹس کے ترازو میں نہیں تولتا تھا۔

کبریٰ بیگم احتشام کے دونوں دوستوں سے واقف تھیں، دونوں اکثر ہی ان سے ملنے احتشام کے ہمراہ گھر آتے تھے اور ان کے ہاتھوں کا پکا کھانا بہت شوق سے کھاتے تھے۔ بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے اس گمبھیر مسئلے پر سمیر سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ آج انہوں نے اسے احتشام کی غیر موجودگی میں گھر بلا لیا تھا۔ کبریٰ بیگم کی پریشانی سن کر وہ بھی اچھا خاصا متفکر ہو گیا تھا۔ دونوں لاؤنج میں سر جھکائے اپنی اپنی سوچوں میں مستغرق تھے۔

''میرے خیال میں آنٹی انکل بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں' ہمیں حورین بھابی کو زبردستی احتشام سے منسلک نہیں کرنا چاہیے۔ یہ حورین بھابی کے ساتھ زیادتی ہوگی۔'' کافی دیر بعد سمیر سنجیدگی سے بولا تو کبریٰ بیگم ایک گہری آہ بھر کر رہ گئیں۔

''بیٹا یہ بات تو میں بھی مانتی ہوں میں اپنی پھولوں جیسی نازک بچی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہونے دینا چاہتی مگر حالات ہی کچھ ایسے ہوگئے ہیں کہ......'' بولتے بولتے وہ قصداً اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئیں۔

''میں سمجھ سکتا ہوں آپ کے دل کی کیفیت مگر آپ احتشام کی خصلت سے بھی واقف ہیں اگر آپ اس کے ساتھ زور زبردستی کریں گی تو وہ سارا غصہ ساری فرسٹریشن ان پر نکالے گا۔''

''یا اللہ میری اولاد ہی میرے لیے آزمائش بنتی جارہی ہے کس دوراہے پر کھڑا کردیا ہے تُو نے مجھے احتشام...... میں اپنی چھوٹی بہن کو روزِ محشر کیا منہ دکھاؤں گی۔'' بولتے بولتے اچانک وہ رونے لگیں تو سمیر نے انہیں بے بسی سے دیکھا۔ چوئشن واقعی بہت نازک تھی حورین کی خاندان بھر میں جگ ہنسائی ہوگی اور دوسری جانب اس کے ابا کو بھی گہرا صدمہ پہنچے گا جبکہ خود حورین کے دل کا نازک و حساس آئینہ کرچی کرچی ہو کر بکھر جائے گا۔

''احتشام بہت ضدی ہے وہ اپنی مرضی سے حورین سے شادی کرے تو ٹھیک مگر دنیا کی کوئی طاقت اسے مجبور نہیں کرسکتی۔ اب پلیز آنٹی آپ اپنے آنسو پونچھ لیں اور حورین بھابی کے والد کو جواب دے دیں۔'' سمیر کے جملوں پر کبریٰ بیگم نے سر اٹھا کر اسے بڑی یاسیت سے دیکھا۔

''تم ایک دفعہ احتشام سے بات نہیں کرسکتے اسے راضی نہیں کرسکتے آخر کیا کمی ہے اس بچی میں شہزادیوں جیسا حسن ہے اس کا عادات واطوار لاجواب شعور وسلیقہ بے مثال۔''

''بات حورین بھابی کے اندر کمی کی نہیں ہے' کمی تو احتشام میں ہے بلکہ وہ تو خامیوں وکمیوں کا مرقع ہے۔'' سمیر کا لہجہ آخر میں غصیلا سا ہوگیا۔

''وہ واقعی حورین بھابی جیسی لڑکی کے لائق نہیں۔'' وہ خود سے بولا۔ پھر کبریٰ بیگم کے اصرار پر احتشام سے ایک بار پھر بات کرنے کا وعدہ کر کے انہیں تسلیاں دے کر وہاں سے اٹھ آیا۔

❁......❁......❁

''آپ کو پہلی بار دیکھا تب ہی میں اپنا دل ہار بیٹھا تھا۔ میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا' پلیز مجھ سے دوستی کرلیجیے حورین! آئی لو یو......!'' حورین کرنٹ کھا کر بستر سے اٹھی تھی اس نے بے اختیار اپنے آس پاس گھبرا کر دیکھا جیسے کہنے والا یہیں کہیں موجود ہو۔ آواز کی بازگشت ابھی تک اس کی سماعتوں کا تعاقب کررہی تھی۔

''پلیز میری محبت قبول کرلیں۔'' انتہائی دلکش وگمبھیر منت آمیز آواز ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونجی۔ حورین گھبرا کر بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی اس پل اس کا سانس انتہائی بے ترتیب سا ہو رہا تھا۔ کچھ دن سے وہ گمنام فون کالز مسلسل آرہی تھیں' نجانے کون حورین کو دن ورات مسلسل فون کر کے پریشان کررہا تھا۔ تقریباً رات آٹھ بجے مستقل بجتے فون سے زچ ہو کر اس نے فون اٹھایا تو وہ اجنبی اچانک بولا تھا۔

''حورین آئی لو یو......'' یہ جملہ سن کر اس کا دل انتہائی شدت سے کپکپا اٹھا تھا۔ فون کرنے والے نے اپنا نام وغیرہ کچھ بھی اسے نہیں بتایا تھا اور نہ ہی حورین نے جاننے کی کوشش کی تھی وہ اس کو ڈانٹ کر فون رکھ دیتی تھی مگر روز بروز فون کرنے والے کی ہمت بڑھتی جارہی تھی وہ اس کی ڈانٹ پھٹکار کو خاطر میں نہیں لاتا تھا حورین رات کو سونے بستر پر لیٹی تو ہی فون والے کی باتیں اسے پریشان کرنے لگیں۔ پارس بھی ان دنوں یہاں نہیں تھی وہ اپنے تایا کے بیٹے کی شادی میں نواب شاہ گئی ہوئی تھی۔

اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنی پریشانی کا ذکر وہ کس سے کرے احتشام نے اس سے بھی دوستانہ رویہ رکھا ہی نہیں تھا

کہ وہ اسے کچھ بتانے کا سوچتی' ٹہلتے ٹہلتے اچانک اس کا ذہن احتشام کی جانب چلا گیا اس کی بے اعتنائی اور سرد انداز کے بارے میں سوچتے سوچتے وہ انتہائی ملول سی ہوگئی پھر تھکے ہوئے لہجے میں خود سے گویا ہوئی۔

''احتشام مجھے تمہاری ضرورت ہے تمہاری اپنائیت تمہاری پناہ کی چاہت ہے۔ میں کب سے تمہاری ایک نگاہ التفات کی منتظر ہوں آخر مجھے کتنا انتظار کرواؤ گے۔'' آنسو لڑیوں کی صورت اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔

❁......❁......❁

احتشام سے بات کرنے کا نتیجہ پتھر سے سر پھوڑنے کے مترادف نکلا اس کی بس ایک ہی رٹ تھی کہ وہ ملک سے باہر جانا چاہتا ہے اور خوب روپیہ پیسہ کمانا چاہتا ہے۔ سمیر نے کبریٰ بیگم کو جب مایوس کن صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی ملول ہوگئیں۔

''نیک بخت مجھ میں اتنی ہمت و جرأت نہیں ہو رہی کہ میں اس بچی کے باپ کا سامنا کروں جو مجھے آس بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے اس کے لب تو خاموش ہوتے ہیں مگر آنکھیں بڑی بے تابی سے سوال کرتی ہیں کہ بھائی صاحب کب میری بیٹی کو دلہن بنا کر مجھے میرے فرض سے سبکدوش کر رہے ہو۔'' حاکم دین کو حورین کے والد کو انکار کرنا دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔

آج سے پہلے کسی بھی معاملے میں انہوں نے خود کو اتنا بے بس اور شرمندہ محسوس نہیں کیا تھا حالانکہ وہ خود یہ رشتہ ختم کرنے کے حق میں تھے۔ حورین انہیں اپنی بیٹی کی طرح عزیز تھی وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ احتشام کے سر پر وہ زبردستی تھوپ دی جائے مگر وہ ہاشم احمد کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔ بولتے بولتے حاکم دین کی آنکھوں میں نمی در آئی تو سمیر کو ان پر بے تحاشا ترس آ گیا۔

''حوصلے سے کام لیں انکل! یہ مرحلہ کٹھن ضرور ہے مگر ان شاء اللہ بخیر و عافیت گزر جائے گا۔'' سمیر ان کے ہاتھ کو دبا کر تسلی آمیز لہجے میں بولا تو حاکم دین نے کچھ سوچ کر بڑی امید بھری نگاہوں سے سمیر کو دیکھا۔ سمیر ان کی نظروں کا مفہوم پڑھ کر اپنی جگہ جز بز ہوگیا کسی کی آنکھوں سے امید و آس کے جگنو بجھا دینا اسے مایوسی و اندیشوں کے اندھے کنویں میں دھکیل دینا اس کی نازوں پلی بیٹی کو ٹھکرا کر اس کے نازک دل کو مٹی کے برتن کی مانند زمین پر پوری طاقت سے پٹخ کر توڑ دینا واقعی دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔ اس پل سمیر کو احتشام کی بے حسی و خود غرضی پر بے پناہ غصہ آیا۔

''انکل یہ سب میں کیسے......؟'' سمیر بس اتنا ہی بول سکا تھا حاکم دین بے ساختہ سمیر کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر بولے۔

''میں ایک بیٹی کے باپ کی بے بسی و لاچاری کو نہیں دیکھ سکتا سمیر!'' سمیر حاکم دین کے لہجے کی نمی محسوس کر کے خود بھی غم زدہ ہوگیا۔

''میں حورین بھابی کے والد سے بات کرتا ہوں اور انہیں یہ بات بھی سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ اس رشتے کے ختم ہونے میں ہی ان کی بیٹی کی بھلائی ہے۔''

''جیتے رہو بیٹے' اللہ تمہیں ڈھیر ساری خوشیاں عطا کرے' تم نے ہماری بہت بڑی مشکل آسان کردی۔'' حاکم دین بے اختیار سمیر کو گلے سے لگا کر بولے تھے جب کہ سمیر اس شش و پنج میں مبتلا تھا کہ وہ کیسے اور کس طرح حورین کے والد سے بات کرے گا۔

❁......❁......❁

حورین صحن کے ایک جانب بنی ہودی میں ہفتے بھر کے کپڑے دھونے میں مصروف تھی جب ہی دروازے پر دستک نے اسے چونکا دیا۔ اس وقت دن کے دو بج رہے تھے وہ سوچتی ہوئی دروازے تک آئی اور ''کون'' کے جواب میں ابا کی آواز

اور پھر ان کو دیکھ کر چونکنے کے ساتھ ساتھ متفکر بھی ہوگئی۔

"ابا خیریت تو ہے نا آج آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" حورین ابا کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر حقیقی طور پر حواس باختہ سی ہوگئی۔

"میں ٹھیک ہوں بس ذرا تھکن محسوس کر رہا تھا تو سوچا کہ گھر چل کر آرام کرلوں۔" ابا حورین سے نگاہیں چرا کر اندر آتے ہوئے بولے جب کہ حورین نے ان کی آواز کے ساتھ ساتھ قدموں میں بھی واضح لڑکھڑاہٹ محسوس کی تھی وہ بے قرار ہوگئی اماں کے جانے کے بعد وہ ابا کے لیے اور زیادہ حساس ہوگئی تھی۔

"ابا سچ بتائیے آپ ٹھیک تو ہیں آپ کی طبیعت خراب ہے یا پھر کوئی اور بات ہے۔" حورین لپک کر باپ کے پاس آئی اور ان کا بازو تھام کر تڑپ کر بولی جبکہ ہاشم احمد بمشکل مسکرا کر بولے۔

"ارے میری گڑیا! کچھ نہیں ہوا خوامخواہ ہی کیوں ہو رہی ہو بیٹا!" ابا اس کے سر پر دستِ شفقت رکھتے ہوئے بولے اور مزید اسے کچھ اور بولنے کا موقع دیے بنا خاموشی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے حورین نے الجھن بھری نگاہوں سے ابا کی پشت کو دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ صحن کے جانب آ گئی۔ کپڑے دھونے سے اب دل مکدر ہوگیا تھا مگر مجبوراً کام نمٹانے کی غرض سے وہ اس جانب متوجہ ہوگئی۔

❁.......❁.......❁

سمیر کو بار بار حورین کے والد کا خیال آ رہا تھا وہ ان سے بات کرنے کی غرض سے ان کے دواخانے پہنچ گیا تھا شومئی اتفاق کہ اس وقت وہ اکیلے بیٹھے ہوئے تھے کوئی مریض بھی نہیں تھا۔ ہاشم صاحب سمیر سے بخوبی واقف تھے وہ دو تین بار احتشام کے ہمراہ گھر بھی آ چکا تھا۔

"ارے سمیر بیٹا آپ خیریت تو ہے نا؟" ہاشم صاحب چونک سے گئے تھے۔ سمیر کو دیکھ کر اپنی حیرت پر قابو پا کر انہوں نے استفسار کیا تو سمیر مسکراتے ہوئے بولا۔

"انکل آپ کی حکمت اور ہاتھوں میں شفا کی بہت دور دور تک شہرت ہے میں نے سوچا کہ میں بھی آپ سے استفادہ کرلوں۔" سمیر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کن لفظوں میں بتائے کہ احتشام ان کی بیٹی سے شادی نہیں کرنا چاہتا سو مناسب جملے ترتیب دینے کی غرض سے وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرتا بولا۔

"ارے بیٹا یہ سب میرے ربّ کا کرم ہے ورنہ میری کیا اوقات کیا حیثیت۔" وہ انکساری سے بولے تو سمیر یہاں وہاں کی دو چار باتیں کر کے اصل بات کی جانب آ گیا۔

"دراصل مجھے احتشام کے والدین نے یہاں بھیجا ہے۔"

"بھائی حاکم دین اور آپا صاحبہ نے مگر کیوں؟"

"وہ بہت شرمندہ اور شرمسار ہیں کہ احتشام شادی کرنے سے انکار کر رہا ہے۔" سمیر انتہائی دھیمے لہجے میں بول کر یوں سر جھکا گیا جیسے مجرم احتشام نہیں بلکہ وہ خود ہے۔

"میری بچی کا قصور کیا ہے؟" ان کی آواز جیسے تاریک کنویں سے ابھری تھی اس وقت جو بے یقینی اذیت تکلیف اور کرب ان کے چہرے پر رقم تھا اسے دیکھ کر سمیر نگاہیں چرا گیا تھا۔

"حورین بھابی کا کوئی قصور نہیں ہے انکل! بس احتشام فی الحال شادی کے جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتا وہ اپنی لائف سنوارنا چاہتا ہے اور......"

"ٹھیک ہے سمیر بیٹا کوئی بات نہیں تم چائے تو پیو گے نا۔" وہ سمیر کی بات درمیان میں قطع کر کے نرمی سے بولے تھے

اس پل ان کا اخلاق اور ضبط کی انتہا دیکھ کر سمیر کا دل چاہا کہ شرمندگی کے مارے وہ زمین میں گڑھ جائے۔

❀......❀......❀

عشاء کی نماز پڑھ کر ابا مسجد سے آتے تو حورین فوراً کھانا چن دیتی پھر دونوں باپ بیٹی مل کر کھانا کھاتے آج جب ہاشم صاحب مسجد سے آئے تو کھانا کھانے کے بجائے انہوں نے کمرے کی راہ لی ان کی گم صم اور پژمردہ انداز حورین کو اندر ہی اندر ہولائے دے رہا تھا۔

''ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے جو ابا کو اتنا پریشان اور اداس کیے دے رہی ہے مگر بات ہے کیا؟'' حورین خود سے الجھ کر بولی تھی۔

پھر جب انہوں نے رات کے کھانے سے انکار کیا تو حورین مصر ہوگئی کہ آخر وہ بات کیا ہے جس نے ان کی بھوک پیاس اڑادی ہے۔ ہاشم صاحب نے ایک پل کو اپنی معصوم بھولی بھالی بیٹی کے چہرے پر نگاہ ڈالی پھر دوسرے ہی لمحے انہیں سمیر کے الفاظ کی بازگشت سنائی دی تو ان کا دل جیسے سمندر کی گہرائی میں ڈوب سا گیا۔

''میری معصوم بچی کا دل ٹوٹ جائے گا' کتنا دکھ پہنچے گا اسے جب معلوم ہوگا کہ احتشام نے اسے ٹھکرادیا ہے۔'' ہاشم صاحب دل ہی دل میں بولے حورین بغور ابا کے چہرے پر آتے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہی تھی جن کی آنکھیں کوئی داستان سنا رہی تھیں مگر لب بالکل خاموش تھے۔

''بیٹا میں بہت تھک گیا ہوں اب آرام کرنا چاہتا ہوں تم کمرے کی لائٹ جاتے وقت بند کردینا۔'' حورین کے سوالات کو نظر انداز کرکے وہ کروٹ لے کر لیٹ گئے تو حورین بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی پھر بڑی خاموشی سے لائٹ بند کرکے وہاں سے نکل آئی۔

صبح حورین کی آنکھ ذرا دیر سے کھلی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اس نے بے اختیار گھڑی کی جانب دیکھا جو صبح کے آٹھ بجے کا اعلان کررہی تھی اس کا فوراً دھیان ابا کی جانب چلا گیا۔ فجر کی نماز بھی قضا ہوگئی تھی۔

''ابا نے آج مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟'' حورین خود سے بولی پھر جلدی سے بستر سے اٹھ کر دوپٹہ کھینچ کر ابا کے کمرے کی راہ لی اندر جا کر دیکھا تو ابا اس کی جانب پشت کیے کروٹ لیے محو خواب تھے۔

''کمال ہے آج ابا اتنی دیر تک سوتے رہے' کہیں ان کی طبیعت تو خراب نہیں ہے رات کھانا بھی نہیں کھایا تھا...... ابا...... ابا......'' وہ ہولے ہولے آوازیں دیتی ان کی جانب آئی پھر بڑی نرمی سے ان کا کندھا تھام کر رخ جونہی اپنی جانب پھیرا۔ ابا کا سفید لٹھے کی مانند چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا' وہ چند ثانیے پھٹی پھٹی نگاہوں سے یک ٹک ان کے چہرے کو دیکھتی رہی۔

''ابا...... ابا......'' وہ حلق سے آواز نکالنا چاہتی تھی مگر آواز کا جیسے کسی نے گلا گھونٹ دیا تھا۔ ابا کے ہونٹوں پر ایک خوب صورت مسکراہٹ اس کے دماغ کو یہ باور کروا گئی کہ اب وہ واقعی بہت تھک گئے تھے اور ابدی نیند کے سفر پر چلے گئے تھے مگر دل یہ بات ماننے سے انکاری تھا۔

''ابا......'' بمشکل اس نے اپنے حلق سے آواز نکالی اور اپنا ہاتھ ان کے یخ بستہ زندگی سے عاری وجود پر رکھا پر اگلے پل اس نے ہذیانی انداز میں ان کا وجود بری طرح جھنجوڑا۔

''ابا...... ابا......'' وہ پاگلوں کی طرح چلانے لگی اس کی چیخ و پکار سے پورا محلہ گونج اٹھا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

❀

خوشبو تیری جوئے کرم

طلعت نظامی

پرسکوت ماحول میں اس صبح کی خوش خرامی برگ گل کی طرح شگفتہ ہوگئی تھی، بہت سی الجھنوں کے پیچ وخم سے دل ایک لمحہ کو آزاد ہوا جا رہا تھا کہ اس مقدس ماحول کے رودح رواں سب کے سب خود کو سمجھ رہے تھے۔ ایک شعلہ سا تھا جو ہر ہر لفظ بھڑک اٹھتا تھا' ایک قطرہ شبنم تھا کہ الم سے سلگتے دلوں پر پھائے کا کام کرتا' ایک محبت تھی جو زری میں حریرو پرنیاں کو مات دیتی ایک عشق تھا' عشق جو صدق خلیل ہے صبر حسینؓ اور غازی حسین......

آئی صدائے جبرائیل تیرا مقام ہے یہی
اہل فرات کے لیے عیش دوام ہے یہی

سبحان اللہ کہیے کہ خدا خود اپنے بندوں سے کہتا ہے کہ اپنے پیغمبر فخر انسانیت' مسیحائے امت پر درود بھیجو میں خود اس پر درود بھیجتا ہوں۔

سبحان اللہ...... سبحان اللہ......

کوئی بد بخت زبان تھی جس پر رشک دختر آب جو کی مانند رواں نہ تھے۔ سفید دوپٹوں سے ڈھکے سر یوں جھکے تھے کہ اپنے محبوب کے دربار میں ان سے بڑا کوئی اور غلام تو ہو نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ وہ شعلہ حیات تھی جس نے اندھیروں کو تب وتاب اور نور وسرور بخشا تھا جو آج بھی ہر مومن کے دل میں جل رہا ہے اور جلتا رہے گا کیونکہ اسے ماند کرکے اپنے اپنے زوال کو آواز نہیں دینی ہے ہم نے۔

''میری بیٹیو...... میری بہنو! میری مومن بیبیو! اپنے آپ کو کمزور مت سمجھو' جرأت ومہارت کی پیامبر بن جاؤ کہ تمہارے دلوں میں ایمان ہے اور مومن بھی بزدلی کی سرحدوں کو نہیں دیکھا' مادیت کے کہسار کو ٹھوکروں سے توڑ دو' اسے اپنی زندگی کے ہر موڑ پر حائل نہ ہونے دو ورنہ نفس کی کمزوری ایمان کی کمزوری بن کر تمہارے وجود کو گھن کی طرح چاٹ جائے گی۔ خدا کو پہچانو اس کے نبی کو پہچانو' زندگی خود بخود سہل ہوتی جائے گی دگرنہ جس نے مادیت کے اصنام کو پہچان لیا وہ وہیں گر گیا اسی کو سجدے کیے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ایک سجدہ کرو اپنے ربّ کے آگے جو ہزار غلامی کا نجات دہندہ ہے۔''

میڈم عائشہ ایک جذب کے عالم میں تھیں' خدا اور رسول ﷺ کی محبت سر چڑھ کر بول رہی تھی اور راج کر رہی تھی پھر وہ مجذوب کیوں نہ بنتیں۔

کالج کا چپراسی کسی کام سے وہاں سے گزرا تو فوراً ناک تک نقاب سرکایا تو بہت سی طالبات نے ایک دوسرے کو دیکھ کر نظریں چرالی تھیں کہ ایک مومنہ وہ تھیں اسلام کی پیروکار ہونے کے تمام لوازمات احکام سے مزین اور ایک وہ خود کو سمجھ رہی تھیں آدھے آدھے حصوں میں خود کو منقسم' آدھی مشرق کی آدھی مغرب کی۔

''آج کے مبارک دن پر اس خوب صورت وپرسکون ماحول میں مجھے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی شان میں کچھ بولنے کا حق دے کر جتنی فضیلت سے ہم کنار کیا گیا ہے اس کی میں تہہ دل سے کالج والوں کی مشکور ہوں کہ کچھ ثواب میں نے اپنے دامن میں بٹورے اور عقیدت کے چند پھول آپ نے بکھیرے۔ یہ فضیلت بھی کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے اور مشکور ہوں اپنے پاک رب کی کہ اس نے مجھے اس قابل سمجھا۔'' ام کلثوم کی آنکھوں میں اشک ستارے بن کر ان کے وجود پر نثار ہو رہے تھے۔ دوپٹے کا ہالہ سر اور گردن کے گرد اور تنگ کرلیا' پلو مٹھی کی مضبوط

گرفت میں تھا۔

ان کی نشست خالی ہونے کا خیال کر کے ہی دل میں گھٹن سی طاری ہونے لگی۔ دل چاہ رہا تھا وہ یوں ہی بیٹھی اپنے موتیوں جیسے الفاظ کے خزانے لٹاتی رہیں اور وہ سمیٹتی رہے سب تقریباً اسی جذب کی کیفیت میں بیٹھے تھے۔

آٹو گراف بک لینے کے لیے ہجوم سے بچتی بچاتی نکلی تو باہر اندرونی گیٹ پر چیئر پر بیٹھی ٹانگ ہلا ہلا کر چیونگم چباتی صحیفہ اپنی جانب ساری توجہ مبذول کرا گئی، کتنی الجھن محسوس ہوتی تھی اس حلیے میں اسے دیکھ کر ٹانگ ہلانے سے اس کی چھوٹی سی پونی بھی ہل رہی تھی۔ چیونگم چباتی اور ببل بنانے کا سارا عمل کراہیت آمیز تھا اس کی مصفا طبع کے لیے، آج بھی وہ اپنی تراش خراش میں مکمل نظر آتی تھی۔

''ہونہہ...... معاشرے کا ناسور۔'' حقارت بھری نظریں اس کی جانب اٹھ گئیں۔ ہاتھ میں پکڑے انگلش میگزین کے صفحے الٹتی ہوئی حال سے بے خبر نظر آئی کہ اندر کیسی سکون اور مسرت کی محفل جمی ہے کہ ابھی ابھی تو وہ بہت کچھ اپنے دامن میں سمیٹ کر نکلی تھی۔

''کم از کم آج کے دن تو اپنا حلیہ چینج کر کے آجاتیں تھوڑی دیر کو لوگ تمہیں مشرق کی بیٹی ہی سمجھ لیتے تو کچھ برا نہ ہوتا۔'' سیاہ گلاسز اس نے ترشے بالوں پر جما لیے۔

''تم نے مجھ سے کچھ کہا ام کلثوم؟'' اس نے مڑتے مڑتے اسے پکارا۔

''فی الحال کوئی اور مجھے ایسے فضول حلیے میں نظر نہیں آرہا۔'' وہ کافی تلخ ہو چکی تھی۔

''بس یار کیا کروں۔'' دل فریب مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھر گئی۔ ''اصل میں میرا رخت سفر یہاں کا تھا ہی نہیں، بس یوں سمجھو باہر نکلی تو سفر کو تو ان دن بنانے کی کوشش میں یہاں تک ہی آ گئی۔''

''گویا احسان کیا؟'' اس کے منہ کا مزا اور زیادہ کڑوا ہو گیا۔

''کس پر......؟'' وہ حیران ہو اٹھی۔

''اپنی معلومات پر اور ان پر جنہیں آج مہمان خصوصی کی حیثیت سے یہاں زحمت دی گئی ہے جو اپنے ساتھ ہماری آنکھیں کھولنے اور گمراہ دلوں کی قفل توڑنے یہاں تک آ گئی ہیں۔''

''اس میں احسان کی کیا بات ہے جس وقت مجھے فرصت ملی آ گئی۔ تم یہ باور کرانا چاہتی ہو کہ اپنے دین و پیغمبران سے محبت صرف تمہاری میراث ہے تو یہ صرف تمہاری بھول ہے۔'' شگفتہ سے چہرے پر یک دم چھائی سنجیدگی نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

''محبت کے متوالے پہلے محبوب کے در دولت پر دستک دیتے ہیں، صحیفہ کیانی صاحبہ! کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اندر جو طالبات سے ہال بھرا پڑا ہے یہ اپنے اپنے کمروں میں ہاتھوں پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں گی اور اب اٹھ کر یہاں آ گئی ہیں۔ تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے راستہ بھول کر ادھر آ نکلی ہو تمہارے دل و دماغ کی کوئی طلب شامل نہ تھی۔'' اندر جو غصہ بھڑکنے لگا تھا اسے نکالنے کے بعد سر جھٹک کر ڈپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گئی۔ واپسی پر آنے لگی تو وہ دوبارہ سر جھکائے میگزین میں ہی گم تھی۔

''ٹھہرو میں بھی تمہارے ساتھ ہی اندر جاؤں گی، ذرا سی دیر کیا ہوگئی محترم گھسنے ہی نہیں دے رہے۔'' گیٹ کیپر کی طرف ناک چڑھا کر دیکھا۔ اس کے ''ذرا سی دیر'' پر اسے کافی ہنسی آ گئی۔

''اندر کھچا کھچ رش ہے، سیٹ ملنی محال اور ویسے بھی پروگرام ختم ہو چکا ہے تم اندر جا کر کیا کرو گی؟''

''ہاں یہ تو ہے۔'' لہجے کی بے پروائی اس کو سلگا گئی۔

''بس میڈم عائشہ کو دیکھنا تھا۔''

''باہر آئیں گی تو دیکھ لینا، مخلوق کی جتنی پروا ہے اتنی خالق کی ہوتی تو میں جانتی۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر گھس گئی۔

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد ﷺ عربی ہے عالم عربی

جتنی پاکیزہ وہ نظر آتی تھیں اسی قدر پاکیزہ ان کے

خیالات تھے' تھینک یو کہہ کر پین ہاتھوں سے لے لیا۔

"میڈم ہمیں ہر موڑ ہر قدم پر آپ جیسی رہنما سے مستفید ہونے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ دنیاوی تعلیمات سے روشناس کرانے والے تو بہت ہیں دینوی معاملات سے آگاہی دینے والے شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ کیا آپ ہمیں اپنا ایڈریس دینا پسند کریں گی؟" ایک اور طالبہ عقیدت سے معمور ہوکر اجازت طلب کررہی تھی۔

"کیوں نہیں' ضرور۔ میں نے اور میری چند ساتھیوں نے مل کر ایک جامعہ کی بنیاد رکھی ہے جس کا نام دینی جامعہ ہے اس کا ایڈریس بھی میں لکھ دیتی ہوں۔ آپ لوگوں میں سے جس کسی کو بھی شوق ہو وہاں آ کر ابدی سعادت سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔ بہت بڑے پیمانے پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے اور مختلف شہروں سے بچیاں آ کر عرفان نفس اور عرفان ذات حاصل کرتی ہیں۔ الحمدللہ شوق کس تیرہ بخت کو نہیں ہوگا بس حوصلے و ہمت کی ضرورت ہوگی۔ اسلام اور اس کے پیغام کے بارے میں راسخ العقیدہ ہونا بھی ایک مسلمان کی خوبی ہے تاکہ صرف جامعہ ایمان۔ سکون کی موت میں جو مزا ہے وہ آسائشوں سے لبریز زندگی میں نہیں۔" اپنی آمد کو پوری طرح موثر بناتے ہوئے انہوں نے آخر لمحات تک شہد آمیز جملے ان کی سماعت میں انڈیلنا اپنا فرض جانا۔

"میڈم! آپ کی رہائش بھی کیا وہیں پر ہے؟" صحیفہ کیانی یک لخت آگے بڑھی تو ایک لمحے کو وہ اس کا بے محل حلیہ دیکھ کر ششدر رہ گئیں' لڑکیاں بہت عجیب نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔ وہ بروقت سنبھل گئیں۔

"جی ہاں تاکہ میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تعمیر میں صرف کرکے سکون کو اپنا مقدر بنا سکوں۔ ہمارے نور مجسم' معلم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ہے "تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا" میں بھی اس اعزاز کو پانے کے لیے دن رات کوشاں رہتی ہوں۔ دیکھیے آخرت میں کس مقام کی مستحق یہ ناچیز قرار دی جاتی ہے۔"

لفظ لفظ میں رس تھا عاجزی کا
نفس نفس پیکر تھا انکساری کا
روئیں روئیں میں خوشبو بسی تھی ایمان کی

"بیٹا! آپ کا نام کیا ہے؟"

"صحیفہ کیانی میڈم!" وہ کھل کر مسکرائی تھی اپنی اس فوقیت پر۔

"ماشاء اللہ آپ کی طرح آپ کا نام بھی خوب صورت ہے' خدا اس صحیفے میں عقل و کردار کی بلند تحریر فرمائے' آمین۔" اس جملے میں اس کے لیے کیا پیغام تھا اسے سمجھنے والیاں سمجھ گئی تھیں لیکن ندامت کی ایک لہر بھی اسے چھو کر نہ گزری بلکہ یوں تشکرانہ نظروں سے انہیں دیکھا جیسے اس کی شان میں کوئی سپاس نامہ پیش کیا ہو انہوں نے۔

انہوں نے اس کے گال تھپتھپائے اور نکل گئیں جو لڑکیاں اس کے منہ پر کھری بات کہنے کی اخلاقی جرأت نہیں رکھتی تھیں وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگیں اس سے پیشتر کہ ان کے نکل جانے کے بعد ام کلثوم' میڈم عائشہ کے جملے کا مطلب اچھی طرح واضح کرکے پیش کردیتی وہ کی رنگ گھماتی مزے سے گاڑی میں بیٹھ کر یہ جادہ جا ہوگئی۔

"رہائش تو ایسے پوچھ رہی تھی جیسے آج ہی جا کر میڈم عائشہ کے قدموں میں بیٹھ کر ان کی پیروکاروں میں شامل ہوجائے گی۔" آمنہ ربانی جو اس کی شان و حشمت سے ہمیشہ جلی رہتی تھی اس وقت بھی پھپھولے پھوڑنے بیٹھ گئی۔

"اللہ نہ کرے جو اتنی کھلے ماحول کی پروردہ اس شفاف درس گاہ میں قدم رکھ کر اسے بھی کثیف کرے۔ پتا نہیں چلتا کہ میڈم کی شخصیت کی حامل ان کی اسٹوڈنٹس بھی ہوں گی۔"

"ہائے دادے سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ صحیفہ کیانی کو اپنی آؤٹ ڈور سرگرمیوں سے اتنی فرصت مل جائے گی کہ

وہ جامعہ حاضری دینے کے لیے جائے۔ سب کہنے کی باتیں ہیں ورنہ وہ اور میڈم عائشہ ندی کے دو کناروں کی مانند ہیں۔'' رضوانہ نے کہہ کر معاملہ بھی کلیئر کردیا۔

نہیں بے کسی کی ذرا مجھ کو پروا
کہ ہیں میرے یاور محمد ﷺ محمد ﷺ

پھر بہت دنوں تک میڈم عائشہ کی زبان سے نکلا ہوا یہ شعر ذہنوں میں گردش کرتا رہا۔ ان کی شخصیت اور انداز بیاں کی طرح' طالبات نے اور شدت سے کمی محسوس کرنی شروع کردی جب سے میڈم زہرا نے بتایا تھا کہ جلد ہی کالج میں دینی اور بنیادی تعلیم کے لیے درس کا پیریڈ شروع کیا جارہا ہے جو کہ کلاسز کے اسٹارٹ میں ہوجایا کرے گا۔ ایمان کی حرارت سے مزین دلوں میں عقیدت کا رنگ اور نمایاں رہا۔

''میڈم! اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوگی' ہماری نجی زندگیوں کے متعلق چھوٹے چھوٹے بہت سے حل طلب مسائل ہوتے ہیں جنہیں بروقت رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے آج کے نفسانفسی کے دور میں جب سوچنے سمجھنے کی فرصت بھی قلت فراغت کا شکار ہونے لگی ہے ایسے میں اگر ہم نے اپنے آپ کو پہچاننے کی صفت کھودی تو اس سے برا وقت اور کوئی نہ ہوگا اور اپنی پہچان ایک مسلمان ہونے کے ناتے صرف دین اسلام ہی ہے اللہ ایسی آزمائش سے سدا ہمیں محفوظ رکھے۔'' سب سے آگے مولانا شجاع الدین بریلوی کی ہونہار اور نیک صفت بیٹی ام کلثوم بھی اس جذبے کو داد تحسین بخشنے کے لیے تھی' جملے جذبوں کی ترجمانی کررہے تھے۔

''آپ صحیح کہہ رہی ہیں ام کلثوم لیکن یہ حیران کن بھی ہے کہ اپنے گھر میں روشنیاں بانٹتا چراغ رکھتے ہوئے بھی اتنی طلب......'' اس کی آنکھیں عقیدت سے معمور تھیں۔

''میڈم! بس یہی تو وہ پیاس ہے جو بھڑکائے بھڑک جاتی ہے' بجھائے نہیں بجھتی۔''

سبحان اللہ ما اجملک' ما احسنک' ما اکملک
کہاں مہر علی کہاں تیری ثناء گستاخ نظر جا ٹھہری کہاں

"اس چراغ سے ہمارا گھر ہی فیض یاب نہیں ہوتا بہت سے لوگوں کے دلوں کی سوکھی دھرتی ہری ہوتی ہے پھر کیوں نہ چراغ سے چراغ جلائے جائیں' کہتے ہیں جوانی کی ایک نماز بڑھاپے کی اسّی نمازوں کے برابر ہوتی ہے اس عمر میں تمہارے اچھے اقوال تمہاری اچھی سوچ کی دلیل ہیں اور اچھے خیالات کا خدا کے ہاں بڑا درجہ ہے۔"

"جو لوگ بس اسی دنیا کی زندگی اور اس کی خوش نمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہاں ہی ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی مگر آخرت میں تو ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں اور (وہاں معلوم ہو جائے گا) کہ جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیا میٹ ہوا اب ان کا کیا دھرا محض باطل ہے۔" (ہود ۱۵ تا ۱۶)

"سبحان اللہ...... اللہ تمہارے نیک اعمال میں چار چاند لگائے۔"

"ام کلثوم اب میڈم عائشہ کے متعلق کہو نا۔" آمنہ ربانی نے ٹھوکا دیتے ہوئے سرگوشی کی وہ دھیرے سے مسکرادی۔

"میڈم! ایک بات کہنی تھی آپ سے بلکہ یوں کہہ لیں میری بڑی خواہشوں میں سے ایک ہے۔" وہ ملتمس ہوئی۔

"ہاں بولو۔"

"میڈم! ہمیں درس کے پیریڈ کو حقیقی معنوں میں بامقصد بنانا ہے یہ نہیں کہ وقت گزاری کے لیے چند باتوں میں اپنے قیمتی اوقات کو ہم گنوا دیں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہمیں میڈم عائشہ کو اپنی معلمہ تسلیم کر کے خوشی ہوگی۔" آخر کار وہ مدعا بیان کرنے میں کامیاب ہوگئی اور وہ سوچ میں پڑ گئیں کہ میڈم عائشہ کو اپنے جامعہ سے فرصت ہی کہاں ملتی تھی کہ وہ صبح کا ٹائم یہاں دے سکیں' کس قدر مصروف تھیں اپنے نیک مقصد میں۔

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" (آل عمران ۱۱۰)

اسی لیے تو انہوں نے یہ بھلا دیا تھا کہ وہ عورت ہیں انہوں نے صرف یہ یاد رکھا تھا وہ انسان ہیں جسے انسانوں کے کام آنا ہے۔

"اور اگر انہوں نے مصروفیت کا کہا تو......؟"

"پلیز میڈم! آپ اصرار کر لیجیے گا۔" آتشِ شوق کچھ اور بھڑکا۔

"اوکے......" وہ مطمئن ہوگئیں۔ "پتا نہیں بات اس طرح بنے کہ نہ بنے آپ لوگ ایسا کریں کہ کچھ لڑکیاں ہر ائیر سے منتخب کر لیجیے اور خود ہی جا کر اس معاملے کو نمٹا لیجیے آپ لوگوں کے جذبوں میں بہت شدت ہے اللہ آپ کو کامیاب کرے۔" یہ تجویز سب ہی کو پسند آئی تھی اپنے ڈپارٹمنٹ میں اس بات کا تذکرہ کیا تو صحیفہ بھی ہاتھ ہلاتی ڈائس پر آگئی۔

"میرا نام بھی لکھو میں بھی چلوں گی۔"

"بعض چیزیں کتنی غیر مناسب جگہ فٹ ہونے کے لیے ہاتھ پیر مارنے لگتی ہیں۔" تاسف سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

ہمیشہ کالج لیٹ پہنچنے والی پیریڈ سے غیر حاضر رہنے والی لڑکی اس لمحے ٹانگ اڑاتی عجیب ہی لگی۔

"فرصت نکالوں گی تو مل ہی جائے گی لیکن میں جاؤں گی ضرور۔" اٹل لہجے میں کہتے ہوئے پرس سنبھال کر ہال سے باہر نکل آئی ضد چہرے پر رقم تھی۔

"یہ محض اس کی ضد ہے ورنہ جسے نصاب سے دلچسپی نہ ہو وہ صاحب نصاب سے کیا دلچسپی رکھے گا۔ ویسے بھی ہر معاملے میں یہ مجھ سے ضد پر ہی لگی رہتی ہے خدا جانے میری برابری کر کے اسے ملے گا کیا۔"

"تمہاری خوبیوں سے جلتی ہے صحیفہ! وہ سوچتی ہے تم

جتنا نام کمائے کالج کے ہر معاملے میں آگے آگے رہ کر تمہاری ہم سری کرے۔" ایک لڑکی نے اس کے اندر اُمڈ آنے والے غصے کو ہوا دے دی۔

"لیکن اسے خود نہیں معلوم اس کے پالے ہوئے شوق میں اور میری محرکات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں نے نفس پرستی والے شوق نہیں اپنائے ہوئے۔" اسے کالج فنکشن پر ہونے والے فینسی ڈریس شو والی صحیفہ یاد آ گئی جو ڈھیروں روشنیوں کے ہجوم میں اسٹیج پر کیٹ واک کرتی کسی عروسی ڈریس کے کام کو نمایاں کررہی تھی۔ بیک گراؤنڈ میں میوزک نے ماحول کو اور سحر انگیز بنا رکھا تھا۔ اس کے کام کو اتنا سراہا گیا کہ سہراب جان نے باقاعدہ اسے ایک ایڈورٹائزنگ میں ماڈلنگ کی آفر کردی جو خود ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا مالک تھا اور اس وقت موجود تھا۔ کراہیت آمیز مسکراہٹ سمیت ام کلثوم نے اسے دیکھا۔

"کرلیتی قبول آفر' آخر نام بھی ہوتا۔" اس نے ازلی خوب صورت مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"فرصت نہیں ہے مجھے پھر اگلے ہفتے پاپا آنے والے ہیں ان کے ساتھ مصروف ہوجاؤں گی پھر کہاں ٹائم دے پاؤں گی۔"

"چہ چہ...... بڑا افسوس ہوا۔" تاسف کا مظاہرہ کرتی ام کلثوم وہاں سے چلی گی۔

"لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہدایت اللہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔" (البقرہ)

اس بات کو سال بھی گزر گیا تھا اور آج ہی وہ جب اپنی اہمیت جتا کر اور اپنی ضد کا اظہار کرکے گئی تو چھٹی کے ٹائم جب ام کلثوم اپنے ڈرائیور کے ساتھ آرہی تھی تو اس نے صحیفہ کو سہراب جان کی گاڑی میں اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ جاتے دیکھا۔

"تو یہ ہیں اس کی مصروفیات۔" اس نے نفرت سے لب بھینچ لیے ایک غیر محرم کو یہاں ساتھ بیٹھنے کی ممانعت ہے وہاں پر اتنی لڑکیاں اپنے حد سے باہر نکلتی کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں؟" سہراب جان کی آنکھوں میں چڑیا پھنس جانے والی چمک نظر آئی۔

"بہت اونچا اڑ رہی ہو صحیفہ کیانی' لیکن منہ کے بل گر کر اپنی نسوانیت و وقار کی تذلیل نہ کر بیٹھنا۔ تمہارے تقاضے تو اتنے اونچے ہوتے ہیں کہ برابری کی دوڑ میں آگے رہنا چاہتی ہو لیکن یہ محرک تمہیں اڑنے نہیں دیں گے' ضد الگ چیز ہے۔" دوسرے روز جانے والی لڑکیاں ہرارکی علیحدہ ہوگئیں جن میں آرزو شامل تھیں اور چند ایک کچھ اور صحیفہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ کالج وین انہیں لے جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ کسی کو اس کا انتظار تھا کہ نہیں ام کلثوم کو بالکل نہیں تھا۔

"وہ ہمارے گروپ میں شامل ہونے کی ضد پکڑے بیٹھی ہے لیکن اس کے شوق یکسر علیحدہ ہیں۔" سب لان میں جمع ہوچکی تھیں پرنسپل صاحبہ نے بیٹھنے کو کہا۔

"میڈم! صحیفہ نے اپنا نام دیا تھا لیکن ابھی تک پہنچی نہیں۔" کنزیٰ نے یاد دلایا تو وہ کھل اٹھی۔

"چلو پانچ دس منٹ اور دیکھ لو آتی ہی ہوگی۔" اس کی سورس ہمیشہ اس کی ڈھال بن جاتی ہے جس پر وہ اکڑ رہتی۔

"میڈم وہ ساڑھے دس گیارہ سے پہلے نہیں آئے گی' ساڑھے آٹھ بجے اس کے آنے کا ٹائم نہیں ہوتا اور ہم نے اسی لیے تو جلدی کی ہے کہ میڈم عائشہ ساڑھے نو نکل جاتی ہیں اپنے جامعہ کے لیے۔" اتنی غیر مناسب لڑکی کو اتنی خاص شخصیت سے ملانے کا خیال بھی اس کے لیے ناپسندیدہ تھا۔ اس کی اپنی ایکٹی وٹیز کم ہیں کیا جو اس میں بھی ٹانگ اڑانے کو تیار ہے' وہ سوچ کر رہ گئی۔

"یہ تو ہے' چلو ایسا کرو تم لوگ جاؤ مسئلہ جلدی کا ہے ورنہ میں ضرور روک لیتی۔" اشارہ پاتے ہی اس نے سب کو سوار ہونے کو کہا اور گاڑی اسٹارٹ ہوگئی۔

کالج گیٹ سے نکلتے ہوئے سامنے بیٹھی ام کلثوم نے واضح دیکھ لیا تھا کہ صحیفہ اپنی گاڑی سے نکل کر ڈرائیور کو کچھ کہہ رہی ہے غالباً واپس جانے کے لیے لیکن اس نے

یوں دم سادھ لیا گویا دیکھا ہی نہ ہو۔

سفید کلف لگے شلوار کرتا پر سفید ہی دوپٹا لیے صحیفہ عام دنوں سے کتنی مختلف لگ رہی تھی پر نسپل صاحبہ باہر ہی مل گئیں۔

''میڈم! کیا سب چلی گئیں؟'' سلام کے بعد حیرانی سے اس نے پوچھا۔ آنکھوں میں ملاقات کا اشتیاق نمایاں تھا انہیں ازحد افسوس ہوا۔ دو تین منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے ہوں گے انہیں نکلے ہوئے۔ ہمیشہ لیٹ کالج پہنچنے والی بے پروا سی لڑکی آج کتنے اہتمام سے موقع محل کی مناسبت سے تیار ہو کر آئی تھی۔

''ہاں بیٹے ابھی ابھی تو گاڑی نکلی ہے۔'' اس کی آنکھوں کی جوت ماندی پڑ گئی۔ ''ہم نے سوچا تم حسب معمول لیٹ آؤ گی اور تمہیں تو پتا ہی ہوگا میڈم عائشہ کی مصروفیت کا۔''

''پھر بھی میڈم روز کی بات ہے' آج کی بات کچھ اور ہے۔ میں ام کلثوم کو نام لکھوا کر گئی تھی پھر یہ کیوں ہوا؟''

''تم ایسا کیوں نہیں کرتیں میں ایڈریس سمجھا دیتی ہوں تم اپنی گاڑی میں چلی جاؤ۔''

''گاڑی مجھے چھوڑنے کے بعد فوراً چلی گئی ہے' دراصل گرینڈ ما کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ ڈرائیور کو انہیں اسپتال لے کر جانا تھا لیکن ایک بات میں ضرور کہوں گی میڈم کہ ام کلثوم نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ میں غیبت نہیں کرنا چاہ رہی لیکن اتنا اسے ضرور سمجھا دیجیے گا کہ اگر وہ اتنی ہی کٹر مسلم ہونے کی دعویدار ہے تو یہ مومنہ کی صفت نہیں کہ وہ عہد کی خلاف ورزی کرے۔''

''جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا کیونکہ پرہیزگار لوگ اللہ کو پسند ہیں۔'' (آل عمران ۷۶ تا ۷۷)

اتنی گہری سنجیدگی تھی اس کی آواز میں کہ وہ خود کو مجرم سمجھنے لگی تھیں۔ وہ کہہ کر رکی نہیں پیریڈ لینے کے لیے آگے بڑھ گئی۔

میرے دل میں ہے یاد محمد ﷺ میرے ہونٹوں پہ ذکر مدینہ
تاجدار حرم کے کرم سے آ گیا زندگی کا قرینہ

''یہ عزت' یہ توقیر بخشنے والا صرف میرا رب ہے جس نے ایک بار پھر آپ جیسے چاہنے والوں کے بیچ مجھے لا بٹھایا ہے' صرف وہی ذات ہے جو جسے چاہے اوج با کمال دے اور جسے چاہے پستی سے ہمکنار کرے' اسی لیے فرمایا گیا'' اور تم اللہ سے تجدید ایمان کی دعا کرتے رہو۔''

''یہ تقدیر الٰہی اور مشیت ایزدی کا مقام ہے جہاں کسی کا کچھ زور نہیں اسے صرف اسی کی خوشنودی سے جیتا جاتا ہے۔ طناب ایمان ہمارے ہاتھ میں ہو تو اس کی رضا ہمارے ہاتھ میں ہوگی بصورت دیگر منزل کیا راہ رو اور راستے کیا؟ ایمان سے خالی دلوں کو کیا طلب کہ آج کبریٰ کیا ہے' عشق و مستی کیا ہے' خدا کے لیے خود کو مٹا دینا کیا رتبہ رکھتا ہے۔'' میڈم عائشہ اپنی شیریں زبان میں سب کے دلوں کو قابو کیے بیٹھی تھیں۔

''میڈم! شکریہ تو آپ کا ادا کرنا چاہیے کہ اپنے قیمتی وقت سے ہمارے لیے بھی حصہ نکالا اور آج سب سے پہلے ہماری طرف آپ کے قدم اٹھے ہیں۔'' ام کلثوم سرشار تھی۔

''نہیں' شکریہ میرے رب کا جس نے اس مبارک کام کے لیے مجھے اس قابل جانا اور بہت سے دلوں میں الجھی پیچیدگیوں کو سلجھانے کے لیے مجھے مامور فرمایا۔ آپ بھی شکر ادا کریں اور میں بھی مشکور ہوتی ہوں کہ اس نے ہمیں اتنی عزت سے ہمکنار فرمایا ایک ایسے سلسلے میں جس کے نتیجے میں اس کی خوشنودی میں اپنے دامن میں سمیٹتی ہوں اور میرے دل میں بھی سکون وراحت کے گل کھلتے ہیں۔ ہم اپنے درس کو صرف خطاب تک ہی محدود نہیں رکھیں گے بلکہ ایک مشن کے طور پر سرانجام دیں گے کیونکہ نیکی و بھلائی کے کاموں کو ابر رحمت سمجھنا چاہیے جس کی وسعت اتنی ہوتی ہے کہ گرد و غبار میں لپٹے ہر گل و غنچہ دھل جاتے ہیں آبگینہ حیات جگمگا اٹھتا ہے۔''

''ان شاء اللہ میڈم! ویسے بھی اسلام سمٹنے کا نہیں

پھیلاؤ کا دین ہے جتنے بھی اس کے احاطے میں آ جائیں اس کی وسعت جوں کی توں رہتی ہے کسی رحمت کدے میں تپتے صحیفے کی طرح جس کے سایہ عافیت میں کسی اور شے کی طلب باقی نہیں رہ جاتی۔"
اور پھر جب ام کلثوم نے فخر سے اپنا تعارف کروایا کہ وہ مولانا شجاع الدین بریلوی کی بیٹی ہے تو ان کی آنکھیں مسرت سے جگمگا اٹھیں۔

"مجھے خبر تھی یہ چمک کسی ہیرے کی ہی ہے۔" انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ "میں نے بھی ان کے علم سے فیض یابی حاصل کی ہے کچھ دنوں تک جو کچھ بھی میں ہوں اس ذات باری تعالیٰ کا دیا ہوا تو ہے لیکن وسیلہ مولانا صاحب ہی بنے ہیں۔" اب یہ سن کر ام کلثوم کے حصے میں مسرت و حیرانی آئی تھی۔

"آج کل وہ بھی لاہور گئے ہوئے ہیں' تبلیغی جماعت کی امامت کرتے ہوئے اور چند ہفتوں میں ان کی واپسی ہے۔" سب اس کی برتری کو دیکھ رہی تھیں اور سمجھ چکی تھیں جو مقام بنا چکی ہے وہ مقام شاید کسی اور کے لیے ہو کہ نہ ہو۔

ان کی تعلیمات اسلامی کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا آب رواں کی مانند ان کی زبان سے جو جملے نکلتے وہ ہیرے موتی سے کم نہ ہوتے لیکن سب سے بڑا مسئلہ ٹائم کا تھا جو کہ آدھ گھنٹے ہی تھا اور لڑکیاں کوئی مسئلہ پوچھتیں کوئی مبہم آیات کی تشریح کی خواستگار ہوتیں تو سیرت نبی ﷺ اور قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے بہت لمبی گفتگو ہو جاتی اور بہت کچھ سیکھ لینے کی پیاس تشنہ ہی رہ جاتی اس سلسلے میں بھی ام کلثوم نے پرنسپل سے بات کر کے ٹائم پون گھنٹہ تک بڑھوا لیا تھا اور فری پیریڈ کی قربانی دے دی تھی جس سے ان کی نگاہوں میں اس کی قدر اور بڑھ گئی تھی یہی نہیں اب وہ میڈم کے ہر ہر معاملات میں اپنی شرکت کی خواہش مند رہتی۔ پرنسپل صاحبہ نے ایک روز بڑے فخر سے اسے دیکھا تھا۔

"میں ام کلثوم میں ایک اور میڈم عائشہ کی صورت دیکھ رہی ہوں۔" یہ تعریف اس کا سرمایہ تھی' فخر کی دو چار سیڑھیوں پر وہ اور کھڑی ہو گئی۔

صحیفہ مسلسل کئی روز سے غیر حاضر تھی پہلے بھی وہ کالج میں مہمانوں کی طرح آتی لیکن جب سے سہراب جان کے ساتھ دیکھا تھا اب ذہن میں اسی کے ساتھ گھومتی پھرتی نظر آتی وہ سختی سے لب بھینچ لیتی۔ اس دن یوں ہی باتوں باتوں میں اس کا تذکرہ نکل گیا تو نفرت سے ہونٹ سکیڑ لیے۔

"تم لوگوں کو کیا خبر وہ اس وقت کہاں ہوگی اور کیوں ہوگی؟"

"ویسے صحیفہ کیانی اپنی گفتار سے بالکل بھی کرپٹ نہیں لگتی۔ وہ ہر ایک کے دل کو موہ لیتی ہے' کتنوں کی نظر میں وہ صرف اپنی باتوں کی وجہ سے جگہ بنائے ہوئے تھی۔"

"اپنی خامیوں کی پردہ پوشی کے لیے باتوں کا رنگین خول تو اوڑھنا ہی ہے اس نے۔ ایسے لوگ بڑی مہارت سے اپنے ناسور جیسے کارناموں پر پھاہے رکھتے چلے جاتے ہیں۔"

"بڑے باپ کی بیٹی ہے کارنامے بھی بڑے بڑے ہی کرے گی۔"

"اللہ ایسی بڑائی سے باز ہی رکھے جس کی بلندی سے گرے تو سنبھلنے کے لیے کوئی کنارہ کوئی سہارا نہ ہو' پاش پاش ہونے کے سوا۔"

"صحیح کہہ رہی ہو تم' حیرت ہے کہ اس کے باپ نے ملک سے باہر ہوتے ہوئے اسے کھلی چھوٹ دی ہوئی ہے اپنے ساتھ کیوں نہیں رکھتا؟"

"بوڑھی دادی کے ساتھ رہ کر اپنی نفس پرستی کو کھلی چھوٹ دی ہوئی ہے اور سہراب جان کے ساتھ زندگی کی خوش خرامیوں کو انجوائے کر رہی ہے۔"

"وہاٹ...... سہراب جان! جو ہماری فیسنی ڈریس شو میں آیا تھا اپنی جیپ میں؟"

"ہاں...... میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے اس

کے ساتھ اس کی گاڑی میں دیکھا ہے، بھئی اس میں حیرت کی بات بھی کیا ہے۔ فرسٹ ائیر سے اب تک اس کی الگ ہی چال ڈھال اس بات کی غمازی کرتی ہے اس کے اس روپ کو نمایاں کرتی ہے، کپڑے تک وہ آج تک باوقار پہن کر نہیں آئی۔ ہر بات میں مغربی تقلید کی زندہ جاوید تفسیر بن کر سامنے آتی رہی ہے اب اس معاملے میں بھی مغربی روش ہی اختیار کرے گی نا جہاں اٹھارہ سال لڑکے لڑکیوں کی عمریں ہوتے ہی اپنی راہ الگ متعین کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔"

"اس سے کچھ بعید بھی نہیں لیکن بڑی بری پھنسی ہے صحیفہ کیانی! سہراب جان کے پاس ایسی چوائس تو وافر تعداد میں ہوں گی ایسے رئیس زادوں کے پاس خوب صورت عورت محض شو پیس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی جسے ہاتھ میں مسلنے کے بعد پھینک دیا جائے۔"

"برے کام کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔"

"جو اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے دس گنا اجر ہے اور جو بدی لے کر آئے گا اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہے (الانعام ۱۲۰) جو ببول بو کر پھل کی امید رکھے وہ احمق ہوتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے صحیفہ کا باپ امریکا سے اسے اونچے اڑنے کے لیے پر پرزے خود ہی فراہم کرتا ہے ورنہ اچھی جڑوں سے اچھی پود ہی جنم لیتی ہے۔"

"اور وہ بندہ تو غیر قومیت کی اتنی ہی فکر ہوتی تو میرے خیال میں یہ راہ اختیار ہی نہ کرتی لیکن خدا جسے دین کی سمجھ دینا چاہتا ہے اسے بھلائی کی راہ بھی دکھاتا ہے۔"

"اے انسان تجھے جو بھی بھلائی حاصل ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے اور جو تجھ پر مصیبت ہوتی ہے وہ تیرے کسب وعمل کی بدولت سے (النساء ۷۹)۔"

"خیر چھوڑو اس قصے سے فائدہ ہی کیا جس سے لینا کچھ نہیں۔" وہ کوئی اور ٹاپک شروع کرنا ہی چاہتی تھیں کہ موضوع گفتگو آتی دکھائی دی۔ جینز اور وائٹ شرٹ میں سنہرے بالوں کے اوپر سن گلاسز چڑھائے وہ مغرب کی ہی کوئی دوشیزہ معلوم ہو رہی تھی۔

"ہیلو ایوری باڈی!" ابھی تو سب اس کے خلاف دلوں میں زخموں کو تازہ کر کے بیٹھی تھیں اب اس کی آمد اور اس کی خوش اخلاقی نے عجیب ماحول پیدا کر دیا۔

"السلام علیکم!" ام کلثوم نے جان بوجھ کر لفظ چبا کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

"اوہ سوری! مجھے خبر نہیں تھی ادھر کچھ دین کے علم بردار بیٹھے ہیں۔" مسکرا کر اس نے ہاتھ تھام لیے لیکن اس کا غصہ نقطہ عروج پر پہنچ گیا۔

"اللہ کو مانو صحیفہ کیانی! جس دین کی علم بردار میں ہوں تم بھی ہو لیکن کبھی تم نے اظہار مسلمانی نہیں کیا۔" پس پردہ بہت گہری تنبیہہ تھی ایک لمحہ کو سایہ ندامت اس کے چہرے پر بھی لہرا گیا۔

"یار مجھے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ہر لمحے کو انداز مسلمانی بنا سکوں، تم جیسی لڑکیاں ہیں جو فخر کے قابل ہیں پھر مجھے کس بات کا غم۔" چہرے پر بے حد سادگی تھی۔

"یوں حساب میرا دسیلہ لے کر تمہیں نہیں جانا یا کسی اور پارسا کو ساتھ نہیں لے جانا۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کا الگ جواب دہ ہونا ہے اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا نہ کوئی سفارش ہی آدمی کو فائدہ دے گی اور نہ مجرموں کو کہیں سے کوئی مدد مل سکے گی۔" (البقرہ ۱۲۳)

"اور یہ راہ جو تم نے اپنائی ہے نا صحیفہ اس کا انجام صرف ایک لڑکی کے لیے باعث ندامت نہیں ہوگا پوری فخر نسوانیت تباہ ہو جائے گی تمہاری اس روش کے اپنانے میں۔" اپنے اندر کا ڈھیر سارا زہر آخر کار اتار ہی دیا۔

"وہاٹ ڈو یو مین۔" اسے جیسے شاک لگا' اجلا شفاف چہرہ کہاں سے داغ داری کی گواہی دے رہا تھا۔

"تمہارے سہراب جان کے ساتھ جو تعلقات چل رہے ہیں اسے تو میں نے دیکھ ہی لیا ہے' اب ساری دنیا دیکھے گی۔"

"اپنے کام سے کام رکھو' اٹیس مائی پرسنل میٹر۔"

شعلہ سا اس کے سفید چہرے پر لپکا تھا۔

"خوب پرسنل کہہ کر تم کب تک سب کو چپ کراؤ گی' میں تم سے بار بار کہہ رہی ہوں کہ ان راستوں سے واپس آ جاؤ جس میں گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔" اس کا انداز ناصحانہ بھی اس پر اثر انداز نہ ہوسکا۔

"میں بھی بار بار کہنا چاہتی ہوں ام کلثوم کہ یہ میرا پرسنل معاملہ ہے۔" جتنے سبھاؤ سے وہ بات کررہی تھی کوئی اور لڑکی ہوتی تو ام کلثوم کے اس انداز پر اور وہ بھی سب کے سامنے بات شدید نوعیت کی ہو جاتی۔ سر جھٹک کر مزید کچھ کہنا بے کار سمجھ کر وہ خاموش ہوگئی لیکن تیرہ صفت نگاہیں ڈالنا نہ بھولی۔

"تم لوگ بھی کیا بات لے کر بیٹھ گئیں کوئی اور بات کرتے ہیں چلو کیفے ٹیریا چلتے ہیں' کولڈ ڈرنک پیتے ہیں۔"

"سوری ہم پی آئے ہیں تم جا کر پیو۔" رکھائی سے کہہ کر وہ دیگر لڑکیوں میں مصروف ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ ایک ایسی لڑکی کے ہاتھوں جو خود اپنی عزت کی رکھوالی نہیں تھی بے عزتی کیسے برداشت کرسکتی تھی۔

"سنو آمنہ اس بار ابو کا حج پر جانے کا پروگرام ڈن ہے۔" پوری طرح اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اچھا وہ تو پہلے بھی اس فریضے سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔"

"لیکن اس بار سب سے اہم بات یہ ہے کہ میں بھی جانے کے لیے تیار ہو رہی ہوں امی کے ساتھ۔" مسرت کے دیپ آنکھوں میں جل اٹھے تھے۔

"واقعی......" بیک وقت سب کی چیخیں بلند ہوئی تھیں' وہ خوشیوں کی پھوار میں ڈوبی سر ہلا رہی تھی۔

"ارے حج سے یاد آیا آمنہ میں نے بھی تو آج خواب میں دیکھا کہ رنگ برنگے دیپ جل رہے ہیں۔ مسحور کن منظر اور کیف آور فضا ہے اور میں طواف کررہی ہوں۔ ایسا روح پرور منظر کہ کیا میں حقیقت میں دیکھتی پھر آنکھ کھل گئی اور سارے روح افزا عظیم کے مناظر ہاتھ چھڑا گئے۔" بے حد تمسخرانہ نظروں سے اس کے کھوئے کھوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

"تم صرف خواب تک ہی محدود رہا کرو جو عملی زندگی میں کچھ نہ کر دکھانے کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں وہ خواب ہی دیکھا کرتے ہیں۔" وہ بالکل خاموش ہوگئی اور کچھ ثانیہ بعد آگے بڑھ گئی۔

"میں بھی مان ہی نہیں سکتی کہ اس جیسی چال چلن والی لڑکی کو بھی ایسا نیک خواب بھی آیا ہوگا۔ میں نے آج تک ایسا خواب نہیں دیکھا آمنہ جس قسم کے یہ دعوے کرکے گئی ہے۔"

"ارے چھوڑو بھی تم بھی کس معاملہ میں پڑگئی تم تو سیریس ہی لے لیتی ہو ان باتوں کو اس کا تذکرہ ہی کیا۔ سامنے آجاتی ہے تو مسلمان ہونے کے ناتے سلام دعا بھی ہو جاتی ہے۔"

"پتا نہیں کیوں میرے مقابلے میں آنا چاہتی ہے لیئی! پتا نہیں کیوں۔" وہ زچ ہوگئی۔ "یہ ہر وہ کام کرنے کے نعرے بلند کرتی ہے جو میں کرتی ہوں یا کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں نے پہلے بھی کہا ہے تمہاری اہمیت سے خائف ہے یہ لڑکی۔"

"اب دیکھو دس دن بعد آئی اور کسی نہ کسی زاویے سے مجھے تنگ کرکے چلی گئی ہے' خواب دیکھا ہے تک بھی ہوتی ہے بھئی کوئی۔"

"اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں کہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں' اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔" (الاحزاب ۵۹)

ماحول میں یک بستہ خاموشی تھی سب کی سب آیات و تشریح کے اثر سرور و مستی میں ڈوبی تھیں۔ جذبہ شوق دل میں موجیں لے رہا تھا میڈم عائشہ نے ورس کا سلسلہ اس

طرح نکالا تھا کہ قرآن پاک کی ابتدا سے چند آیتیں تلاوت کرتیں پھر ترجمہ تفسیر کی باری آتی اس طرح کئی مبہم مسائل بھی نکلتے چلے آتے حل کے ساتھ۔ اتنا ستھرا انداز ان کی تدریس کا تھا کہ ادھر اُدھر کی بے پروا لڑکیاں بھی سننے اور دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ عام فہم انداز بھی لوگوں کے دل جیت لینے پر مجبور کر دیتا۔

اس روز وہ سورہ النساء کی آیات اور ترجمہ تفسیر کے ساتھ پیش کر رہی تھیں اور مومن بیبیوں کو کہا گیا کہ اپنی اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں تاکہ وہ پہچانی جائیں اور اذیت سے ہمکنار نہ ہو سکیں۔ آج کے نفسانفسی کے دور میں جہاں عورتیں ملازمت پر کمربستہ ہوتی ہیں وہاں چادروں کو طوق سمجھ کر اتار پھینکا ہے ایک بل کھائی رسی گردن میں جھول رہی ہوتی ہے۔ ''میں ملازمت کو بُرا نہیں کہہ رہی میرا بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہم ملازمت کے ساتھ ساتھ وقار اور نسوانیت کو بھی فراموش نہ کریں تو کیا مضائقہ ہو کہ اپنی ضروریات کے ساتھ خدا کی خوشنودی کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں تو اس سے بڑی نیکی اور کیا ہوگی۔ ہم اپنے دین کی نمائندہ ہیں اگر ہم پر کوئی عیب اچھالے گا تو روح کارواں کیا سبق سیکھے گی' اپنے اپنے الگ تشخص کی بنا پر ہی دوسری قوموں سے ممتاز ہیں پھر اپنی اور مغربی حیثیت کو مشترک کیوں کریں' ہنس کی چال چلنے میں ہم اپنی پہچان کو فراموش نہ کر جائیں۔''

بڑی تیکھی نگاہوں سے ام کلثوم نے صحیفہ کو دیکھا جو گرمی کی وجہ سے ہلکا سا اسکارف گلے میں لٹکائے آئی تھی۔ سردیوں میں تو اس کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی' جیکٹ کے اوپر کسی چیز کی گنجائش محسوس نہ ہوتی تھی اتفاقاً اس کی نظریں بھی اٹھیں پھر صحیفہ نے سر جھکا لیا گویا شکست مان لی ہو۔ ام کلثوم کی نگاہوں کا تمسخر کچھ اور بڑھ گیا اس نے نگاہوں سے ہی ایسی شکست دی تھی کہ اس کے چہرے کے سارے تاثرات سلیٹ کی مانند ہو گئے تھے۔ اپنے پھول دار اسکارف کے دونوں نوکیلے پلو دونوں شانوں پر لٹکا لیے۔

''باہر نکلتے ہی اس ماحول کی سحرانگیزی بھی محترمہ کے دل و دماغ سے نکل جائے گی۔''

''اور میڈم آج کل تو وہ بے نام سی ڈوری بھی نہیں رہی۔ میرے وین کی پاسدار لڑکیوں نے اس بوجھ کو بھی اتار پھینکا ہے۔'' میڈم عائشہ خاموش ہوئیں تو اس نے اسے آئینہ دکھانے کی ٹھانی۔

''تباہی ہے یہ سب جو عورتیں اپنے ہاتھوں اپنے اساس کو کمزور کرتی ہیں پھر تباہی و بربادی کی مستحق بھی ٹھہر جاتی ہیں' پردے کو رکاوٹ سمجھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو خود سے چھین لینے کی بات کی' اسے جائز سرگرمیوں کا حصہ دار ہی بننا ہے تو وہ اپنے فرائض کی انجام دہی پردے میں رہ کر کرے اس کی صفات کی پرچھائیاں نظام امومت اور خانگی زندگی پر پڑنی چاہیے نہ کہ وہ خود آشکارا ہو۔''

اقبال عورت کو خطاب کرتے ہیں کہ

جہاں تابی ز نور حق بیا موز
کہ اوبا صد تجلی در حجاب است

پھر اپنی تجلی سے نامحرم کو کیوں سرفراز کریں اور میرے خیال میں میری کسی مومنہ بہن اور بیٹی کو اچھا نہیں لگے گا کہ اس کے حسن کو دیکھنے والا محرم کے سوا کوئی اور بھی ہو میری مومن بہن بیٹیاں خائن کبھی نہیں بن سکتیں۔'' صحیفہ سر جھکائے جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

''میڈم! آپ گمراہوں کو راستے پر لانے کی بات کرتی ہیں' انہیں اپنی عزتوں کو خاطر میں رکھتے ہوئے سیدھا اور بھلائی کا راستہ دکھانے کی بات کرتی ہیں تو ایسے انسان کو کیسے بھلائی کے نور سے آگاہ کیا جائے جو ''پرسنل میٹر'' کہہ کر اپنی غیر جائز سرگرمیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرے۔'' کن انکھیوں سے ادھر دیکھا' معلوم ہوتا تھا اس نازک مرحلے پر بولنے کے لیے صحیفہ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

''پس (حقیقت یہ ہے) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''

(الانعام ۱۲۵)

''دین کی سمجھ جسے آ گئی سمجھو وہ بھلائی کے راستوں پر گامزن ہو گیا' بصورت دیگر نتیجہ بھی الٹ ہو گا۔''

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' حیا ایمان کا جز ہے جس انسان کے پاس سے حیا اٹھ گئی اس کے اندر ایمان نہیں اور جس کے اندر ایمان نہیں اس کی ہلاکت آ جاتی ہے سو میری بہنیں عاقبت چاہتی ہیں تو حیا کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دیں خواہ کتنی ہی صعوبتیں درپیش آ ئیں لفظ عورت کا مطلب ہی ہے پردہ پھر تفسیر اس کے الٹ آ ئیں؟''

اپنے تئیں صحیفہ کے فاسد قدروں کی حوصلہ شکنی کر کے ام کلثوم اسلامیات کا پیریڈ لے کر باہر نکلی تو وہ باہر آمنہ' لبنیٰ' عالیہ وغیرہ کے گھیرے میں نظر آئی۔ صحیفہ انگلش لٹریچر پڑھتی تھی اور پیریڈ دو گھنٹے بعد شروع ہوتا تھا' دور سے دیکھا صحیفہ کچھ کہہ رہی تھی اور باقی سب سن رہی تھیں' ورطہ حیرت میں ڈوبی وہ بھی پہنچ گئی۔

''کیسا وجد انگیز نشہ تھا' کیسی پر کیف فضا تھی۔ میں نے سفید براق احرام باندھا ہوا میرے دونوں ہاتھوں میں سفید پھول ہیں اور میں نا اہل اس دربار سلطانی میں روضے سے لپٹ کر رو رہی ہوں۔ مجھے آنسوؤں کی دھند میں کچھ نظر نہیں آ رہا سوائے روضہ اقدس کے لیکن یہ سہانا منظر ایک لمحہ کو ہی رہا اور پھر میری نیند ٹوٹ گئی۔'' اس نے گہری سانس لی' صحیفہ کے چہرے پر خواب کا سا عکس ہنوز نمایاں تھا' وہ اب تک کھوئی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا بھئی کیوں کھڑی ہو' تم لوگ اس طرح؟ چلو آمنہ ہسٹری کا پیریڈ شروع ہونے والا ہے۔'' حقیقتاً اسے اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں تھا۔

''چلتے ہیں دراصل صحیفہ اپنا آج کا خواب سنا رہی تھی۔''

''آج پھر......؟'' وہ عجیب طریقے سے ہنسی۔

''ہاں کلثوم' آج پھر میں نے خود کو اس مقدس جگہ پر حاضری دیتے دیکھا ہے اور اب تو یوں لگتا ہے جیسے اس جگہ پر جائے بنا اب میرا دل مانے گا نہیں اس ماحول کی سحر انگیزی میں اپنے دل میں سمو لینا چاہتی ہوں جو میں نے خواب میں دیکھا' چوم آ ؤں اس کی مہکتی فضاؤں کو تاکہ یہ خواب محض خواب نہ رہے۔ حقیقت کا روپ دھار لے بس اب کے پاپا آئیں تو میں اصرار کروں کہ بس وہاں لے چلیں۔'' اس کا حلیہ اس کے اقوال سے مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

''اچھا تو پھر آ جاؤ پیریڈ کے لیے۔'' آگے آگے جاتے ہوئے ان کو بھی اشارہ کیا وہ وہیں کھڑی رہ گئی باقی آگے نکل گئیں۔

''حیرت ہے' میں نے آج تک ایسے خواب نہیں دیکھے یہ روز روز اتنے خوب صورت مقامات کی سیر کیسے کر آتی ہے مجھے تو حسرت ہی رہی ایسے خواب کی اور یہ اتنی نیکی و سچائی کی مجسمہ نہیں کہ ایسے ایسے خواب کی مستحق ٹھہرے۔''

''ہمیں روک کر سنانے لگی تو اب ہم کیسے کہہ سکتے تھے کہ نہیں بھئی رہنے دو ویسے مجھے جھوٹ محسوس نہیں ہوتا جانے کیوں؟''

''اب کسی کی سچائی اس کے چہرے پر تو نہیں لکھی ہوتی کہ وہ قول کا کتنا سچا ہے' اس کی کسی بات کا یقین نہیں آتا تھا اور آج تو سب کے سامنے اسے آئینہ دکھا کر کتنی خوشی محسوس ہو رہی تھی' خیال تھا سبق سیکھ جائے گی اب وہ۔''

کتنی ہی ایسی لڑکیاں آتی تھیں جو دولت و شان کا رعب و داب ڈالتی ہیں اور مغربی ثقافت کی تصویر بنی مشرقی اطوار کی دھجیاں بکھیرتی نظر آتیں لیکن صحیفہ کیانی جانے کیوں اس کی ضد بن چکی تھی شاید اس لیے بھی کہ اس کی ہر بات میں دانستہ اور نادانستہ شریک رہنے کی کوشش کرتی تھی وہ یا اس لیے بھی کہ اس نے کبھی اس کی بات کو غور طلب سمجھ کر خود کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کوئی تو محرک ضرور تھا جو اس کے وجود کو اس سے دور کھینچتا۔

اور اب تو ایک تازہ خبر اس کے اعصاب کو ہلا رہی تھی عورت کی حیثیت عرفی کو بحال رکھنا کتنا مشکل کام بن گیا تھا اس صدر اسلام میں کہاں گئی وہ عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ جو غازیوں کو پانی پلانے میں شہید ہوگئی تھی جس کے بارے میں شاعر نے کہا تھا۔

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے

آج کی عورت اپنے نام کا کس طرح غلط استعمال کر کے اس حد تک کائنات کو دھندلا کرنے پر تلی ہے۔ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے' سیرت کی پختگی ایک عورت کا زیور ہوتی ہے جس کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کرتی پھر صحیفہ کیانی سہراب جان سے شادی کر کے عورت کے کس رتبے کی پامالی چاہتی ہے۔

پورے کالج میں یہ خبر رقصاں تھی کہ اس کے اطوار یہی بتاتے تھے لیکن ام کلثوم کو اس کے عورت ہونے کے ناتے شدید صدمہ پہنچا تھا۔ میڈم عائشہ نے بھی اس روز کے درس میں یہی بتایا تھا۔

"اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں اور اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہوجائے۔" (النور ۳۱)

پھر وہ کیا کرنے چلی تھی اور خواب سنو ذرا اس پارسا کے پھر پورے دن وہ اسی غم زدہ احساس سے دوچار رہی۔ تباہی و بربادی ایسے ہی تو عورت کا مقدر نہیں بن جاتی وہ اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار کر تقدیر کو دوش دیتی ہے۔ میڈم عائشہ نے ۱۲ ربیع الاول کے موقع پر سیرت و کردار نبی ﷺ پر ایک مجلس کا اہتمام کیا تھا۔ ام کلثوم اسٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہی تھی' پر کیف فضا میں سرور شوق کا عنصر رچا بسا تھا۔

آنکھوں میں اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے حوالے سے تعشق کا سرور موج بن کر ہلکورے لے رہا تھا۔ دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے معمور تھا اور اس کی محبت میں مخمور بھی۔ حمد و نعت کا سلسلہ اتنا کیف آور تھا کہ جو بھی بیٹھا تھا اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ ہلنے کی تاب کسی میں نہ تھی' ایک امرت تھا جو کانوں میں دھیرے دھیرے ٹپک رہا تھا۔

میڈم عائشہ نے سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جدید دور کے انسان کے رویے سے جو تقابل پیش کیا ایک لمحے کو مادیت میں ڈوبے دل بھی تھرا گئے۔ غیور پیشانیاں عرق آلود ہوگئیں۔ مسلمانوں کی پریشان حالی آشفتہ سری کا راز فاش کیا جس کی نظر میں جدوجہد کا معیار خود اس کے قدموں پر آ گرا جس کی جدوجہد صرف اس مسافر خانے کے لیے رہ گئی جس سے کب کوچ ہوجانا ہے یہ اسے نہیں معلوم اتنا شعور نہیں کہ نفس کی ڈور ٹوٹتے ہی اس کی جدوجہد سے کمائی گئی دنیا یہاں ہی رہ جائے گی۔

میں ابھی مایوس نہیں مسلمان کی آشفتہ سری سے کیونکہ میں خدا کی رحمت سے مایوس نہیں جو انسان کو صراط مستقیم دکھاتا ہے۔ اس قبولیت کے لمحے کا انتظار کرتے ہیں جب ناامیدیاں راستہ تلاش ہی کرتی رہ جائیں گی تو راستہ نہ ملے گا۔ بے راہ روی عرق ندامت لیے پلٹ جائے گی۔ اسلام کی کرن پھیل کر اجالے دلوں میں بھر دے گی یہی ہم سب کی دعا ہونی چاہیے۔

بہت دنوں بعد صحیفہ کیانی نے اپنی جھلک دکھلائی تھی' سفید کپڑوں میں ہمیشہ کی طرح عیاری کو مات دیتی' میڈم عائشہ کی تقریر کے وقت ہی اشارے سے اسے بلالیا اس نے ناگواریت سے دیکھا جیسے اس کا اس وقت کیا کام۔

"کلثوم! مجھے بھی اسٹیج پر آنا ہے۔" انہونی خواہش پر وہ حیران رہ گئی نظروں میں تمسخرانہ لہریں جاگزیں ہوگئیں۔

"کس لیے...... اور تم نے تو اپنا نام نہیں لکھوایا تھا۔"

"میں آ نہیں سکی سو نہ لکھوا سکی اور پانچ منٹ کے لیے ویسے بھی کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی۔"

"یہ کیٹ واک کی اسٹیج نہیں صحیفہ کیانی۔" اس کی

اوقات یاد دلانی چاہی اس کی پیشانی پر ننھے ننھے قطرے ابھر آئے چہرہ تمتما اٹھا۔

''میں بے شعور نہیں ام کلثوم! اگر تم نے اسٹیج کو اپنی میراث بنائی ہوئی ہے تو میں یہ شکایت پرنسپل صاحبہ تک پہنچاؤں گی ورنہ میں واقعی زبردستی کروں گی اور تمہارا نام بہت اچھی فہرست سے نکل آئے گا۔''

''ہونہہ......'' اس کی رگیں تن گئیں۔ ''ٹھیک ہے میں اعلان کرتی تو ہوں لیکن اتنا یاد رکھو صحیفہ کیانی! تم جیسی لڑکیاں سات بار بھی پیدا ہو جائیں تو مجھ سے مقابلہ میں پیچھے ہی رہو گی۔'' وہ پھنکاری اور اسٹیج کی جانب رواں ہوگئی ایک سطحی خیالات کی مالکہ اسے دھمکی دے رہی تھی اس کا تو اندر تک سلگ اٹھا تھا کہ یہاں بھی وہ مقابلہ بازی پر اتر آئی تھی۔

کس دل سے اناؤنس کیا تھا اس کے نام کا یہ وہی جان سکتی تھی اور کچھ ہی دیر میں صحیفہ کیانی کا ایک نیا ہی روپ سامنے آیا تھا جو حیران کن تھا۔ ثناء محمد ﷺ اس کے دل سے نکل رہی تھی کہ سب کی سماعت اس کی خوش الحانی میں کھو گئی تھی۔

پیغام صبا لائی ہے گلزارِ نبی ﷺ سے
آیا ہے بلاوا مجھے دربارِ نبی ﷺ سے
ہر آہ گئی عرش پہ یہ آہ کی قسمت
ہر اشک میں اک خلد ہے یہ اشک کی قسمت
تحفہ یہ ملا ہے مجھے دربارِ نبی ﷺ سے
بھاتی نہیں ہمدم مجھے جنت کی جوانی
سنتا نہیں زاہد سے میں حوروں کی کہانی
الفت ہے مجھے سایہ دیوارِ نبی ﷺ سے
عرفاں کی کسک، خلق کی مجھے، صبر کا ساغر
کیا لطف ملا کرتا ہے جو دیتے ہیں سرور
کہ آئے کوئی پوچھ لے بیمارِ نبی ﷺ سے
آیا ہے بلاوا مجھے دربارِ نبی ﷺ سے

عقیدت نے ہر ہر لفظ میں سوز کا رنگ بھر دیا تھا' آنکھیں محترم ہستی کے دربار میں جھکی ہوئی تھیں۔ لبوں سے تمنائے دیدار نبی ﷺ خواہش سرکار نبی ﷺ آہ بن کر افشا ہو رہی تھی۔

''سبحان اللہ......'' میڈم عائشہ نے سرور سے آنکھیں موندتے ہوئے کہا تو ام کلثوم خاموشی کی کیفیت میں وہاں سے ہٹ گئی۔

''صحیفہ! تم نے تو کمال کر دیا' تمہاری آواز بہت اچھی ہے۔'' حرا نے ستائشی نظروں سے دیکھا وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

جتنا دیا سرکار نے مجھ کو اتنی میری اوقات نہیں
یہ تو کرم ہے ان کا ورنہ مجھ میں تو ایسی بات نہیں

آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے' کہاں جینز شرٹ میں ملبوس رہنے والی وہ الٹرا ماڈرن سی لڑکی کہاں سادگی کا پیکر کرتا شلوار میں اس دربار میں محمود ایاز کو ایک کرتے ہوئے وہ کھڑی تھی۔

''اس کی آواز واقعی بہت اچھی ہے' مجھے بہت پہلے سے معلوم ہے۔'' ام کلثوم جانے کہاں سے نکل آئی۔

''جب ہمیں ویلکم پارٹی دی گئی تھی تو صحیفہ نے بہت اچھا سا گانا سنایا تھا۔'' اسے کسی طور برتر تو ثابت نہیں کر سکتی تھی کم تر تو ضرور بنا سکتی تھی۔ کہاں یہ عقیدت و احترام سے سجی محفل اور کہاں ماضی کے کسی قصے کا تذکرہ اتنے اونچے خیالات رکھنے والی لڑکی کی پست ذہنیت دیکھ کر رہ گئی۔

''اس بار تو لاسٹ ائیر ہے تم نے پھر حصہ نہیں لیا سونگ میں۔''

''نہیں' اب میں گانے نہیں گاتی۔'' دھیمی آواز میں سختی کا جو خوگر رچا بسا تھا اس نے خاموش کر دیا وہ سر اکڑا کر چلائی۔

''تمہارے بارے میں عجیب باتیں مشہور ہو رہی ہیں صحیفہ! اس میں کہاں تک صداقت ہے؟''

''کس قسم کی باتیں؟'' حرا کے استفسار پر متحیر ہو کر اس نے دیکھا۔

''یعنی کہ تم اور...... سہراب جان!''

''اوہ ہاں...... بات درست ہے لیکن وہ اب سہراب جان نہیں سہراب احمد ہیں؟'' نگاہیں جھکا کر اس نے تصحیح کی۔

''تمہارا مطلب ہے اس نے اسلام قبول کرلیا ہے۔'' اس کی آنکھیں گویا پھٹ پڑیں۔

''ہاں نکاح سے پہلے میں نے یہی شرط رکھی تھی کہ وہ مسلم ہوجائیں اور پھر وہ اسلام کے وائرہ حیات میں آ گئے۔''

''تو گویا نکاح بھی ہوگیا۔''

''ہاں بھئی تم لوگوں کو ہر تازہ خبر مل جاتی ہے' اس بات کا پتا نہیں چل سکا۔'' شکوے خود بخود لبوں پر آ گئے۔

''اور تمہارے پاپا؟''

''وہ آئے ہیں تو ہوا ہے فیصلہ' پاپا نے مجھے کہا ہوا تھا اپنی پسند سے آگاہ کردینا پھر میں آ کر دیکھ بھال کرکے فیصلہ کروں گا مجھے سہراب احمد پسند آ گئے اور میں نے اطلاع دے دی۔ اسلام نے ہمیں یہ اختیار دیا ہے تو میں اظہار کیوں نہیں کرتی۔ اب پاپا رخصتی کرکے ہی جائیں گے واپس۔''

''کیا سہراب جان...... مطلب ہے سہراب احمد پہلے سے میرڈ نہیں تھے۔''

''نہیں...... بالکل نہیں' ہمارے معاشرے کا یہی تو المیہ ہے جو جرم کرتا نہیں اسے پہلے سولی پر لٹکایا جاتا ہے اور حرا' سہراب احمد سے شادی کی وجوہات میں سرفہرست میری محبت نہیں بلکہ ایک نیکی بھی شامل ہے اپنی گزشتہ گمراہیوں کی پشیمانی کے عوض کی گئی کہ میں نے ایک حق و صداقت پر مبنی دین کی جانب ایک انسان کو راغب کیا' تمہیں خبر ہے نا کتنی بڑی جزا ہے۔''

''یو آر گریٹ صحیفہ!'' کتنی گہری' دھند میں وہ گھری تھی۔

''تھینک یو لیکن یہ سب تو اس ذات باری تعالیٰ کے وسیلے سے ہوا ہے کہ اس نے میڈم عائشہ جیسی خاتون کو میری راہنمائی کے لیے میری زندگی میں بھیج دیا ورنہ میں کہاں دھیان دیتی تھی اپنے دین کی جانب' مسلم ہونے کا دعویٰ کرکے اسلام کے کسی دعوے پر پوری نہیں اتری تھی ان کی درسگاہ میں میں نے اپنے آپ کو ڈھونڈا ہے۔''

''کیا تم ان سے ملتی رہی ہو؟''

''ہاں...... میں نے ان کی جامعہ جوائن کی ہوئی ہے جس سے میری شخصیت کی نمو میں بڑی مدد ملی ہے۔''

''کتنی جھوٹی من گھڑت باتیں مشہور ہیں اس کے بارے میں جس نے اپنی زبان سے کبھی کسی کو دکھ نہیں پہنچایا ہو تو وہ اپنے عمل سے کیا کسی کو رنج کرسکتی تھی اور یہ ایک عشاق نبی کی پہلی نشانی تھی کہ اس نے اپنے ولی کی باتوں پر عمل کیا کہ

''مسلمان وہی ہے جس کے دست و زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔''

ام کلثوم بہت خوش تھی وہ اس بار اپنے والد مولانا شجاع الدین بریلوی کے ہمراہ حج کا شرف حاصل کرنے کے لیے جارہی تھی ویسے بھی ایگزیمز چند مہینوں بعد تھے اور اس سے پہلے اسے اپنی ازلی خواہش کی تکمیل کرنی تھی' روضہ پاک پر حاضری دے کر۔

''میری قسمت کا ساتھ سدا اللہ نے دیا ہے دیکھو اس عمر میں مجھے اتنے بڑے شرف کا اہل سمجھا۔ خوش قسمتی سدا میرے قدم چومتی رہی ہے۔'' کتنی سرشار تھی وہ لفظوں سے مسرت کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔

''ام کلثوم! ہم سب کے لیے دعا کرنا۔'' سب رشک و مسرت سے دیکھ رہی تھیں۔

''سب کے لیے کروں گی مجھے تو ہنسی اس بات پر آتی ہے کہ اس نے خواب کسی اور کو دکھائے اور شرف سے کسی اور کو نواز دیا۔'' واضح اشارہ صحیفہ کی طرف تھا جو موجود نہیں تھی۔

ام کلثوم چلی گئی اس مبارک فریضے کو انجام دینے' سب اس کے نصیب کے عروج کو دیکھتی رہیں کہ واقعی اس کے جذبے خالص تھے جو منزل اسے اس عمر میں نصیب ہوئی

میڈم عائشہ کو اس کے بغیر تنہائی کا بہت احساس ہوتا وہ کہتیں میرا ایک بازو چلا گیا۔ ہر محفل اس کے بغیر ادھوری تھی میڈم عائشہ جب اسٹیج پر براجمان ہوتیں تو ان کا پہلو سونا ہوتا کیوں کہ وہ اب ام کلثوم کو شوق کی بنا پر اپنے درس میں شریک کرنے لگی تھیں۔ ام کلثوم تلاوت کیا کرتی اور میڈم عائشہ تفسیر و تدریس سے ذہنوں کو منور کرتیں۔ لڑکیوں نے بھی اس کی کمی کو بہت محسوس کیا تھا۔ پھر وہ واپس آ گئی لڑکیوں کا دل چاہ رہا تھا اس کے ہاتھوں کو پکڑے رکھیں اور ان مقدس مقامات کا لمس محسوس کرتی رہیں جو چھو آئے تھے ان نگاہوں کو سلام کریں جس نے روضہ اقدس کا ہر منظر دیکھا وہ ہر دوست کے لیے عبایا کا تحفہ لائی تھی۔

''وہاں پہنچ کر تو آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے اتنی خوب صورت جگہ اتنا خوب صورت منظر بالکل شاعر کے اس شعر کی عکاسی کرتا ہوا۔''

چھاؤں مہکی مہکی ہے
دھوپ ٹھنڈی ٹھنڈی ہے
شہر مصطفیٰ ﷺ تیری بات ہی نرالی ہے

''میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا وہاں سے آنے کو۔''

''ہم سوچ کر ہی سکون پا لیتے ہیں ام کلثوم تم نے تو دیکھا ہے اپنے رب کی خوش نودی کو محسوس کیا ہے ہمیں تمہارا تحفہ بہت پسند آیا ہے ام کلثوم تمہیں بہت بہت مبارک ہو۔''

''ایک عورت کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز مجھے نہ لگی جسے حیا کا نام دیا جاتا ہے۔'' لیکن چہرے کا اضمحلال کسی سے پوشیدہ نہ تھا دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔

''میں ایک رات اس مقدس شہر کے مقدس گھر میں تھی کہ میری آنکھ لگ گئی خواب میں، میں نے دیکھا صحیفہ کیانی حجرا سود کو چوم رہی ہے طواف کر رہی ہے عجیب بات ہے بے حد عجیب پہلے اس کی باتوں کو میں مذاق میں لیا کرتی تھی لیکن میں نے خواب میں اسے حج کرتے ہوئے خود دیکھا ہے اور اپنے آپ کو ایک بار بھی نہیں۔''

''کیا اس کے کارنامے کار ثواب کے مستحق تھے کہ ہر قدم پر خدا خوش ہوتا ہو۔'' حرا سوچ کر رہ گئی بحث نہ کر پائی اس نے تو اتنا تک سنا تھا کہ اس کی سیرت و کردار دیکھ کر اور دین کی جانب راغب کرنے پر اس کے سسرال کے ہر فرد نے اسلام قبول کر لیا کتنی عظمت تھی کیسی کایا پلٹ تھی اس کی ذات کی کہ اب وہ خود اس قابل ہو گئی تھی کہ دوسروں کی شخصیتوں کو انوکھا روپ دے دے پھر کیا اسے حج کا ثواب نہیں ملے گا وہ بہت کچھ سوچ رہی تھی۔

سہراب احمد یکسر بدل گیا تھا ایڈورٹائزنگ ایجنسی چھوڑ کر کوئی اور کاروبار کرنے لگا تھا۔ عورت کے ہاتھ میں قدرت نے کتنی بڑی طاقت رکھی تھی۔

''ہو سکتا ہے اسے واقعی بلاوا آیا ہو۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''حیرانی اس بات پر نہیں کہ اللہ اسے یہ مرتبہ فراہم کر رہا ہے حیرانی اس بات پر ہے جو جس شے کے لیے کوشاں نہیں اسے اتنا عظیم مقام۔'' وہ واقعی بہت حیران و مضمحل تھی میڈم عائشہ سے بھی کھل کر بیان نہ کر سکی۔

دن یونہی کٹنے لگے کہ سنا گیا کچی آبادیوں میں ملیریا پھوٹ پڑا یہ خبر سب کے لیے اذیت ناک تھی کہ سینکڑوں لوگ مر رہے ہیں۔

''یہ تو واقعی خطرناک بات ہے میڈم!''

''میرا تو راستہ ہی وہی ہے مین روڈ سے گزرتے ہوئے وہاں کے گندے نالوں کوچوں کو دیکھتی ہوں تو دل ہول اٹھتا ہے بچے انہی نالیوں کے کنارے پرورش پا رہے ہیں کر بھی کیا سکتے ہیں اس مجبوری پر غربت نے اس جگہ پر ان کی رہائش منظور کرا دی ہے وہ لوگ بے چارے وہاں سے نکل بھی نہیں پاتے۔''

''کتنا بڑا المیہ ہے ہمارے معاشرے کا؟'' ام کلثوم نے اظہار افسوس کیا۔

''صرف افسوس کرنے سے کام نہیں چلے گا ہمیں فنڈ اکٹھا کر کے وہاں جانا ہوگا۔ ہمارے درس کا واحد مقصد

صرف واعظ نہیں عمل بھی ہونا چاہیے کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل و کردار سے ہی ایسی دھاک بٹھائی تھی کہ کفار بھی آپ کو صادق اور امین کہہ کر بلاتے تھے ابوسفیان نے نجاشی کے دربار میں ان کی عظمت کی گواہی دی تھی خالی نصیحت گھڑے کی طرح ہوتی ہے جس میں آواز تو بھرپور گونج سکتی ہے لیکن اندر کچھ ہوتا نہیں۔‘‘

’’صحیح کہہ رہی ہیں آپ لیکن میڈم فنڈ واقعی طالبات دیں گی آپ کے خیال میں۔‘‘

’’کیوں نہیں جس کے دل میں خوف خدا ہوگا وہ اپنی استطاعت کے مطابق ضرور دیں گی پوچھوان سے۔‘‘ اور واقعی سب کے سب ہاتھ کھڑے تھے۔

’’سبحان اللہ اسے کہتے ہیں اتحاد مسلمانی‘ اللہ آپ سب کے جذبوں کو اسی طرح بلند رکھے آمین۔‘‘

’’ام کلثوم آپ جانے والی بچیوں کے ابھی نام لکھ لیں اور پرسوں صبح ہم جائیں گے‘ چھٹی کا دن ہے پڑھائی کا حرج نہیں ہوگا اور یہ تو نیکی کی راہ ہے جس پر گامزن ہونا سب پسند کریں گے۔‘‘ اس نے سر ہلایا وقت مقررہ پر جن طالبات کو جانا تھا وہ آ گئی تھیں سب کے جمع ہونے پر میڈم عائشہ بھی اپنے جامعہ کی گاڑی لے کر آ گئیں جس میں پانچ دس لڑکیاں آرام سے بیٹھ گئی تھیں۔

’’وہاں ہم پیسے دے کر آئیں گے تاکہ وہ علاج معالجے اور دیگر مصرف میں خرچ کرسکیں۔‘‘

گاڑی کچی آبادی سے گزرنے لگی تھی جوہڑوں کی بدبو کا جو سلسلہ شروع ہوا تو سب نے ناک پر کپڑے رکھ لیے۔

’’میڈم واقعی زندگی کا یہ روپ دیکھ کر دل ہول اٹھتے ہیں۔‘‘ ام کلثوم کا دل تصور کر کے ہی ڈوبا جا رہا تھا۔

’’کیا خیال ہے ہم یہاں ہی نہ اتر جائیں۔‘‘ میڈم نے گاڑی کھڑی کردی۔

’’تو میڈم آگے ہم کیسے جائیں گے؟‘‘ بے شمار کھائی نما جوہڑ کیچڑ سے پر دیکھ کر اس کی چیخ جیسے نکل گئی۔

’’چلو پھر ٹھیک ہے بیٹھے رہتے ہیں آگے خشکی پر جا کر گاڑی کھڑی کرتے ہیں۔‘‘

’’مجھے تو نہیں لگتا یہاں خشکی بھی ہوگی‘ بارش نے اپنی ساری تباہی جیسے اس علاقے میں ہی پھیلائی ہے چھوٹے چھوٹے تنگ و تاریک گھروں میں رہنا ان مکینوں کی ہی ہمت ہے ویسے دیکھو یہاں پر بھی غریبوں کے گھر ہیں۔‘‘ انہوں نے ننگ دھڑنگ کالے پیلے بچوں کو کھیلتا دیکھ کر کہا۔

’’پھر بھی میڈم! ذرا سا اور آگے گاڑی پارک کریں۔‘‘ اس کی طبع نازک پر گراں جو گزر رہا تھا‘ میڈم نے اس کی خواہش کے پیش نظر گھاس پر گاڑی کھڑی کی جس کی سطح بھی پانی پر مشتمل تھی لیکن جوہڑ سے قدرے بہتر تھا۔ اس کا نکلنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا‘ اتنی سخت بدبو تھی بڑی مشکل سے پائنچے اوپر کیے اور نکل آئی۔ دل چاہ رہا تھا پاؤں اٹھا کر سر پر رکھ لے ابکائی آنے لگی تھی‘ جھرروں سے جوہڑوں اور نالوں کا پانی ڈھکا ہوا تھا۔ جگہ جگہ پانی کھڑا رہنے کی وجہ سے کائی جم گئی تھی جو سلپ کرنے میں مددگار ثابت ہوئی۔

’’میڈم! اگر ہم بھی خوانخواستہ ملیریا میں مبتلا ہو گئے تو؟‘‘

’’جا کر ہم ویکسی نیشن کرالیں گے‘ اللہ مالک ہے ہر کوئی یہی سوچ کر رہ جائے گا تو کون ان بے چاروں کو پوچھے گا۔‘‘ ان کی بات حرف بہ حرف اپنی جگہ درست تھی لیکن دل کا کیا کرے جو منظر سے اوجھل ہوجانے پر مجبور کر رہا تھا۔ جگہ جگہ کی گندگی اس کے اعصاب جھنجھنا گئے۔

’’میڈم! اب آگے نہیں پلیز ہم اپنے ساتھ ہیلپر لائے ہیں نا اسے کہیں کہ سامان پہنچادے۔‘‘ اس کی ہمت و برداشت جواب دے گئی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہاں تک آگے جاسکتی ہیں۔

’’تھوڑی دور چلو بھئی وہ دیکھیں‘ دوسری طرف کتنی گند ہے لیکن کوئی پارٹی نظر آرہی ہے ڈاکٹر بھی ہے غالباً گاؤں سے اندازہ ہو رہا ہے وہیں چلتے ہیں مل جل کر اچھی مدد ہوجائے گی۔‘‘ اس نے نگاہیں

اٹھائیں، پانی پر پڑے بڑے سے پتھر پر لوگ مصروف عمل دکھائی دے رہے تھے لیکن جو حشر اس جگہ کا تھا وہ دور سے بھی نہیں دیکھا جارہا تھا۔

میڈم عائشہ آگے آگے چلنے لگیں تو مجبوراً اس نے بھی قدم بڑھادیئے اور ان کی تقلید میں باقیوں نے بھی۔ اس کے قیمتی کپڑوں کا حشر ہوگیا تھا اور پھر آدھے راستے میں رک جانا پڑا جو منظر نگاہوں نے دیکھا وہ اس غلیظ زمین پر عظمت کے مینار سے کم نہیں تھا۔

''ایک ذرہ تھا جس کی روشنی آنکھوں کو خیرہ کررہی تھی۔ صحیفہ کیانی اس پتھر پر ڈاکٹر کے ساتھ کھڑی تھی جو بچوں، بڑوں کو انجیکشن لگا رہا تھا کسی کو حفظ ماتقدم کے طور پر اور کسی کو بیماری سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اور صحیفہ اس کی ہیلپ کررہی تھی۔ گندے مندے سے بچوں کو اپنے خوب صورت لانبی سفید انگلیوں والے ہاتھ سے سہارا دیتے ہوئے، کسی روتے بچے کو اپنی قیمتی کپڑوں کی پروا کیے بغیر ساتھ لگا کر چپ کراتے ہوئے۔

''یہ صحیفہ نہیں تھی۔'' اس نے بچپن میں کہانی پڑھی تھی ایک نیکی کی دیوی کے متعلق جو جگ مگ کپڑوں میں روز غریبوں کی بستی میں آتی تھی اور روتے ہوئے دکھ میں اٹے لوگوں کو ہنسا کر جاتی تھی ان کا روز ایک دکھ دور کرکے جاتی تھی، وہ ایسی کہانی کا کردار تھی، صحیفہ نہیں تھی۔ بے شمار مکھیاں اردگرد بھنبھنا رہی تھیں، دستانوں، موزوں اور مکمل بند شوز میں صحیفہ پورے حفاظتی کپڑوں میں تھی۔

نیکی میں قربانی بھی شامل ہوجائے تو اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہوتا دو ملازم بستر، دوائیں اور پھل تقسیم کررہے تھے۔

''ڈاکٹر صاحب دوسری جانب بھی جانا ہے آج ہی ڈیکسی نیشن کا کام مکمل کرلینا ہے کیونکہ ابھی بہت کام اور پڑے ہیں۔'' اس کی باتوں سے لگ رہا تھا وہ خود لے کر آئی ہے جو گائیڈ کررہی تھی، بچوں اور لوگوں کی سمت میں ڈاکٹر کو۔

''السلام علیکم صحیفہ!'' اتنی مصروف تھی اپنے عمل میں کہ ادھر اُدھر دھیان ہی نہ جاسکا۔ میڈم عائشہ نے مخاطب کیا تو حیرانی سے دیکھتی ادھر بھی آگئی اسے تو کچے راستوں پر کسی سہارے کی محتاجی نہ تھی اللہ کی مدد کافی تھی۔ اس کے کپڑے بھی کیچڑ میں اٹے تھے لیکن روحانی نور وجود کو تابانی بخشنے کے لیے کافی تھا۔

''وعلیکم السلام میڈم آپ؟ مجھے یقین تھا آپ ضرور آئیں گی، میڈم بہت اموات ہوگئیں، بہت رف صورت حال ہے یہاں کے لوگوں کی، ایک تو غربت اوپر سے یہ تباہی دیکھ کر دل دکھتا ہے۔''

''صحیح کہہ رہی ہو، تو گویا تم یہاں مصروف تھیں اس لیے جامعہ نہیں آرہی تھیں، کیا صورت حال ہے یہاں؟''

''اصل میں، میں تو ہمیشہ یہاں آتی جاتی رہتی ہوں، پچھلے دنوں کچھ مصروفیات آڑے آگئی تھیں تو انہی دنوں یہ بیماری بھی پھیل گئی، برسات کا مہینہ یہاں کے لوگوں کے لیے بہت سی آفات لے کر آتا ہے۔ ہم جیسے لوگ اپنے وسیع وعریض محلوں کی گیلریوں میں کھڑے ہوکر جب لطف اندوز ہورہے ہوتے ہیں اس وقت کتنے غریبوں کے گھر اجڑ رہے ہوتے ہیں۔ میڈم اور کتنی چھتیں ٹپکتی ہیں کوئی اندازہ نہیں لگاسکتا، بس اسی خیال نے مجھے کبھی اس موسم سے لطف اندوز نہیں ہونے دیا۔ یہ بھی صحیح تھا ورنہ میں شاید کبھی غریبوں کے لیے حتی المقدور کوشش نہ کرپاتی۔'' صحیفہ کے دونوں ہاتھوں میں سفید پھول نظر آرہے تھے۔

''اور میڈم بس یہی وجہ تھی کہ پہلی بار جب آپ ہمارے کالج آئی تھیں تو آپ کا درس اٹینڈ نہیں کرپائی کہ میں یہاں آئی ہوئی تھی ان لوگوں کے پاس، ایک غریب عورت کینسر کی گہرائیوں میں اتری ہوئی تھی اس کو قریب المرگ میں صرف اپنے بچوں کے تحفظ کی ضمانت چاہیے تھی، تسلی چاہیے تھی۔''

''پھر تم نے کیا کیا؟'' میڈم عائشہ کا دل چاہ رہا تھا اسے سلام کرنے کو۔

''میں اس عورت کو تو نہ بچاسکی لیکن میری تسلیوں اور

مجموعہ عنایتوں کے احساس نے ایک اطمینان کی موت سے ضرور اسے ہم کنار کردیا۔ اس کے بڑے بیٹے کو اپنے گھر ڈرائیور کے طور پر رکھ لیا ہے' دونوں چھوٹی بچیاں پڑھتی بھی ہیں اور ہنر بھی سیکھ رہی ہیں یوں گزر ہو رہا ہے۔"

"اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو اس کی محبت میں مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں) کہ ہم اللہ کی خاطر تمہیں کھلا رہے ہیں' تم سے کسی بدلے یا شکریہ کے طلب گار نہیں۔" (الاھو۔ ۸ تا ۹)

صحیفہ طواف کررہی تھی دیوانہ وار اپنے رب کے حضور بہت سے لوگوں کے بیچ وہ جب ہی احرام باندھے نظر آئی تھی۔

"ذرا سا آڑ میں کھڑی ام کلثوم کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں اس کے چہرے کی اجلی صبح سے مولانا شجاع الدین بریلوی کی بیٹی قول و واعظ میں سبقت لے جاتی تھی اور ماڈرن گھرانے کی لڑکی فکر و عمل میں آگے تھی کہ خود کو بچ کر خود کی پروانہ کرکے ان کی پروا کررہی تھی جن پر اللہ کی نگاہ کے سوا کسی انسان کی نگاہ نہ جاتی تھی۔ کوئی وسیلہ بننے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔ ذہنی طور پر آزاد وہ اپنے ماحول اور تربیت کی وجہ سے تھی جس طرح ام کلثوم کی تربیت اسلامی طرز معاشرت پر ہوئی تھی۔

لیکن فکر و عمل کا تحفہ صحیفہ کے دل میں اترا تھا کہ وہ نیت کی سچی تھی۔ "پیٹھ پیچھے غیبت نہیں کرتی تھی۔ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے' کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔"

اپنی زبان سے کسی کو دکھ نہیں پہنچاؤ۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے (۵۳ بنی اسرائیل) کسی کی ٹوہ میں نہ رہو۔ "کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ' کان' دل سب ہی کی باز پرس ہونی چاہیے۔" (بنی اسرائیل)

سہراب جان کو سہراب احمد میں تبدیل کرکے کتنے ثواب کی مستحق ٹھہری تھی وہ۔ ایک بدی کی طرف راغب ہوتے انسان کو کس قدر سادگی سے صدق کی راہ دکھائی تھی کہ نصیحت و خطاب کام نہ آسکے اس کا عمل اس کا کردار سہراب احمد اور اس کے گھر والوں کے لیے مشعل راہ بن گیا۔

"تم جیسی لڑکیاں سات بار بھی پیدا ہو جائیں تو میرا مقابلہ نہیں کرسکو گی صحیفہ کیانی!" یہ جملہ تازیانہ بن کر پلٹ آیا تھا ام کلثوم کے وجود پر۔

صحیفہ کیانی ہیرا تھی اپنے خدا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جسے میڈم عائشہ نے تراشا تھا۔ اسے تو کوئی بو نہیں محسوس ہو رہی تھی۔

گندے لوگوں سے گھن نہیں آرہی تھی۔ نہ ملیریا کے خود سے چمٹ جانے کا ڈر تھا اور کیوں ہوتا کہ وہ خدا کی طرف سے عطا کی گئی عظمت و توقیر سے سجی مسند پر بیٹھی تھی' کائی زدہ زمین پر نہیں کھڑی تھی جسے روحانی خوشی عطا ہو جائے اسے فانی چیزوں کی پروا نہیں ہوتی۔

آج اپنی آنکھوں سے زندہ جاوید ثبوت کو ام کلثوم دیکھ رہی تھی۔ یہ مخمصہ بھی حل ہو گیا تھا' صحیفہ کیانی واقعی حج کررہی تھی اپنے ہاتھوں میں پھول لیے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر نچھاور کررہی تھی۔

❁

فریب نظر

فاخرہ گل

"اب آ گئیں چوڑیاں چھ روپے درجن...... جو جیسی مانگے ویسی ملے گی مینے کی بل والی سادی چوڑی اب آ گئی بننے سنورنے کی میک اپ کی دکان دروازے پر......" دن کے دس گیارہ بجے تمام عورتیں اپنے روزمرہ کے کاموں سے فارغ ہوکر دوپہر کے کھانے کی تیاری کررہی تھیں کہ علاقے میں آنے والی نئی آواز ان سب کو چونکا گئی۔ فطری تجسس کے سبب کسی نے باہر نکل کر کواڑ کا پردہ سرکایا' تو کسی نے کھڑکی کھولی' جو ذرا مصروف تھیں انہوں نے رپورٹ لینے کے لیے بچوں کو باہر بھگایا کہ آخر ان کی کالونی میں یہ آواز ہے کیسی......! اور اس وقت تو سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سائیکل کے پیچھے لکڑی کے بڑے سے ڈبے میں مختلف قسم کی چوڑیاں اور ہار سنگھار کی دوسری اشیاء سجائے ایک لمبا چوڑا جوان لڑکا آہستہ روی سے چلتا ہوا ان کے پاس آنے لگا۔ لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے خود آواز لگانے کے بجائے اسپیکر کا استعمال کیا گیا تھا جس میں ریکارڈ شدہ آواز اس کے پاس موجود اشیاء کی تفصیل بتارہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان کے محلے میں اس طرح چوڑیاں بیچنے والا آیا ہو ورنہ ہمیشہ انہیں چالیس روپے کرایہ دے کر بازار جانا پڑتا تھا۔

"او بیٹا چوڑیوں والے!" ثریا نے دروازے میں کھڑے کھڑے آواز دی اور ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے گھر کی طرف بلایا تو چند ہی لمحوں میں لاؤڈ اسپیکر بند کرکے وہ ان کے دروازے کے سامنے موجود تھا۔

"بولو اماں! کون سی چوڑی پسند کرو گی؟" اس نے ڈبے کو سائیکل سے اتار کر زمین پر رکھا۔ جب تک ثریا چوڑیاں دیکھتی اس نے گھر کے بالکل ساتھ چھاؤں میں سائیکل کو کھڑا کیا اور ان کی طرف متوجہ ہوا تو ثریا اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھی تھی جبکہ باقی عورتیں بھی کشاں کشاں اس کے گھر کی طرف کھنچی چلی آرہی تھیں۔

"ثریا! تم خود تو آدھی گھر میں اور آدھی باہر بیٹھ گئی ہو لیکن ہم کہاں بیٹھتے؟" عابدہ نے دوسری عورتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا اور اس کے کہنے کی دیر تھی کہ ثریا نے پیچھے ہٹ کر ان سب کو اندر آنے کی دعوت دے ڈالی۔ اب چوڑی والا دہلیز کی اندرونی طرف اپنے سامنے چوڑی کا بکس رکھے بیٹھا تھا اور تمام عورتیں نیم دائرے کی شکل میں بکس کی دوسری طرف عین اس کے سامنے۔

"مجھے تو یہ نیلی بل والی چوڑیاں بہت اچھی لگ رہی ہیں لیکن میرے ہاتھ پر چوڑی آسانی سے چڑھ نہیں پاتی' ہمیشہ آدھی سے زیادہ ٹوٹ جاتی ہیں۔" ثریا نے بڑے افسوس سے کہا۔

"ارے واہ! کیسے نہیں چڑھتی چوڑی...... آپ لوگ بس پسند کرو پہنانا میرا کام ہے۔" اس نے مکمل اعتماد سے کہا تو سب سے پہلے ہاتھ آگے کرنے والی ثریا ہی تھی۔ سو چوڑی والے نے پہلے تو مختلف زاویوں سے ان کا ہاتھ دبایا اور پھر اللہ کا نام لے کر جو چوڑی پہنانے لگا تو وہ پھسلتی ہی چلی گئی۔ باری باری دوسری عورتوں نے بھی چوڑیاں پہنیں اور جن کے ناپ کی نہیں تھیں انہوں نے اگلی دفعہ لانے پر اصرار کیا۔

کچن میں کام کرتی ہوئی ثریا کی بیٹی رابعہ نے لمحہ بھر کے لیے گردن موڑ کر دروازے پر لگے اس جلسے کو دیکھا اسی لمحے چوڑی والے نے بھی نظر اوپر اٹھائی تھی۔ دونوں اتفاق سے اچانک نظر ملنے پر گڑبڑا سے گئے تھے جبھی رابعہ سر جھٹک کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی لیکن

اس کا قد کاٹھ حلیہ وغیرہ اسے کہیں سے بھی کوئی چوڑی والا ثابت نہیں کر رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر گردن موڑی عورتیں تو چیزیں دیکھنے میں مصروف تھیں مگر وہ مسکراتی آنکھوں سے ابھی تک اسے ہی دیکھ رہا تھا سوا پنے یوں دوبارہ دیکھنے پر رابعہ خود کو ملامت کرتی ہوئی کچن سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے لگی تو چوڑی والے کی نظروں نے اس کا آخر تک تعاقب کیا تھا۔ زہرہ اور نگینہ نے ٹالکم پاؤڈر اور کنگھی خریدی اور مطلوبہ کریم کا نام بتا کر اگلی دفعہ لانے کو کہا۔ غرض یہ کہ خواتین کے بناؤ سنگھار کی تمام چیزیں ہونے کے باعث وہ اس محلے میں پسندیدگی کی سند حاصل کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہا تھا۔

❀......❤......❀

پچھلے آدھے گھنٹے سے رابعہ ٹیپ ریکارڈر چلا کر کمرا بند کیے ڈانس کرنے میں مصروف تھی ڈانس کرنا اس کا شوق نہیں بلکہ جنون تھا۔ کیبل نیٹ ورک کی مہربانی سے وہ گانے میں موجود ہر نیا زاویہ نقل کرنے کی جستجو میں لگی رہتی۔ یہ آدھا گھنٹہ بھی اسی کوشش میں صرف ہوا تھا لیکن ابھی تک وہ اس رخ میں مکمل طور پر بہتری محسوس نہیں کر رہی تھی اسی لیے شاید مزید آدھا گھنٹہ بھی اسی کام میں لگتا کہ کھڑکی کے ساتھ موجود پیٹی کے اوپر رکھے فون کی گھنٹی نے اسے رکنے پر مجبور کر کے بدمزہ کر دیا۔

''ہیلو......'' ابھی تو وہ ترنگ میں آئی تھی اسی وجہ سے ڈسٹرب کیے جانے پر آواز میں غصہ الفاظ سے زیادہ نمایاں تھا۔

''رابعہ!'' گمبھیر لہجے میں لیے گئے نام نے اس کے غصے کو فوراً اڑن چھو کر دیا تھا۔

''عمیر تم......! میں تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔'' لاشعوری طور پر اس کے لہجے میں غصے کی جگہ پیار در آیا تھا۔

''غلط...... بالکل غلط!'' عمیر نے بڑے پُریقین لہجے میں کہا۔

''جی نہیں درست' بالکل درست!'' اٹھلا کر جواب آیا۔ ''ویسے تم اتنے یقین سے میری بات کو غلط کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''اس لیے کہ میں کافی دیر سے تمہیں ڈانس کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔'' دوسری جانب مسکراہٹ دباتے ہوئے عمیر نے کہا تو وہ کھڑکی کی طرف دیکھ کر ہنس دی۔ دونوں کے دلوں میں موجود پسندیدگی کو اسی کھڑکی نے محبت تک پہنچایا تھا۔

''ارے جناب! حضور والا میری بھی تو سنو کہ میں ڈانس کرتے ہوئے اپنے سامنے ہیرو کی جگہ خیالوں میں تمہیں ہی دیکھ رہی تھی۔'' بات کرتے ہوئے رابعہ کھڑکی پوری کھول کر اس انداز میں بیٹھ گئی کہ اسے عمیر اور عمیر کو وہ آسانی سے نظر آتے رہیں۔ یوں بھی دوپہر کا وقت تھا' گلی میں کسی کے بھی گزرنے کا امکان کم ہی تھا اور پھر وہ دونوں اپنی اپنی کھڑکیوں سے ذرا ہٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔

''اچھا تو ہیروئن صاحبہ! اور کیا کیا دیکھا تم نے خیالوں میں......؟'' عمیر نے پوچھا۔

''اب ہر بات تمہیں بتانے کی تھوڑی ہوتی ہے۔'' چارپائی پر پڑا دوپٹا گلے میں ڈالتے ہوئے رابعہ نے کہا۔

''ویسے ایک بات کہوں رابعہ! تمہیں دیکھے تم سے ملے گو کہ صرف ڈیڑھ ماہ ہوا ہے لیکن لگتا ہے جانے کب سے تم کو سوچتا آ رہا ہوں اور اب تو ہر وقت اکیلے کاٹے نہیں کٹتا۔ دل چاہتا ہے کہ میں اور تم اتنے قریب ہو جائیں کہ......بس اور کوئی خواہش نہیں رہے اس کے بعد۔'' ادھورا چھوڑا گیا جملہ رابعہ کی دھڑکنوں کو لمحہ بھر میں منتشر کر گیا تھا۔ یوں بھی وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ بھی رہے تھے جبھی رابعہ زیادہ گھبرائی تھی۔ ''تم بھی تو کچھ کہو نا رابعہ! کچھ ایسا جس سے میرے دل کو قرار ملے۔''

''وہ......عمیر کوئی میرے کمرے کا دروازہ بجا رہا ہے۔'' رابعہ نے گھبراہٹ میں بات کاٹی اور فون بند کر کے فوراً دروازہ کھول دیا۔ ''کیا بات ہے......دروازہ توڑو گے کیا آج؟'' اپنے سے آٹھ دس سالہ چھوٹے

طاہر کو دیکھ کر اسے شدید غصہ آیا تھا۔
"باجی! فلم بالکل کلائمکس پر تھی کہ ایک دم رک گئی ابو کہہ رہے ہیں جلدی سے کیبل والے کو فون کر کے پوچھو فلم کیوں بند کی؟" طاہر نے جلدی جلدی پیغام پہنچایا اور پھر سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے نیچے ٹی وی والے کمرے کی طرف بھاگا کہ شاید فلم اچانک چل جائے اور خدانخواستہ اس کے کچھ سین نہ رہ جائیں۔ رابعہ نے ایک نظر کھڑکی کی طرف دیکھا' سامنے والی کھڑکی بند ہو چکی تھی سو وہ دل پر پتھر رکھ کر نیچے ابو سے تفصیل پوچھنے چل دی۔

❀......♥......❀

رابعہ کی پیدائش ثریا کی شادی کے پورے تین سال بعد ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ پچیس دن بعد ہی اسے اپنی ماں کے حوالے کر کے پھر سے ہاسپٹل میں جانے لگی تھی۔ ماں کے ساتھ رہنے کا ایک بڑا فائدہ ثریا کو یہ بھی تھا کہ انہیں گھر کی کوئی فکر پریشانی نہ تھی' سارا سارا دن ہاسپٹل رہتیں اور پیسے بناتیں' ویسے بھی اکثر تجربہ کار نرسیں قابلیت میں ڈاکٹرز سے بھی آگے نکل جاتی ہیں اور یہ بات ثریا پر سو فیصد پوری اترتی تھی۔ صبح آٹھ بجے جو گھر سے نکلتیں تو شام کو ہی لوٹتیں پھر بھی اکثر عورتیں گھر پہنچ جاتیں کبھی مشورے کے لیے اور کبھی دوا کے لیے......
لیکن چونکہ ساتھ فیس بھی دیتی تھیں لہٰذا تھکن سے چور ثریا ان سے گھر میں بھی ڈیل کر لیتیں' اسی مقصد کے لیے گھر کے ایک کمرے کو کلینک کی شکل دے کر اسی کام کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ جس میں سرکاری اسپتال سے لایا گیا سامان مثلاً ادویات' ڈرپس' سرنجیں اور اس طرح کی ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ جو کچھ نہیں کرتے وہ کمال کرتے ہیں' یہ بات شاید رابعہ کے ابا کے لیے ہی کہی گئی تھی جو نوکری کے علاوہ ہر کام کرتے تھے' جن میں تاش سب سے سرفہرست اور پسندیدہ تھا۔ کردار کے غازی تو نہیں البتہ گفتار کے غازی ضرور تھے۔ باتیں ایسی کرتے کہ بس سنتے جاؤ اور دل نہ بھرے' شاید ان کی باتوں سے ہی متاثر ہو کر رابعہ کی ماں نے بے روزگار ہونے کے باوجود ان سے شادی کی تھی۔ ویسے بھی وہ ان عورتوں میں سے تھیں جو شوہر کو بٹھا کر کھلانے میں کوئی عار نہیں سمجھتیں۔ جبکہ رابعہ کے ابا کا خیال تھا کہ انہوں نے شادی کر کے ان پر احسان کیا ہے ورنہ اپنے سے چھ سال بڑی عورت کو اپنانے پر کوئی راضی نہ ہوتا۔

❀......♥......❀

"ارے چھوڑو عظمیٰ اور غزالہ کیا...... ڈانس تو کرتی ہے ثریا کی رابعہ' کیا بتاؤں کتنی لچک ہے اس کے بدن میں...... یوں لگتا ہے جیسے لڑکی نہیں بجلی بھرا کوئی کھلونا ہے جس کا بٹن آن کر کے اسے فرش پر رکھ دیا ہو۔" زبیدہ نے ڈھولک سنبھالتے ہوئے پوری سچائی سے رابعہ کی تعریف کی تھی۔
"بلاوا تو میں نے بھی بھیجا تھا بلکہ خود ثمینہ نے اسے فون کر کے اپنی مہندی پر آنے کو کہا تھا' شاید آتی ہی ہوگی۔" عطیہ نے اپنی بیٹی کی مہندی کی تقریب میں مہمان خواتین کے درمیان بیٹھتے ہوئے کہا جبکہ بڑی بیٹی رضیہ اندر آنے والی خواتین کی تواضع کولڈ ڈرنکس سے کرنے میں مصروف تھی۔
"ہاں بھئی واقعی! اگر ثریا اپنی بیٹی کو بھی ساتھ لے کر آ جائے تو مانو اپنی ثمینہ کی مہندی یادگار ہو جائے گی۔" بلقیس نے دف ہاتھ میں لی اور ابھی وہ سب گانا شروع کرنے ہی والی تھیں کہ ثریا' رابعہ کو ساتھ لیے گیٹ سے اندر داخل ہوتی نظر آئی۔ گھروں میں مہمانوں کو بٹھانے کی جگہ ناکافی ہونے کے باعث عموماً کالونی کے لوگ پرائمری اسکول کو اپنی تقریبات کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ کرائے کی مد میں چند سو روپے ماسٹر جی کو بھی دے دیئے جاتے' جسے وہ بڑی ایمان داری سے اسکول کے ہی مختلف کاموں میں خرچ کر دیتے۔ آج بھی برآمدے میں لڑکیاں اور خواتین ڈھولک کے ساتھ موجود تھیں تو ذرا سا ہٹ کے گراؤنڈ میں لگے شامیانوں میں مرد حضرات خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کھانے پینے کا انتظام بھی انہی شامیانوں میں کیا گیا تھا۔ رابعہ کو اندر

آتے دیکھ کر سب میں واقعی خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ جبکہ زبیدہ نے تو باقاعدہ ڈھولک کی تھاپ سے اسے خوش آمدید کہا۔

"رابعہ کب سے تمہارا انتظار ہو رہا تھا' شکر ہے کہ تم پہنچیں۔" رقیہ نے کولڈ ڈرنکس لانے کے لیے اٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ دراصل میں نے پہلے کپڑے استری نہیں کیے تھے تا تو صبح سے گئی لائٹ نے مسئلہ کردیا تھا۔ یہاں تو یو پی ایس کی وجہ سے شاید اندازہ نہیں ہوا ہوگا۔" رابعہ نے براؤن کڑھائی والی چادر اتار کر ایک طرف رکھتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "ورنہ مجھے تو ثمینہ کی مہندی میں سب سے پہلے آنا تھا' یہ میرا اس سے وعدہ بھی تھا۔" عورتوں اور لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی ثمینہ کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے رقیہ کی طرف سے پیش کردہ کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"چلو کوئی بات نہیں' ایسا ہو جاتا ہے۔ اب تو آ ہی گئی ہو نا تو خوب رنگ جمے گا۔" زبیدہ نے ایک بار پھر ڈھولک بجانا شروع کیا تو تالیوں کی گونج' گانوں کے بول اور ڈھولک کی تھاپ ثمینہ کو اس کی شروع ہونے والی نئی زندگی کی یاد دلا کر دل میں نت نئے احساس جگانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر بعد رابعہ کو ڈانس کے لیے کہا گیا تو وہ بڑے ماہرانہ انداز میں دوپٹے کو کمر کے گرد لپیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سبز اور زرد رنگ کے امتزاج سے سجی فراک اور چوڑی دار پاجامے کے ساتھ سلیقے سے کیے گئے میک اپ میں وہ واقعی انارکلی لگ رہی تھی اور پھر ڈانس تو تھا ہی اس کا جنون..... جب ڈانس شروع کرتی تو دیکھنے والے مبہوت رہ جاتے۔ جسم میں لچک تو جو تھی سو تھی اس پر گانے کے ہر بول پر ایسے تاثرات دیتی کہ دیکھنے والوں کا فدا ہو جانے کو جی چاہتا۔ یہی کچھ آج بھی ہوا تھا ڈانس تو دوسری لڑکیوں نے بھی کیا لیکن رابعہ کے سامنے سبھی ماند پڑ گئیں۔

"بھئی سچ ہے' رابعہ کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ حیرت ہے بغیر کسی سے سیکھے یہ لڑکی غضب ڈھاتی ہے۔" نگینہ نے اسے سراہتے ہوئے کہا تو فردوس بھی اپنی بیٹی کی بڑائی بیان کرنے لگی۔

"خود میری سمیرا صرف سات سال کی ہے اور آنکھیں مٹکا کر ایسے ڈانس کرتی ہے کیا بتاؤں؟ ٹی وی پر چلنے والے ہر گانے کے ساتھ گاتی ہے۔ وہ کھڑی ہے سامنے' بے شک جو مرضی ہے گانا گوا لو۔" فردوس نے رابعہ کی تعریف وتوصیف کے مقابلے میں سامنے کھڑی اپنی بیٹی کی طرف اشارہ کیا تو خواتین ہی میں موجود ثمینہ کی دادی سے برداشت نہیں ہوا تو وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگیں۔

"توبہ توبہ کیسا زمانہ آ گیا ہے' ہمارے وقتوں میں تو لوگ فخر سے بتاتے تھے کہ میرے بچے کو اتنے کلمے یاد ہیں' اتنے عقائد کا پتا ہے' نماز آتی ہے یا فلاں سپارے تک پہنچ گئی ہے' لیکن اب.....؟" انہوں نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے تاسف سے سر ہلایا۔ "اب تو بس ناچ گانوں میں آگے سے آگے بڑھنے کا جنون ہے۔ بچوں کو ماں باپ سے زیادہ اور ماں باپ کو بچوں سے زیادہ۔ نیک کاموں سے کسی کو سروکار نہیں ہے۔ بس زیادہ سے زیادہ سپارہ ہاتھ میں تھما کر مسجد بھیج دیا اور بس ہو گئے سب فرض ادا۔" دادی کافی دیر سے لڑکیوں کی "مہارتیں" دیکھ دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ پائی تھیں۔

"اوہو اماں! آپ کو پتا نہیں ہے' یہ نیا زمانہ ہے اور پھر دنیا کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔" فردوس نے ساس کی بات پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"دنیا..... دنیا..... دنیا..... ارے بھاڑ میں گئی ایسی دنیا! میں تو کہتی ہوں بھی....."

"ارے واہ بھئی! وہ دیکھیں رشیدہ خالہ بھی آ گئیں اب خوب مزہ آئے گا۔" فردوس نے گیٹ کے اندر قدم رکھتی ہوئی اپنی ساس کی سہیلی کو دیکھا تو خوشی کے مارے ان کی بات کاٹ کر اطلاع دی۔ ویسے بھی خوشی اس بات کی تھی کہ اب ان کی طرف سے مزید لیکچر سننے کو نہیں

ملے گا اور جو بھی بات ہوگی وہ ان دونوں کی آپس میں ہی کہی سنی جائے گی۔ دادی بھی اپنی سہیلی کی آمد پر خوشی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور فردوس نے سکون کا سانس لیا۔ اسی وقت رقیہ نے ٹیپ ریکارڈر میں ایک اور کیسٹ ڈالی اور آواز تیز کردی جبھی اس کا بھائی اندر آیا اور ٹیپ ریکارڈر کے قریب ہی چار جنگ پر لگایا گیا مووی کیمرہ اتار کرلے گیا جبکہ تمام لڑکیاں دائرے کی شکل میں اب لڈی ڈالنے کی تیاری کرنے لگیں۔ دادی اور رشیدہ خالہ ایک کونے میں بیٹھی تھوڑی پر انگلی رکھے مختلف لڑکیوں کو دیکھ دیکھ کر یقیناً ان پر اپنی رائے دے رہی تھیں۔ رابعہ نے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا تو اسے بھی اپنی نانی کا خیال آ گیا۔

❋......♥......❋
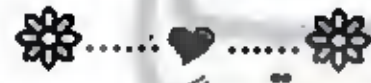
بلاشبہ وہ عمر رسیدہ تھیں مگر سارے محلے کی نانی کہلانے والی جنت خاتون انتہائی ہمت والی اور جہاندیدہ خاتون تھیں۔ پچھتر سال کی ہونے کے باوجود اتنی تیزی سے کام کرتیں کہ جوان لڑکیوں کو مات کردیتیں جبھی تو ثریا پر کوئی ذمہ داری نہ تھی۔ شادی سے پہلے بھی نوکری کی وجہ سے جو صورت حال تھی بعد میں بھی وہی رہی کہ نہ تو گھر بدلا نہ معمول۔ صبح بے فکری سے انھیں چائے توس کا ناشتا خود بھی کرتیں اور شوہر کو بھی کروا کر باہر کی راہ لیتیں۔ رابعہ کی انہیں چنداں فکر نہ تھی گویا ان کا کام صرف جانوروں کی طرح جنم دینا تھا لیکن نہیں' ایسا نہیں تھا کیونکہ جانور بھی تو بڑی محبت سے اپنے بچوں کو دودھ پلاتے اور اس دوران دل میں امڈ آنے والے پیار کے اظہار کے لیے وقفے وقفے سے ان پر زبان بھی پھیرتے رہتے ہیں۔ لیکن ثریا کو تمام عمر دھن رہی تو صرف پیسے کی...... نانی ہی صبح اٹھا کر رابعہ کے کپڑے دھوتیں' فیڈر میں دودھ ڈال کر پلاتیں' پاؤڈر اور تیل لگا کر صاف ستھرے کپڑے پہناتیں اور بس گویا ان کا کام بھی ختم...... صفائی ستھرائی کے لیے ماسی آتی جو اوپری سارے کام نمٹاتی اور چل دیتی۔ جبکہ نانی' رابعہ کی انگلی تھامے ایک ہاتھ میں فیڈر کی تھیلی پکڑے ہر ایک کی خبر گیری کا فریضہ انجام دیتیں اور رابعہ محض ان کی آنکھ کا اشارہ سمجھتے ہوئے یوں سکون اور فرماں برداری سے اودھم مچاتے بچوں کو دیکھتی کہ محلے کی عورتیں مثالیں دیتیں۔

دن یونہی گزرتے رہے۔ یہاں تک کہ رابعہ کو اسکول میں داخل کروادیا گیا اور اسکول آ کر ہی گویا رابعہ پر سے چشمے کے پیچھے سے گھورتی دو آنکھوں کا دہشت ناک خول چیخ کر دور جا گرا۔ اب وہ جی بھر کر اودھم مچاتی اور زندگی کو اپنے بچپن کو جی بھر کے انجوائے کرتی۔ پڑھائی میں اس کی دلچسپی اتنی ہی تھی کہ ہر حال میں پاس ہونا ہے کیونکہ اسکول کی آزادی سلب ہونا اسے کسی طور برداشت نہیں تھا۔ اس کے پاس تفریح کا ایک واحد ذریعہ اسکول ہی تو تھا۔ چھٹی کے دن بھی اسے نانی کی روک ٹوک بے حد ناگوار گزرتی تھی کہ ثریا چھٹی والے دن بھی ہاسپٹل جاتی تھیں اور ابا گھر لوٹتے ہی اس وقت تھے جب ثریا کے آنے کا ٹائم ہوتا' تب ہی دونوں کھانا کھاتے اور پھر بعض اوقات تو یہ ہوتا کہ وہ نانی کے ساتھ اوپر والے کمرے میں ہوتی اور وہ دونوں نیچے...... اسی لیے بعض اوقات توجہ حاصل کرنے کے لیے وہ خوامخواہ چلا چلا کر رونا شروع کردیتی کہ شاید اب ثریا اسے اپنے پاس بلائے' اسے بازوؤں میں بھر کر پیار کرے' اس کی باتوں پر ہنسے' کوئی کہانی سنائے اور وہ اپنے ریشمی بالوں میں ماں کی انگلیوں کا لمس محسوس کرتے کرتے آنکھیں موندے لیکن ہمیشہ اس کے برعکس ہی ہوتا۔ وہ روتی بھی تو نانی اسے پیار سے چپ کرواتیں اور سمجھاتیں کہ اماں سارا دن کام کرتی رہتی ہیں اس لیے اب آرام کررہی ہیں۔

''نانی میں بھی ان کے ساتھ آرام کروں گی' بالکل شور نہیں مچاؤں گی اگر انہوں نے کہا تو اچھی اچھی باتیں کروں گی ورنہ چپ بالکل چپ......'' شہادت والی انگلی ناک پر رکھے وہ چپ کر کے دکھاتی تو نانی ہنس دیتیں اور اس کی باتیں نظر انداز کر کے روزانہ سنائی جانے والی کہانی ایک بار پھر شروع کردیتیں۔ رابعہ اب بڑی

ہورہی تھی اور اسکول سے آنے کے بعد صرف کہانیوں یا باتوں سے اسے بہلائے رکھنا بالکل ممکن نہ تھا سو ثریا نے نانی کی مشکل محسوس کرتے ہوئے نہ صرف رنگین ٹی وی خریدا بلکہ کمیٹی ہی کی مد میں نکلنے والی رقم سے لگے ہاتھوں وی سی آر بھی خرید ڈالا۔ دونوں چیزوں سے تو گویا گھر بھر میں رونق آ گئی تھی نہ صرف یہ بلکہ اب رابعہ کافی دیر تک اماں ابا کے ساتھ بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہتی لیکن اس کی یہ تفریح بھی نانی کو چند ہی دنوں میں کھٹکنے لگی تھی کیونکہ ٹی وی ڈراموں کی حد تک تو نانی کو اعتراض نہ تھا لیکن جیسے ہی ابا وی سی آر پر کوئی فلم لگاتے' وہ ہر ممکن طریقے سے رابعہ کو وہاں سے اٹھا لاتیں۔ کبھی ٹانگیں دبوانے اور کبھی صبح اسکول سے دیر ہو جانے کا بہانہ کرکے' تب رابعہ دل ہی دل میں نانی کو بڑے بڑے القابات سے نوازتی کمرے میں آ کر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی رہتی اور اس طرح ان کے سامنے اپنی ناراضگی اور احتجاج ظاہر کرتی جس پر کچھ دیر تو وہ اسے مناتیں لیکن فلم دیکھنے کا مطالبہ سن کر دروازے کی کنڈی لگاتیں اور بستر پر جا لیٹتیں۔ اس بات کا اطمینان تو انہیں بہر حال تھا کہ رابعہ کا ہاتھ دروازے کی کنڈی تک جانا ممکن نہیں ہے۔ سو بڑی بے فکری سے آنکھیں بند کیے لیٹی رہتیں۔ یہاں تک کہ وہ خود اٹھ کر ان کی طرف جاتی تو وہ اسے اپنے ساتھ لپٹا لیتیں۔ اکثر اوقات رابعہ ڈرامہ ختم ہونے سے دس منٹ پہلے ہی آنکھیں بند کرکے سو جانے کی اداکاری کرتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ڈرامہ دیکھنے کے بعد اب فلم کی باری ہے لیکن نانی ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر اسے اٹھاتیں اور آرام آرام سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے بستر پر جا لٹاتیں' جس پر رابعہ پیچ وتاب کھاتی جانے کب حقیقتاً سو جاتی۔

''ثریا..... میرا نہ سہی لیکن رابعہ اب جوان ہو رہی ہے اس کا ہی لحاظ کرکے احتیاط کرلیا کرو تم دونوں.....'' رابعہ آج بھی ظاہراً سوئی ہوئی تھی جب نانی نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''احتیاط..... کیسی احتیاط؟'' ثریا کے بجائے ابا نے وی سی آر پر آن کا بٹن دبانے سے پہلے مڑ کر سوال کیا۔

''ثریا! تم میرا مطلب اچھی طرح جانتی بھی ہو اور سمجھتی بھی ہو۔ جس طرح کی بے ہودہ ناچ گانوں سے بھرپور فلمیں تم دونوں اس کے سامنے دیکھتے ہو مجھ بوڑھی کا تو دید شرم جائے بھاڑ میں..... اس جوان ہوتی بچی کے کچے ذہن کا ہی خیال کرلیا کرو۔'' ابھی رابعہ دس سال کی نہیں ہوئی تھی کہ نانی نے اس کے جوان ہونے کی دہائی دینا شروع کردی تھی اور پھر داماد کے نکھٹو پن کی وجہ سے انہوں نے اسے مخاطب کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ کچھ کہنا بھی ہوتا تو ثریا سے کہلواتیں۔ سو اب بھی وہ اس کے پوچھے گئے سوال کا جواب بلاواسطہ دے رہی تھیں۔

''یاد رکھنا.....'' انہوں نے ایک نظر داماد کو دیکھا جو کیسٹ کے کور پر نظریں مرکوز کیے ہوئے تھے اور پھر حسب عادت ثریا سے بولیں۔ ''بیج بونا آسان لیکن فصل کاٹنا بہت مشکل ہوتی ہے۔'' دادی کے لہجے میں جانے کیا تھا جو یقیناً رابعہ کے تو سر پر سے گزر گیا مگر ثریا ضرور چونکی تھیں۔ رابعہ کے دماغ میں تو بس اتنا تھا کہ ابا وی سی آر میں موجود کیسٹ کو آن تو کردیں پھر چاہے باتیں کرتے اور سنتے رہیں۔

''اماں! کیسی باتیں کررہی ہیں آپ..... آپ کے زمانے اور آج کے دور میں بڑا فرق ہے۔ یہ وقت بچوں کو ذہنی آزادی دے کر قنوطیت ختم کرنے کا ہے۔ آپ کو کیا پتا کہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں اور آپ ہیں کہ اب تک وہی پرانی باتیں سوچ سوچ کر اسے بھی کنوئیں کا مینڈک بنا دینا چاہتی ہیں۔'' ثریا نے لحہ بھر پہلے چونکنے کے بعد سر جھٹکتے ہوئے نئے دور کا راگ الاپا تھا جس کی تائید ابا کی طرف سے مکمل طور پر سر ہلا کر کی گئی تھی۔ ثریا کی باتیں سن کر نانی کو جانے کیا ہوا کہ جواب میں ایک لفظ نہ بولیں اور ہمیشہ کی طرح رابعہ کو سینے سے لگائے سست روی سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ رابعہ کو بستر پر لٹایا تو وہ دیوار کی طرف منہ

کر کے ان ہی کو منہ چڑانے لگی اور شاید اسی طرح منہ بسورتی سو جاتی کہ نانی کی سسکیوں کی آواز نے اسے کروٹ بدلنے پر مجبور کردیا' وہ ماتھے پر ہاتھ رکھے گھٹی گھٹی سسکیوں کے ساتھ رو رہی تھیں۔ وہ جو پہلے خود نانی کو اس لیے برا سمجھتی تھی کہ وہ ہمیشہ اسے مختلف کاموں سے روکتی رہتی تھیں' آج اسے نانی سے ایک دم ہی ہمدردی اور ماں کے لیے دل میں نفرت محسوس ہوئی تھی۔ ابا کی شکل ذہن میں آتے ہی اسے مزید غصہ آنے لگا اور پھر وہ اٹھی اور نانی کا ہاتھ ماتھے سے ہٹا کر ان کی نم آنکھوں کو اپنے ننھے ہاتھوں سے خشک کیا تو وہ حیران رہ گئیں' اور پھر اس دن سے رابعہ کے دل میں نانی کی محبت نے قدم توڑ رکھا لیکن یہ پیار و محبت کی رفاقت زیادہ عرصہ نہ چل سکی اور کچھ ہی عرصے بعد ان کے انتقال سے رابعہ اپنے ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی خود کو بے حد تنہا محسوس کرنے لگی۔ ماں تھی تو وہ پیسے کمانے کی دھن میں مگن اور باپ پیسہ اڑانے میں۔ دونوں اتنا مصروف تھے کہ رابعہ کی طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا پھر ننھے طاہر کی آمد نے تو جیسے رابعہ کو ملنے والی تھوڑی بہت توجہ بھی ختم کردی۔ ایسے میں اس کی دلچسپی فلموں میں اس قدر بڑھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان کے ڈانسز کاپی کرنے لگی اور جب ایک دن محلے کی کسی شادی میں اسے ڈانس کرتا دیکھ کر ثریا نے پیار سے اسے سینے سے لگایا تو ماں کی توجہ اور پیار حاصل کرنے کے لیے وہ مزید دل لگا کر ڈانس کرنے کی مشق کرتی رہتی۔ نانی کے جانے کے بعد اس کا دل چاہتا تھا کہ کوئی نانی ہی کی طرح اس سے پیار کرے' اس کے ناز اٹھائے لیکن...... ایسا کچھ بھی نہ تھا۔ خود رابعہ کی اپنی ماں کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ توجہ کی خواہاں تھی۔

❁......♥......❁

''ارے واہ رابعہ! آج تو تُو نے کمال کردیا۔ پتا ہے تُو تو ڈانس کر کے ثمینہ کے کمرے میں چلی گئی تھی! ہر عورت ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھی کہ کون تھی یہ لڑکی' ارے کس کی بیٹی ہے؟ تب میں نے بڑے فخر سے بتایا کہ یہ تو میری بیٹی ہے رابعہ...... اور ڈانس تو اس کے لیے ایسا ہے جیسے ہمارے لیے کھانا پینا' سچ بہت اچھا لگتا ہے جب سب تیری اتنی تعریفیں کرتے ہیں اور وہ پرچون والے خالد کی بیوی تو یہاں تک کہہ رہی تھی کہ رابعہ میں ڈانس کرتے ہوئے بالکل مادھوری کی جھلک آتی ہے۔'' آج وہ دونوں ثمینہ کی مہندی سے واپسی پر تبصرہ کررہی تھیں جہاں حسب معمول جب رابعہ نے ڈانس کیا تو تمام خواتین دنگ رہ گئیں اور اب گھر واپسی پر وہ دونوں اسی تقریب کی باتیں کررہی تھیں۔ ''اور پتا ہے دو عورتیں تو ہمارے گھر کا پتا پوچھ رہی تھیں کہہ رہی تھیں کسی دن چکر لگائیں گی۔ پتا تو میں نے انہیں سمجھا دیا تھا پھر بعد میں بوا حمیدہ نے بتایا کہ وہ دونوں تیرے لیے رشتہ ڈالنے کی خواہش مند ہیں۔'' ثریا نے جوش سے بتایا تو کپڑے تہہ کرتی رابعہ کے ہاتھ وہیں کے وہیں رک گئے اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی تھیلا ہاتھ میں پکڑے اندر آتے غفور کو دیکھ کر خاموش ہوگئی۔

''آ گئیں تم دونوں......؟ بھئی بڑی دیر لگا دی۔'' غفور ثریا سے مخاطب ہوا تھا۔ رابعہ کپڑے الماری میں رکھ کر بے دلی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

''ظاہر ہے شادی بیاہ کی تقاریب میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے نا' اب اسکول تھوڑا ہی گئے تھے ہم کہ وقت پر چھٹی ہوجاتی۔''

''ابا! پانی۔'' رابعہ کچن سے پانی لا کر اب ہاتھ میں گلاس پکڑے کھڑی تھی جسے غفور نے تھام کر لمحہ بھر میں خالی کر کے واپس اسے پکڑا دیا۔

''اچھا رابعہ کے ابا! جو فلم میں نے منگوائی تھی وہ لائے کہ نہیں......؟'' ثریا کمرے سے باہر نکلتے نکلتے واپس پلٹی تھی۔

''وہ تو نہیں ملی' یہ لے آیا ہوں' دیکھ لو۔'' غفور نے ساتھ رکھے تھیلے میں سے سی ڈی نکال کر ثریا کو پکڑاتے ہوئے کہا تو وہ ہاتھ میں لے کر اوپر موجود کرداروں کا

جائزہ لینے لگیں۔

"قربان کہہ رہا تھا بہت اچھی فلم ہے یہ بھی تین گھنٹے ضائع نہیں ہوں گے۔"

"یہ تو دیکھ کر ہی پتا چلے گا۔" ثریا ایک بار پھر پاؤں میں چپل اڑس کر کھڑی ہوگئی تھی۔ "رابعہ! تو جلدی سے اپنے ابا کے لیے روٹی پکا لے پھر آرام سے بیٹھ کر فلم دیکھتے ہیں تب تک میں باہر سے طاہر کو بھی آواز دے کر بلاتی ہوں پھر کہے گا خود تو سب اکٹھے دیکھ لیتے ہو اور مجھے اکیلا دیکھنا پڑتی ہے۔"

"تو طاہر تمہارے ساتھ شادی پر نہیں گیا تھا؟" غفور نے حیرانی سے پوچھا۔

"گیا تو تھا' واپسی میں دوستوں سے بات چیت میں لگ گیا اور ہم گھر آگئے۔" بات ختم کر کے ثریا تو باہر نکل گئی جبکہ رابعہ نے باورچی خانے کی راہ لی۔ ذہن میں ثریا کی آواز بازگشت بن کر گونج رہی تھی جس میں اس نے دو عورتوں کے گھر آنے کا ذکر کیا تھا۔

❁......♥......❁

"ساجد بیٹا! نوکری اپنی جگہ مگر کچھ اپنا بھی خیال کرلیا کرو۔ نہ وقت پر کھانا' نہ آرام کرنا' اس طرح تو زندگی آہستہ آہستہ بہت بے ڈھنگی ہوجائے گی۔" سکینہ نے اپنے لاڈلے بیٹے کے آگے کھانا رکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"ارے اماں! بس آپ دیکھ لیں' مجھے تو سچ رحم آتا ہے اپنے محکمے والوں پر...... میں تو چلو پھر شہری پولیس میں ہوں اور جو لوگ ٹریفک پولیس میں ہیں وہ سارا سارا دن تپتی دھوپ' ٹھٹھرتی سردی میں آلودگی کی چادر سر سے پاؤں تک اوڑھے بے چارے دمے یا پھیپھڑوں کے مریض بن جاتے ہیں' پھر والدین' بیوی بچوں کے لامحدود خرچے اور ناکافی تنخواہ' اس پر معاشرے کی لعن طعن الگ۔" ایک دم اسے احساس ہوا تھا کہ شاید بات کو نارمل انداز میں شروع کرنے کے بعد وہ خوامخواہ تلخ ہو چلا ہے جبھی خاموش ہوگیا تو سکینہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ہاں یہ تو ہے' اب یہی دیکھ لو نا کہ پولیس میں بھرتی ہونے سے پہلے تم کیسے تھے اور اب کام کی زیادتی سے کیسے مرجھا سے گئے ہو۔"

"ارے اماں! یہ تو کام کا حصہ ہے' کام کرنا ہی تو زندگی ہے۔" ساجد نے بسمہ اللہ پڑھ کر پہلا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے موضوع سمیٹتے ہوئے کہا۔ "یہ روحی نہیں آئی ابھی تک؟"

"ہاں تو ابھی وقت ہی کب ہوا ہے چھٹی کا......" سکینہ نے ایک نظر وال کلاک پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ویسے تم نے بھی میری خوب ڈیوٹی لگادی ہے' صبح کالج چھوڑنے جاؤں' دوپہر کو لینے جاؤں...... نزدیک ہی تو کالج ہے روحی کا' اچھی بھلی وہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ آجاتی تھی۔"

"اماں پتا ہے نا ڈاکٹرز آپ کو ویسے بھی چہل قدمی کا مشورہ دیتے ہیں تو اس طرح آپ کی چہل قدمی بھی ہوجاتی ہے۔"

"بس باتیں کرنا تو کوئی تم سے سیکھے۔" ہنستے ہوئے انہوں نے کہا اور پیار بھری نظروں سے ساجد کو دیکھنے لگیں۔

❁......♥......❁

"واہ بھئی! ڈانس کرتے ہوئے تو میں تمہیں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں لیکن ثمینہ کی مہندی میں اتنا خوب صورت لباس پہنے تمہیں دیکھ کر تو جیسے کسی فلم اسٹار کا گمان ہورہا تھا' تمہیں تو فلموں میں جاکر ہزاروں دلوں پر حکمرانی کرنی چاہیے' یہ چھوٹا سا گھر تو کسی بھی طرح تمہارے قابل نہیں۔" عمیر نے رابعہ کی تعریف کی تو وہ ہنس دی۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن یہ تو بتاؤ تم نے مجھے ڈانس کرتے دیکھا کب......؟ ثمینہ کی مہندی میں تو صرف خواتین ہی موجود تھیں۔" رابعہ نے کھڑکی کی جھری سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ثریا چونکہ اس وقت نیچے فلم دیکھنے میں مصروف تھی لہٰذا وہ بڑی بے فکری سے کھڑکی

کے ساتھ لگی فون سن رہی تھی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا ناکہ میں تمہارا سایہ ہوں۔ اسی لیے جہاں جہاں تم وہاں وہاں میں......" رابعہ کی حیرانی اور بے چینی کا مزہ لیتے ہوئے عمیر نے جواب گول مول تو کردیا لیکن عین اسی وقت رابعہ کے دماغ نے بھی کام کیا سو برجستہ بولی۔

"زیادہ باتیں نہ بناؤ اور یہ بتاؤ وہاں ڈانس کرتے ہوئے کیسے دیکھا تم نے؟"

"بھئی تمہیں پتا تو ہے ثمینہ کا بھائی زاہد میرا دوست ہے اور اسی کی وجہ سے میں یہ گھر بھی لینے میں کامیاب ہوا تھا۔"

"ہاں ہاں سب پتا ہے، تم آگے بولو۔" وہ اصل بات سننے کے لیے بے چین تھی۔

"اچھا بابا اچھا! بتا تو رہا ہوں۔ دراصل میں جانتا تھا کہ تم وہاں ڈانس ضرور کروگی اسی لیے میرے کہنے پر زاہد نے چارجنگ کے بہانے مووی کیمرہ ٹیپ ریکارڈر کے ساتھ ایسی جگہ پر رکھ دیا جہاں سے کمرے کا وہ حصہ جو ڈانس کے لیے مختص تھا' آسانی سے اس کی ریل میں قید ہوجاتا' بس تب سے اب تک تو سمجھو تمہارے ہر انداز کو میں حفظ کرچکا ہوں۔"

"تو کیا تم زاہد کو میرے اور اپنے بارے میں سب کچھ بتا چکے ہو؟" شرمندگی اور خوف نے ایک دم ہی اسے بری طرح گھیرا تھا۔

"بتانا تو تھا ہی...... کیونکہ محلے میں کسی ایک کو اعتماد میں لینا بہت ضروری تھا تاکہ وقت پڑنے پر کوئی تو ہو جو ہمارا ساتھ دے سکے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا اس طرح...... میں تو اب ان کے سامنے بات کرنا تو کیا' لگتا ہے نظر بھی نہیں ملا پاؤں گی۔ بہت شرمندگی ہورہی ہے مجھے۔"

"ارے ارے' ہم نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا کہ تم اس سے نظر ملانے کے بھی قابل نہ رہو۔" اور پھر چند ہی لمحوں میں وہ عمیر کی باتوں کے سحر میں ایسی کھوئی کہ شرمندگی اور خوف کا تاثر ایک دم زائل ہوکر رہ گیا۔

❀......♥......❀

"لو اماں! یہی چوڑیاں کہی تھیں نا؟" چوڑی والے نے ڈبے میں سے سبز اور سرخ رنگ کی چوڑیاں نکال کر انگلی پر ڈالتے ہوئے ثریا سے پوچھا تو وہ خوش ہوگئی۔

"ہاں ہاں بالکل یہی رنگ ہے اس کے سوٹ کا' شکر ہے میں تو بازار کے چکر سے بچ گئی۔ رابعہ...... رابعہ جلدی سے آکر چوڑی پہن لے۔" ثریا نے چوڑی والے کو جواب دینے کے بعد رابعہ کو پکارا تو وہ دوپٹا اوڑھے باہر آگئی۔ "یہ دیکھ تو کیسا میچ کررہا ہے تیرے سوٹ کے ساتھ۔" اس نے رابعہ سے رائے لینا چاہی تھی جو پہلے ہی چوڑی والے کے دیکھنے کے انداز سے گھبرائی ہوئی تھی۔

"ہاں اماں! واقعی بہت اچھا ہے۔" اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے رابعہ قدرے سنبھل کر بولی۔

"چل ٹھیک ہے ہاتھ ادھر لا اور پہن بھی لے ورنہ بعد میں تو آدھی چوڑیاں تُو پہنتے ہوئے بھی توڑ ڈالے گی۔" ثریا نے ڈبے میں موجود دوسری چوڑیوں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"نہیں اماں! مجھے نہیں پہننی ابھی' بعد میں خود سے پہن لوں گی۔" رابعہ نے ایک نظر چوڑی والے کو دیکھا جو کب سے ٹکٹکی باندھے اسی کو دیکھ رہا تھا اور پھر ایک دم ہاتھ یوں پیچھے کیے جیسے وہ زبردستی اسے چوڑیاں پہنا کر ہی دم لے گا۔ رابعہ کی اس حرکت پر چوڑی والے کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی جسے دیکھ کر رابعہ نے خوامخواہ آنکھیں پھیلا کر چہرے پر تناؤ پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی۔

"بعد میں کب پہنے گی؟ صبح تو تیرے کالج میں فنکشن ہے۔ ابھی پہن لے ورنہ پھر صبح تو یہ چار درجن ٹوٹ کر ڈیڑھ دو درجن ہی بچیں گی۔" ثریا کا اصرار اپنی جگہ تھا لیکن رابعہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ سامنے والی

کھڑکی سے عمیر کسی بھی لمحے نکل کر اس کا ہاتھ چوڑی والے کے ہاتھ میں دیکھ کر ناک بھوں چڑھائے سوا اپنی بات پر قائم رہی۔

''اوہو اماں! ایک دفعہ کہا تو ہے مجھے نہیں پہننی چوڑیاں تو بس نہیں پہننی۔'' بات ختم کر کے اس نے ایک نظر چوڑی والے کو دیکھا اور منہ بسورتے ہوئی واپس پلٹ کر دھپ دھپ کرتی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

❁......♥......❁

''ہاں بھئی کیا کر رہی تھیں؟'' عمیر نے فون پر حسب معمول ابتدائیہ جملہ کہا۔

''نہیں فرصت یقین مان' مجھے کچھ اور کرنے کی تیری یادیں' تیری باتیں' بہت مصروف رکھتی ہیں''

رابعہ نے بڑے جذب کے ساتھ شعر پڑھا تھا۔

''ارے واہ جناب! کیا کہنے..... لگتا ہے آج بڑے موڈ میں ہیں شہزادی صاحبہ!''

''موڈ......'' وہ آہستگی سے ہنسی۔ ''سچ کہہ رہی ہوں عمیر! یہ شعر میں نے کل ہی کسی ڈائجسٹ میں پڑھا تھا اور مجھے ایسا لگا کہ کسی نے حقیقتاً میرے ہی شب و روز کی عکاسی کی ہے۔ بہت بدلتی جا رہی ہوں میں۔ ہر کام میں تم میرے ساتھ ساتھ رہنے لگے ہو۔ ظاہری طور پر میں کچھ بھی کر رہی ہوں لیکن اندر ہی اندر تمہی سے محو گفتگو رہتی ہوں۔'' آج وہ پہلی دفعہ یوں کھل کر اپنی کیفیات بیان کر رہی تھی' جبھی عمیر نے اچھے سامع ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اسے کھل کر بولنے کا بھرپور موقع فراہم کیا تھا۔ ''تمہاری کہی ہوئی ہر بات میرے دماغ میں گردش کرتی رہتی ہے اور...... اور بعض دفعہ تو میں جھنجلا جاتی ہوں اپنے اندر ہونے والی اس بات چیت سے۔'' تھوڑی دیر خاموش رہ کر اس نے عمیر کے بولنے کا انتظار کیا مگر دوسری طرف سے مکمل خاموشی پا کر خود ہی اسے مخاطب کیا۔ ''عمیر......!''

''ہاں بولو رابی! میں تمہاری ہر بات بڑے دھیان اور توجہ سے سن رہا ہوں۔''

''کسی وقت تو مجھے اکیلا چھوڑ دیا کرو' ہر وقت ہر گھڑی اب میرے ساتھ رہنے لگے ہو۔''

''جی نہیں اب تو یہ تمہارے خواب میں بھی ممکن نہیں ہے' سمجھیں...... میرے دن رات کا چین و قرار لوٹ کر اب تم چاہتی ہو تمہیں اکیلا چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے جناب۔''

''بہت ضدی ہو تم۔'' اتنی محبت پا کر وہ بے حد نازاں تھی جبھی لاڈ سے بولی۔

''ہاں وہ تو میں ہوں......'' عمیر بھی اس کے انداز پر ہنسا تھا۔

''ویسے کبھی تو میں سوچتی ہوں کہ تمہاری فیملی بے شک مڈل کلاس سہی مگر تم خواہ تنے ہینڈسم ہو' ایک بہترین یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہو اور یقیناً تمہیں بہت اچھی جگہ جاب بھی مل جائے گی' تمہارے لیے لڑکیوں کی کیا کمی جو تم مجھ جیسی عام لڑکی سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو جو نہ تو دیکھنے میں کوئی حور پری ہے اور نہ میرے گھر والے کوئی سرمایہ دار......'' دل میں موجود خدشے آج ایک بار پھر اس نے لفظوں کے لبادے میں عمیر کے سامنے پیش کیا۔ ویسے بھی اس وقت ثریا چہل قدمی پر گئی ہوئی تھی' نہ صرف وہ بلکہ محلے کی تمام خواتین کا یہی معمول تھا کہ سب رات کے کھانے کے بعد عموماً چہل قدمی پر نکلتیں۔ اسی وقت دن بھر کے تمام معاملات ڈسکس کیے جاتے اور وہ دونوں تفصیل سے فون پر بات کر لیا کرتے۔

''رابو! میں تم سے پہلے بھی کتنی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ جو بات تم میں ہے وہ کسی اور لڑکی میں نہیں...... پہلی دفعہ جب میں نے تمہیں کالج سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا بس تب سے یوں سمجھو' میں نہیں رہا اور پلیز تم میرا یقین کرو کہ مجھے تم سے' تمہارے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے۔''

عمیر کی بات پر رابعہ کی آنکھوں کے سامنے وہی منظر آ گیا تھا جب تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹس کو دی جانے والی ویلکم پارٹی میں اسٹیج پر ڈانس کرتے ہوئے ساؤنڈ سسٹم

کے سلیم اقبال کے ساتھ عمیر کو کھڑے دیکھا تھا' بلیک جینز اور لائٹ بلو ٹی شرٹ میں ہینڈسم نظر آنے والا عمیر جانے کب سے ٹکٹکی باندھے اسی کو دیکھ رہا تھا اور جب وہ ڈانس کے بعد دوسری لڑکیوں کے ساتھ اسٹیج سے اتر رہی تھی تو سلیم کے ساتھ اسے موجود نہ پاکر بے خیالی میں اس کی نگاہیں جیسے متلاشی سی ہوگئی تھیں لیکن کہیں نہ پاکر آخرکار مایوس ہونے کے بعد گروپ فوٹو بنوایا اور ہال کی طرف جانے کے بجائے عقبی جانب موجود کمرے میں جانے کو بڑھی مگر عین سیڑھیوں کے ساتھ عمیر کو دیکھ کر بوکھلا کر رہ گئی۔

''جی...... آپ......؟'' بمشکل تمام وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

''آپ خود تو خوب صورت ہیں ہی لیکن ڈانس بھی غضب کا کرتی ہیں۔'' وہ بولا تو یوں جیسے دونوں میں بڑی بے تکلفی ہو اور اس کا یوں کہنا رابعہ کو ہرگز برا نہیں لگا تھا۔ سامنے کھڑے اتنی مکمل شخصیت کے مالک انسان کے منہ سے اپنی تعریف سن کر البتہ وہ حیران ضرور ہوئی تھی۔

''کتنے ہی دنوں سے کالج کے باہر بک شاپ کے پاس کھڑا آپ کو آتا جاتا دیکھتا رہتا ہوں' لیکن کبھی آپ سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اب یہ پارٹی کا بہانہ ہاتھ لگا تو اپنے دوست کے ساتھ آ گیا۔ صرف اور صرف اپنے دل کی بات کہنے۔'' رابعہ کی زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا کہ کوئی لڑکا اس کی یوں تعریف کررہا تھا ورنہ یہ بات اس کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھی کہ کوئی یوں بھی اسے چاہ سکتا ہے۔ جبھی وہ مبہوت سی نظریں جھکائے بس ہاتھ مسلتی رہی۔ چند ہی لمحوں میں دل جیسے کسی نئی کیفیت سے آشنا ہورہا تھا' ایک عجیب سا سرور تھا جو آہستہ آہستہ اس کے تن من کو اپنے حصار میں لیے جارہا تھا۔ پلکوں پر یک لخت انجانا سا بار محسوس ہونے لگا جو چاہنے کے باوجود اسے عمیر سے نظریں ملانے نہیں دے رہا تھا۔ کالج آتے جاتے ہوئے اس نے اکثر عمیر کو دیکھا تو تھا لیکن اس بات سے وہ قطعی بے خبر تھی کہ وہ وہاں صرف اسے دیکھنے کے لیے موجود ہوتا ہے۔

''رابعہ!'' عمیر نے بڑے گمبھیر لہجے میں دھیرے سے اس کا نام لیا تو رابعہ کو محسوس ہوا کہ اس کا عام سا نام عمیر کے ہونٹوں سے ادا ہونے کے بعد کتنا منفرد اور خوب صورت ہوگیا ہے۔

اسٹیج پر ٹیچرز کی نقل بازی کا پروگرام جاری تھا اور ویسے بھی اس وقت وہ دونوں اسٹیج کے پیچھے جس جگہ کھڑے تھے وہاں ساؤنڈ سسٹم کے اسٹاف کے علاوہ کسی کے آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ ''ادھر دیکھو رابعہ! میری طرف۔'' عمیر نے ایک بار پھر پکارا تو اس نے آنکھیں اوپر کرکے اسے دیکھنے کی کوشش تو کی لیکن پلکوں نے اٹھنے سے صاف انکار کردیا کہ بنا دیکھے ہی اسے عمیر کی سرمئی آنکھیں اپنے چہرے کا طواف کرتی ہوئی بخوبی محسوس ہورہی تھیں۔

''میں تمہیں بہت چاہتا ہوں اور تم سے شادی کا خواہش مند ہوں۔'' گلی گلی محلے محلے بولے جانے والا یہ گھسا پٹا جملہ اپنی تمام تر معنویت کے ساتھ آج اس پر آشکار ہوا تھا۔

''کیا......!'' حیرت سے اس نے ایک دم گردن اوپر کی تھی۔

''ہاں رابعہ! میں ان لڑکوں میں سے نہیں ہوں جو عشق تو کسی اور سے کرتے ہیں اور شادی کسی اور سے...... میں تمہیں پانا چاہتا ہوں لیکن جائز اور شرعی طریقے سے۔'' چند لمحوں میں آپ سے تم پر آتے ہوئے اس نے رابعہ کا کپکپاتا ہوا ہاتھ کب اپنے ہاتھ میں لیا' اسے پتا بھی نہیں چلا تھا احساس ہوا تو تب جب اس کے لمس سے جسم میں سنسنی دوڑنے لگی لیکن رابعہ نے اپنا ہاتھ عمیر کے ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کی بلکہ اس کا تو دل چاہ رہا تھا کہ یہ چند لمحات اس کی پوری زندگی پر محیط ہوجائیں۔ دل کی کچی زمین پر پڑنے والی پیار کی اس پہلی پہلی پھوار میں وہ مکمل طور پر بھیگ جانا چاہتی تھی۔ ''میں بالکل سیدھے طریقے سے اپنے امی ابو کو

تمہارے گھر بھیجنا چاہتا ہوں اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو۔" اپنی بات مکمل کر کے اب وہ اس کے جواب کا منتظر تھا گو کہ عمیر کے جذبوں کی قبولیت رابعہ کے چہرے ہی سے ظاہر ہو چکی تھی اور رہی سہی کسر رابعہ نے ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد نظریں جھکا کر مسکرا کر پوری کر دی اور پھر فون نمبرز کے تبادلے بھی ہوئے تاکہ باقی کے معاملات طے کیے جا سکیں۔ دونوں کے درمیان ٹیلی فونک رابطے کی ابتدا اسی رات سے ہوگئی تھی اور چند ہی دنوں میں عمیر نے زاہد کی مدد سے عین اس کے گھر کے سامنے ایک چھوٹے سے گھر کی دوسری منزل کرائے پر لے لی تاکہ رابعہ کو محض دیکھ کر ہی اپنے دل میں جلتی آگ پر اس کے آب دید کا چھڑکاؤ کر سکے۔

"اے لڑکی..... کہاں کھو گئیں؟ میری بات کا جواب نہیں دیا تم نے۔" کافی دیر تک فون پکڑے اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد عمیر نے کہا اور ساتھ ہی ثریا نے واپسی پر دروازہ بجایا تو رابعہ جیسے ماضی سے فوراً حال میں آ گئی۔

"او کے عمیر! باہر دروازہ بج رہا ہے میرا خیال ہے امی آ گئی ہیں اس لیے پھر بات کریں گے۔" عجلت میں کہہ کر اس نے جواب سنے بغیر فون بند کیا اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی دروازے کی طرف لپکی۔

❀......♥......❀
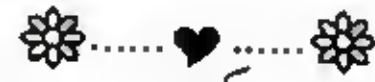
"غضب خدا کا پہلے تو کبھی اس وقت تک طاہر گھر سے باہر نہیں رہا۔" ثریا نے پریشانی سے صحن میں ٹہلتے ہوئے کہا تو بستر بچھاتی رابعہ نے ایک نظر ماں کو دیکھا اور پھر بے پروائی سے بولی۔

"اماں وہ پہلے بھی اکثر اس وقت گھر پر نہیں بلکہ دوستوں کے ساتھ گپ بازی میں مصروف ہوتا ہے۔ تمہیں پتا اس لیے نہیں چلتا کہ یہ ٹائم تو تمہارے فلم دیکھنے کا ہے آج لائٹ غائب اور جنریٹر خراب ہے تو طاہر کا خیال آ گیا۔"

"زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے بھلا تو دس سال کا بچہ کیا گپ بازی کرے گا اپنے دوستوں کے ساتھ......اور وہ بھی اس وقت؟"

"تو اماں جا کر دیکھ آؤ نا خود کہاں ہے وہ۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ......" دروازے کی دستک نے ثریا کا جملہ پورا ہونے نہیں دیا اور اس سے پہلے کہ ان دونوں میں سے کوئی جا کر دروازہ کھولتا رشیدہ کھلے دروازے سے خود ہی اندر آ گئی۔

"ثریا میمونہ کی بہو کی طبیعت بہت خراب ہے ذرا اس کا چیک اپ تو کر دو مجھے لگتا ہے کوئی بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے۔"

"لیکن میں تو ابھی طاہر......"

"ڈبل فیس دے گی میمونہ اگر تم چلی چلو تو۔"

"اچھا......! چلو ٹھیک ہے۔" ثریا نے جاتے جاتے مڑ کر رابعہ کو دیکھا۔ "رابعہ تو فکر نہ کرنا طاہر اپنے دوستوں میں ہی ہوگا اور اسے جانا بھی کہاں ہے۔ اندر سے کنڈی لگا لے اچھا۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ ہی حافظ اماں!" استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے زیر لب کہا اور دروازے کی کنڈی لگانے کے بعد اوپر بنے واحد کمرے کی طرف چل دی تاکہ عمیر کو مس کال دے کر اس کے فون کا انتظار کرے۔

❀......♥......❀

"اوئے ہوئے یار! تم دونوں تو ہنسوں کی جوڑی کی طرح پورے کالج میں مشہور ہوگئی ہو۔" رابعہ اور روحی بریک میں کالج کینٹین سے سموسے اور چاٹ کھا رہی تھیں جب پاس سے گزرتی ایک لڑکی نے ان کی اطلاعات میں اپنے تئیں اضافہ کیا۔

"اطلاع دینے کا شکریہ ویسے یہ بات تو بہت پرانی ہو چکی ہے اب کچھ نیا بتاتیں تو مزہ بھی آتا۔" روحی نے پیپسی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا تو وہ جاتے جاتے ایک لمحہ کے لیے مڑی۔

"کچھ نیا؟ رابعہ کے پاس تو بہت کچھ نیا ہوتا ہوگا نا تمہیں بتانے کو...... کیا مزید کچھ چاہیے؟" روحی نے

استفہامیہ انداز میں رابعہ کو دیکھا جو فوری طور پر اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے میں کامیابی کے بعد اب مطمئن تھی۔ روحی کے یوں دیکھنے پر اس نے لاعلمی سے کندھے اچکائے تو روحی سر جھٹک کر دوبارہ چاٹ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

❀......♥......❀

''اوہو اماں! آپ آج پھر میرے جوتے پالش کررہی ہیں۔'' ساجد باتھ روم سے گیلے بالوں میں تولیہ رگڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو اماں کے ہاتھ میں برش اور جوتے دیکھ کر ان کی طرف لپکا۔

''ارے واہ جوتے گندے ہوئے تو کیا اچھا لگے گا تھانے میں' اپنی کرسی پر بیٹھنا یا سڑکوں پر معمول کا گشت کرنا؟''

''بس میں کرلوں گا خود...... اماں کتنی دفعہ تو کہہ چکا ہوں' مجھے اچھا نہیں لگتا آپ سے یا روحی سے جوتے پالش کروانا۔'' اس نے آہستگی سے ان کے ہاتھ سے جوتے اور برش لیا تھا۔

''ہاں تو اسی لیے تو کہتی ہوں نا تجھے کہ شادی کرلوتا کہ گھر میں میرے پاس بھی تو کوئی ہو۔ روحی صبح کی کالج گئی ڈھائی تین بجے لوٹتی ہے اور تم...... تمہاری ڈیوٹی کا تو خیر سے کوئی ٹائم ہی مقرر نہیں ہے۔ جب دل چاہتا ہے محکمے والے سوتے ہوئے کو بھی فون کھڑکا کر بلا لیتے ہیں۔'' اماں کے ہاتھ ان کا پسندیدہ موضوع لگا تھا جبھی ساجد کو ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے ان کی باتیں سننا پڑیں۔

''ادھر روحی کے سسرال والے بھی کہہ رہے ہیں کہ بی اے کے بعد شادی کردی جائے اور میری تو خواہش ہے کہ تم دونوں کی شادی اکٹھی ہوتا کہ ایک بیٹی گھر سے جائے تو دوسری آجائے۔''

''اماں! اماں...... میری پیاری اماں! آپ کی سب باتیں ٹھیک ہیں مگر......'' ساجد نے ایک بار پھر دامن بچانا چاہا تھا لیکن اس دفعہ شاید اماں ٹلنے والی نہ تھیں۔

''اگر مگر کچھ نہیں' بس میں آج ہی سے تمہارے لیے کوئی لڑکی دیکھتی ہوں' یوں بھی میرے چاند سے رشتہ جوڑنے پر تو ہر لڑکی فخر کرے گی۔'' اماں نے اترا کر کہا تو ساجد ہنستے ہوئے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''چاند...... اچھا اماں ایک بات تو بتائیں؟''

''ہاں ہاں پوچھو بیٹا۔''

''مجھ میں ایسا کیا ہے جو آپ مجھے چاند کہتی اور سمجھتی ہیں۔''

''کبھی اس ماں کے دل میں جھانک کر دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ چاند تو محض تشبیہہ ہے حقیقتاً تم میرے لیے اس سے بھی بڑھ کر ہو۔'' وہ جانتی تھیں کہ ان کا بیٹا اپنی ذات میں کس قدر پراعتماد ہے اور محض انہیں تنگ کرنے کے لیے اس طرح کہہ رہا ہے مگر پھر بھی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولیں۔

''یہ جو تیرا دل ہے نا چاند سے بڑھ کر روشن اور چمک دار ہے۔ شکل وصورت وقت کے ساتھ بدل جاتی ہے لیکن اچھی سیرت وعادات وقت کے ساتھ مزید نکھرتی ہیں۔ نقوش کی طرح کبھی جھریوں کے زیراثر اپنی پہچان نہیں کھوتیں۔ سمجھے!'' پیار سے اس کے گیلے بالوں پر چپت لگاتے ہوئے وہ مسکرائی تھیں۔ ''اچھا اگر تمہیں خود کوئی لڑکی پسند ہو تو اپنی ماں کو دوست سمجھ کر ضرور بتانا۔'' اس کے لیے ناشتہ بنانے کے لیے کچن میں جاتے جاتے انہوں نے کہا۔

''ہاں اماں...... ایک لڑکی ہے تو......'' ساجد نے سر کھجاتے ہوئے کہا تو حیرت اور خوشی سے اماں کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

''ارے تو پھر دیر کس بات کی؟ جلدی سے بتاؤ نا مجھے' میں کل کی بجائے آج ہی اسے دلہن بنا کر اپنے آنگن میں لے آؤں۔'' خوشی سے چمکتا چہرہ لیے وہ الٹے پاؤں واپس آئیں تو ساجد انہیں مکمل تفصیل سے آگاہ کرنے لگا۔

❀......♥......❀

''واہ بھئی آج تو تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' عمیر

نے چھوٹتے ہی کہا۔
''اچھا! مگر تم نے مجھے کہاں دیکھا آج؟'' رابعہ نے حیرانی سے پوچھا کیونکہ ابھی تک اس نے کھڑکی تو کھولی ہی نہیں تھی۔ سو اس کا حیران ہونا لازمی تھا۔

''دل میں ہے آئینہ تصویر یار
جب کبھی گردن جھکائی دیکھ لی''

آج عمیر نے شعر پڑھا تو وہ اس کے انداز پر مسکرادی۔ کھڑکی کی جھری سے وہ تو اسے بخوبی دیکھ رہی تھی لیکن عمیر اسے نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ ''میری جان! تمہیں دیکھنے کے لیے مجھے کہیں جانے کی ضرورت تھوڑی ہے' یہیں میرے دل میں تو رہتی ہو ہر وقت۔''
''اچھا اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ اور یہ بتاؤ کہاں دیکھا اور کب؟''
''بتاتا ہوں ملکہ عالیہ! اتنا غصہ تو نہ کرو نا...... دراصل جس وقت تم صحن میں کھڑی دوپٹے سے اپنے گیلے بال جھٹک رہی تھیں تو تمہارے گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا' بس وہیں سے تمہیں ایک بار دیکھا اور بار بار دیکھنے کی طلب گار رہا۔'' عمیر کی بات سن کر اب وہ بے اختیار ہنس دی لیکن اس وقت وہ کھڑکی نہیں کھول سکتی تھی کہ رات کے وقت اکثر مرد حضرات اپنے اپنے گھروں کے باہر کھڑے گپ شپ کررہے ہوتے تھے۔ ''دل تو چاہتا ہے رابو! کہ بس تمہیں سب سے چھپا کر کہیں دور لے جاؤں جہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی بھی نہ ہو لیکن......''
''لیکن کیا......؟'' رابعہ سحرزدہ سی ہو کر بولی۔
''پتا ہے کیا' جب اس دل پر میرا قابو نہیں رہتا نا تو کبھی میں سوچتا ہوں کہ چند گھنٹوں کے لیے ہی سہی' تمہیں کالج کے بعد اپنے ساتھ کہیں لے چلوں اور بس بغیر کچھ کہے سنے تمہیں دیکھتا ہی رہوں' مگر یہ بات بھی میرے ضمیر کو گوارہ نہیں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم میرے اس طرح بلانے پر کبھی بھی مجھے یا میرے جذبوں کو غلط سمجھو۔'' رابعہ تو پہلے ہی اسے اپنے من مندر کا دیوتا مان چکی تھی۔ اب اس کے یہ خیالات جان کر تو اس کے دل میں عمیر کی قدر پہلے سے مزید بڑھ گئی تھی۔
''اور پھر میں نہیں چاہتا کہ باہر کوئی شخص تمہیں کالج یونیفارم میں دیکھ کر تمہارے بارے میں کوئی بھی غلط رائے قائم کرے کیونکہ تمہاری عزت مجھے دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔''
''عمیر! تم واقعی ایک اچھے انسان ہو جس پر میں آنکھیں بند کر کے اعتماد کرسکتی ہوں۔'' اور یوں دونوں طرف سے ہوتی ہوئی پیار بھری سرگوشیوں میں کب اور کیسے دبے پاؤں رات بیت گئی دونوں کو پتا ہی نہیں چلا۔

❁......♥......❁

ساری رات کی جاگی آنکھیں
کالج میں کیا پڑھتی ہوں گی

صبح سے موسم بے حد خوش گوار ہو رہا تھا۔ بادلوں سے اٹھکھیلیاں کرتی ہوا پھول پتوں کو بھی اپنے ساتھ جھومنے پر مجبور کررہی تھی۔ ایسے میں پروفیسر شمشاد کی اکنامکس کی کلاس میں سبھی لڑکیاں جی بھر کے بور ہورہی تھیں۔ کھلی کھڑکیوں سے گزر کر اندر آتے ہوا کے مست جھونکے جب سب سے لپٹتے تو دوسری لڑکیوں کی طرح رابعہ کا بھی کسی طرح کلاس سے فرار ہو کر باہر کالج کے لان میں پہنچ جانے کو دل کرتا۔ ایسے میں بھلا ہو واپڈا والوں کا کہ چند منٹ کے بعد ہی لائٹ ہمیشہ کی طرح دغا دے گئی تو کلاس میں موجود تمام لڑکیوں نے خوشی سے ایک دوسری کے چمکتے چہروں کو دیکھا۔ گھنگھور گھٹاؤں کے ساتھ واپڈا کے باہمی اشتراک نے ان سب کے لیے کلاس چھوڑنے کا پروانہ جاری کردیا تھا سو اندھیرے میں بیٹھ کر کیا پڑھنا اور کیا پڑھانا' جبھی پروفیسر شمشاد نے کتاب کو اندھا کر کے ڈائس پر رکھا اور ہر حال میں ڈسپلن قائم رکھنے پر مختصر سا لیکچر دے کر اسٹاف روم کی طرف چل دیئے۔
''واہ یار! کتنے دنوں سے سخت گرمی پڑ رہی تھی اور اب دیکھو رات سے کیسا زبردست موسم ہو گیا ہے۔'' روحی

نے سیڑھیاں اترتے ہوئے رابعہ سے کہا۔
''ہاں سچ کتنی خوشی ہورہی ہے نا آج......'' اس کی تائید کرتے ہوئے رابعہ اس سے کہیں زیادہ خوش لگ رہی تھی۔
''لیکن پتا ہے کیا' آج بے شک ایسا موسم نہ بھی ہوتا نا' میں تب بھی خوشی سے بندروں کی طرح کودرہی ہوتی لیکن اندازہ تمہیں کرنا ہے کہ کیوں؟'' وہ دونوں کالج کے لان میں پہنچ چکی تھیں۔ روحی نے بھی گھاس پر بیگ رکھتے ہوئے پوچھا۔
''تم کیوں خوش ہو؟ یقیناً نوید بھائی آرہے ہوں گے ناتم سے ملنے۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد رابعہ نے اس کے منگیتر کا نام لیاتو ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر انار پھوٹنے لگے۔
''جی نہیں جناب! ایسا نہیں ہے بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ ساجد بھائی نے ہاں کردی ہے اوراپنی پسند کی لڑکی کا نام بھی بتادیا ہے۔'' ٹھنڈی ہوا کے ساتھ ہوتی ہلکی ہلکی پھوار نے موسم کو نیارنگ اور تازگی بخشی تھی۔
''ارے واہ! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے لیکن یہ بھی تو پتا چلے ناں کون ہے وہ حسینہ جس پر بالآخر تمہارے بھائی کی نظرِ انتخاب ٹھہری اور جو یقیناً عنقریب تمہاری بھابی کے درجے پر فائز ہونے والی ہے۔'' رابعہ ساجد کی پسند جاننے کو بے تاب تھی کیونکہ روحی کی ہی زبانی اسے پتا چلا تھا کہ شاید کسی خاص چہرے کے انتظار میں ہے جو پہلی نظر میں ہی اسے بھا جائے۔
''جی نہیں میڈم چالاکو! یہ تو سرپرائز ہے۔'' روحی نے اسے انگوٹھا دکھاتے ہوئے اترا کر کہا تو وہ ہنس دی۔
''اچھا بابا چاند چڑھے گا تو ساری دنیا دیکھ لے گی۔''
''چاند کا کیا ذکر ان بادلوں میں' پہلے تم اٹھو' بوندیں بوچھاڑ میں بدل رہی ہیں۔'' پرنسپل کی طرف سے عائد کردہ فائن کا ڈر نہ ہوتا تو یقیناً وہ دونوں دیر تک بارش میں بھیگتیں لیکن پھوار کو تیز بارش میں بدلتا دیکھ کر وہ دونوں ہنستی ہوئی برآمدے میں جا کھڑی ہوئی تھیں۔

❁......♥......❁

طاہراو طاہر......'' ثریا نے بستہ کندھے پر ڈال کر گھر سے نکلتے طاہر کو آواز لگائی تو وہ وہیں سے مڑ کر دیکھنے لگا۔
''ایسا کر آج راحت ہوٹل والے راستے سے ہوتا ہوا اسکول چلا جا۔''
''اماں! وہ راستہ تو بہت دور پڑتا ہے اور آج تو حبس بھی بہت ہے۔''
''دیکھ میرا پیارا بیٹا ہے نا تُو پھر تو بات ضرور مانے گا۔'' ثریا نے پچکارا۔
''مگر کیوں......؟'' وہ بھی آخر اتنے اصرار پر جھنجلا گیا تھا۔
''وہ دیکھو نا ادھر راستے میں ہی تو کیبل والے کی دکان پڑتی ہے' جاتے ہوئے اسے کہہ دینا کہ کل دوپہر کو جو فلم لگائی تھی نا وہ دوبارہ لگادے' کل مجھے کلینک سے واپسی پر دیر ہوگئی تھی تو دیکھ نہیں سکی۔''
''تو ابا بھی تو گھر پر ہے ناں انہیں بھیج دو۔'' وہ گرمی کی وجہ سے ہچکچا رہا تھا۔
''چل چل زیادہ مشورے نہ دے مجھے......'' ثریا کو غصہ آتے آتے رہ گیا تھا کیونکہ جانتی تھی اس طرح بات بگڑ جائے گی۔ ''اچھا چل یہ پکڑ رستے سے ٹھنڈا شربت یا جوس پی لینا......خوش!'' ثریا نے اس کی مٹھی میں دس کا نوٹ دباتے ہوئے کہا تو وہ لمحہ بھر میں راضی ہوگیا۔

❁......♥......❁
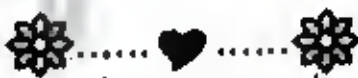
اس دن رابعہ کالج سے گھر لوٹی تو عجیب طرح کی تبدیلی محسوس کرکے وہ بری طرح چونک گئی۔ مزید کھٹکی تب جب ثریا نے آتے ہی اسے پانی دیا کیونکہ پہلے تو اس قسم کا اتفاق شاذو نادر ہی ہوتا تھا کہ اسے گھر میں آتے ہی ثریا کے ہاتھوں سے ٹھنڈا پانی نصیب ہوتا کیونکہ اس وقت ہاسپٹل سے واپسی کے بعد وہ کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ کمرے میں کیبل کے ذریعے ٹی وی پر چلنے والی کوئی نہ کوئی فلم دیکھ رہی ہوتی اور ظاہر ہے فلم چھوڑ کر اٹھنا ناممکنات میں سے تھا۔ سو باہر سے آئی گرمی سے

نڈھال رابعہ خود ہی کچن میں جاکر پہلے پانی پیتی اور پھر کھانا لے کر کمرے میں جا پہنچتی جہاں طاہر‘ ثریا اور ابا کمرے کی لائٹ بند کیے فلم دیکھنے میں مصروف ہوتے۔ سہ پہر چار بجے کے قریب فلم ختم ہوتی تو اپنے اپنے برتن وہیں ایک طرف کرکے سو جاتے اور یہ ٹائم بھی اس کا آئیڈیل تھا کیونکہ اس وقت بھی وہ عمیر کے ساتھ دو ڈھائی گھنٹے آرام سے باتیں کرتی رہتی۔

"چل رابعہ! تُو ہاتھ منہ دھولے میں تیرے لیے کھانا گرم کرتی ہوں۔" گلاس اس سے لے کر رکھتے ہوئے ثریا بولی تو وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

"اماں! خیر تو ہے آج فلم نہیں دیکھ رہیں؟" رابعہ سے رہا نہ گیا تھا سو پوچھ ہی لیا۔ کالج سے ویسے بھی ایک ہفتے کی چھٹیاں تھیں لہٰذا یونیفارم بدلنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"فلم کی تو چل خیر ہے کیبل والے کو کہوں گی کل پھر لگادے گا لیکن آج کے لیے ایک خوش خبری ہے میرے پاس۔" بات کرنے کے دوران ثریا کا منہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

"خوش خبری؟" چند لمحے کے لیے وہ سوچ میں پڑ گئی لیکن کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا تو ثریا کے مسکراتے چہرے کو ناسمجھی سے دیکھنے لگی۔

"کون سی خوش خبری اماں! پہیلیاں تو نہ بجھواؤ۔"

"اری تیرا رشتہ آیا ہے پگلی! میں تو پہلے ہی کہتی تھی میری بیٹی بڑی قسمت والی ہے۔ لڑکا پولیس میں اے ایس آئی ہے‘ گھر میں صرف ایک ماں ہے اور ایک بہن...... اور بہن کی شادی بھی اس کے ساتھ ہی ہوجائے گی اور بس...... جاتے ہی عیش کرے گی میری بیٹی۔ اکیلا گھر اور اس کی اکیلی مالکن ہوگی تُو......" رابعہ کی کیفیت سے بے خبر وہ اپنی ہی دھن میں بولے جارہی تھی۔ "اور سب سے اچھی بات بتاؤں وہ یہ کہ لڑکے کی بہن کوئی اور نہیں تیری دوست روحی ہے...... اری وہی جو ایک دفعہ ہمارے گھر بھی آئی تھی۔" ثریا بڑی خوشی خوشی ساری تفصیل بتارہی تھی مگر روحی کا نام آتے ہی رابعہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے یاد آیا کہ آج روحی واقعی بہت چہک رہی تھی اور جب اس نے وجہ پوچھی تو جواباً سرپرائز کہہ کر روحی نے اسے مزید کچھ بھی پوچھنے سے روک دیا تھا۔

"اور عمیر......؟" رابعہ کی نظر ایک دم چھت کے اوپر بنے چھوٹے سے کمرے کی طرف اٹھی جہاں اس نے عمیر کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ دل نے اچانک ہی عمیر کے نام کی دہائی دی تھی۔ رابعہ کو یوں کسی گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ثریا اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے قریب بیٹھ کر اپنے گلے سے لگالیا کیونکہ ثریا کا خیال تھا کہ رابعہ کا یہ ردعمل فطری طور پر ماں باپ کا گھر چھوڑنے کی وجہ سے ہے جبھی اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"یہ تو دنیا کا دستور ہے بیٹا! ہر لڑکی کو بیاہ کر ایک نہ ایک دن پیا کے دیس جانا ہی ہوتا ہے۔ تُو کیوں بھلا پریشان ہوتی ہے دیکھنا ان شاء اللہ تو بہت خوش رہے گی۔"

"مجھے نہیں کرنی کوئی شادی وادی...... منع کردو ان لوگوں کو اور بس آج کے بعد ان لوگوں کا ذکر بھی مت کرنا میرے سامنے۔" ثریا کو خود سے الگ کرتے ہوئے وہ بولی تو اس کے لہجے کی تختی میں گندھے الفاظ کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے ثریا بھی چونک گئی۔

"کیوں‘ بھلا کیوں نہ کروں ان کا ذکر تیرے سامنے؟ اری میں تو ایک چھوڑ ہزار بار کروں گی‘ آخر ہر لحاظ سے اچھے لوگ ہیں اور تیرا نخرہ ہے کہ آسمان کو چھورہا ہے۔"

"ہونہہ‘ اچھے لوگ۔" رابعہ نے استہزائیہ انداز اپنایا۔

"ہاں ہاں تو کیا برائی ہے ان میں......؟ بول...... بتا مجھے۔" ثریا نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

"اماں! تم نے دیکھا ہے کبھی اس کو‘ کالا سیاہ تو رنگ ہے اس کا۔ کم از کم ایسا بندہ تو ہو جس کے ساتھ اٹھنے

بیٹھنے میں ایک فخر اور طمانیت کا احساس ہو نہ کہ کوفت کا۔" وہ ہر لحاظ سے ساجد کا موازنہ عمیر کے ساتھ کر رہی تھی جو خوب صورت بھی تھا اور جس کی شخصیت بھی غضب کی تھی۔

"خدا کا خوف کر رابعہ! یہ سب چیزیں جو تُو نے گنوائی ہیں اللہ کے ہاتھ میں اور اس کی بنائی ہوئی ہیں۔ تُو یہ تو دیکھ کہ بچپن میں ہی باپ کے مرنے کے بعد اس نے پندرہ سال کی عمر میں ہی چھوٹا موٹا کام کر کے ساتھ پڑھائی بھی کی اور پھر بغیر کسی سفارش اور رشوت کے صرف اپنی قابلیت کے زور پر آج اگر وہ اے ایس آئی تک پہنچ گیا ہے تو کل کو اور بھی آگے جائے گا۔"

"اور آگے؟ ہونہہ! کہہ تو اماں ایسے رہی ہو جیسے وہ آئی جی بن جائے گا آئندہ چند برسوں میں۔" اس دفعہ وہ کھل کر تمسخرانہ ہنسی ہنسی تھی۔ "اور اگر بالفرض وہ آئی جی بن بھی گیا تو منہ متھا تو اس کا یہی رہے گا نا اور مجھے اس کی شخصیت بالکل پسند نہیں' نہ آج اور نہ آئندہ کبھی۔" رابعہ نے یہ فیصلہ تین سال پہلے دیکھے گئے ساجد کی شخصیت کو سامنے رکھتے ہوئے سنایا تھا۔

"اری راج کماری! باپ تو جیسے تیرا بڑا آئی جی ہی ہے نا جو تجھے بھی آئی جی چاہیے۔ یہاں تو وہی بات ہوگئی گھر میں ہے نہ دھیلا' کرتی ہے میلا میلا اور مجھے تو یہ بتا شکل کو ساری عمر بیٹھ کر چاٹے گی کیا اگر اس کا کردار اور سیرت ہی اچھی نہ ہوئی......؟ اری کرموں جلی! اتنا اچھا رشتہ ٹھکراتے ہوئے اس میں مین میخ نکالتے ہوئے تجھے شرم تو نہیں آئی ہوگی نا؟" آرام سے بات چیت کا آغاز کرنے والی ثریا کا اب ضبط جواب دے گیا تھا جبھی برا بھلا کہنے پر اتر آئی تھی۔ یوں بھی اسے رابعہ کی طرف سے اس طرح کے ردعمل کی ہرگز توقع نہ تھی۔ "ابھی تو خود تجھے اللہ نے اوقات میں رکھا ہے اگر تو بھی گوری چٹی ہوتی تو جانے کتنے چنے چبواتی مجھے۔" ثریا روہانسے انداز میں بولی۔

"چلو اماں اب چھوڑ بھی دو۔ تمہاری فلم کا ٹائم نکل رہا ہے جاؤ اور ابا کے ساتھ فلم دیکھو' تمہیں کیا پتا میرے سانولے رنگ ہی کی کشش کتنا اثر رکھتی ہے۔" بات ختم کرنے کے ساتھ ہی وہ دھپ دھپ کرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ پسِ گفتگو ذہن میں عمیر کی وہ باتیں گردش کر رہی تھیں جن میں وہ اس کے سانولے پن کی دیوانگی کی حد تک تعریفیں کرتا تھا۔

❀......♥......❀
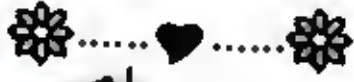
"رابعہ......" رابعہ جیسے ہی کالج گیٹ سے اندر داخل ہوئی' اپنی مخصوص جگہ پر کھڑی روجی بے اختیار اس کی طرف لپکی۔ یوں بھی آج دونوں ایک ہفتے بعد ملی تھیں سو دیکھتے ہی ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔

"روجی! یار میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔" اس سے پہلے کہ روجی خود اس سے کوئی شکوہ کرتی' رابعہ نے ہی بات شروع کی۔ لہجے میں شرمندگی بھی تھی اور دوستی ٹوٹنے کا خوف بھی مگر اس کی توقع کے برعکس روجی نے کچھ بھی نہیں کہا' بس خاموشی سے شکایتی نظروں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

"تم کچھ پوچھو گی نہیں مجھ سے...... ڈانٹو گی نہیں' غصہ نہیں کرو گی مجھ پر؟" رابعہ اس کی خاموشی سے مزید الجھن کا شکار ہو رہی تھی۔

"کیا پوچھوں میں تم سے' اور ڈانٹوں اور غصہ کروں تم پر تو کس حق سے؟ میں نے جس مان سے تمہارے اور اپنے درمیان موجود اس رشتے کو مزید مضبوط کرنا چاہا تھا وہ مان تم نے رہنے ہی کب دیا میرے پاس۔" چلتے چلتے وہ دونوں کلاسز کے عقب میں موجود درختوں میں سے پیپل کے پیڑ کے نیچے آ بیٹھی تھیں۔

"ایسا نہیں ہے روجی! وہ مان اور حق اب بھی تمہارے پاس ہے اور رہے گا بھی لیکن...... لیکن میں مجبور ہوں۔" رابعہ نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں آپس میں دھیرے دھیرے مسلتے ہوئے بیچارگی سے کہا۔

"مجبور......؟ ایسی کیا مجبوری ہے تمہاری جبکہ میری معلومات کے مطابق تو تم ابھی کہیں انگیج بھی نہیں ہو۔"

"وہ دراصل......" رابعہ کچھ کہنے اور نہ کہنے کی کشمکش میں تھی لیکن اس کے کچھ نہ کہنے کی صورت میں روحی کا ناراض ہو جانا یقینی تھا اور اس طرح اپنی دوستی کا خطرے میں پڑنا رابعہ کو کسی طور گوارا نہ تھا' جبھی اس نے اپنے اور عمیر کے درمیان پنپنے والی محبت کی ساری کہانی اس کے گوش گزار کردی جسے روحی نے نہایت توجہ سے سنا۔

"رابو! تم اتنا کچھ مجھ سے چھپاتی رہیں حالانکہ میں نے آج تک تمہارے سامنے اپنی ذات کا کوئی گوشہ چھپا نہیں رہنے دیا۔ تمہارے انکار نے مجھے کتنا دکھی کیا ہے اس کا تو شاید تمہیں اندازہ بھی نہیں ہوگا۔"

"میں تمہیں بتانا چاہتی تھی اور کئی بار میں نے کوشش بھی کی لیکن مجھے پتا تھا کہ تم اسے بے حد ناپسند کرتی ہو۔ کالج کے باہر اسے کھڑے دیکھ کر جو ریمارکس تم اس کے بارے میں دیتی تھیں' اس سے مجھے تمہاری رائے کا اندازہ تھا اور جب شروع شروع میں' میں نے تمہیں اس کے بارے میں بتایا تھا تو تم نے مجھے اس سے رابطہ بڑھانے پر منع کیا تھا اور اسی وجہ سے میں تمہیں نہیں بتا پائی کہ شاید تم ناراض ہوتیں۔" رابعہ کے دل میں جو کچھ تھا وہ اس نے بڑی صاف گوئی سے روحی کو بتایا تھا۔ "میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں لیکن اپنے دل کے ہاتھوں مجبور بھی ہوں۔ میرا دل خود میرے ہی اختیار میں نہیں رہا۔ روحی پلیز مجھے معاف کردو...... پلیز......" بات کرتے کرتے اس کا گلہ رندھ گیا جبھی اس نے خود پر ضبط کرنے کے بجائے آنسوؤں کو خاموشی سے بہہ جانے کا راستہ دیا۔ روحی کچھ دیر تو اسے روتا دیکھتی رہی پھر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے تو رابعہ نے باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "میں جانتی ہوں روحی کہ میں نے تمہیں دکھ دیا ہے باوجود اس کے کہ تمہاری شکل میں مجھے بہن بھی ملی اور دوست بھی...... اور میری ماں...... ہونہہ! جسے پیسے کمانے اور فلمیں دیکھنے ہی سے فرصت نہیں ملتی' اس کے ہوتے ہوئے میں خود کو کتنا تنہا محسوس کرتی تھی' یہ میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا لیکن تمہاری صورت میں میرے اندر موجود ہر طرح کا خلا خود بخود پُر ہوتا چلا گیا اور اب...... اب حالات اس موڑ پر آ گئے ہیں کہ میں نہ تو تمہیں چھوڑنے کا تصور کرسکتی ہوں اور نہ ہی عمیر کو...... ایسے میں تمہی بتاؤ میں کیا کروں؟" جیسے تیسے اپنی بات مکمل کر کے وہ گھٹنوں پر سر رکھے ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ اس تمام وقت میں روحی بالکل خاموش رہی تھی۔ سو جب اس نے اپنی بات ختم کی تو روحی نے کچھ سوچتے ہوئے ایک بھرپور سانس خارج کی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"یہ سچ ہے رابعہ کہ بھائی کے منہ سے تمہاری خواہش سننے کے بعد ان چند دنوں میں' میں تمہارے حوالے سے بننے والے اپنے اس نئے رشتے کو ضرورت سے زیادہ سوچ چکی تھی۔ تمہیں بھابی بنانے کا ارمان جو دل میں جاگا تھا' وہ تمہارے انکار سے لمحہ بھر میں چکنا چور ہو کر رہ گیا تھا لیکن خدا گواہ ہے کہ اب میرا دل بالکل صاف ہے۔ میں ایک ایسے رشتے کے لیے جو کبھی بنا ہی نہیں' اپنی دوستی جیسے مضبوط اور بے غرض رشتے کو توڑنے کی بے وقوفی ہرگز نہیں کروں گی۔" رابعہ نے آنسوؤں سے تر بتر چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "ہاں رابعہ! ہم آج بھی دوست ہیں کالج کے بعد بھی' شادی کے بعد بلکہ زندگی کی آخری سانس تک دوست ہی رہیں گے۔" روحی نے مسکراتے ہوئے اپنی بات کی سچائی کا یقین دلایا تو رابعہ نے جھٹ پٹ ہتھیلی کی پشت سے چہرے پر پھیلے آنسو صاف کردیئے۔ "لیکن اس کے لیے تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا اور وہ یہ کہ آئندہ تم مجھ سے کچھ بھی نہیں چھپاؤ گی۔" روحی نے دایاں ہاتھ رابعہ کے سامنے پھیلایا۔

"وعدہ یار! بلکہ پکا وعدہ۔" رابعہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے گویا تجدید وفا کی تھی۔

"تم واقعی بہت اچھی ہو روحی! میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ......"

"مجھے ضرورت بھی نہیں ہے ان الفاظ کی محترمہ......"

روحی نے اس کی بات کاٹی۔ ''تم بس ہمیشہ خوش رہو میری تو یہی دعا ہے اور اب اٹھو پروفیسر قمر کی کلاس شروع ہونے والی ہے اور اگر انہوں نے ہم دونوں کو یہاں دیکھ لیا تو کسی قیمت پر بھی ہم دونوں خوش نہیں رہ سکیں گے۔'' روحی مسکراتے ہوئے اٹھ گئی۔ دل پر چھایا غبار اب یقینی طور پر چھٹ گیا تھا۔

❁......♥......❁
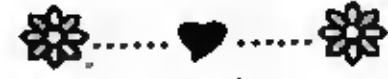
''عمیر......!'' ثریا رات کو واک کے لیے باہر نکلی تو عمیر کی کال کا انتظار کیے بغیر اس نے خود ہی عمیر کو فون ملایا تھا۔

''ارے میں تو خود تمہیں فون کرنے ہی والا تھا' بند کرو تم' میں خود کال کرتا ہوں۔ خوامخواہ تمہارے گھر والوں پر فون بل کا بوجھ بڑھے گا۔'' عمیر کے کہنے پر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کی انہی چھوٹی چھوٹی باتوں نے ہی تو رابعہ کے دل میں جگہ بنا رکھی تھی۔ چند ہی سیکنڈز بعد فون کی بیل بجنے لگی تو اس نے بڑی بے تابی سے فون اٹھایا۔

''عمیر! تمہیں کتنا خیال رہتا ہے میرا اور میرے گھر والوں کا۔''

''اوہو بھئی! میں خیال نہیں رکھوں گا تو کیا محلے کا چوکیدار رکھے گا؟'' وہ ہنسا۔

''لیکن یہ تو بتاؤ' ایسی کیا ایمرجنسی ہوگئی جو آج تم نے خود فون کیا؟ یا میری زیادہ ہی یاد آرہی تھی۔'' عمیر نے شوخ ہوتے ہوئے پوچھا لیکن اس کے جواب میں رابعہ بالکل سنجیدہ تھی۔

''تمہارے امی ابو کب تک آئیں گے ہمارے گھر......؟ میں اب تم سے مزید دور نہیں رہ سکتی اور پھر آخر کب تک امی گھر آئے رشتوں کو انکار کرتی رہیں گی؟'' لیکن اس کا سوال گول کرکے اس نے اپنی مطلب کی بات کا بڑے معنی خیز انداز میں جواب دیا تھا۔

''رابعہ! اگر میں تم سے ایک بات کہوں تو کیا مان لوگی؟''

''کہہ کر دیکھ لو۔''

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں کہیں باہر......'' رابعہ کو عمیر سے اس فرمائش کی امید نہیں تھی جبھی اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو خاموش ہوکر رہ گئی۔

''شاید تمہیں ابھی مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔'' عمیر نے شاید اس کا ذہن پڑھنے کی کوشش کی تھی۔

''نن......نہیں تو ایسا میں نے کب کہا؟'' رابعہ کے انکار کی تو کوئی وجہ ہی نہیں تھی کہ ان دو مہینوں میں وہ اس پرائی ذات سے بڑھ کر اعتماد کرنے لگی تھی۔ ''مجھے تم پر مکمل بھروسا ہے کہ تم میرا اعتماد ہمیشہ برقرار رکھو گے' بولو رکھو گے نا؟''

''سو فیصد رابی! تم مجھ پر آنکھیں بند کرکے اعتبار کرسکتی ہو۔''

''کرسکتی کا کیا مطلب ڈیئر! میں تم پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرچکی ہوں۔'' رابعہ نے سچائی سے اعتراف کیا اور پہلی دفعہ ملنے کے لیے دونوں جگہ اور وقت کا تعین کرنے لگے۔

❁......♥......❁

کسی دانش ور نے کہا ہے کہ ''آپ پریشان ہوں یا مغموم' کسی بھی دکھ سے بچنے کا بہترین حل یہی ہے کہ آپ کے پاس وقت ہی نہ ہو۔'' مصروفیت بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے بلاشبہ ایک بہترین نعمت ہے۔ اس بات کا احساس ساجد کو انہی دنوں میں ہوا تھا جب رابعہ کے گھر سے جواب کی صورت میں انکار موصول ہوا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس کی یاد میں گریبان پھاڑے جنگلوں میں نکل جاتا' بلاشبہ اسے اپنے احساسات پر بلا کا کنٹرول تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ رابعہ کو دیکھنے کے بعد دل میں ایک امید ضرور جاگی تھی کہ آج نہ سہی لیکن آخر ایک دن وہ اس کی ہی ہوگی اور اب اس کے دل میں امید کی جگہ ایک خلا تھا جو اب شاید ہی کبھی پُر ہو پاتا۔

گزر تو جائے گی تیرے بغیر بھی لیکن
بہت اداس' بہت بے قرار گزرے گی

دانش ور کی بات پر عمل کرتے ہوئے ساجد نے خود کو بے انتہا مصروف کرلیا تھا یوں بھی فرصت کا کوئی بھی لمحہ رابعہ کے تصور سے خالی نہ گزرتا۔ اس کا سلونا سا روپ یوں اپنی چھب دکھاتا کہ پھر ساجد کے لیے دل کو سنبھالنا بڑا دشوار لگتا۔ اسی بات سے بچنے کے لیے ساجد نے معمول کی ڈیوٹی میں اضافہ کردیا تھا' یوں بھی محکمے کے اعلیٰ افسران اس کی کارکردگی سے نہایت مطمئن تھے اور ساجد کے کام میں اضافہ کرنے کو بھی سب نے انتہائی تعریفی کلمات سے نوازتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

❋......❤......❋
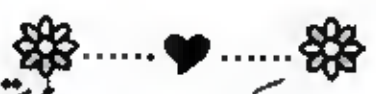
وہ رات رابعہ نے آنکھوں میں کاٹی تھی۔ پہلی دفعہ عمیر سے ملنے کی خوشی اسے کسی طور سونے تو کیا پلکیں بھی جھپکانے نہیں دے رہی تھی۔ طے یہی پایا تھا کہ وہ صبح گھر سے کالج کے لیے ہی نکلے گی لیکن کالج کی طرف مڑنے والی پہلی گلی کے باہر ہی عمیر اس کے انتظار میں کھڑا ہوگا اور یوں وہ اس کے ساتھ جاکر کالج آف ہونے کے وقت معمول کے مطابق گھر آجائے گی۔ سو اس نے صبح اٹھ کر اپنا یونیفارم پریس کیا' بالوں کی ڈھیلی سی چٹیا بنائی' چہرے پر کریم لگا کر فیس پاؤڈر کا اضافہ کیا اور شادی بیاہ یا فنکشنز میں لگائی جانے والی لپ اسٹک ہونٹوں پر ہلکی سی لگا کر انگلی کی مدد سے تھوڑی سی آنکھوں پر بھی لگائی اور آئینے میں خود کو تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگی۔ ثریا چونکہ رات کو کلینک سے ہی دیر سے آئی تھی اور پھر اس کے بعد وہ ایک انڈین چینل پر ایوارڈ فنکشن دیکھتی رہی تھی لہٰذا اب تک سو رہی تھیں۔ جبھی اس نے پہلے طاہر کو اسکول بھیجا اور وقت مقررہ پر خود بھی گھر سے نکل آئی۔ ایک عجیب سی خوشی آج سرتاپا اس کا حصار کیے ہوئے تھی۔ راستے میں روزانہ نظر آنے والی مخصوص چیزیں آج بڑی منفرد اور دل فریب لگ رہی تھیں جبھی وقتِ مقررہ پر عمیر کو گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے دیکھ کر آج اس کا دل بھی ایک دم نئے انداز میں دھڑکا تھا۔ چشمہ لگائے ہاتھ سینے پر باندھے وہ بالکل کسی افسانوی ہیرو کی طرح محسوس ہورہا تھا۔ رابعہ پر نظر پڑتے ہی اس نے گاڑی کا اگلا دروازہ کھولا تو رابعہ نے بڑے اعتماد کے ساتھ بیٹھ کر دروازہ بند کیا۔ گاڑی میں موجود ہلکی سی خنکی اور فریشنر کی خوش بو جیسے اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی۔

''کنفیوز تو نہیں ہو؟'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے عمیر نے بات شروع کی۔

''نہیں.....نہیں تو.....'' رابعہ نے ہلکی سی مسکراہٹ سے جواب دے کر خود کو پراعتماد ظاہر کرنا چاہا تھا۔ مسکراہٹ کے ساتھ ہی چہرے پر اتری شرماہٹ کی دھنک یقیناً اس کے سانولے سلونے روپ کو مزید پرکشش بنارہی تھی لیکن یہ بھی سچ تھا کہ عمیر کے اس قدر نزدیک ہونے پر وہ ٹھنڈے پسینوں میں نہا گئی تھی۔

''شاباش! اور تمہیں کنفیوز ہونا بھی نہیں چاہیے۔ میں جو ہوں تمہارے ساتھ.....لہٰذا پرسکون رہو ڈیئر!'' عمیر نے اپنے تئیں اسے پرسکون کرنا چاہا تھا۔ ''اچھا بتاؤ کہاں چلیں؟''

''جہاں بھی تم چاہو' میں تو بس آنکھیں بند کرکے تمہارے پاس آگئی ہوں۔'' رابعہ نے بڑے جذب سے کہتے ہوئے سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکایا' لیکن عمیر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ ایک دم چونکی۔

''یہ گاڑی تمہاری ہے کیا.....؟''

''ارے نہیں' میری کہاں' دوست سے مانگ کر لایا ہوں۔ موٹر سائیکل پر تو کوئی بھی بآسانی تمہیں دیکھ سکتا تھا اور گاڑی میں اس کا امکان کم ہوتا ہے۔'' عمیر کے جواب سے وہ مزید مطمئن ہوگئی تھی۔ وہ پانچ گھنٹے اس نے عمیر کے ساتھ اس کے دوست کے فلیٹ میں گزارے تھے۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا' چائے پی اور مستقبل کی ڈھیروں باتیں کرنے کے بعد جانے کتنے ہی خواب آنکھوں میں سجائے مل کر۔ جب کالج ٹائم ختم ہونے پر آیا تو وہ دونوں واپس آئے تو رابعہ اس کی محبت میں پہلے سے کئی گنا زیادہ ڈوب چکی تھی۔ عمیر کے انتہائی

محتاط رویے نے اسے رابعہ کے دل میں محبوب سے دیوتا کے درجے تک لا پہنچایا تھا۔ بلاشبہ وہ عمیر پر اعتماد کر کے ہی اس کے ساتھ گئی تھی مگر دل میں ایک وسوسہ اور خدشہ تو بہرحال موجود تھا ہی کہ کہیں عمیر کوئی سطحی حرکت نہ کرے لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ مقررہ جگہ پر پہنچ کر عمیر نے ایک بھرپور نظر اس پر ڈالتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"یقین کرو رابو! آج کا دن میری زندگی کا یادگار ترین دن اور تمہارے ساتھ گزرا ہوا وقت میرا سرمایہ ہے لیکن مزید انتظار کرنا میرے لیے ممکن نہیں' میں جلد ہی امی ابو کو تمہارے گھر بھیجوں گا۔" یہی بات تو خود رابعہ کے دل میں تھی جبھی سن کر مسکرا دی۔

"میں انتظار کروں گی۔"

❀......♥......❀

طاہر اسکول جانے کے لیے چھوٹے چھوٹے قدم لیتا جیسے ہی اپنے محلے کی آخری گلی کے نزدیک پہنچا' درخت کی چھاؤں میں کھڑے خان نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا مگر طاہر کی آنکھوں میں نظر آنے والی واضح بے زاری اور چہرے پر موجود ناگوار احساسات نے اسے ہاتھ میں پکڑے سگریٹ کو پاؤں تلے مسل ڈالنے پر مجبور کردیا۔ جبھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے پاس آن پہنچا۔

"کیوں کیا مسئلہ ہے تیرے ساتھ آج؟" خان نے اس کے ننھے سے ہاتھ پر گرفت جمائی تھی۔ طاہر نے کوئی جواب دینے کے بجائے اس سے اپنا ہاتھ چھڑوانا چاہا مگر ناکام رہا۔ "چل! بس اب چھوڑ دے غصہ' کتنے دنوں سے تجھے ڈھونڈ رہا ہوں اور تو ہے کہ روز راستہ بدل بدل کے اسکول جانے لگا ہے۔" ایک نظر سائیکل ٹھیک کرتے چوڑی والے پر ڈال کر خان نے طاہر کو پچکارا۔

"مجھے نہیں جانا تیرے ساتھ' چھوڑ میرا ہاتھ ورنہ میں اماں ابا کو سب بتادوں گا۔" طاہر نے بے بسی سے کہا جس پر خان ایک فلک شگاف قہقہہ لگانے کے بعد طنزاً گویا ہوا۔

"ہونہہ! کیسے بتائے گا؟ اماں تو تیری ہے ہی پیسے کمانے اور تیرے باپ کو خوش کرنے کی مشین' باپ کو نہ کبھی بیوی سے فرصت نصیب ہوئی نہ ٹی وی سے۔ اگر تیرے اماں ابا کے پاس تیرے دکھڑے سننے کا وقت ہوتا تو تُو پہلی دفعہ ہی میری شکایت ان سے لگا دیتا۔ مگر چل چھوڑ' جانے دے نا...... تیری اماں کے لیے تو ویسے بھی ناچ گانا اور ڈرامے زیادہ اہم ہیں۔ تیری چنتا بھلا وہ کس وقت سنے...... ٹائم ہی نہیں ہے......" ایک دفعہ پھر مکروہ سی ہنسی اس کے زرد دانتوں کی قید سے فرار حاصل کرتی چیٹے ہونٹوں پر آ بکھری تھی۔

❀......♥......❀

جب سے ساجد نے رابعہ کو گاڑی میں کسی کے ساتھ بیٹھ کر خوش گپیاں کرتے اور پھر ایک بلڈنگ کے اندر جاتا دیکھا تھا تب سے اسے ایک پل بھی چین نہیں آ رہا تھا۔ جلے پاؤں کی بلی کی طرح کبھی کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کا فاصلہ ناپتا تو کبھی میز پر کہنیاں ٹکائے بالوں میں انگلیاں پھنسا لیتا۔ وہ رابعہ کو ساری دنیا سے چھپا کر کہیں دور لے جانا چاہتا تھا۔ یک طرفہ محبت کا عذاب سہتے سہتے اب وہ تھکنے لگا تھا پھر ماں کا آئے روز شادی کے لیے اصرار...... وہ صرف ماں کی فرماں برداری میں کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ اس طرح وہ نہ تو اس آنے والی لڑکی کے ساتھ انصاف کر پائے گا اور نہ خود اپنے ساتھ...... رات دن' سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے اپنے ساتھ رہنے والے رابعہ کے تصور کو وہ اب بھی محسوس کرنا چاہتا تھا مگر آج ایک بار پھر اسے اپنی امیدوں کے محل مسمار ہوتے اس وقت نظر آئے تھے جب اس نے رابعہ اور عمیر کو ایک ساتھ دیکھا اور اس وقت سے ساجد کا ذہن سوچ کے مختلف زاویوں پر گھوم رہا تھا۔

❀......♥......❀

"رابعہ! او رابعہ! جلدی سے کپڑے بدل کر آ جا' دیکھ تو کرینہ کپور کیا آفت ڈانس کر رہی ہے۔" گھر میں

داخل ہوتے ہی ثریا کی پرجوش آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''اچھا ابھی آتی ہوں۔'' اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ڈانس اس کا پہلا عشق تھا لیکن آج کیونکہ ایک خاص دن تھا اور وہ عمیر سے مل کر آئی تھی سو وہ دیر تک عمیر کی باتوں اور اس کی قربت کے سحر میں گرفتار رہنا چاہتی تھی۔ جبھی اوپر چلی آئی۔ ابھی پنکھا چلا کر بیٹھی ہی تھی کہ فون کی بیل نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ ''ہیلو'' مسکراتے لبوں سے وہ بولی تو ذہن میں بھرپور مردانہ وجاہت لیے عمیر ہی کی شخصیت تھی۔

''رابعہ یار! تم ٹھیک تو ہونا؟'' اس کی امید کے برعکس دوسری طرف روحی تھی۔

''ہاں سو فیصد' لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' روحی کے اس طرح خصوصاً طبیعت پوچھنے پر وہ بے حد حیران ہوئی تھی۔

''ارے واہ! ٹھیک تھیں تو پھر بغیر بتائے چھٹی کیوں کرلی..... گھر میں تو سب ٹھیک ہیں نا؟''

''ہاں یار! سب ٹھیک ہیں اور دیکھو گھر میں کسی کو معلوم نہیں ہے کہ میں کالج نہیں گئی تھی۔'' روحی کے کہنے پر اسے یاد آیا کہ وہ آج کالج نہیں گئی ورنہ تو وہ آج اپنا آپ بھی بھولی ہوئی تھی۔ اسی لیے روحی کو آہستگی سے صورت حال سے جزوی طور پر آگاہ کیا۔

''لیکن کیوں رابعہ!'' وہ جتنی مدھم آواز میں بولی تھی' روحی نے اتنا ہی چیختے ہوئے کہا تو رابعہ نے ہولڈ کروا کر دروازے سے باہر جھانکا اور اس کی توقع کے عین مطابق سیڑھیوں سے لے کر نیچے بنے دونوں کمروں تک راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ سو اس نے دروازہ بند کیا اور نسبتاً دھیمی آواز میں اپنی اور عمیر کی ملاقات کا سب احوال کہہ سنایا۔

''رابعہ! تم نے اتنا بڑا قدم اٹھالیا.....؟ اور اگر کچھ غلط ہوجاتا تو..... تو کیا کرتیں تم؟'' اسے رابعہ سے اس قدر بہادری کی توقع کبھی بھی نہیں رہی تھی جبھی اس کا حیران ہونا لازمی اور فطری تھا۔

''نہیں روحی! عمیر عام لڑکوں جیسا نہیں ہے۔ ہم پانچ گھنٹے ساتھ رہے۔ بالکل اکیلے..... وہ کرنے کو تو کچھ بھی کرسکتا تھا نا لیکن اس نے میرا اعتماد نہیں توڑا۔''

''اگر وہ واقعی تم سے اتنا پیار کرتا ہے تو سیدھے طریقے سے اپنے والدین کو بھیجے' ذرا سوچو اگر آج تمہیں کوئی دیکھ لیتا تو کیا عزت رہ جاتی تمہاری؟'' روحی نے ایک اور پہلو اس کے سامنے رکھا جسے رابعہ نے سن کر بھی نظر انداز کردیا۔

''ہاں! وہ بہت جلد اپنے امی ابو کو بھجوانے والا ہے۔ بس تم دعا کرنا۔''

''اللہ کرے کہ ایسا ہو' اچھا کل تو آرہی ہونا کالج؟''

''ہاں ہاں بالکل آؤں گی اور پھر ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔'' رابعہ نے کہا اور پھر اللہ حافظ کہنے کے بعد دونوں طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔

❋......♥......❋

آج رابعہ کو کالج آنے میں کچھ دیر ہوگئی تھی۔ کلاس میں پہنچنے تک معاشیات کا پیریڈ آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا جبھی وہ پچھلے دروازے سے دبے پاؤں عقبی نشست پر بیٹھ گئی۔ روحی کو چونکہ اس کی آمد کا پتا نہیں چل سکا تھا اس لیے اس کی بے چینی قابل دید تھی۔ کبھی گھڑی دیکھتی تو کبھی اپنی سیٹ سے بالکل سامنے نظر آنے والے کلاس کے دروازے اور راہداری کو..... جیسے تیسے پیریڈ ختم ہوا تو رابعہ لپک کر اس کے پاس آپہنچی۔

''تم..... کس وقت آئیں؟'' اس کی سیٹ ریزرو رکھنے کے لیے خالی کرسیوں پر رکھا بیگ اٹھاتے ہوئے روحی نے بے تابی سے پوچھا۔

''بس ابھی پندرہ منٹ پہلے۔''

''جانتی ہو میں کتنی پریشان ہورہی تھی تمہارے لیے؟ اگر دیر سے آنا ہوتا ہے تو کم از کم مجھے بتا تو دیا کرو۔''

''چلو یار معاف کردو نا اب' آئندہ اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں فون کردوں گی لیکن تم اتنی پریشان کیوں ہورہی

ہو؟ دیر سویر تو کبھی کبھار ہو ہی جاتی ہے نا۔" روحی کے چہرے پر اڑتی ہوائیوں نے رابعہ کو کانوں کو ہاتھ لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"سچ بتاؤں......" کلاس میں موجود تمام لڑکیاں اگلی ٹیچر کے آنے تک آپس میں باتوں میں مصروف تھیں۔ روحی نے ایک نظر ان لڑکیوں کو دیکھ کر کسی کے بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہونے کی یقین دہانی کی اور پھر سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"مائنڈ نہ کرنا لیکن مجھے پتا نہیں کیوں عمیر سے ڈر لگتا ہے اور آج جب تم نہیں آئیں تو میں نے سوچا کہ شاید آج بھی تم اس سے ملنے گئی ہوگی۔ بس یہی سب سوچ کر میں خوف زدہ بھی اور پریشان تھی۔" روحی نے اپنے محسوسات بڑی سچائی سے اس کے سامنے رکھے تو رابعہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اپنی پیاری اور سچی دوست کی طرف بڑی محبت سے دیکھا۔

"یہ بات ٹھیک ہے کہ تم ایک اچھی دوست ہونے کی وجہ سے یقیناً میرے لیے فکرمند رہتی ہو لیکن یقین کرو اس تمام عرصے میں میں عمیر کو بھی بہت اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ برا وہ بھی نہیں ہے اور آج دیر بھی اسی لیے ہوئی ہے کہ......" بات ادھوری چھوڑ کر وہ مسکرانے لگی۔

"کہ......؟" روحی نے بڑی بے چینی سے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"کہ ہم رات بھر فون پر باتیں کرتے رہے تھے۔ صبح فجر کے بعد ہی تو ہم نے فون بند کیا تھا۔ بس اسی وجہ سے دیر بھی ہوئی۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔" اس دفعہ روحی بھی ہنسی تھی۔

"لیکن یار! کیا آنٹی وغیرہ کو پتا نہیں چلتا تمہارے رات رات بھر فون پر باتیں کرنے کا؟"

"ارے یار! انہیں تو تب پتا چلے گا نا جب انہیں ڈرامے، فلمیں اور گانے ہم پر توجہ دینے دیں۔ وہ تینوں بیٹھ کر ٹی وی پر یہ سب کچھ دیکھتے رہتے ہیں اور مجھے چونکہ رات کو پڑھنا ہوتا ہے سو میں اوپر والے کمرے میں بیٹھی ساری ساری رات "پڑھتی" ہی رہتی ہوں۔" رابعہ نے مسکراتے ہوئے احوال بتایا۔ "اور ویسے بھی میرے اور عمیر کے کمرے کے درمیان ایک تنگ سی گلی ہی تو ہے اور تمہیں تو پتا ہے گرمی کی وجہ سے رات کو کھڑکیاں بھی کھلی رکھی جاتی ہیں بس ہم کھلی کھڑکی سے ایک دوسرے کو دیکھتے بھی رہتے ہیں اور باتیں بھی کرتے ہیں۔"

"بڑے تیز ہو تم دونوں قسم سے۔" روحی اس کی باتوں پر حیران ہو رہی تھی کہ کہاں تو اسے اپنے منگیتر سے بیس منٹ بات کرنے کے لیے اتنی مشکل ہوتی اور رابعہ ساری ساری رات......

یہ اسلامی تعلیمات کا پیریڈ تھا جس کی ٹیچر ہمیشہ آدھا پیریڈ گزرنے کے بعد ٹہلتی ہوئی کلاس میں داخل ہوتیں اور پیریڈ ختم ہونے سے دس منٹ پہلے پرس اٹھا کر چل دیتیں۔ جبھی تمام لڑکیاں بڑے مزے سے گپیں ہانکنے میں مصروف تھیں۔

"ویسے آج تو ہم دونوں آئندہ زندگی کی نہیں، آنے والے کل کی باتیں کرتے رہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کل ہم دونوں پھر مل رہے ہیں اسی فلیٹ میں۔" رابعہ کے چہرے پر اترتی دھنک نے پل بھر میں اسے کلاس کی تمام لڑکیوں سے منفرد کر دیا تھا۔

"رابی......!" روحی ایک دفعہ پھر پریشان ہوئی۔

"ارے میری سوئیٹ روحی! تم بالکل پریشان نہ ہو۔ مجھے عمیر پر خود اپنی ذات سے زیادہ بھروسا ہے اور پھر یہ سب ایک دو دن کی تو بات نہیں ہے، ہم دونوں تو ساری زندگی ایک ساتھ گزارنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" روحی مزید کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ بات شروع کرتی میڈم اقراء کلاس میں داخل ہوتی دکھائی دیں تو تمام لڑکیاں اپنی باتیں ادھوری رہ جانے پر بدمزہ سی ہو کر چار و ناچار ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

❁......♥......❁

دوسرے دن وعدے کے عین مطابق رابعہ طے شدہ

جگہ پر پہنچی تو عمیر نے اس پر نظر پڑتے ہی دائیں بائیں نظر دوڑا کر پہلے تو کسی کے بھی موجود نہ ہونے کی تسلی کی اور ذرا سا جھک کر حسب سابق دوسری طرف جا کر اگلا دروازہ کھولا تو رابعہ اتنی محبت پر نازاں ہوتی بڑے استحقاق سے بیٹھ گئی۔

"واہ بھئی! آج تو بڑی خوب صورت لگ رہی ہو۔" گہری نظروں سے رابعہ کا جائزہ لیتے ہوئے عمیر نے کہا تو اس کے دیکھنے کے انداز سے وہ لجا سی گئی۔ یوں بھی آج وہ عمیر ہی کے کہنے پر کالج یونیفارم کے بجائے عام ڈریس میں آئی تھی۔

"سچ کہہ رہا ہوں رابو! آج تو تم اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ مجھ سے شاید ڈرائیونگ بھی نہ ہو پائے' دل چاہ رہا ہے بس تمہیں دیکھتا جاؤں۔" گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد گیئر پر ہاتھ رکھنے کے بجائے عمیر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو رابعہ کو یوں لگا جیسے اس کے دل کی دھڑکن یقیناً عمیر کے کانوں تک بھی پہنچی ہوگی۔ "ارے تم اتنا کانپ کیوں رہی ہو' ڈر لگ رہا ہے کیا مجھ سے؟" عمیر نے اس کے کانپتے ہوئے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں تو..... تم سے ڈر لگتا تو بھلا تمہارے ساتھ یہاں تک کیوں آتی؟" اپنے حواسوں کو مجتمع کرتے ہوئے وہ بولی اور خود کو پراعتماد ظاہر کرنے کے لیے دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"یاہو.....! یہ ہوئی نا بات!" عمیر نے خوشی سے نعرہ لگایا اور سامنے سے آتے چوڑی والے کو دیکھ کر گاڑی آگے بڑھانا ہی مناسب سمجھا۔

❀......♥......❀

عمیر کے ساتھ فلیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی اسے کسی تبدیلی کا احساس ہوا تھا۔ چاروں طرف نظریں دوڑانے اور غور کرنے کے باوجود اسے کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوئی لیکن پھر بھی عمیر سے پوچھ ہی بیٹھی۔

"عمیر! کیا یہاں ہمارے علاوہ بھی کوئی ہے؟"

"ہمارے علاوہ؟" عمیر اس کی بات پر ہنسنے لگا۔

"ہاں! اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" رابعہ کو اس کا یوں ہنسنا بالکل اچھا نہیں لگا۔

"ہنسنے کی تو بات یہ ہے کہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی اور کی بھی ضرورت ہے کیا؟"

"میرا مطلب ہے آصف کہاں ہے آج کل؟"

رابعہ نے اس کے دوست کا نام لیا تھا جو بقول اس کے اس فلیٹ کا مالک تھا۔

"امیر ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے' آج کل گرمیوں کی وجہ سے سوئٹزر لینڈ گیا ہوا ہے اور چابی میرے پاس تھی تو میں نے سوچا کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے۔" بات کرنے کے دوران ہی وہ فریج سے کولڈ ڈرنک لا کر سرو کرنے لگا۔

"رابعہ! ایک بات کہوں؟" اپنا گلاس ہاتھ میں لیے وہ اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہاں..... ہاں بولو نا تمہیں بھلا کچھ بھی کہنے کے لیے اجازت کی کیا ضرورت؟"

"تم بہت معصوم ہو اور تم جیسی سادہ لوح لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔"

"کیا مطلب! تم آج تک کتنی لڑکیوں سے تعلق رکھ چکے ہو؟" رابعہ نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"بہت سی..... اتنی کہ اب تو تعداد بھی یاد نہیں رہی مجھے۔" اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا جو رابعہ کو چونکنے پر مجبور کر گیا۔ "اور سب کی سب میری شکل وصورت پر ہی مرمٹیں' سب ہی یہ سمجھ بیٹھیں کہ میں ان پر دل وجان سے فدا ہو چکا ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا' یہ محبت وحبت کچھ نہیں ہوتی' کچھ بھی نہیں۔" رابعہ کا جسم اس کے ہاتھ میں پکڑی کولڈ ڈرنک سے کہیں بڑھ کر ٹھنڈا ہو رہا تھا کچھ ہونے کا خدشہ' اعتبار ٹوٹنے کا دکھ اور محبت کی تذلیل سب گڈمڈ ہوتے جا رہے تھے۔

"لیکن میرے معاملے میں تو..... ایسا نہیں ہے نا..... مجھ سے تو تم..... محبت....." اٹکتے اٹکتے اس نے اپنا جملہ مکمل تو کرنا چاہا لیکن محبت پر آ کے جیسے سارے الفاظ کہیں چھپ سے گئے تھے۔

"محبت......! اور تم سے......؟" تضحیک آمیز لہجے کے ساتھ ہی اس نے بڑا زوردار قہقہہ لگایا مکروہ سا قہقہہ......

"ارے میری جان! کون الو تم سے محبت کرتا ہے میں تو بس دوسروں کی پیاس بجھانے کے لیے مشکیزے بھر بھر کرلاتا ہوں اور اپنے دام کھرے کر کے کسی دوسرے کالج کے گیٹ پر جا کھڑا ہوتا ہوں اور بس......!" عمیر نے ابرو چڑھا کر شانے اچکاتے ہوئے بات مکمل کی تو رابعہ کو اس کے چہرے کے خوب صورت نقوش جیسے پگھلتے محسوس ہوئے......وہ چہرہ جو اپنی خوب صورتی کی وجہ سے اسے پہلی نظر میں ہی بھا گیا تھا' آج دنیا جہان کی تمام خباثتیں سمیٹے انتہائی کریہہ محسوس ہورہا تھا۔

"نہیں عمیر تم...... تم میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں کرسکتے' مجھے گھر چھوڑ آؤ' اماں ابا سب پریشان ہوں گے۔"

"پریشان اور تمہارے اماں ابا......؟ ہونہہ! انہیں تو میں روز کی تین فلمیں لادیا کروں تو تمہارا نام بھی نہیں لیں گے کبھی......ان کے نزدیک تو بس کیبل کی تار ہی سب کچھ ہے' بے فکر رہو۔" عمیر نے موبائل پر کال ریسیو کرنے پر دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا تو وہ بھی اس کے پیچھے بھاگی اور ہذیانی کیفیت میں چلانے لگی۔

"اگر اب منہ سے ایک لفظ بھی نکالا تو تمہارا وہ حشر کروں گا کہ دیکھنے والے بھی کانپ اٹھیں گے۔ سمجھیں!" دروازے کی طرف جاتے جاتے اس نے مڑ کر رابعہ کو بالوں سے پکڑ کر پیچھے کی طرف دھکا دیتے ہوئے کہا اور جا کر دروازہ کھولنے کے بعد اندر آنے والے پانچوں اشخاص کو ویلکم کرنے لگا۔

"واہ بھئی! اس دفعہ تو لگتا ہے بنگال کا جادو چلایا ہے تو......" آنے والے ایک آدمی نے نظروں ہی نظروں میں رابعہ کا بھرپور اور تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے عمیر کو نوید کے نام سے پکارا اور باقی چاروں کے ہمراہ صوفے پر براجمان ہوگیا۔

"پسند کرنے کا شکریہ۔ بولی شروع کریں جی آپ لوگ۔" صوفے کے پیچھے چھپی رابعہ کو گھسیٹ کر سامنے لاتے ہوئے عمیر نے خوشامدی لہجہ اپنایا تھا لیکن اس سے پہلے کہ بولی شروع کی جاتی باہر کا دروازہ کھلا اور پولیس کے جوان یکے بعد دیگرے اندر داخل ہونے لگے۔

"ہینڈز اپ!" کمرے سے ملحقہ باتھ روم سے ساجد آصف کو لیے باہر نکلا تو سب دنگ رہ گئے۔

"آصف تم......؟" عمیر نے ہاتھ اوپر کر کے حیرانی سے ہتھکڑی پہنے آصف کو دیکھا تھا۔ پولیس کے جوانوں نے لمحہ بھر میں سب پر بندوقیں تان لی تھیں۔ رابعہ کے لیے یہ سب انتہائی حیران کن اور کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ اس نے ایک نظر عمیر پر ڈالی اور دوسری ساجد پر۔ "حُسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔" اس جملے کے مفہوم سے وہ آج ہی آشنا ہوئی تھی جب ایک نظر اس نے اپنے آئیڈیل اور خوب صورت چہرے والے عمیر پر ڈالی تو اسے آج وہاں صرف خباثت ہی نظر آئی جبکہ عام سے نقوش اور گہرے سانولے رنگ والا ساجد آج اسے دنیا بھر میں سب سے ممتاز، منفرد اور وجیہہ معلوم ہو رہا تھا۔ کیونکہ سوچ کا زاویہ بدل چکا تھا اور محبت کا صحیح مفہوم پوری معنویت سے اس پر آج ہی آشکار ہوا تھا۔

❀......♥......❀
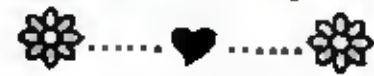
"آؤ......آؤ بیٹا! اندر آؤ!" ثریا نے دروازہ کھولا تو رابعہ کو روحی کے ساتھ دیکھ کر خوش دلی سے اندر آنے کی دعوت دی۔

"السلام علیکم آنٹی!"

"وعلیکم السلام! آ جاؤ ٹی وی والے کمرے میں بیٹھتے ہیں۔ بس آدھے گھنٹے کی ہی رہ گئی ہے فلم!" روحی کے سلام کا جواب دیتے ہوئے ثریا اپنی ہی رو میں بات کرتے کمرے کی طرف مڑی تو رابعہ نے تاسف سے روحی کی طرف دیکھا۔

"آنٹی! رابعہ کی طبیعت آج بہت خراب ہو گئی تھی۔" ثریا نے پلٹ کر رابعہ کو دیکھا اور اس کے چہرے کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"ہائیں! آج تو پارٹی تھی نا کالج میں...... مگر اسے کیا ہوا؟" ثریا نے کمرے میں داخل ہو کر رابعہ کو پلنگ پر بٹھایا تو روحی نے آگے بڑھ کر ٹی وی بند کر دیا اور ثریا کے دوبارہ استفسار پر ساری کہانی ان کے گوش گزار کر دی، لیکن روحی نے عمیر کی محبت کو یک طرفہ قرار دیتے ہوئے ثریا کے سامنے اس واقعے کو اغوا قرار دیا تھا تاکہ رابعہ پر کوئی حرف نہ آئے۔

"اور اگر ساجد اس آصف کو قابو کر کے فالتو چابیاں بنوا کر پولیس فورس کو نہ دیتا اور خود وہاں موجود نہ ہوتا تو وہ ذلیل اور گھٹیا انسان آج میری پھول جیسی بچی کو اغوا کرنے کے بعد بیچ بھی چکا ہوتا اور مجھ کرم جلی کو خبر تک نہ ہوتی۔" ثریا اور رابعہ اب ایک دوسری سے لپٹ کر رو رہی تھیں کہ اچانک ثریا نے رابعہ کو خود سے الگ کیا اٹھ کر سلائی مشین کے ڈبے سے قینچی نکالی اور کیبل کی تار ہی کاٹ دیے۔ ماں کے کہے ہوئے الفاظ ایک ایک کر کے اسے یاد آ رہے تھے۔

"مجھے معاف کر دے میری بچی! یہ سب میری غلطی ہے...... سب ہی میری غلطی ہے۔" وہیں پر سر پکڑ کر بیٹھی وہ ایک بار پھر رونے لگی تھیں۔ جبھی روحی نے پہلے اٹھ کر انہیں اور پھر رابعہ کو چپ کرایا۔

"آنٹی! اللہ نے اتنی بڑی آفت ٹالی ہے، کوئی چائے وائے تو پلائیں اس خوشی میں۔" روحی نے محض ان کی توجہ بٹانے کے لیے کہا تو ثریا خدا کا شکر ادا کرتی چائے بنانے چل دیں۔ "بس بی بنو! اب کچھ آنسو اپنی رخصتی کے لیے بھی بچا لو۔" رابعہ نے اس کی بات پر نا سمجھی سے دیکھا۔ "ہاں بھئی ہم کل پھر تمہارا رشتہ لے کر آئیں گے۔ خدارا! اب انکار نہ کر دینا۔" روحی نے شرارت سے کہا۔

"کیا اب بھی؟" رابعہ کے لہجے میں الفاظ سے زیادہ حیرت نمایاں تھی۔

"جی ہاں اب بھی ساجد بھائی تمہیں اتنا ہی چاہتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے تمہیں چوڑیاں پہنانے کی اب

بھی انہیں اتنی ہی خواہش ہے جتنی چوڑیاں بیچتے ہوئے تمہاری چوکھٹ پر بیٹھے ہوئے تھی۔‘‘

’’کیا......!وہ......؟‘‘

’’جی جناب! وہ ساجد بھائی ہی تھے جو کم سن بچوں کو غلط مقاصد کے لیے استعمال کرنے والے گروہ کی معلومات لینے کے لیے چوڑی والے کا بھیس بدلے ہوئے تھے اور یہیں پر انہوں نے تمہیں دیکھا......اور یہ تو انہیں تمہارے انکار کے بعد پتا چلا کہ تم میری دوست ہو‘ پھر میں نے ہی انہیں بتایا تھا کہ تم آج دوبارہ اس فلیٹ پر جاؤ گی‘ جس پر انہوں نے عمیر کے ساتھی کو قابو میں لینے کے بعد یہ ساری قانونی کارروائی کی۔‘‘

’’ساجد...... چوڑی والا۔‘‘ رابعہ اپنے ذہن میں دونوں کو سوچ کر بالآخر اس نتیجے پر پہنچی کہ واقعی روحی ٹھیک کہہ رہی ہے وہ چوڑی والا ساجد ہی تھا۔

’’اور اب ایک تو یہ لڑکیوں کی خرید وفروخت کرنے والے گروہ کی گرفتاری اور دوسرا بچوں کو منشیات بیچنے اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال کرنے والے گروہ کی گرفتاری پر تم دیکھنا بھائی کی ترقی بھی پکی ہے۔‘‘

’’تم لوگ واقعی میرے لیے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئے ہو روحی! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔‘‘

’’کبھی کیا......! یہ احسان تم اسی دن بھول جاؤ گی جب میں تمہاری نند بن کر تمہارے سامنے آؤں گی۔‘‘ روحی نے ازراہ مذاق کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے مسکرادی۔

’’میں شرمندہ ہوں روحی کہ میں کھرے اور کھوٹے میں پہچان نہیں کر پائی‘ لیکن......‘‘

’’نہیں رابعہ! شرمندہ تو میں ہوں جو ٹی وی کے خوش نما دکھائی دینے والے جال میں یوں پھنسی کہ پھر مجھے نہ تمہارا ہوش رہا نہ طاہر کا۔ جتنا وقت میں نے ٹی وی کو دیا اتنا اگر تم دونوں کو دیا ہوتا تو آج یہ سب دیکھنے کو نہ ملتا لیکن پھر بھی اللہ کا شکر ہے کہ ہم کسی بھی قسم کا نقصان اٹھانے سے پہلے سنبھل گئے۔‘‘ چائے کی ٹرے میز پر لا کر رکھتے ہوئے ثریا نے اپنی غلطی کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا۔

’’اللہ بخشے میری ماں کہا کرتی تھی بیج بونا آسان مگر فصل کاٹنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ تو شکر ہے میری بچی نیک تھی اگر یہ بھی اس کے ساتھ مل جاتی تو میں تو کہیں کی نہیں رہتی مگر یا اللہ تیرا شکر ہے جو تُو نے لاج رکھ لی۔‘‘ رابعہ اور روحی نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر نظریں ملنے پر رابعہ نے نظریں چرالیں۔

’’ایسا بھی نہیں ہونا تھا آنٹی! کیونکہ رابعہ جانتی ہے کہ جس طرح ٹی وی پر نظر آنے والی تمام چمکتی چیزیں سونا نہیں ہوتیں اسی طرح ہر خوب صورت نظر آنے والے چہرے کا دل خوب صورت نہیں ہوتا۔‘‘ رابعہ نے اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ ’’اور ہاں‘ اپنی شادی میں بھی خود ہی ڈانس کرنے نہ کھڑی ہو جانا‘ کچھ موقع ہمیں بھی تو ملے۔‘‘ روحی نے جان بوجھ کر موضوع بدلا تو جہاں ثریا نے اللہ کا ایک دفعہ پھر شکر ادا کیا وہیں رابعہ کی مسکراہٹ گہری ترین ہوتی گئی۔ ساجد کے حوالے سے نئی زندگی کے خواب اسے سب کچھ بھلائے دے رہے تھے۔ وہ خوش بھی تھی اور مطمئن بھی کہ ساجد کی وجہ سے وہ ایک گہری کھائی میں گرنے سے بچ گئی تھی۔

’’ان شاء اللہ میں اپنے بچوں کو کبھی توجہ اور پیار سے محروم نہیں کروں گی تاکہ کل کو کوئی اور رابعہ اور طاہر وجود میں نہ آسکیں۔‘‘ خیالوں میں ہی سوچتے ہوئے وہ اچانک غیر ارادی طور پر زیر لب بولی تھی۔

’’اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔‘‘ روحی نے بات سمجھ کر اسے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا تو رابعہ کی مسکراہٹ لمحہ بھر میں ختم ہوئی مگر پھر خجل ہو کر قہقہہ میں بدل گئی۔ موسم پر چھایا حبس لمحہ بھر میں ہی ختم ہو کر فضا کو خوش گوار بنانے لگا تھا۔

قسط نمبر 1

دل کے دریچے میں

صدف آصف

سفینہ نے جیسے ہی دبیز پردے سمیٹ کر ایک طرف کیے، سورج کی کرنوں نے شفاف گلاس وال سے منعکس ہوکر ڈائننگ ہال کو جگمگا دیا۔ اس نے شیشم کی لکڑی سے بنی ہوئی خاندانی ڈائننگ ٹیبل پر ڈسٹر پھیرا' کرسیاں طریقے سے سیٹ کیں اور پورے ہال پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر مسکرادی۔ سب لوگ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والے تھے تاکہ مل جل کر ناشتہ کیا جاسکے۔ آج چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے اس ڈائننگ ہال کی قسمت جاگی تھی' ورنہ باقی دنوں میں تو یہاں صرف یاد ماضی گردش کرتی۔

گھڑی نے نو بجائے، سفینہ نے منتظر نگاہوں سے داخلی دروازے کی جانب دیکھا، لمحہ بھی نہ گزرا کہ ابرار خان سفید کرتا پائجامے میں قیمتی چھڑی تھامے اپنے دونوں بیٹوں جلال خان اور بہزاد خان کی معیت میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

''السلام علیکم دادا جان! آپ یہاں بیٹھیں۔'' سفینہ نے مشترکہ سلام کیا اور مسکرا کر ابرار خان کو کرسی پیش کی، گھر کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ ان کے لیے درمیان میں رکھی سب سے اونچی اور آرام دہ کرسی مختص کی گئی تھی۔

''بیٹی! جلدی سے اپنے ہاتھوں کا مزیدار ناشتہ کرادو ورنہ تمہاری تائی تو پورے ہفتے پراٹھے نہیں پاپڑ کھلاتی ہیں' قسم سے کھاتے ہوئے دانت ہل جاتے ہیں۔'' جلال خان نے حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے دروازے کی جانب دیکھا، پھر بھتیجی کے کان میں شرارتی انداز میں سرگوشی کی۔ وہ ٹیبل پر ناشتے کے لوازمات سجاتے ہوئے کھلکھلائی۔

''اوہ! تو آج محترمہ جیت گئیں۔'' سفینہ کی ہنسی کی کھنک پر اندر داخل ہوتے، فائز کے دل میں گدگدی سی ہوئی، وہ زیرلب بڑبڑایا اور ماں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر بے قراری سے اندر جھانکا، صبح کی تازہ فضا میں اس کا حسن پھوٹا پڑ رہا تھا۔

''تایا جان! آج تو میں نے آپ کی پسند کے خاص آلو میتھی کے پراٹھے بنائے ہیں۔'' سفینہ نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ اس میں عام لڑکیوں جیسی کوئی چالاکی نہیں تھی، وہ مزاجاً ایک سیدھی سادی محبت کرنے والی لڑکی تھی۔

''ریحانہ کہاں رہ گئی' جلدی آجاؤ۔'' بہزاد خان نے باپ کو دوسری بار گھڑی کی جانب دیکھتا پایا تو تیزی سے اٹھے اور ہال کی دیوار پر لگے انٹرکام سے بیوی کو ہدایت دی جو اوپر والے فلور پر موجود تھیں۔ ریحانہ نے ناشتے کا باقی سامان ٹرے میں رکھا اور بیزاریت سے سیڑھیوں کی جانب بڑھیں۔ انہیں چھٹی والے دن کی یہ بھاگ دوڑ ذرا نہیں بھاتی، مگر اس معاملے میں بیٹی اور شوہر نے ایسا ایکا کیا کہ وہ اکیلی پڑ گئیں سو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

''دوسفی بھی نا...... یہ نہیں کہ نگاہ اٹھا کر ادھر بھی دیکھ لے مگر اسے تو بڑوں کے سامنے نمبر بنانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔'' فائز نے اسے دل لگا کر دیکھتے ہوئے پیار سے سوچا۔

سبز اور سفید سوٹ میں ملبوس، لمبے گھنے سیاہ رنگ کے بال کیچر میں قید ہونے کے باوجود لٹوں کی صورت میں شہابی چہرے کے گرد گھیرا ڈالے اٹھکیلیاں کررہے تھے، درمیانہ قد نازک سراپا، سنہری جھیل سی گہری آنکھیں، وہ ہجوم میں بھی یکتا دکھائی دیتی، فائز خان کا دل ایسے ہی اپنی کزن پر نہیں جا اٹکا تھا۔

''یہاں کھڑے کیا کررہے ہو۔ چلو جاکر کچن سے آلو کی بھجیا کی ڈش اٹھا کر لاؤ۔'' سائرہ جلال اپنے بھاری بھرکم وجود کو گھسیٹتی بمشکل ہال کی طرف بڑھیں تو بیٹے کی مدہوشی پر ایک دم جل گئیں، چیخ کر ہدایت دی تو وہ گھبرا کر اندر کی جانب بھاگا۔

''اس مصیبت سے جانے کب جان چھوٹے گی۔'' سائرہ نے دانت کچکچا کر سفینہ کو گھورا جو بہت تروتازہ دکھائی دے رہی تھی۔

''سائرہ! بھئی جلدی کرو۔'' جلال خان نے بیوی کو اندر آتے دیکھا تو بولے، سفینہ نے تائی کے ہاتھ سے ٹرے تھامی۔

''لو مجھے کیوں سنا رہے ہیں، میں تو آ گئی' کچھ اوپر والوں کو بھی یاددہانی کروادیا کریں۔'' سائرہ نے شوہر کو خشمگین نگاہوں سے گھورا تو انہوں نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔ سفینہ ہنس دی گویا سائرہ کے غصے کو سوا نیزے تک پہنچادیا۔

''تم کھڑی کیا ہی کررہی ہو۔ جاؤ جاکر ماں کا ہاتھ بٹاؤ۔ نو بجنے والے ہیں۔ ابا جان کو بھوک لگ رہی ہوگی۔'' سائرہ نے سسر کا بہانہ بنا کر اسے جھاڑا تو اس کا چہرہ اتر گیا۔

سفینہ کے لیے سائرہ کا ایسا رویہ نہ صرف بہزاد، ریحانہ بلکہ فائز اور جلال کو بھی بہت ناگوار گزرتا مگر گھر کا ماحول ٹھیک رکھنے کے لیے اکثر نظر انداز کردیا جاتا۔

سب سے محبت کرنے والے، جمال خان کے دل میں اپنی، بھتیجی کے لیے بہت گنجائش تھی، کبھی کبھی تو وہ اپنے اکلوتے بیٹے پر بھی سفینہ کو فوقیت دے جاتے، بس یہ ہی بات سائرہ اور ان کی ماں دلشاد کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

✿......✿......✿

''اماں! آپ کی بہو نجانے کن چکروں میں ہے' چپکے چپکے فون پر لگی رہتی ہے۔'' رانی نے پونچھا مارتے ہوئے رازداری سے کہا اور دلشاد بیگم کے دل میں وسوسے جگائے۔

''اچھا' ایسی کون سی بات ہے؟ تم پتا کرو نا۔'' دلشاد کے پیٹ میں مروڑ اٹھا۔

''میرے کو کیا پتا' بہو رانی ویسے بھی انگلس (انگلش) میں جنے کیا گٹ پٹ کرتی ہے، میری مت ہی ماری جاتی ہے۔ ویسے بھی مجھے دیکھ کر ایک دم خاموش ہوجاتی ہے۔'' رانی نے دانتوں کی نمائش کی اور پوچھے کی بالٹی اٹھا کر چل دی۔ اس کا کام پورا ہوچکا تھا۔

''نرما اب کون سے چاند چڑھائے گی۔'' دلشاد بانو سر پر ہاتھ رکھے نئی سوچ میں مبتلا ہوگئیں۔

سائرہ کی ماں دلشاد بیگم کے گھر میں کام کرنے والی ماسی رانی بہت منہ چڑھی تھی۔ جس دن سے شکیل اوپر شفٹ ہوا تھا۔ رانی کو نرما کی جاسوسی پر معمور کردیا گیا، دلشاد خود تو جوڑوں کے درد کی دائمی مریضہ تھیں۔ اسی وجہ سے بار بار، بہو پر نگاہ رکھنے کے لیے اوپر جانا محال ہوجاتا۔

کچھ سوچ کر انہوں نے رانی کی مٹھی گرم کی اور وہ بڑی بی کو پل پل کی خبریں، پہنچانے لگی، آج بہو رانی کتنے بجے سو کر اٹھیں، وہ دن میں کتنی بار میکے فون کرتی ہیں، شاپنگ پر گئی بھی تو کتنے پیسے خرچ کرکے آئیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ان کے بیٹے شکیل کو کیسے دبا کر رکھتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب سن کر دلشاد کلستی رہتیں۔

''آج کل کی لڑکیاں تو ہواؤں سے باتیں کرتی ہیں۔ سسرال والوں کو تو کچھ سمجھتی ہی نہیں پتا نہیں نرما نے کون سا نیا چکر چلایا ہوا ہے' میرا تو دل ہول رہا ہے۔'' دلشاد بیگم نے فوراً ہی بیٹی کے گھر فون گھما کر نئی خبر فراہم کی۔

''افوہ...... اماں کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی اور یہ رانی چمار، آپ سے پیسے اینٹھنے کے چکر

میں بلاوجہ باتوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتی ہے۔" سائرہ نے چڑ کر ماں کو جواب دیا، ادھر ناشتے کی ٹیبل پر سب چائے کا انتظار کررہے تھے، اس پر دلشاد نے صبح صبح بیٹی کو فون کھڑکھڑا دیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ بھی ماں کے ساتھ مل کر بھابی کے بخیے ادھیڑتی، مگر ابھی ذہن اندر اٹکا ہوا تھا۔

"بیٹا! شکیل تیری بات بہت سنتا ہے، تو اسے کریدے گی تو شاید بتادے، مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی بات تو ہے۔ بہو بھی روز بن ٹھن کر نکل جاتی ہے، خوب شاپنگ ہورہی ہے۔" دلشاد نے لجاحت سے کہا تو سائرہ کو ماں پر ترس آ گیا۔

"اچھا اماں...... آپ فکر نہ کریں۔ شکیل سے ایک دو دن میں بات کرتی ہوں۔ اب فون رکھیں، وہاں ناشتے کی ٹیبل پر ہلا مچ گیا ہوگا۔" سائرہ نے ٹی پاٹ میں چائے دم کرتے ہوئے جلدی سے ماں سے اجازت طلب کی اور دل ہی دل میں رانی کو کوسنے لگی۔

رانی موقع پرست عورت تھی، اس نے شروع میں ہی پرکھ لیا تھا کہ اس گھر کی ساس بہو میں بالکل نہیں بنتی اپنی، غلط سلط رپورٹنگ سے دونوں کے دلوں میں موجود کینہ کو بڑھا دیتی۔ ان سے پیسے بٹورتی، دونوں کو جلتا بھنتا چھوڑ کر خود عیش کرتی۔ حالات پہلے ہی کافی خراب تھے، رانی کی مہربانی سے ان دونوں میں بات چیت تک بند ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

"ہمارے پڑوسی صفدر حسین کی بڑی بیٹی شازیہ کی شادی ہے۔ وہ کل دعوت نامہ دینے آئے تھے۔" ابرار خان بظاہر اپنے دونوں بیٹوں کی طرف دیکھ کر کہا، مگر وہ ہال میں موجود تمام نفوس سے مخاطب تھے۔

"جی اباجی! ہم سب کا بلاوہ آیا ہے۔" جلال نے باپ کے سامنے رکھا سنہرا جھلملاتا، عروسی کارڈ اٹھا کر پڑھتے ہوئے بتایا۔

"یہ کیا بات ہوئی انہیں ہمیں الگ الگ کارڈ دینے چاہیے تھے۔" سائرہ نے کپ میں چائے نکالتے ہوئے عادت کے مطابق اعتراض کیا۔

"بھابی! اس سے پہلے کبھی الگ کارڈ آیا ہے' ہمیشہ سے سب اباجی کے نام پر تو کارڈ بھیجتے ہیں۔" بہزاد نے بڑی بھابی کے اعتراض کو مسترد کیا اور بیوی کو بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"ہونہہ......" ریحانہ جو اس بحث میں حصہ لینا چاہ رہی تھیں دل مسوس کر رہ گئیں۔ ابرار خان نے دونوں بہوؤں کے تیور دیکھے اور ٹھنڈی آہ بھری۔

"کچھ بھی ہو ایسے بے تکے بلاوے پر میں تو نہیں جانے والی، سب کو پتا ہے، اس گھر میں دو فیملی رہتی ہیں مگر پھر بھی......" سائرہ کی وہ ہی ضد، چائے میں چینی ملاتے ہوئے، فیصلہ کن انداز اختیار کیا۔

"مما! اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔" فائز نے بےزار ہو کر ماں کو ٹوکا، جو بلاوجہ کا تنازع نکال بیٹھیں تھیں۔

"ہم نے محسوس کیا ہے جب بھی چھٹی والے دن سب مل جل کر ناشتہ کرتے ہیں تو بڑی یا چھوٹی بہو کوئی ایسی بات نکال کر بحث شروع کردیتی ہیں، جس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا، سوائے ماحول کو گھمبیر کرنا اور ساتھ بیٹھنے کی خوشی غارت کرنا۔ اب کسی کے کارڈ دینے پر بھی بلاوجہ کا تنازع۔" ابرار خان ناشتہ چھوڑ کر غصے سے ایک دم کھڑے ہو گر گئے۔

"اباجی! پلیز بیٹھیں آپ نے تو ابھی کچھ کھایا بھی نہیں۔" بہزاد اور جلال نے جلدی سے بڑھ کر باپ کو کرسی پر بٹھایا اور دلیہ کا پیالہ ان کے نزدیک کیا۔

"اباجی! میں تو......" سائرہ نے اپنا موقف بیان کرنا چاہا کہ جلال ان پر چیخ پڑے۔

"بس چپ ہو جاؤ اب ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ شوہر کی ڈانٹ پر ایک دم

دبک گئیں۔

''بہو سکینہ کی زندگی میں ہمارے یہاں ایک بڑا دستر خوان لگتا تھا، اب وہ الگ الگ جگہ کھانا کھایا جاتا ہے، تم لوگوں کی ضد پر کچن الگ ہوگیا۔ ہم ایک بیٹے کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے خود کو نامکمل محسوس کرتے، اسی لیے، یہ انتظام کیا کہ کم از کم چھٹی والے دن تو ایک ساتھ ناشتہ کھانا کھایا جاسکے، اور دلوں میں موجود فاصلے کم ہو جائیں مگر لگتا ہے تم لوگوں کو ہماری ایک دن کی خوشی بھی منظور نہیں چلو کوئی بات نہیں۔ اگلے اتوار سے ہم اکیلے ہی گزارا کرلیں گے۔'' ابرار خان نے بڑے دکھی انداز میں کہا تو ان کے برابر میں بیٹھی سفینہ کی آنکھوں میں موتی چمک اٹھے۔ بڑھاپے میں انسان اپنی اولاد کے ہاتھوں کتنا مجبور ہو جاتا ہے۔

''ابا جی! آپ پریشان نہ ہوں ہم نے آپ کی ہدایت پر اپنی بیویوں کو کچن الگ کرنے کی اجازت تو دے دی، مگر ان کی ہر بات نہیں مانی جاسکتی۔ ہم تو آپ کے ساتھ ہی چھٹی والا دن گزاریں گے۔ باقی ان لوگوں کی مرضی جو دل چاہے کریں۔'' جلال اور بہزاد نے یک زبان ہو کر کہا۔

''ہم بھی دادا ابا کے ساتھ چھٹی والا دن گزاریں گے۔'' ایک طرف سے سفینہ تو دوسری طرف سے فائز نے ابرار خان کو تھام کر پیار سے کہا تو ان کا ملال جاتا رہا۔ ریحانہ اور سائرہ کے چہرے فق رہ گئے، انہوں نے کینہ توز نگاہوں سے محبت کا یہ نظارہ دیکھا اور سر جھکا کر ناشتہ کرنے میں مصروف ہوگئیں۔

❁......❁......❁

ابرار خان بہت ہی دور اندیش انسان تھے، انہیں اپنی بیوی سکینہ اور دونوں بیٹوں سے بہت محبت تھی، اس لیے بیٹوں کو ساتھ رکھنے کے لیے بڑا سا گھر ''خان ہاؤس'' بنایا جہاں نیچے کی منزل پر ان کے بڑے بیٹے جلال خان اپنی بیوی سائرہ اور بیٹے فائز خان کے ساتھ رہتے اور چھوٹا بہزاد خان بیوی ریحانہ اور بیٹی سفینہ کے ساتھ اوپری منزل پر رہتے تھے۔ جب تک سکینہ زندہ رہیں ان سب کا کھانا پینا ایک ہی جگہ ہوتا۔ ساس نے دونوں بہوؤں کی باری باندھ دی، نہ چاہتے ہوئے بھی ایک دن ریحانہ کچن سنبھالتی تو دوسرے دن سائرہ۔

سکینہ ایک بہترین انتظام کار تھیں یہی وجہ ہے کہ خان ہاؤس کے حالات جتنے بھی مخدوش ہوں گھر کے مردوں کو ہوا نہیں لگنے دیتیں، آپس کے جھگڑے خود ہی سلجھالتیں، مگر چھ مہینے قبل جب ایک رات دل کا دورہ پڑنے سے وہ اس دنیا میں نہ رہیں تو، سب کچھ تلپٹ ہو کر رہ گیا۔ دلوں کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا۔ گھر کے مرد روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آ گئے۔ ابرار خان نے پہلے تو چپ کر کے تماشہ دیکھا، مگر جب بات ''تو تو میں میں'' تک جا پہنچی تو دل پر پتھر رکھ کر ایک دن بہوؤں کو کچن علیحدہ کرنے کی اجازت دے دی۔ ان لڑائیوں کے پیچھے سائرہ کی تنگ دلی کا زیادہ ہاتھ تھا۔ دراصل جلال خان کا ٹائروں کا بزنس تھا، شہر میں ان کی چلتی ہوئی بڑی دو دکانیں تھیں۔ جبکہ بہزاد نوکری پیشہ انسان تھے۔ کیوں کہ بڑے بھائی کی آمدنی چھوٹے کے مقابلے میں زیادہ تھی اس لیے سکینہ نے گھر کے زیادہ خرچوں کا بوجھ بھی جلال کے کاندھوں پر ڈال دیا، ان کی زندگی میں تو سائرہ پھر بھی دبی رہیں مگر بعد میں خوب جتاتیں، انہیں اپنے شوہر کی کمائی کا بڑا زعم تھا، اسی لیے جس کو دل چاہتا سنا دیتی، سب سے بڑا شکار دیورانی ریحانہ بنتی، ویسے بھی خاندان بھر میں سائرہ تیز اور جھگڑالو عورت کے طور پر بدنام تھیں۔

اب گھر کے ہر معاملے میں ریحانہ کے ساتھ ناانصافی ہونے لگی۔ وہ ایک حساس عورت تھیں۔ شوہر کی کم آمدنی کا احساس انہیں کچوکے لگاتا، اس پر سائرہ کی تیز زبان۔ وہ ایک دم پریشان ہو کر رہ گئیں۔ ریحانہ نے شروع سے جٹھانی کو عزت دینا چاہی، مگر ہر وقت کے طنز اور بات بے بات کے طعنوں نے دل سے عزت بھی ختم کردی۔ ریحانہ چڑچڑی

ہو کر سائرہ کے رنگ میں ڈھل گئیں۔ جب سے کچن علیحدہ ہوا، انہیں آزادی حاصل ہوئی۔
''اب وہ کم کھاتیں مگر غم نہ کھاتیں۔'' کیوں کہ چوٹ برابر کی تھی۔

❁......❁......❁

''اماں! زرما کے بھائی کئی سال سے ہمیں امریکا بلوانے کی کوشش کر رہے تھے، اتنے سالوں بعد اب جانے کا انتظام ہوا ہے۔'' شکیل نے دلشاد کے کمرے میں داخل ہو کر دھما کا کیا۔
''ک...... کیا...... کہاں جا رہے ہو؟'' دلشاد کے پہلے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، پھر عقل نے کام کرنا شروع کیا تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بہو بیٹے کو تکتے ہوئے پوچھنے لگیں۔
''امریکا جا رہے ہیں، ہماری قسمت کام کر گئی اور بھائی کی کوششوں سے ویزہ لگ گیا۔'' زرما نے شوہر کو جھجکتے دیکھا تو فوراً بتایا، دلشاد بہو کے لہجے کی اتراہٹ پر جل کر رہ گئیں۔ رانی کو بھی گھور کر دیکھا۔ جو منہ پھاڑے کھڑی سب سن رہی تھی۔
''شکیل! تیرا خون کیسے اتنا سفید ہو گیا؟ بوڑھی ماں کا بھی خیال نہیں آیا۔'' دلشاد ایک دم کھڑی ہوئیں اور بیٹے کا گریبان تھام کر جھنجھوڑا۔
''کیا کروں، اماں! یہاں حالات نے اتنا ستایا ہے۔ اب مزید گزارا نہیں ہوتا۔'' شکیل کے پھٹ پڑنے پر دلشاد کو نگاہیں حیرانی پڑیں۔
''ہاں اب تو تیری زندگی میں بس بیوی ہی رہ گئی ہے۔ ماں والا خانہ تو نے اپنے ہاتھوں سے خالی کر دیا ہے۔'' دلشاد بیگم کا لہجہ ٹوٹا پھوٹا سا ہو گیا، آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ شکیل کے دل کو کچھ ہوا۔
''چلیں، ابھی اماں غصے میں ہیں۔ آہستہ آہستہ سمجھ جائیں گی۔'' زرما نے شوہر کا ہاتھ تھام کر کھینچا، وہ ساس کی جذباتی بلیک میلنگ سے ڈر گئی۔
''میری پیاری اماں! کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ میں وہاں سیٹ ہو جاؤں تو سب سے پہلے آپ کو بلواؤں گا۔'' شکیل نے بیوی کا ہاتھ جھٹکا اور ماں کو بانہوں میں بھر کر طفل تسلیاں دیں، دلشاد کا ضبط جواب دے گیا، وہ زور زور سے رونے لگیں۔

......☆☆☆......

نازک سے ہاتھوں میں چھن چھناتی چوڑیاں، کانوں میں بالیاں، آنکھوں میں کاجل ہونٹوں پر لائٹ سی لپ اسٹک لگانے کے بعد اس نے جلدی سے پیروں میں تلے والا کھسہ پہنا۔
''اف! فائز نے ایک چکر بھی نہیں لگایا، کیا تو ذرا دیر کے لیے آجاتا، اب تو نکلنا ہی پڑے گا، ویسے ہی اتنی دیر ہو گئی ہے۔'' سفینہ نے نگاہ اٹھا کر دیوار گیر گھڑی میں مایوسی سے وقت دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری۔
''سفی! چلو بھی دیر ہو رہی ہے۔'' ریحانہ کی پکار پر اس کے ہاتھ پاؤں مزید پھول گئے۔
''ساری مل کر مجھے کوس رہی ہوں گی۔'' ماں کی آواز پر اس نے زبان دانتوں تلے دبا کر سوچا۔
''آئی امی!'' استری اسٹینڈ پر رکھا دھنک رنگ دوپٹہ اٹھایا اور سر پر اوڑھتے ہوئے ماں کو جواب دیا اور نازک انگلیوں میں رنگ پہنتی ہوئی باہر کی جانب بڑھنے کا ارادہ کیا۔ کچھ سوچ کر لمحہ بھر کو رکی، واپس پلٹ کر آئینہ میں اوپر سے نیچے تک اپنا عکس دیکھا۔
''لگ تو اچھی رہی ہوں مگر افسوس، جس کے لیے اتنی تیاری کی ان صاحب کا دور دور تک پتا نہیں۔'' سفینہ نے دل

ہی دل میں فائز کو برا بھلا کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

''توبہ کتنی دیر لگاتی ہو۔تم لوگوں کے تو سولہ سنگھار ختم ہی نہیں ہوتے۔ چلو اب تیزی سے قدم بڑھاؤ اگر تمہاری تائی جان محترمہ سائرہ جلال ہم سے پہلے تقریب میں پہنچ گئیں تو اب تک ہمارے سارے گناہ دھو چکی ہوں گی۔'' ریحانہ نے چادر اوڑھتے ہوئے شرارت سے کہا تو سفینہ کھلکھلا اٹھی۔

❁......❁......❁

نرما کی جب شکیل احمد سے شادی ہوئی تو وہ بہت خوش تھی، گھر میں صرف دو افراد تھے، ایک میاں اور دوسری ساس۔ بہنوں نے سمجھایا، تم تو سسرال میں جا کر راج کرو گی، لڑکا اکیلا ہے۔ صرف ایک بوڑھی ساس ہیں وہ کونے میں پڑی رہیں گی، باقی سب کچھ تمہارے اختیار میں ہوگا، مگر اس کے تو سارے ارمانوں پر پانی پھر گیا۔

اصل میں نرما شروع سے ہی خوب صورت ہونے کے ساتھ تھوڑی نک چڑھی بھی تھی، گھر میں روپے پیسے کی کمی نہیں تھی، دو بھائی باہر تھے، بات منہ سے نکلنے سے قبل پوری ہو جاتی، اس لیے اس کے مزاج نہیں ملتے۔ گھر والوں نے شکیل کے ساتھ یہ ہی سوچ کر رشتہ طے کر دیا کہ بیٹی کا گزارا اس چھوٹے سے خاندان میں بآسانی ہو جائے گا، مگر یہ بات ان لوگوں کی خوش فہمی ثابت ہوئی۔ دلشاد بیگم دس سسرالیوں پر بھاری پڑیں۔

شکیل کے والد کا کچھ برس پہلے انتقال ہو گیا تھا، نرما کی ایک ہی نند تھی، سائرہ جلال، جس کی بہت کم عمری میں شادی ہوگئی۔ ویسے بھی دونوں بھائی بہنوں کے بیچ عمروں کا کافی تفاوت تھا۔ وہ اپنے سسرال میں مصروف ہوتے ہوئے بھی ماں سے روزانہ فون پر بات کر لیتی، جس پر نرما کو اس وقت تک اعتراض نہیں ہوا، جب تک ماں بیٹی نے اس کا پیچھا لینا شروع نہیں کیا۔

بیٹی کی شادی اور شوہر کے انتقال کے بعد دلشاد بیگم کی تمام توجہ بیٹے پر مرکوز ہوگئی، اس کے سارے کام وہ اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ شکیل بھی آفس سے واپس آتے ہی ماں کے ساتھ بیٹھ جاتا، ماں اپنی دن بھر کی روداد سناتیں، بیٹا سر ہلاتا رہتا، کبھی وہ خود دلشاد سے اپنے دن بھر کا احوال کہہ دیتا۔ وہ اگر کچن میں جاتیں تو بیٹا وہیں کرسی سنبھال کر بیٹھ جاتا، پھر چائے ناشتہ کر کے کچھ دیر کے لیے اپنے یار دوستوں میں نکل جاتا۔ مگر رات کا کھانا ہمیشہ اپنی ماں کے ساتھ کھاتا۔ چھٹی والے دن اکثر بیٹی اور نواسہ چلے آتے تو ان دونوں کی عید ہو جاتی۔ دلشاد بیگم زندگی کے معمولات سے بہت خوش اور مگن تھیں۔ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ وہ بیٹے کی شادی کے مسئلے کو ٹالتی آ رہی تھیں، مگر کب تک، آخر شکیل کے سہرے کے پھول بھی کھل اٹھے اور نرما، اس کی زندگی میں مسکراتی ہوئی چلی آئی۔

گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہوا تو لازمی طور پر شکیل کی توجہ بٹی، اب وہ زیادہ ٹائم بیوی کو دینے لگا، یہیں سے دلشاد کو بہو سے بیزاریت پیدا ہوئی، وہ جان بوجھ کر ان دونوں کے بیچ میں حائل ہونے کی کوشش کرتیں، شکیل کی آفس سے واپسی ہوتی اور گھر میں رسہ کشی کی کیفیت شروع ہو جاتی، دونوں کی کوشش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ اپنی محبت جتا سکیں، وہ بے چارہ پریشان ہو جاتا، اگر نرما چائے بنا کر لاتی تو، دلشاد کا اصرار ہوتا لسی پیو، جو انہوں نے دوپہر سے بنا کر فریج میں رکھ دی ہوتی کیوں کہ بقول ان کے چائے خون خشک کرتی ہے۔ وہ چائے پیتا تو ماں کا منہ بنتا، لسی پی لیتا تو بیوی روٹھ جاتی۔ ان حالات میں شکیل ماتھا پیٹتا کہ کس کو رضامند اور کس کو برہم کرے۔

دلشاد بیگم بیٹے کے سامنے بہو کی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتی اور کمرے میں نرما رو رو کر شوہر سے فریاد کرتی۔ شکیل احمد کوشش کے باوجود، رشتوں کے بیچ توازن قائم رکھنے میں ناکام رہا تھا، اسے محبت کی فراوانی سے بدہضمی ہونے لگی۔ اس پر اکثر جب بڑی بہن یہاں پہنچ کر اپنے پیار کا چھڑکاؤ کرتی تو وہ گھر سے باہر نکل جاتا۔

زندگی بہت سست انداز میں آگے بڑھ رہی تھی کہ ایک دن نرما نے ماں بننے کی خوش خبری سنا کر شکیل کا دل جیت لیا۔ اب وہ بیوی کا پہلے سے زیادہ خیال رکھتا۔ اس معاملے میں ماں کی بھی نہیں سنتا۔ مگر شاید قسمت کو اس گھر کا سکون منظور نہیں تھا، ایک دن شکیل کو اپنی نوکری سے جواب مل گیا۔ وہ مالی طور پر مجبور ہو کر رہ گیا۔ دلشاد بیگم کے ہاتھ اب ایک نیا تماشہ آ گیا، گھر میں پیسے کی تنگی شروع ہوئی تو وہ کسی طرح کے تعاون پر تیار نہ ہوئیں۔ بیٹے کو باتیں سناتیں جوان حالات میں بھی بیوی کے اللوتللوں پر پیسے خرچ کرتا۔ بہو کو طعنے دیتیں۔ یہاں تک کہ آنے والے بچے کو بھی نہ بخشتیں۔ جس کے دنیا میں آنکھیں کھولنے سے قبل ہی باپ پر یہ برا وقت آ گیا۔ نرما ذہنی اذیت کا شکار رہنے لگی۔ اس کے دونوں بھائی، بہانے سے خرچے کے لیے ہزاروں روپے بھیجنے لگے مگر دلشاد کسی کا احسان ماننے والی ہستی نہ تھیں۔ ان کی روش نہ بدلی جس کا خمیازہ شکیل احمد کو یوں بھگتنا پڑا کہ ایک دن نرما کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ وہ اسپتال جانے کے لیے بے قرار ہوتی رہی مگر دلشاد انجان بنی کمرے میں لیٹی رہیں، شکیل احمد ان دنوں ایک جگہ پارٹ ٹائم جاب کر رہا تھا۔

درد سے بے حال نرما نے بڑی دقت سے شوہر کو فون ملایا۔ وہ تیر کی طرح اڑتا ہوا گھر پہنچا مگر دیر ہو چکی تھی۔ وہ دونوں جب تک اسپتال پہنچے، نرما کا مس کیرج ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر کے منہ سے یہ اذیت ناک بات سن کر وہ شوہر سے لپٹ کر اتنا روئی کہ شکیل کو بھی پہلی بار ماں کی سنگ دلی پر غصہ آیا۔

اس نے اب اس مسئلے کا مستقل حل تلاش کرنے کا سوچا، بیوی کے اسپتال سے گھر آنے سے پہلے سامان اوپر والے فلور پر شفٹ کر دیا۔ دلشاد نے بڑے بین ڈالے مگر وہ خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا۔ نرما کے بھائیوں کو بھی بہن کی حالت پر افسوس ہوا، انہوں نے بہن بہنوئی کو امریکا بلوانے کی کوششیں تیز کر دیں۔ اوپر شفٹ ہو جانے کے بعد نرما کی زندگی میں تھوڑا سکون آ گیا۔ اب وہ اپنی مرضی سے جینے لگی۔ شکیل ماں کے پاس جا کر بہت دیر بیٹھتا، مگر ان کے شکوے ہی ختم نہیں ہو پاتے۔ وہ بدمزہ ہو کر اٹھ جاتا۔ وہ بہتر جاب کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا کہ اچانک، نرما کے بھائیوں نے ان دونوں کا ویزہ لگنے کی خوش خبری سنا دی۔ نرما کے پاؤں تو خوشی کے مارے زمین پر ٹک ہی نہیں رہے تھے۔ شکیل بھی اب کسی کو کچھ بتائے بناء خاموشی سے باہر جانے کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا تھا۔

برآمدے میں رکھے گئے آرائشی ستونوں پر بنے بیضوی چوڑے منہ کے گل دانوں میں پانی بھر کر اس پر گلاب کی پتیوں کو سجا دیا گیا تھا۔ گل دانوں کے اطراف میں سجی ہوئی شمع کی روشنی ماحول کا فسوں بڑھا رہی تھیں دیواروں کو سرخ گلاب اور گیندے کے زرد پھولوں سے سجایا گیا تھا، باقی کی جلتی بجھتی آرائشی قمقموں کی لڑیوں نے پوری کر دی تھی' فائز نے اپنے ٹیرس سے سر نکال کر پڑوس میں جھانکا۔

''زبردست تیاری ہے۔'' اس نے لڑکیوں کی محنت کو سراہا جنہوں نے پورا دن لگا کر مایوں کے لیے یہ سجاوٹ کی تھی۔

لان کے ایک سائیڈ پر دھری لکڑی کی چوکی پر سبز تخت پوش بچھا کر اسٹیج کی شکل دی گئی۔ اردگرد کرسیاں لگا کر خواتین کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ درمیان میں سفید چاندنی بچھا کر ڈھولک اور دف رکھ دی گئی تا کہ دلہن کی سہیلیاں گانا بجانا کر سکیں۔

''یہ سنی کہیں دکھائی نہیں دے رہی؟'' فائز نے ٹیرس سے اچھا خاصہ نیچے کی طرف جھکتے ہوئے، وہاں بیٹھی خواتین کا جائزہ لیا۔

اچانک دل کی مراد پوری ہوئی، دلہن شازیہ اندر سے سہیلیوں کی جھرمٹ میں سج سج کر قدم رکھتی باہر آرہی تھی، اس کے بالکل برابر میں سفینہ سرخ زرتار دوپٹہ تھامے کھڑی تھی۔ دلہن کو لاکر تخت پر بٹھایا گیا۔ شازیہ زرد اور سبز لباس کے امتزاج سے بنا مایوں کا جوڑا زیب تن کیے، چہرہ گھونگھٹ کی اوٹ میں چھپائے مزید جھک کر بیٹھ گئی۔ اس کے برابر میں سبز پیراہن میں بنی سنوری سفینہ کھڑی تھی، فائز کی نگاہیں اس پر جم گئیں۔ وہ سب شازیہ سے چھیڑ چھاڑ کررہی تھیں، کسی بات پر سفینہ بڑی دلکشی سے کھلکھلائی۔ فائز نے جلدی سے موبائل کیمرے میں اس یادگار لمحے کو قید کرلیا۔

"اف! کتنے دنوں بعد بغیر کسی پابندی کے اسے دیکھ رہا ہوں۔" وہ خوش ہوکر سوچنے لگا، ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے دونوں ایک دوسرے کے سائے سے بھی بھاگنے پر مجبور تھے۔ فائز جانتا تھا کہ جس دن بھی اس کی مما کو بیٹے کے ارادے کی خبر ہوگئی اسی دن گھر میں بھونچال آجائے گا۔ اسے سفینہ کی عزت کا بہت پاس تھا یا شاید وہ اس سے جنون کی حد تک محبت کرتا تھا، جانتا تھا محتاط رہنے میں ہی ان کی محبت کی بقا تھی۔

فائز نے نگاہیں گھما کر پوری محفل کا جائزہ لیا تو اس کا قہقہہ نکل گیا، جسے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر روکا۔ کرسیوں کی قطار کے ایک سائیڈ پر ریحانہ اور دوسری طرف سائرہ براجمان تھیں۔

"یہ دونوں نہیں سدھر سکتیں۔" اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچا۔

لڑکے والے آچکے تھے، تھوڑی دیر بعد قریبی رشتے دار خواتین، مایوں کی رسم ادا کرنے میں مشغول ہوگئیں، وہ سب دلہن کو مٹھائی کھلاتے ہوئے سر پر سے پیسے وار کر سامنے بچھی تپائی پر رکھنے لگیں، فائز کے منہ میں پانی آگیا، میٹھا اس کی کمزوری تھا، خاص طور پر گلاب جامن مگر اس وقت وہ اس کی پہنچ سے بہت دور تھا۔

"چلو بھئی کڑیوں ڈھولکی شروع کرو۔" شازیہ کی امی کے اصرار پر لڑکیاں بیچ میں بچھی چاندنی پر بیٹھ گئیں سب کی پر زور فرمائش پر سفینہ ڈھولک کی تھاپ پر میٹھے سُروں میں گانا گانے لگی۔ فائز سریلی لے میں کھو گیا، اس کی انگلیاں بھی منڈیر پر گانے کے ساتھ ساتھ تھرکنے لگی۔ کچھ سوچ کر ماں کو دیکھا تو اس کی توقعات کے عین مطابق وہ بے زار منہ بنائے سفینہ کے گانے کو ناگواری سے برداشت کررہی تھیں، جبکہ چاچی بیٹی کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کے پیچھے جاکر کھڑی ہوگئیں تھیں۔

"یا اللہ! ان دو خواتین کی دشمنی میں ہمارے پیار کا کیا بنے گا؟" فائز نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر شکوہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور دلکش راگنی میں لڑکیوں نے مل کر وہ تان اٹھائی کہ رات جھوم اٹھی۔

سائرہ پانی پینے کے بہانے سے اٹھیں اور آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنا کر سر اٹھا کر اپنے ٹیرس کی طرف تاکا، ان کو شک ہوا کہ بیٹا وہاں کھڑا نہ ہو۔ سائرہ مسلسل اوپر دیکھ رہی تھی مگر ان کو کچھ سجھائی نہیں دیا۔ ریحانہ نے منہ بنا کر سفینہ کو اشارے سے جٹھانی کی حرکت دکھائی، وہ ماں کے اشاروں پر جز بز رہ گئی۔

"اوہ تیری...... بھاگ بیٹا......" فائز اچھل پڑا نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے ہٹنے میں ہی عافیت جانی۔ مایوں کا یہ فنکشن، پڑوسیوں کی بڑی بیٹی شازیہ کا تھا، جہاں محلے کی تمام خواتین مدعو تھیں، اگر ماں اسے یوں جھانکتا دیکھ لیتی تو بلاوجہ خان ہاؤس کا ماحول خراب ہوجاتا اور سفینہ کو جی بھر کر دیکھنے کی خوشی کرکری ہوکر رہ جاتی۔

"بچ گیا ورنہ امی نے گھر آکر کچومر بنادینا تھا۔" فائز نے دھیرے سے پیچھے ہوتے ہوئے سوچا۔

وہ بھی سائرہ جلال کی اولاد تھا، یہاں کھڑے ہونے سے پہلے پوری پلاننگ کی تھی، ٹیرس کی لائٹس آف کر کے اندھیرا کردیا تھا۔ فائز سیڑھیوں سے نیچے اترا تو ایک سرشاری اس کے ساتھ تھی۔ سفینہ کا من موہنا سا پرکشش سراپا اس کی آواز کے سُر جو اپنا ہر راستہ پہچانتے ہوئے اس تک پہنچ گئے۔ وہ بستر پر لیٹ کر ان الوہی لمحات کو بار بار سیل فون پر

دیکھتا ہوا سو گیا۔ بقیہ رات خوابوں میں سفینہ اس کے سنگ ہوا کے دوش پر اڑتی رہی۔

سیاری تیاری مکمل ہونے کے بعد جب شکیل نے ماں کو خبر دی دلشاد سینے پر ہاتھ رکھ کر گم صم بیٹھی ایک ہی بات سوچ جا رہی تھیں۔ دل کا درد برداشت نہ ہوا تو سائرہ کو فون کر کے وہ رونا دھونا مچایا کہ کوئی حد نہیں۔ شکیل کے باہر جانے کی بات سن کر سائرہ کے بھی ہوش اڑ گئے۔ اسے بھائی اور بھابی کی خودغرضی ایک آنکھ نہ بھائی، کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو دوسرے دن رات کے کھانے کی دعوت دے ڈالی۔

''بھائی! تم تو امریکا چلے جاؤ گے مگر پیچھے ماں جو اکیلی رہ جائے گی، ان کا کیا ہوگا؟'' سائرہ نے کھانے کے بعد نرما کو فائزہ سے گپ شپ میں مصروف دیکھا۔ فوراً لیمن ٹی کا کپ تھامے شکیل کے برابر آ بیٹھیں۔

''مجھے بھی اماں کی فکر ہے مگر آپ تو یہاں موجود ہیں نا' رانی کو بھی کل وقتی ملازمہ کے طور پر رکھ لیا ہے۔'' نرما شکیل کو ذہنی طور پر تمام سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار کر کے لائی تھی، فوراً رٹا رٹایا سبق پڑھنا شروع کر دیا۔

''واہ بھئی واہ تم نے کیا اچھا حل تلاش کیا ہے۔ کیا اس طرح سے زندگی گزر سکتی ہے؟'' سائرہ نے جذباتی ہو کر تالی بجائی اور نرما کے کان کھڑے ہو گئے۔

''میں ویسے بھی وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلا کام اماں کو بلانے کا کروں گا۔'' شکیل نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے بہن کو صفائی دی۔ نرما اٹھ کر ان دونوں کے بیچ آ کر بیٹھ گئی۔

''ایسا کرو ابھی تم اکیلے چلے جاؤ۔ نرما اور اماں کو بعد میں ایک ساتھ بلوا لینا۔'' سائرہ نے بھنویں اچکا کر نئی تجویز پیش کی، نرما کا دل جل کر کباب ہو گیا۔

''آپی! اگر ہماری جگہ قسمت آپ کو یہ موقع دیتی تو کیا آپ اپنے بوڑھے سسر کی خدمت کے لیے یہاں رک جاتیں؟'' نرما نے میاں کی اتری شکل دیکھ کر خود میدان میں کودنے کا فیصلہ کیا۔ سائرہ کو بھابی کی بات بہت بری لگی۔

''میں تم سے نہیں اپنے بھائی سے بات کر رہی ہوں۔'' سائرہ نے نرما کو دودھ کی مکھی کی طرح اس مسئلے سے علیحدہ کرنا چاہا۔

''آپ اتنی غیر حقیقی باتیں کیسے کر لیتی ہیں؟ جس بھائی کی زندگی کا فیصلہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس کی ایک بیوی بھی ہے۔ ان کا بہتر مستقبل مجھ سے منسلک ہے اس لیے آپ مجھے اس مسئلے سے الگ نہیں کر سکتیں۔'' نرما نے بھی چیخ کر جواب دیا۔

''مما! پلیز۔'' فائزہ نے گھبرا کر ماں کو اشارہ کیا، جو سرخ ہوتے چہرے سے نرما کو گھورنے لگی۔ اتنے میں جلال اندر داخل ہوئے تو سائرہ کو خود پر قابو پانا پڑا۔

''بھائی! اماں پر یہ ظلم نہ کرو۔'' سائرہ سے کچھ اور نہ بن پڑا تو جاتے ہوئے شکیل سے چپکے سے استدعا کی تو شکیل نے سر ہلایا مگر وہ بھی کیا کرتا امریکا کی شکل میں اسے اپنا محفوظ مستقبل دکھائی دے رہا تھا۔

آدھی رات کو وہ لان میں بیٹھے، بڑی حسرت سے خان ہاؤس کی در و دیوار کو تک رہے تھے۔ ہر سو پھیلی خاموشی، سکون بھی ان کے اندر کی بے چینی کو ختم نہیں کر پا رہا تھا۔ انہوں نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا، ستاروں کے درمیان چمکتا چاند انہیں اپنی طرح تنہا محسوس ہوا۔

''سکینہ! مجھے تو یقین ہی نہیں آتا کہ تم اب اس دنیا میں نہیں رہی۔'' ابرار خان نے دکھ کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے

سوچا اور ہاتھ میں تھامی چھڑی کو کس کر دبایا۔
''دادا جان! آپ اتنی رات کو یہاں کیوں بیٹھے ہیں، چلیں اندر بہت دیر ہوگئی ہے اب سو جائیں۔'' سفینہ جو ابرار خان کو دودھ دینے ان کے کمرے میں گئی تھی۔ ڈھونڈتی ہوئی لان میں نکل آئی۔
''بس بچے نیند نہیں آ رہی تھی۔'' وہ اداسی سے اپنی نرم دل پوتی کو دیکھتے ہوئے بولے۔
''اچھا چلیں آپ یہاں سے اٹھیں اور کمرے میں چل کر آرام کریں، کہیں طبیعت خراب نہ ہو جائے۔'' سفینہ نے جھک کر بوڑھے دادا کو سہارا دیا۔ وہ پوتی کی ضد پر اٹھنے پر مجبور ہو گئے۔
''دادی کے انتقال کے بعد سے دادا جان کے قہقہے کہیں کھو گئے تھے، ورنہ وہ کتنے زندہ دل ہوا کرتے تھے۔'' سفینہ انہیں تھام کر اندر کی جانب لاتے ہوئے سوچنے لگی۔
''سکینہ تمہارے جانے کے بعد میں کتنا اکیلا رہ گیا ہوں۔ کاش تم زندہ ہوتی تو زندگی اس قدر ویران نہ ہوتی۔'' انہوں نے خان ہاؤس کے چاروں جانب دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔
کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بھرے پرے خاندان کے ہوتے ہوئے بھی کسی ایک شخص کے چلے جانے سے نہ صرف انسان کی روح بلکہ بے جان دیواریں بھی سوگ مناتی ہیں۔

❁......❁......❁

''ارے یہ کہاں سے آئی؟'' سفینہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی، سامنے والی دیوار پر سنہری فریم کو آویزاں دیکھ کر حیران رہ گئی، بے خبری میں کھینچی گئی تصویر میں ہنستی ہوئی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ فائز پردے کے پیچھے چھپا کھڑا اس کے تاثرات کو انجوائے کر رہا تھا۔
''زبردست۔'' وہ بے اختیار دیوار کے پاس گئی اور فریم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سراہا۔
''دیکھا میرا کمال۔ ویسے تم تصویر میں زیادہ اچھی لگتی ہو ورنہ تو بس گزارا ہے۔'' فائز چپکے سے اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا اور سرگوشی میں چھیڑا۔
''ہیلو مسٹر! آپ یہاں کیسے؟'' وہ ایک دم اچھل پڑی۔
''بس جہاں تم وہاں ہم۔'' فائز نے مسکرا کر کہنی ٹکائی۔
''اوہ! اچھا تائی اماں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔'' سفینہ نے شرارت سے نچلا ہونٹ دبا کر اسے چھیڑا۔
''ہا......ہا......ہا'' اس کے تجزیے پر فائز کا دلکش مردانہ قہقہہ کمرے میں گونجا اور سفینہ نے سر پیٹ لیا۔ شکر تھا کہ ریحانہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ اس نے موقع دیکھ کر جلدی سے الماری کے نچلے خانے سے فریم نکالا اور سفینہ کے کمرے میں سجا دیا۔
''ہاں کچھ دیر پہلے ہی مما کو نانی کے گھر چھوڑ کر آیا ہوں۔'' فائز نے سعادت مند بچوں کی طرح سر ہلا کر اقرار کیا۔
''وہ ہی تو میں حیران ہوئی۔'' سفینہ نے ایک ادا سے کہا۔
''عشق میں ہم تمہیں کیا' کیا بتائیں کس قدر چوٹ کھائی پڑتی ہے۔'' فائز اسے تنگ کرنے کے لیے مزید چپک کر کھڑا ہوا اور گنگنانے لگا۔ وہ ایک دم بدک کر پیچھے ہٹی۔
''فائز! آپ نے تو اچھی بھلی غزل کا بیڑہ ہی غرق کر دیا۔ ویسے ہے حسب حال تائی اماں یہاں موجود ہوتیں تو آپ کو ایسی چوٹ لگاتیں جو ہلدی دودھ پینے سے بھی ٹھیک نہیں ہوتی۔'' سفینہ نے بھی بدلہ اتارا۔
''لڑکی! اڑا لو مذاق ہم بھی گن گن کر سارے بدلے لیں گے مگر بعد میں۔'' فائز آگے بڑھا اور اس پر جھکتے ہوئے،

ایک آنکھ میچ کر لوفرانہ انداز میں کہا۔
''فائز......'' سفینہ چیخی اور اسے دھکا دے کر دور کردیا۔
''جی فائز......کی......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر پیار سے اسے دیکھنے لگا، اس نے جلدی سے منہ موڑا اور جا کر فریم کے سامنے کھڑی ہوگئی۔
''یہ تصویر آپ نے کھینچی تھی؟'' سفینہ نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔
''جی محترمہ! ہر اچھے لمحے کو قید کرلینا اس خاکسار کی عادت ہے۔'' وہ اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے خود پر قابو پاکر دوستانہ انداز میں بولا۔
''اچھی عادت ہے۔'' سفینہ نے تصویر سے نگاہ ہٹائے بغیر جواب دیا۔
''سفی! میرا دل چاہتا ہے تمہیں بھی ایک حسین لمحے کی طرح اپنی زندگی کی تصویر میں ہمیشہ کے لیے قید کرلوں۔''
فائز ایک دم اس کے مقابل آیا اور اس کی تھوڑی پر انگلی رکھ کر چہرہ اوپر کیا۔ اس کا لہجہ محبت سے چور تھا۔
''پلیز...... بندہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو کر دو گھڑی ڈھنگ سے بات بھی نہیں کرسکتا۔'' سفینہ کا چہرہ ایک دم سرخ ہوگیا۔
''تمہاری چاہت، ریشم کی ایسی ڈوری ہے، جس میں نہ چاہتے ہوئے بھی الجھ گیا ہوں۔'' فائز نے اس کے بالوں کی لٹ کو کھینچتے ہوئے دھیرے سے کہا۔
''اس ڈور کو توڑ دیں نا...... میں نے کیا قید کر رکھا ہے؟'' سفینہ کے لہجے میں محبتوں کا مان تھا۔
''یہ ایسی قید ہے جس سے آزادی حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہیں۔'' اس کی آواز میں محبت کی گرم جوشی، جذبے لٹاتی آنکھیں، سفینہ گھبرا اٹھی۔
''آپ تو حد کرتے ہیں۔'' وہ نگاہیں چراتی، اسے خود سے دور ہٹاتی باہر کی جانب بھاگی۔
''سنو کہاں چل دیں۔ ایک منٹ رکو تو ابھی کچھ اظہار باقی ہے۔'' فائز اس کے پیچھے آواز دیتا ہوا باہر نکلا مگر وہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

اماں! میں نے آپ کی مشکلوں کا حل ڈھونڈ لیا ہے۔'' رانی نے دلشاد کے نزدیک پہنچ کر سرگوشی کی۔
''دفع دور کمبخت تجھ سے کچھ نہیں ہونے والا۔'' دلشاد نے سڑا ہوا منہ بنا کر تو کرانی کو دھتکارا۔
''نہیں سچ میں اماں! اس بار پکا کام ہوجائے گا۔'' رانی نے اپنی کوشش جاری رکھی اور پیلے دانت چمکا کر بولی۔
''وہاں بہورانی نے جانے کی پیکنگ بھی کرلی اور تجھے کچھ خبر ہی نہ ہوئی۔ جھوٹی! مجھے تو یقین ہے کہ تو خود نرما سے ملی ہوئی ہے۔'' ساری باتوں کی خبر تھی مگر مجھے آخر تک ہوا نہ لگنے دی ورنہ میں اپنے بیٹے کو روک نہ لیتی۔'' دلشاد کا صدمہ کم نہیں ہو رہا تھا، رانی کو دو ہتڑ مارتے ہوئے چنگھاڑی۔
''اماں! تم بھی اپنی دشمن خود ہو تمہارے ساتھ کوئی نیکی کیسے کرے؟'' رانی نے جھاڑ دزور سے پٹخ کر کہا۔
''چل دفع دور بڑی آئی مجھے سبق پڑھانے والی۔'' دلشاد نے اسے دوبارہ جھڑکا۔ آج کل ان کا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا، جھاڑ کا کا شاہی ہر ایک سے الجھے جا رہی تھیں۔
''بہو بیٹے پر زور نہیں مجھ غریب پر ہی شک کرنے لگی۔'' رانی کو برا لگا، اس نے آئینہ دکھانے میں کسر نہ چھوڑی۔
دلشاد ایک دم چپ ہو کر سوچ میں پڑ گئیں۔

''اچھا اماں' غصہ تھوکو اور میری بات سنو۔'' رانی نے تھوڑی دیر بعد دوبارہ بات شروع کی۔

''اچھا بول کیا بات ہے؟'' دلشاد نے تھوڑی دلچسپی دکھائی تو وہ مسکرا کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''تم ایک بار میرے ساتھ ''مکئی بابا'' کے پاس چلو سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔'' رانی نے انہیں للچایا۔

''بابا...... کون سے بابا......؟'' دلشاد نے رازداری سے پوچھا۔

''وہ کوئی ایسے ویسے نہیں' بہت پہنچے ہوئے مکئی والے بابا ہیں۔ بس آپ ایک بار مل لیں' یقین کریں سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔'' رانی نے آنکھیں چمکا کر انہیں شیشے میں اتارنا شروع کیا۔

''اماں! سچ میں آپ جس دن سے پریشان ہیں میں نے ساری بہنوں سے اس مسئلے کا حل پوچھا۔ میری بہن شہزادی نے مجھے ایک پہنچے ہوئے بابا کا پتا ڈھونڈ کر دیا ہے' اس نے بتایا کہ بابا ایسا عمل کریں گے کہ تمہاری بہو بیٹا امریکا تو چھوڑ لاہور تک نہیں جا سکیں گے۔'' رانی نے بے تکا مذاق کیا۔ دلشاد سوچ میں گم ہو گئی۔

''مکئی والے بابا۔'' دلشاد زور سے بولتے ہوئے رانی سے کرید کرید کر بابا کی کرامات کے بارے میں سوال کرنے لگی' نرما جو کسی کام سے اندر آ رہی تھی' یہ سب سن کر لحہ بھر کے لیے سن رہ گئی۔

❁......❁......❁

فائز ٹیرس پر کھڑا کسی سوچ میں گم تھا۔ جلال خان چلتے ہوئے بیٹے کے پیچھے آ کھڑے ہوئے۔

''کیا سوچ رہے ہو بیٹا؟'' انہوں نے فائز کے کاندھے پر نرمی سے دباؤ ڈالا۔

''کچھ نہیں پاپا!'' اُس نے مڑ کر دیکھا اور دھیرے سے کہا۔ مسکرانے کی کوشش بھی کی مگر چہرے پر دکھ کے آثار واضح تھے۔

''اپنے باپ سے بھی چھپاؤ گے۔'' انہوں نے اصرار کیا۔

''اتنی جگہ انٹرویو دے کر آیا ہوں میرٹ پر کوالیفائی کرنے کے باوجود سفارشیوں کے ہاتھوں مات کھا جاتا ہوں۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

''ہونہہ...... یہی تو اس معاشرے کا المیہ ہے' جو قابل ہیں وہ جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں اور نا اہل لوگ بڑی بڑی سیٹوں پر تابض ہیں۔'' جلال نے تلخ سچائی دہرائی۔

''بس اسی لیے سوچ رہا ہوں کہ ملک سے باہر چلا جاؤں' میرا ایک دوست انگلینڈ میں ہے' وہ مجھے بلا رہا ہے۔'' فائز نے افسردگی سے کہا۔

''کیا...... اچانک اتنا بڑا فیصلہ......؟'' وہ بیٹے کی بات پر اچھل پڑے۔

''پاپا...... اچانک نہیں میں بہت دن سے اس مسئلے پر سوچ رہا تھا۔ دوست سے ای میل پر بات چیت بھی چل رہی تھی۔ جب اس ملک میں کسی کی قدر ہی نہیں تو یہ بات اچھی نہیں کہ میں کسی دوسری جگہ جا کر اپنی قسمت آزماؤں۔'' فائز کا بیزار لہجہ اور پھیکی مسکراہٹ ان کو افسردہ کر گئی۔

''ٹھیک ہے یہاں کہ حالات تمہارے لیے آج موافق نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ سات سمندر پار جا بیٹھیں۔'' وہ ناراض ہونے لگے۔

''پاپا! مجھے شرم آتی ہے کہ میں جوان ہو کر آرام کروں اور آپ اس عمر میں اتنی محنت کریں۔'' فائز نے نگاہیں چرائیں۔

''اچھا تو اس میں کیا مشکل بات ہے۔ تم کل سے میری شاپ سنبھال لو۔'' جلال نے اپنے دل کی بات کہی۔

"یہ ہی تو مشکل ہے مجھے شروع سے یہ کام پسند نہیں۔ میں اپنی فیلڈ میں جاب کرنا چاہتا ہوں۔" فائز یہ کہہ کر نظریں چراتا ہوا تیزی سے پلٹ گیا۔ جلال خان نے ٹھنڈی سانس بھر کر اپنی جوان اولاد کی چوڑی پشت دیکھی۔

❁......❁......❁

"چاچی سے پوچھو کچھ منگوانا ہے؟" فائز جو بازار سے کچھ سامان لینے جارہا تھا، اس نے گیٹ کے پاس کھڑی سفینہ سے عادت کے مطابق پوچھا۔

"اچھا ایک منٹ ٹھہرنا۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

فائز کنفیوز سا گاڑی نکال کر چاچی کے انتظار میں گیٹ کے باہر موجود نیم کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔

"ہاں یہ لسٹ پکڑو۔ ممی نے کہا ہے کہ ساری چیزیں لیتے آنا۔" سفینہ ہانپتی کانپتی دوڑتی ہوئی واپس آئی اور ایک لمبی سی لسٹ اسے تھمادی۔

"یہ سب چاچی نے لانے کو کہا ہے؟" فائز نے سرسری سی نگاہ لسٹ پر ڈالی اور حیرت سے پوچھا۔

"ہاں تو اگر نہیں لانا تو بتادو۔" وہ ایک دم اکڑ کر بولی۔ فائز سر ہلاتا گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

دو گھنٹوں بعد وہ تھیلوں سے لدا پھندا گھر واپس آیا، اس کے والٹ میں موجود پیسے ختم ہوگئے تھے مگر سامان کی لسٹ ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تو سامنے ٹی وی لاؤنج میں ریحانہ بیٹھی کوئی کنگ شو دیکھ رہی تھی۔

"چاچی! یہ میں کافی سامان تو لے آیا ہوں مگر کچھ چیزیں ابھی بھی باقی رہ گئی ہیں۔" فائز نے ریحانہ کے سامنے بڑا سا شاپنگ بیگ رکھا اور صوفے پر پیر پھیلا کر بیٹھ گیا۔ ریحانہ حیران ہوکر اسے دیکھنے لگیں۔

"کون اور کہاں کی لسٹ' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" ریحانہ ایک دم خفا ہونے لگیں۔

"یہ دیکھیں۔" اس نے تھیلے کی جانب اشارہ کیا۔ ریحانہ نے جھانک کر شاپنگ بیگ کا جائزہ لیا تو برگر، کولڈ ڈرنک، چکن پف سینڈوچ اور اسی قسم کی اشیاء دیکھ کر ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"یہ سب میں نے تو نہیں منگوایا؟" ریحانہ نے حیرانگی سے کہا۔

"اچھا مگر سفی نے ہی تو یہ لسٹ دی تھی۔" فائز نے ریحانہ کو دیکھا اور لسٹ تھمادی، وہ غور سے پڑھنے لگی۔

"ایک منٹ فائز!" ریحانہ اسے وہیں ٹھہرا کر تیز تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

"بیٹا! دال میں کچھ تو کالا ہے۔" پہلے کھانے پینے کا اتنا ڈھیر سارا سامان منگوالیا، اب کچھ بتائے بغیر اندر غائب ہوگئیں۔" وہ سر پر ہاتھ رکھے وہیں صوفے پر ٹکا رہا۔

"ممی! پلیز' کان تو چھوڑیں۔" ریحانہ سفینہ کو کان سے پکڑے باہر لیے آئیں۔

"اوہ تو یہ ان محترمہ کی حرکت تھی۔ میں بھی کتنا پاگل ہوں، غور کر لیتا تو پتا چل جاتا کہ یہ سفینہ کی شرارت ہے' بھلا چاچی ایسا کیسے کرسکتی ہیں؟" وہ سمجھ گیا اور مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔

"یہ سب کیا ہے؟" ریحانہ نے انگلی سے شاپنگ بیگز کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے بھئی میری سہیلیوں نے آج شام کو یہاں آنا تھا اگر ان سے ویسے ہی کچھ منگواتی تو سو سو نخرے کرتے۔ آپ کا نام سن کر لے آئے۔" سفینہ نے شرارتی انداز میں فائز کو زبان چڑائی۔

"سفی! مجھ سے پوچھا تو ہوتا' خیر میں ابھی آئی۔" ریحانہ نے بیٹی کو دانت کچکچا کر دیکھا اور واپس اندر چلی گئیں۔

"تم ایک بار کہہ کر تو دیکھتی دھوپ میں پیدل ہی چل پڑتا۔" فائز نے چاچی کے منظر سے ہٹنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''بس...... بس میں تو جیسے تمہیں جانتی ہی نہیں ہوں نا۔'' وہ بھی اترائی اور اپنا ہاتھ چھڑایا۔
''اچھا اب میں نیچے بھاگوں ورنہ مما میری چٹنی بنانے اوپر آجائیں گی۔'' فائز کو خیال آیا تو مسکراتا ہوا اسٹرمی والے راستے کی جانب بڑھا۔
''فائز...... ذرا سننا۔'' پیچھے سے ریحانہ نے آواز لگائی، وہ رک گیا۔
''جی...... چاچی کیا ہوا؟'' وہ خوش دلی سے مڑا۔
''بیٹا! یہ پیسے رکھ لو اس لڑکی کو تو عقل نہیں۔ مہینے کا آخر ہے اور فضول خرچیوں میں پڑ گئی۔ سہیلیوں کے لیے گھر میں بھی کچھ بنایا جاسکتا تھا مگر بس۔'' انہوں نے بیٹی کو قہر بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے، فائز کو کچھ نوٹ زبردستی تھمانا چاہے، وہ بدک کر پیچھے ہٹا۔ سفینہ کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا۔
''چاچی! میں اتنا غیر کب سے ہوگیا؟ اب اتنی سی چیزوں کے پیسے لوں گا۔'' اس کی شفاف پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ وہ جانتا تھا کہ چاچا کی کم آمدنی میں، سفینہ کتنا ول مار کر زندگی گزار رہی ہے، وہ اس کی خوشی کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا۔
''نہیں یا تم پیسے لو یا پھر سارا سامان اٹھا کر لے جاؤ۔'' ریحانہ ضد پر اڑ گئیں۔
''مجھے بہت افسوس ہوا خیر۔'' فائز نے بے دلی سے پیسے اپنی پاکٹ میں رکھے، سامان واپس لے جانے کا تو سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔
''ٹھیک کہہ رہے ہو! افسوس تو مجھے بھی ہوتا ہے جب بھابی ہمیں پیسوں کے طعنے دیتی ہیں۔ انہیں بھنک بھی پڑ گئی کہ تم اپنے پیسوں سے یہ سامان لائے ہو تو، تمہارے ساتھ ہماری بھی خیر نہیں ہوگی۔'' ریحانہ نے بے مروتی کی انتہا کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں ہنس کر کہا۔
''میں مما کی بات ہی نہیں کر رہا مگر آپ کو مجھ پر تو اعتبار کرنا چاہیے تھا۔'' وہ سفینہ کو زخمی نگاہوں سے دیکھتے ہوا بولا اور سر جھکائے نیچے اتر گیا۔
''ممی! تائی اماں کی باتوں کے تو ہم سب عادی ہیں۔ اس میں فائز کا کیا قصور؟ آپ کو اس سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' سفینہ نے منہ پھلا کر ماں سے شکوہ کیا۔
''اچھا اب تم ماں کو سکھاؤ گی کہ کس سے کیسے بات کرنی ہے۔'' ریحانہ ایک دم آؤٹ آف کنٹرول ہوگئیں، سفینہ سامنے رکھے شاپنگ بیگز سے بچ کر نکلتی ہوئی کمرے میں جا کر بند ہوگئی۔ ریحانہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

❀......❀......❀

''تم نے اچانک باہر جانے کا پروگرام بنالیا، ہم سے ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔'' وہ سب ابرار خان کے کمرے میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ انہوں نے پوتے کی جانب چہرہ گھما کر اچانک سوال کیا۔ سفینہ کو شاک پہنچا۔ بے یقینی سے فائز کو دیکھنے لگی جو اس سوال پر گڑبڑا اٹھا تھا۔
''بس بہتر مستقبل کے لیے کچھ ہاتھ پاؤں مارنا چاہ رہا ہوں ابھی تو ارادہ کیا ہے۔ کچھ اچھی خبر ملتی تو سب سے پہلے آپ کو بتاتا۔'' وہ اپنی صفائی دیتے ہوئے، ابرار خان کو ساری تفصیل بتانے میں لگا۔
''بیٹا! تم کو اڑان بھرنا اور نئی دنیا دیکھنے کا پورا حق ہے مگر اس کے لیے اپنا گھر چھوڑنا پڑے یہ بہت غلط بات ہے......'' ابرار خان اس کی بات سے متفق نہ ہوئے۔
''دادا جان مجھے بس چند سالوں کے لیے باہر جانا ہے میری جڑیں اسی مٹی میں ہیں۔ لوٹ کر تو یہیں واپس آؤں گا۔'' فائز نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا، ورنہ اسے خود بھی ملک چھوڑ کے جانے کی خواہش نہ تھی۔

اچھا ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔'' ابرار خان کے لہجے میں تھکن سی اترنے لگی۔ سفینہ کی شکوہ کرتی نگاہیں فائز کے چہرے پر جم گئیں۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔
باقی لوگ خاموشی سے ساری گفتگو سن رہے تھے، سائرہ نے فاتحانہ نگاہوں سے دیورانی کو دیکھا، وہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔
''چلو بیٹا! اللہ تمہارے راستے کی مشکلیں دور کرے۔'' بہزاد خان نے بھتیجے کی پیٹھ سہلاتے ہوئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔
''اچھا ہے کچھ تو کرے یہاں رہ کر تو بس فالتو کاموں میں پڑا رہتا ہے۔'' سائرہ نے ترچھی نگاہوں سے سفینہ کو دیکھا، جو اپنی نم آنکھوں کو چھپاتی وہاں سے باہر جارہی تھی۔ فائز نے ماں کے انداز پر ہونٹ بھینچ لیے۔

❁......❁......❁

''سنیں..... گھر میں ایک نیا تماشہ کھڑا ہونے والا ہے۔'' شکیل جیسے ہی تھکا ہارا گھر میں داخل ہوا، بیوی کو مضطرب سا کمرے میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔
''اچھا کیا مزید کچھ ہونے کو رہ گیا ہے؟'' وہ چڑ کر طنز پر اتر آیا اور جوتے اتارے بنا، بستر پر دراز ہوگیا۔
''جی ہاں اب جو اس گھر میں ہو رہا ہے وہ سن کر آپ کے ہوش اڑ جائیں گے۔'' نرما نے شوہر کے برابر میں بیٹھتے ہوئے کہا۔
''نرما! میں پہلے ہی تھک چکا ہوں، تمہاری پہیلیاں سلجھانے کا ٹائم نہیں ہے جو کہنا ہے صاف کہو۔'' وہ منہ بنا کر بولتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔
''اچھا تو بات یہ ہے کہ اب آپ کی اماں ہم دونوں کو باہر جانے سے روکنے کے لیے کسی عامل کے پاس گئیں اور وہ تعویز گنڈوں میں پڑ گئی ہیں۔'' نرما کے انکشاف پر وہ اندر سے ہل گیا۔
''او مائی گاڈ ہم لوگوں پر یہ وقت بھی آنا تھا۔'' وہ سرتاپا لرز گیا اور سر تھام کر بیٹھ گیا۔
''پتا نہیں اماں نے آپ کی شادی کیوں کی۔ میرا وجود گوارا نہیں تھا تو آپ کو اپنے پلو سے باندھ کر رکھتیں۔ بلاوجہ دو زندگیاں تباہ کردیں۔'' وہ بلبلا کر باتیں سنانے لگی۔
''شٹ اپ' جسٹ شٹ اپ۔'' وہ انگلی اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے چیخا تو نرما سہم کر اسے دیکھنے لگی۔
''غلطی صرف اماں کی نہیں تمہاری بھی ہے شروع سے مجھ پر حکومت کرنے کی خواہش میں اس بوڑھی عورت کو نظر انداز کیا۔ آج یہ وقت آ گیا کہ میری ماں الٹے سیدھے چکروں میں پڑ گئی۔'' شکیل نے ماں کی ساری غلطیاں بھلا کر بیوی کا احتساب شروع کردیا۔ نرما پھٹی پھٹی آنکھوں سے شوہر کو دیکھنے لگی۔

❁......❁......❁

وہ کالج سے باہر نکلی تو فائز کی گاڑی گیٹ کے باہر دکھائی دی۔ سفینہ نے اسے جان بوجھ کر نظر انداز کیا اور بس اسٹاپ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ اسے جب سے فائز کے ارادوں کی خبر ہوئی تھی، بات چیت کرنا بند کررکھی تھی، نہ اس کا فون ریسیو کرتی، نہ ایس ایم ایس کا کوئی جواب دیتی، حد تو یہ ہے کہ جہاں اس کی موجودگی کا ذرا سا بھی اندیشہ ہوتا، اس جگہ کے قریب بھی نہ پھٹکتی۔ نیچے بھی ان ہی اوقات میں آتی جب وہ گھر سے باہر گیا ہوا ہوتا۔ فائز ایک جھلک دیکھنے کو ترس ہیا تھا تو آج مجبوراً اس کے کالج چلا آیا۔
''ارے سنو تو۔'' فائز نے گاڑی میں سے منہ نکال کر آواز دی، سفینہ کی من موہنی سی ناراض شکل دیکھ کر، ایک دم بہت

سارا ٹوٹ کر اس پر پیار آنے لگا۔ وہ سی ان سی کر کے آگے بڑھتی چلی گئی۔
"سفی! شرافت سے گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ سب لوگ ہمیں ہی دیکھ رہے ہیں بلاوجہ کا تماشہ بن جائے گا۔" فائز نے اسے زبردستی گاڑی کا دروازہ کھول کر بٹھایا۔ وہ دوسری طرف منہ پھیرے بیٹھی رہی۔
"ناراض ہو مجھ سے۔" فائز نے گاڑی کو پرسکون سڑک پر دوڑاتے ہوئے پیار سے ٹہوکا دے کر پوچھا۔
"نہیں تو میں اجنبیوں سے ناراض نہیں ہوتی۔" اس نے بھی باہر دیکھتے ہوئے نروٹھے پن سے جواب دیا، وہ ایک دم قہقہہ مار کر ہنسا۔
"ویسے انداز تو محبوباؤں والے ہیں اجنبی ایسے کب روٹھتے ہیں؟" فائز نے گلاسز اتار کر ڈیش بورڈ پر رکھا اور اپنی بھوری شرارتی آنکھیں اس پر ٹکا کر بولا۔
"مجھ سے بات نہیں کریں۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔
"اوکے...... بات نہیں کرتے بس میں جو کہہ رہا ہوں وہ سن لو۔" فائز نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا دوسرے سے اس کا چہرہ اپنی جانب گھمایا۔
"جی بولیں۔" وہ روٹھے روٹھے لہجے میں بولی۔
"میں کس کے لیے یہ سب کر رہا ہوں ہم دونوں کے بہتر مستقبل کے لیے نا۔" وہ خلاء میں دیکھتے ہوئے خاصی سنجیدگی سے بولا۔
"مجھے ایسا مستقبل نہیں چاہیے جس کے لیے آپ کو دور جانا پڑے۔" وہ التجائیہ انداز میں بولی۔
"افوہ لڑکی! اچھا ہے ڈالرز کما کر لاؤں گا تم دل بھر کر شاپنگ کرنا اپنی سہیلیوں کے سامنے اترانا۔" فائز سے اس کی اداس صورت دیکھی نہ گئی مذاق کرنے لگا۔
"مجھے ایسا پیسہ نہیں چاہیے۔" سفینہ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے فائز بھی افسردہ ہو گیا۔
"پلیز اس طرح نہ رو تم میری طاقت ہو...... یوں کمزوری دکھاؤ گی۔ تو میں کیسے کچھ کر پاؤں گا؟" وہ ایک دم بے قراری سے ٹشو نکال کر اس کی گیلی آنکھوں کو خشک کرنے لگا۔
"آپ نہیں جائیں میں......" سفینہ نے مسلسل انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا، اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔
"ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہا ہوں...... کچھ عرصے کی بات ہے۔ پھر واپس آؤں گا تو ہماری شادی ہو گی نا۔" فائز نے مسکراتے ہوئے اس کی چھوٹی سی ناک دبائی۔ شادی کے نام پر وہ شرما گئی۔
"آپ وہاں جا کر بدل گئے تو۔" اس نے اپنے جذبات پر قابو پا کر ایک نیا سوال کیا۔
"لو...... ایک مسئلہ حل ہوا تو...... یہاں دوسرا ایموشنل ڈرامہ شروع۔" فائز نے سر کھجاتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگایا۔
"فکر نہیں کرو جانے سے پہلے کوئی پکا کام کر کے ہی جاؤں گا۔" فائز نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یقین دلایا اور گاڑی گھر کے سامنے لے جا کر روک دی۔
سفینہ اداسی سے فائز کو دیکھتی رہی۔ فائز نے جھک کر اس کے بال کی لٹ کھینچی جب کہ سفینہ اس کا ہاتھ تھام کر رونے لگی۔ وہ پیار سے اس کے آنسو اپنی انگلیوں پر چن رہا تھا اور چھت پر کپڑے پھیلاتی ہوئی سائرہ نے چونک کر نیچے کا منظر دیکھا اور تن فن کرتی سیڑھیاں اترنے لگیں۔

❁......❁......❁

مکی بابا کا آستانہ دن میں بھی اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، نیم اندھیرے کمرے میں گھستے ہی باسی گلاب کے پھولوں اور اگربتی کی خوش بو کے ساتھ ایک عجیب سی بو نے استقبال کیا۔ میلی سی دری پر کچھ عورتیں بیٹھیں، عقیدت سے تسبیح پر کوئی ورد کررہی تھی۔

"مکی بابا کی ابھی حاضری نہیں ہوئی ہے۔ ہم لوگ ٹھیک وقت پر پہنچ گئے۔" رانی نے دلشاد بیگم کا ہاتھ گھسیٹ کر کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔

وہ اس سے قبل کبھی ایسی جگہ نہیں گئی تھیں۔ دلشاد کا دل ایک دم اس ماحول سے فرار ہونے کی خواہش کرنے لگا، اسے یہاں آکر پچھتاوا سا ہوا مگر رانی کی امید افزا باتیں، اس نے سارے خیالات کو جھٹک دیا۔

اچانک اندرونی حصے سے نعرے سے بلند ہوئے، ایک لکڑی کے تخت کو کچھ مرد اور عورتیں اٹھائیں باہر لے آئیں، جس پر ایک کالا موٹا سا آدمی بیٹھا تھا، رانی نے انہیں ٹہوکا مارا اور دوڑ کر بابا کا تخت چوم کر انگلیاں آنکھوں پر پھیریں۔ دلشاد بیگم کے سوا دری پر براجمان تمام عورتوں نے یہ ہی حرکت کی تھی۔

"بی بی! بیٹے کو خود سے دور کرنا نہیں چاہتی ہو۔" مکی بابا نے اپنی موٹی موٹی سرخ آنکھیں کھول کر لمحہ بھر میں پورے ماحول کا جائزہ لیا، پھر ان کی بھاری بھرکم آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کردیا۔

"جی بابا! اس کی بہو بہت تیز ہے بیٹے اور ماں کے بیچ میں جدائی ڈال دی ہے۔" رانی نے ان کی طرف سے جواب دیا۔ دلشاد بانو کے تو جیسے ہاتھ پاؤں کی جان ہی نکل گئی، ایک خوف سا ان کی روح میں سرائیت کرتا چلا گیا۔

"ہونہہ ہوجائے گا سب ٹھیک ہوجائے گا۔" بابا نے اپنے سامنے رکھی چاندی کی چھوٹی سی مٹکی اٹھائی، اس میں گلاب کا ایک پھول ڈال کر کچھ دیر جھانکا، پھر ہاتھ اٹھا کر خوش خبری سنائی۔

"سچ بابا...... دیکھا میں نہ کہتی تھی بابا کے در سے کوئی مایوس نہیں جاتا۔" رانی کی زبان فراٹے بھرنے لگی۔

"مگر اس میں ایک مشکل ہے۔" بابا نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ کرایا اور گھمبیرتا سے بولے۔

"اچھا وہ کیا بابا؟" دلشاد بانو نے پہلی بار زبان کھولی۔

"سات ہفتے پورے سات ہفتے کالے بکرے کی سری آستانے پر لانی ہوگی اس کے بعد تمہاری کالے سر والی بہو کا سر تمہارے آگے جھکے گا۔" انہوں نے ایک بار پھر مٹکی میں جھانکا اور حل پیش کیا۔

"بابا! بی بی جی کا گھر سے اتنی بار نکلنا مشکل ہوگا۔" رانی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ان کی ترجمانی کی۔

"اچھا ایسا کر ان کی جگہ تم یہاں سری پہنچاتی رہنا اور ہم جو عمل بتائیں وہ گھر جا کر بی بی کو بتادینا۔" بابا نے جھومتے ہوئے کہا تو رانی نے دلشاد بانو کی طرف دیکھا۔ انہوں نے سر ہلا کر اجازت دے دی۔

"یہ لو بابا جی کا تعویز بیٹے کو دودھ میں گھول کر پلا دینا پھر اس کی کرامات دیکھنا۔" وہ دونوں سلام کرکے الٹے پاؤں باہر نکل رہی تھیں کہ پیچھے سے ایک چیچک زدہ چہرے والی عجیب سی عورت نے روکا اور سفید کاغذ کی گولی تھمائی۔

"اچھا شکریہ۔" دلشاد بانو نے پرس کھول کر احتیاط سے تعویز رکھا تو وہ پرس میں جھانکنے لگی۔ رانی نے اشارہ کیا تو دلشاد نے کچھ پیسے نکال کر اسے تھمائے، وہ پیلے دانت نکالتی ہوئی واپس ہوگئی۔

❁......❁......❁

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے باہر اتنی گری پڑ رہی ہے اور تم کہاں گاڑی لے کر غائب تھے؟" سائرہ نے گھر میں گھستے ہی بیٹے کی کلاس لگائی۔

"مما! کیا ہوگیا ہے ذرا کام سے نکلا تھا۔" فائز نے نرمی سے جواب دیا، اس کے پیچھے اندر داخل ہونے والی سفینہ

جلدی سے اپنے پورشن کی جانب بڑھنے لگی۔
''ایک منٹ تم دونوں جو کھیل میری آنکھوں کے سامنے کھیل رہے ہو وہ اپنے انجام تک نہیں پہنچے گا۔'' انہوں نے پیچھے سے جا کر سفینہ کا باز و مروڑا اور آگ بگولہ ہو کر بولیں۔
''تائی اماں! پلیز۔'' سفینہ کی آنکھوں میں درد سے پانی بہنے لگا۔
''مما! آپ کو ہو کیا گیا ہے کس طرح کی باتیں کر رہی ہیں۔'' وہ اپنے لمبے چوڑے سراپا کے ساتھ ان دونوں کے بیچ میں حائل ہو گیا۔
''تم دونوں کہاں سے آرہے ہو؟ کیا شرم وحیا سب بیچ کھائی ہے۔'' سائرہ نے کمر پر ہاتھ لٹکا کر سوال کیا۔ ان کی چیخ دپکار پر اوپر سے ریحانہ اور اندر سے ابرار خان چھڑی سنبھالتے نکلے۔
''آپ...... سفی کے بارے میں اس طرح کی باتیں بالکل نہیں کریں، ہم نے کچھ غلط کام نہیں کیا۔'' وہ بھی آپے سے باہر ہوا۔
سفینہ جو تائی کے الزام سن کر تھر تھر کانپ رہی تھی، فائز کی حمایت پر ایسا، لگا جیسے وہ تپتی دھوپ سے چھاؤں میں آ گئی ہو۔
''کیا مجھے اندھا سمجھتے ہو۔ میں نے اوپر سے تم دونوں کو خود گاڑی میں بیٹھا دیکھا ہے۔'' وہ بیٹے کے سامنے ڈٹ گئیں۔ ریحانہ نے بیٹی کی جانب افسوس بھری نگاہوں سے دیکھا۔
''ہوا اتنا کہرام کس لیے مچایا ہوا ہے اگر وہ دونوں ساتھ گاڑی میں آئے ہیں تو اس کی کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے۔'' ابرار خان کے کرخت لہجے پر سائرہ کو وہاں ان کی موجودگی کا احساس ہوا تو تھوڑا دب گئیں۔
''آج سفی کے دین والے نے اچانک چھٹی کر لی، بہزاد نے کال کر کے بتایا تو ہم نے ہی فائز کو کہا کہ باہر گرمی بہت ہے، یہ بے چاری کہاں بسوں میں دھکے کھاتی پھرے گی، تم جا کر لے آؤ۔ فقط اتنی سی بات کا ایسا بتنگڑ بنا دیا۔'' وہ گرجے کچھ سچ بولا کچھ پوتے کو بچانے کے لیے بات بنائی، فائز نے شکر بھری نظروں سے دادا کو دیکھا۔
''سفی! اگر ایسی بات تھی تو رکشہ کر لیتی' ان کا احسان لینے کی کیا ضرورت تھی چلو اوپر۔'' ریحانہ نے بیٹی کے نزدیک جا کر کلاس لگائی۔
''فائز! دیکھ لیا اچھائی کا صلہ۔ اب چل کر کھانا کھاؤ۔'' سائرہ نے بھی فوراً ہی بدلا اتارا۔ ابرابر خان کی سوچتی نگاہیں بچوں اور ان دونوں کی ماؤں پر تھیں۔ انہوں نے دل میں ایک فیصلہ کیا اور اپنے کمرے میں پلٹ گئے۔

❁......❁......❁

''نرما یہ ٹکٹ سنبھال کر رکھو پیر کی شام پانچ بجے کی فلائٹ کنفرم ہو گئی ہے۔'' شکیل نے بیوی کے ہاتھ میں بھورے رنگ کا لفافہ تھمایا تو وہ خوشی سے کھل اٹھی۔
''شکر ہے۔ یہ بڑا مرحلہ حل ہوا ورنہ میں تو سوچ رہی تھی کہ اماں کی ڈرامے بازیوں سے کہیں شکیل کا ارادہ نہ بدل جائے۔'' وہ دراز میں لفافہ رکھتے ہوئے سوچنے لگی۔
''میں کھانا لگاؤں؟'' وہ پھرتی سے باہر کی جانب بڑھی۔
''ایک منٹ رک جاؤ...... مجھے بھوک نہیں تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے ذرا یہاں آ کر بیٹھو۔'' شکیل نے کھسک کر اپنے برابر جگہ بنا کر کہا۔
''کیا ہوا شکیل سب خیریت تو ہے؟'' نرما نے گھبرا کر شوہر کو دیکھا جہاں پچھتاوے کے عجیب سے رنگ جھلک

رہے تھے۔

"میری بات تحمل سے سننا۔" شکیل نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ پریشانی سے سر ہلانے لگی۔

"اماں کو یوں اکیلا چھوڑ کر جاتے ہوئے میرا دل نہیں مان رہا، ابا کے بعد ایک میں ہی تو ان کا سہارا ہوں۔ وہ جیسی بھی ہیں۔ میری ماں ہیں اگر میرے معاشی حالات اس نہج تک نہ پہنچ جاتے کہ میں تمہارا خرچہ تک اٹھانے کے قابل نہ رہا ہوتا تو شاید میں یہیں رک جاتا مجھے سسرال سے یوں پیسے لینا اچھا نہیں لگتا۔" شکیل کا لہجہ گلوگیر ہوا تو نرما کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

"آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں میرے گھر والے اس طرح سے نہیں سوچتے۔" وہ شوہر کو تسلی دینے لگی۔

"وہ تو ان لوگوں کی اچھائی ہے خیر، میں نے سارا حساب کتاب لکھ رکھا ہے ان شاء اللہ وہاں جا کر نوکری ملتے ہی سارا قرضہ اتار دوں گا۔" شکیل نے بیوی کو زبردستی مسکرا کر دیکھا۔

"بس اس بات کی وجہ سے پریشان ہیں؟" نرما نے اس کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھ کر دلاسہ دیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں یہ ذکر تو بیچ میں آ گیا۔ میری تم سے ایک درخواست ہے جب تک ہم لوگ پاکستان میں ہیں۔ اماں کے ساتھ کھانا کھائیں گے وہ اگر تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک بھی روا رکھے تو میری خاطر برداشت کر لینا، انہیں پلٹ کر جواب نہ دینا۔ بس تھوڑے دنوں کی تو بات ہے۔ میں جاتے جاتے انہیں مزید دکھ دینا نہیں چاہتا۔" شکیل نے نرما کا ہاتھ تھام کر اس انداز میں التجا کی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے حامی بھرنی پڑی۔

"ایک آخری بات میں اب پیر تک اماں کے کمرے میں سوؤں گا۔" شکیل نے تکیہ اٹھا کر باہر نکلتے ہوئے کہا تو نرما شوہر کو دیکھتی رہ گئی۔

"نرما! بس پانچ دن اور۔" اس نے جانے کے دن انگلیوں پر گنے اور بازو آنکھوں پر رکھ کر لیٹ گئی۔ یہ موقع جھگڑنے کا نہیں تھا۔ اس لیے مجبوراً سب برداشت کرنا پڑا۔

"اماں! میں آج آپ کے کمرے میں ہی سوؤں گا۔" شکیل اپنا تکیہ اٹھائے، ماں کے کمرے میں داخل ہوا تو دلشاد کھل اٹھیں۔

"کمال کر دیا بابا..... تعویز میں ایسا اثر دودھ حلق سے اترا نہیں اور میرا بچہ بیوی کو چھوڑ کر ماں کے پاس چلا آیا۔" دلشاد بیگم نے سوچا اور بیٹے کے برابر میں بیٹھ کر بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

برگ گل

نزہت جبیں ضیاء

''مما! آج اسکول میں پی ٹی ایم ہے' آپ اس بار تو آئیں گی ناں؟'' میں تیار ہو کر پرفیوم اسپرے کررہی تھی کہ یثرب کی آواز پر پلٹ کر اسے دیکھا۔

''یثرب! میں نے کل بتایا تھا ناں کہ میری آج بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے اور تم پاپا سے کہو کہ وہ ٹائم نکال کر پی ٹی ایم اٹینڈ کریں۔'' میں نے قدرے بے زاری سے کہا۔

''مما! پاپا نے بھی منع کردیا کہ وہ نہیں آسکتے' مما لاسٹ ٹائم بھی آپ لوگ نہیں آئے تھے تو ٹیچر نے میری انسلٹ کی تھی۔''

''انسلٹ...... واٹ انسلٹ......؟ ٹیچرز تو اسٹوڈنٹس کو ڈانٹ دیا کرتے ہیں' اس میں انسلٹ کرنے والی کون سی بات ہے اسٹوپڈ۔'' میرے لہجے میں ہلکی سی سرزنش تھی۔

''اچھا میں تمہاری ٹیچر سے کال پر بات کرلوں گی...... اوکے؟'' میں نے اسے ٹالا۔

''چلو جلدی کرو تمہاری گاڑی کے ہارن کی آواز آرہی ہے۔'' وہ بنا کچھ کہے پلٹ گئی۔ ''اوکے سویٹی ٹیک کیئر۔'' کہہ کر میں اپنی ساڑھی کی فال درست کرنے لگی۔

''فردوس! میں جارہی ہوں رات کو واپسی پر میری کچھ فرینڈز ڈنر پر آئیں گی انتظام کرلیجیے گا۔'' کاندھے پر بیگ ڈال کر میں نے فردوس کو ہدایات دی اور باہر کی طرف چل دی۔

میرے شوہر غفران حیات شہر کے مشہور بزنس مین تھے جن کا گارمنٹ بزنس پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پسند کیا جاتا اور میں مشہور سماجی کارکن اور ایک فلاحی ادارے کی سربراہ تھی جس میں معاشرے کی ستائی ہوئی خواتین کو رہائش کے ساتھ ساتھ مختلف ہنر بھی سکھائے جاتے جس سے وہ اپنی کفالت کرنے کے قابل ہوجاتی تھیں۔ ہماری شادی کو چودہ سال ہونے والے تھے' ہماری ایک تیرہ سال کی بیٹی یثرب تھی جو آٹھویں کلاس میں شہر کے سب سے بہترین اسکول میں پڑھتی تھی۔

میری اور غفران کی شادی میں ہماری پسند کا کوئی عمل دخل نہ تھا' میرے پاپا اور غفران کے پاپا آپس میں دوست تھے اور انہوں نے ہمارا رشتہ طے کردیا تھا گو کہ غفران کے پاپا کی ڈیتھ ہوچکی تھی لیکن ان کی خواہش تھی تو غفران کو نہ چاہتے ہوئے بھی مجھ سے شادی کرنی پڑی کیونکہ وہ کسی اور کو پسند کرتے تھے۔ غفران کی مما تو غفران کے بچپن میں ہی فوت ہوچکی تھیں' اس لیے غفران تنہا تھے جب کہ میری فیملی خاصی بڑی تھی دو بڑی بہنیں' دو بھائی تھے سب شادی شدہ تھے۔ بہنیں شہر سے باہر اور بھائی ملک سے باہر تھے اس لیے میری ممی اور پاپا میری شادی کے بعد بیٹوں کے پاس امریکہ چلے گئے تو میں خود کو تنہا محسوس کرنے لگی ویسے بھی گھر میں سب سے چھوٹی تھی ممی پاپا کے علاوہ بہنوں اور بھائیوں کی بھی لاڈلی تھی اسی لاڈ پیار کی وجہ سے میری فطرت میں ضد' ہٹ دھرمی اور خودسری نمایاں تھی۔

غفران کے گھر میں غفران کے بچپن سے ہی فردوس بی بی' گل زمان اور ان کی فیملی ممبران رہتے تھے۔ فردوس بی بی غفران کی والدہ کے ساتھ میکے سے ان کے جہیز میں آئی تھیں ان کی شادی بھی یہی ہوئی تھی۔ فردوس بی بی کی ایک بیٹی تھی جس کی شادی بھی کم عمری میں غفران کی مما نے کرادی تھی اور وہ شادی کے

کچھ عرصے بعد بھی بیوہ ہوگئی تھی اور غفران کی مما کے دور پرے کے رشتہ داروں کے ہاں رہتی تھی۔ کبھی کبھار وہ اپنی ماں سے ملنے یہاں آجایا کرتی تھی۔

مجھے غفران کے اتنے بڑے سے گھر میں وحشت ہوتی تھی' وقت کاٹنا ایک عذاب لگتا تھا۔ غفران صبح صبح آفس جاتے تو رات گئے لوٹتے' میں پاگلوں کی طرح بڑے گھر میں بولائی بولائی پھرتی۔ کس سے بات کرتی بھلا نوکروں سے کتنی اور کیا کیا باتیں ہوسکتی ہیں' ایسے میں مجھے شدت سے اپنا میکہ یاد آتا مگر اب تو وہاں بھی سب اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف رہتے۔

اس روز موسم بہت پیارا ہورہا تھا' ہلکی ہلکی بارش نے موسم کو مزید حسین بنادیا تھا۔ میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی تھی لان کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ سارے پیڑ پودے دھل کر نکھر گئے تھے' کیاریوں میں کھلے پھول اپنی بہار دکھلا رہے تھے۔ شادی سے پہلے میں ایسے موسم کو خوب انجوائے کرتی' اپنی فرینڈز کے ساتھ گھومنے نکل جاتی' گول گپے' آئس کریم کھاتے مگر...... یہاں تو جیسے میں کسی قید خانے میں تھی۔ عجیب سی اداسی میرے اندر اتر آئی تھی' غفران کو میرا ذرا سا بھی خیال نہ تھا انہیں صرف اپنی مصروفیت عزیز تھی۔ اپنا کام پیارا تھا اس رات میری غفران سے باقاعدہ لڑائی ہوگئی۔

''تمہارا کیا مطلب ہے؟ میں آفس اور کام دھندا چھوڑ کر تمہیں لیے موسم انجوائے کرتا پھروں۔'' انہوں نے میرے شکوے پر قدرے تیکھے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

''نہیں مجھے ایک فالتو شے کی طرح گھر میں پھینک کر خود انجوائے کرتے پھریں۔'' میں کہاں چپ رہنے والی تھی۔

''تمہارے خیال میں میری دن بھر کی مغز ماری محض انجوائے منٹ ہے۔ محترمہ آپ نے اس وقت جو نو ہزار کا سوٹ گھر میں پہنا ہوا ہے ناں..... کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس' یہ گولڈ کا بھاری بریسلیٹ...... یہ سب میرے اسی انجوائے منٹ کا نتیجہ ہیں جو مغز ماری میں آفس میں کرتا ہوں۔'' غفران نے مجھے سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے طنز کا تیر چلایا۔

''تو اس کا مطلب ہے مجھے اسی طرح تنہا قیدیوں کی طرح زندگی گزارنی ہوگی۔'' مجھے غفران کا طنز برداشت نہ ہوسکا تھا۔

''میں نے کب قید کرکے تم پر پابندیاں لگا رکھی ہیں خود کو مصروف کرسکتی ہو تم بھی' تم بھی کچھ کرلیا کرو۔ کوئی کام' کوئی مصروفیت تلاش کرسکتی ہو۔'' غفران کی بات پر میرے ذہن میں کھٹ سے خیال آگیا کہ کیوں نہ اپنی فرینڈز کے ساتھ مل کر پہلے کی طرح زندگی انجوائے کروں۔

دوسرے دن ہی میں نے اپنی تمام فرینڈز سے

رابطہ کیا پھر وہی ہلہ گلہ اور خوش گپیاں شروع ہوگئیں۔ ادینہ رحاب ضامرہ اور صاحباں ہم پانچوں پھر سے اکٹھے ہوگئے تھے۔ ادینہ کا نکاح ہوگیا تھا اور وہ تینوں ابھی فارغ تھیں۔ ہم روزانہ کسی نہ کسی کے گھر جمع ہوکر اُدھم بازی کرتے' میں بھی اپنی لائف انجوائے کرنے میں مگن تھی۔ غفران کے پاس میرے لیے ٹائم ہی کہاں تھا' ایک دن ملتا چھٹی کا اسے بھی وہ دوستوں کی نذر کردیتے۔

پھر ایک دن باتوں باتوں میں فلاحی ادارہ کھولنے کا پروگرام بنایا' ایک عرصہ تک ادینہ کی مما نے یہ ادارہ چلایا تھا مگر پھر مالی مشکلات کی وجہ سے وہ بند ہوگیا۔ اب میں مالی طور پر خاصی مستحکم تھی سو میں نے اسے دوبارہ اسٹارٹ کرنے کا پروگرام بنالیا اور غفران سے بھی بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ بلڈنگ ہمارے پاس تھی جس کا کرایہ چاروں مل کر افورڈ کرسکتی تھیں' باقی چیزوں کے لیے رقم درکار تھی۔ رات کو میں نے غفران سے بات کی۔

''غفران مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں بولو۔'' فائل پر کچھ لکھتے لکھتے انہوں نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''تب میں نے اپنا پروگرام اور رقم کی ضرورت کی بات کرلی۔''

''اچھا...... کتنا اماؤنٹ چاہیے؟'' انہوں نے بنا کوئی سوال کیے چیک بک میرے آگے کردی۔ میں نے سب کچھ بتادیا انہوں نے چیک سائن کرکے میرے حوالے کردیا۔

''شکریہ۔'' میں نے فارملیٹی نبھائی۔

سب سے پہلے ہم نے بلڈنگ کا دورہ کیا' کمروں کی جھاڑ پونچھ' رنگ و روغن اور تھوڑا بہت فرنیچر' بستر' کچن کے لیے ضروری سامان وغیرہ کا انتظام کیا۔ میں ان کاموں میں بے حد مصروف ہوگئی' دن رات بس ادارے کے لیے سوچا کرتی' گھر مکمل طور پر فردوس بی بی اور گل زمان کے رحم و کرم پر تھا۔ میری غفران سے ملاقات کبھی ناشتے پر تو کبھی ڈنر پر ہوتی' غفران کو میری مصروفیت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ میں اپنی زندگی سے مطمئن ہونا سیکھنے لگی تھی کہ اچانک اس روز حسب معمول میں صبح تیار ہورہی تھی کہ مجھے بُری طرح چکر آگئے اور میں کمرے میں گرگئی۔ غفران گھر پر ہی تھے مجھے لے کر ہسپتال بھاگے تو ڈاکٹروں نے ماں بننے کی نوید سنائی۔

''اُفوہ...... یہ کیا مصیبت ہے بھئی' ابھی تو مجھے ڈھیر سارے کام کرنے ہیں۔'' میں نے جھنجلا کر اپنا سر تھام لیا۔ میری اس بات پر غفران نے بس مجھے گھور کر دیکھا' منہ سے کچھ نہ بولے شاید وہ بھی ابھی اس تبدیلی کے حق میں نہ تھے۔ بہرحال میں کیا کرسکتی تھی صبر کرکے چپ ہورہی مگر ساتھ ساتھ اپنا کام بھی جاری رکھا۔ جیسے تیسے وقت گزرا اور یشرب پیدا ہوئی تو میں نے بس چند دن ریسٹ کیا اور یشرب کو فردوس بی بی کے حوالے کرکے دوبارہ سے اپنا کام اسٹارٹ کرلیا۔ مجھے خواہش تھی نام کمانے کی' مشہور ہونے کی بہت کچھ کرنے کی۔

اور یہ سب کچھ پانے کے لیے میں دھیرے دھیرے اپنے گھر' اپنے شوہر اور اپنی ننھی سی بچی سے دور ہوتی چلی گئی۔ میری خواہشات تو پوری ہورہی تھیں لیکن مجھ سے یشرب کا رونا برداشت نہ ہوتا' اس کے کپڑے چینج کرنا' نہلانا' کھلانا پلانا سب کچھ بہت مشکل لگتا۔ میرے خیال میں یشرب صرف میری ہی نہیں غفران کی بھی ذمہ داری ہے اسے بھی یشرب کو ٹائم دینا چاہیے مگر غفران کچھ بھی نہ کرتے' مجھے ان پر بہت غصہ آتا۔ کام وہ بھی کرتے تھے' کام میں بھی کرتی تھی' وہ بھی آفس میں جان کھپاتے' میں بھی اپنے آفس میں بزی رہتی لیکن یشرب کو وہ صرف میری ذمہ داری کیوں سمجھتے؟ میں بھی یشرب کی ذمہ داریوں سے دور ہوتی گئی صرف غفران کی بے توجہی کی وجہ سے میں

نے بھی یثرب کو مکمل طور پر فردوس بی بی کے حوالے کردیا' میں فردوس بی بی سے مطمئن تھی۔

میری مصروفیات دن بہ دن بڑھتی چلی گئیں' میں تو فلاحی کاموں میں مصروف تھی' معاشرے کی ستائی ہوئی مظلوم خواتین کی مدد کرتی کسی پر شوہر نے تیزاب پھینک دیا ہوتا تو کوئی باپ بیٹی کو قتل کرنے کی دھمکی دیتا۔ کہیں جب بھائی غیرت کے نام پر اپنی معصوم بہنوں کو جان سے مارنے کی کوشش کرتے تو وہ ساری مظلوم خواتین میرے یہاں پناہ لینے آجاتیں۔ مجھے ان کو دیکھ کر رونا آجاتا کہ آج بھی ہمارے معاشرے کے مردوں کو خواتین کی عزت کرنا نہیں آئی تھی۔ ہر بار عورت ہی تذلیل ہوتی' ظلم کا درندگی کا شکار بنتی کیوں...... کیوں؟ غفران بھی ایک مرد تھے' ان کا اذیت دینے کا طریقہ دوسرا تھا۔ بے اعتنائی سے مارتے' بے پروائی سے زخمی کرتے یا پھر مجھے یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ میں زبردستی ان کی زندگی میں شامل کردی گئی ہوں' میں خود کو بھی مظلوم سمجھتی تھی۔ یثرب تین سال کی ہوگئی تو اس کو ایڈمیشن دلوانا تھا' اس روز ناشتے پر میں نے غفران کو بتایا کہ یثرب کے اسکول چلنا ہے انٹرویو کے لیے۔

''نہیں سوری! میں تو نہیں جاسکوں گا تم چلی جانا۔''

''ارے غفران! ایڈمیشن ہورہا ہے تمہاری بیٹی کا' اتنا ٹائم تو نکالنا پڑے گا ناں تمہیں۔'' میرا لہجہ تیز تھا۔

''وہ تمہاری بھی بیٹی ہے۔'' غفران نے مجھے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''جی جی مجھے پتا ہے اور احساس بھی ہے تب ہی میں نے دیگر فارملیٹی پوری کردی ہے۔'' میں نے ان سے زیادہ طنزیہ لہجہ اپنایا۔

''ہنہہ...... بہت احسان ہے جناب کا۔'' غفران کا لہجہ بدستور طنزیہ تھا۔

''ایسا تھا تو پیدا ہی نہ کرتے ناں۔'' چائے کا کپ ٹیبل پر زور سے پٹخ کر کہتی ہوئی میں شولڈر بیگ اٹھا کر

باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

یثرب اسکول جانے لگی تھی' فردوس بی بی صبح صبح اسے انڈا اور دودھ دیتی اور پھر اس کا ٹفن بھی بنا دیتی تھیں تب ہی یثرب کی اسکول وین آ جاتی اور وہ اسکول کے لیے روانہ ہو جاتی۔ غفران کی مصروفیت مزید بڑھ گئی تھیں اب بھی کبھی فارن ٹور پر بھی جانا پڑ جاتا تھا' میری مصروفیت اپنی جگہ ہنوز برقرار تھی۔

یثرب عام بچوں کے مقابلے میں سنجیدہ' سوبر' خاموش طبع' صلح پسند بچی تھی۔ کوئی ضد' بدتمیزی نہیں کرتی گل زمان کے بچوں کے ساتھ کھیل بھی لیتی' کبھی کوئی فرمائش نہ کرتی' پڑھنے میں بہت اچھی تھی مگر میرے یا غفران کے پاس ٹائم نہ ہوتا کہ اس کا رزلٹ لینے جاتے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا کہ میں اس کو بہترین اور بیش قیمت گفٹ ضرور دے دیتی' اسی طرح دن ماہ و سال میں بدلتے چلے گئے۔ یثرب آٹھویں کلاس میں آ چکی تھی' فردوس بی بی کافی بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھیں۔ بیمار بھی رہنے لگی تھیں' بلڈ پریشر اور ہارٹ پرابلم بھی ہو گئی تھی۔ اس روز شام ڈھلے میں گھر لوٹی تو یثرب کافی پریشان تھی۔

''مما...... مما...... فردوس بی بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' جلدی سے آ جائیں۔'' میں گل زمان انکل کو بلانے ہی جا رہی تھی حواس باختہ سی ہو کر یثرب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کمرے میں لے آئی۔ فردوس بی بی اپنے بیڈ پر اوندھی پڑی تھیں اور ان کا ایک ہاتھ دل پر تھا' میں دوڑ کر ان تک پہنچی یثرب پانی لینے بھاگی میں نے بمشکل انہیں سیدھا کیا تو ان کا بے جان وجود میرے ہاتھوں میں جھول گیا۔

''فردوس بی بی......'' میں پوری قوت سے چیخی اور انہیں لٹا کر بُری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ اسی لمحے یثرب پانی کا گلاس لے کر گل زمان کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی' اندر کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ اس نے پہلے فردوس بی بی کے بے جان وجود کو دیکھا پھر مجھے دیکھا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔

''یا اللہ یہ کیا ہو گیا؟'' میں دوڑ کر یثرب کی جانب بھاگی' یثرب کی بے ہوشی اور فردوس بی بی کی اچانک موت نے مجھے حواس باختہ کر دیا تھا۔ گل زمان نے غفران کو فون کیا' غفران بھی بے حد آزردہ تھے۔ فردوس بی بی ہمارے گھر کے فرد جیسی تھیں اور بچپن سے غفران کو پالا تھا' غفران کی مما کی موت کے بعد فردوس بی بی نے غفران کو ماں کی طرح سنبھالا اور غفران نے بھی ہمیشہ ان کی عزت ماں کی طرح کی تھی اور پھر یثرب بس مکمل ان کی ہی ذمہ داری تھی۔

یثرب بھی فردوس بی بی سے بہت اٹیچ تھی' اس پر فردوس بی بی کی موت کا گہرا اثر ہوا تھا' وہ خود کو تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ فردوس بی بی کی موت پر ان کی بیٹی نسرین آ گئی تو میں نے اسے روک لیا کیونکہ مجھے گھریلو ذمہ داریوں سے واقفیت کہاں تھی اور پھر یثرب کے لیے بھی کوئی نہ کوئی ہو یہ ضروری تھا اور آہستہ آہستہ سب معمول پر آنے لگا تو میں یثرب کو نسرین کے حوالے کر کے ایک بار پھر مطمئن ہو گئی اور پھر یکسوئی سے اپنی آفس کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

اس رات موسم خاصا خطرناک تھا خوب بادل گرج رہے تھے' تیز ہواؤں کے ساتھ بجلی کی چمک سے ماحول میں عجیب سا خوف ناک شور تھا۔ نسرین کی طبیعت کچھ خراب تھی اس نے دوا لے لی تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ بادلوں اور ہواؤں کے شور اور بجلی کی چمک سے شاید یثرب کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس روز میں بھی کسی فنکشن میں شرکت کر کے دیر سے گھر آئی تھی اور خاصی تھکی ہوئی بھی تھی اس لیے میری آنکھ بھی لگ گئی تھی۔ میں گہری نیند میں تھی تب دروازہ دھڑ دھڑ بجنے لگا۔

''اُفوہ...... اس وقت کون ہے؟'' بمشکل میں نے اپنی نیند سے بوجھل پلکیں وا کیں۔ غفران کو گہری نیند

میں دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا۔ ''اٹھ کر دیکھ نہیں سکتے کب سے دروازہ پیٹ رہا ہے کوئی۔'' جھنجلاتے ہوئے میں اٹھی اور دروازہ کھولا۔ دروازے پر یثرب کھڑی تھی۔

''کیا ہوا...... اس ٹائم تم یہاں کیسے؟'' میں نے دیوار پر لگی بڑی سی گھڑی کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''مما مجھے ڈر لگ رہا ہے بارش اور...... اور نسرین بھی سوگئی ہے۔'' یثرب نے ڈرتے ڈرتے معصومیت سے کہا۔

''اُف......'' میں نے جھنجلا کر پیشانی پر ہاتھ مارا۔ ''ڈر...... کیسا ڈر...... کیا تم چھوٹی بچی ہو۔ یثرب آپ اب بڑی ہوچکی ہو' آٹھویں کلاس میں آ گئی ہو۔ اب ایسی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں' حد کردی آپ نے تو...... پتا بھی ہے کہ آج مما کتنی تھکی ہوئی آئی ہیں اور آپ نے آ کر انہیں جگا دیا۔ ذرا سا بھی خیال ہے مما کا' چلو جاؤ روم بند کر کے سو جاؤ ابھی بارش تھم جائے گی۔'' میں نے نیند کی وجہ سے جھنجلا کر اسے خوب ساری باتیں سنا ڈالیں۔ میں نے دھاڑ سے دروازہ بند کیا اور دوبارہ بیڈ پر گر گئی۔

☆......☆......☆

آج کل ہم نے اپنے ادارے میں موجود ان خواتین کے لیے شہر کی مشہور سائیکاٹرسٹ ڈاکٹر علوینہ سے رابطہ کیا تھا جو احساس محرومی یا کسی نہ کسی وجہ سے ڈپریشن یا سخت ٹینشن کا شکار تھیں جن کو معاشرتی رویوں اور بے اعتنائیوں نے نفسیاتی مریضہ بنا دیا تھا۔ ہر ہفتے دو خواتین کو لے کر خود میں ڈاکٹر علوینہ کے کلینک جاتی اور ان سے تفصیلی گفتگو کرتی۔

میں جلدی جلدی ناشتا کر رہی تھی کیونکہ آج مجھے اٹھنے میں تھوڑی دیر ہوگئی تھی' یثرب کے اسکول کی چھٹی تھی مگر وہ بھی اتفاقاً جلدی اٹھا کر ناشتے میں شریک ہوگئی تھی۔

''مما! آپ آج تھوڑا سا جلدی آ سکتی ہیں؟'' یثرب نے ڈرتے ڈرتے مجھ سے پوچھا۔

''کیوں؟'' چائے کا سپ لے کر میں نے سوالیہ نظریں اس پر ڈالیں۔

ہم

تم صبح کی کرنوں جیسی ہو
میں شام کے تارے جیسا ہوں
تم نیلی جھیلوں جیسی ہو
میں سبز کنارے جیسا ہوں
تم برف کے گالوں جیسی ہو
میں ایک شرارے جیسا ہوں
تم اٹھتی لہروں جیسی ہو
میں گرتے دھارے جیسا ہوں
تم پھر بھی میرے جیسی ہو
میں پھر بھی تمہارے جیسا ہوں

صبا ریاست کی پسند...... فیصل آباد

وہ اک معصوم سی چاہت
وہ اک بے نام سی الفت
وہ میری ذات کا حصہ
وہ میری زیست کا قصہ
مجھے محسوس ہوتا ہے
وہ میرے پاس ہے اب بھی
وہ جب یاد آتا ہے
نگاہوں میں سماتا ہے
زبان خاموش ہوتی ہے
مگر آنکھ رو دیتی ہے
میں خود سے پوچھ لیتا ہوں
جسے میں یاد کرتا ہوں
اسے کیا پیار تھا مجھ سے
جواباً سوچ لیتا ہوں
اسے بھی پیار تھا شاید
اسی شاید سے وابستہ ہے اب تو ہر خوشی میری
یہی اک لفظ شاید بن گیا ہے زندگی میری

انتخاب:۔ ہالہ سلیم...... کراچی

"مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔" یثرب نے ملائمت سے کہا۔

"ارے تو نسرین کے ساتھ چلی جانا ناں۔" میرے جواب پر اس کا چہرہ بجھ گیا۔

"مما پلیز آپ چلئے گا ناں' میں زیادہ ٹائم نہیں لگاؤں گی۔" اس بار اس کا لہجہ عاجزانہ تھا۔

"افوہ یثرب! آخر تم کب بڑی ہوگی؟" مجھے اس کی ضد پر ایک دم غصہ آ گیا کیونکہ میں پہلے ہی لیٹ ہو رہی تھی۔ "کتنی بار سمجھایا ہے تمہیں کہ تم اب بڑی ہوگئی ہو' کوئی ننھی بچی نہیں ہو تم کہ مما کی ضرورت ہو تمہیں۔"

"نسرین......" میں نسرین کی طرف پلٹی۔ "تم یثرب کو بازار لے جانا اسے جو چاہیے دلوا دینا۔ میری الماری میں پیسے رکھے ہیں۔" کہہ کر میں گاڑی کی چابی اور بیگ اٹھا کر قصداً یثرب کو نظر انداز کرتی ہوئی اٹھ کر باہر کی طرف چل دی۔ پیچھے کانچ کی پلیٹ ٹوٹنے کی آواز آئی تھی یہ ردعمل غیر یقینی تھا مگر میں کاندھے اچکا کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

دو تین ہفتے گزرے ہوں گے اس روز میں اہم میٹنگ میں مصروف تھی کہ نسرین کی کال آ گئی۔

"ہاں نسرین! کیا بات ہے؟" میں نے عجلت میں سوال کیا۔

"وہ...... بیگم صاحبہ یثرب بی بی کو کہیں لے کر جانا ہے۔" اس نے کہا۔

"اوہو نسرین! تو اس میں مجھے بتانے والی کیا بات ہے' وہ تمہارے ساتھ آتی جاتی ہے ناں ہر جگہ۔" میں جھنجلا کر بولی۔

"مگر بیگم صاحبہ آپ کی اجازت......"

"افوہ......" میں نے اس کی بات کاٹی۔ "میری اجازت کی ضرورت کیوں پڑ گئی تمہیں' وہ جہاں جانا چاہے لے جاؤ ساتھ گل زمان کو بھی لے جانا اور اس کا خیال رکھنا' او کے۔ مجھے ڈسٹرب مت کرو میں اہم میٹنگ میں ہوں۔" میں نے جلدی جلدی بات پوری کی اور سیل آف کر کے رکھ دیا اور پھر سے گفتگو اسٹارٹ کر دی۔

آج مجھے دو خواتین کو لے کر ڈاکٹر علوینہ کے کلینک جانا تھا' میں نہا کر نکلی اور بالوں میں برش کر رہی تھی کہ نسرین آ گئی۔

"بیگم صاحبہ! مجھے یثرب بی بی کے بارے میں آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں بولو......" میں نے بالوں کو پشت پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"بیگم صاحبہ! آج کل یثرب بی بی عجیب سی باتیں کرنے لگی ہیں اور میں آپ سے پوچھنے آئی تھی کہ......"

"نسرین آنٹی آپ کہاں ہو؟" یثرب کی آواز پر نسرین چونکی۔

"آئی یثرب بی بی......" بات چھوڑ کر وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ہونہہ پاگل...... نسرین بے وجہ پریشان ہوتی ہے یثرب تو بچپن سے ہی عام بچوں سے الگ ہے۔" میں نے دل میں سوچا اور بالوں میں کیچر لگا کر خود کو آئینے میں دیکھا۔

ڈاکٹر علوینہ کے کلینک میں خاصا رش تھا' کچھ مریض اندر تھے اور کچھ اپنی باری کے منتظر تھے۔ میں نے اپنا کارڈ بھیجا تو مجھے ان خواتین سمیت اندر بلوا لیا گیا' اندر روم میں بھی دو پورشن بنے ہوئے تھے ایک پورشن میں ڈاکٹر ہوتی اور دوسرے پورشن میں وہ مریض جن کو ڈاکٹر دوبارہ بھی دیکھنا چاہتی تھیں' ان میں زیادہ تر بچے ہوتے جو ایک وقت میں اپنی صحیح کیفیت بتا نہیں پاتے تھے۔ میں جیسے ہی اندر داخل ہوئی دوسرے پورشن میں یثرب کو بیٹھا دیکھ کر حواس باختہ ہوگئی اور ڈاکٹر کے سامنے نسرین بیٹھی تھی۔

''دیکھیں بی بی! آپ تو میڈ ہیں' میرے پاس بچی کے والدین کو بھیجیں۔ یہ بچی خاصی اپ سیٹ ہے خوف زدہ اور ان کمفرٹیبل' اس عمر میں بچوں کو خاصی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور جو بچے عدم توجہی کا شکار ہوتے ہیں ان میں احساس محرومی بڑھ جاتا ہے۔ وہ خود کو تنہا اور غیر محفوظ سمجھنے لگتے ہیں' انہیں ان کی خواہش اور ضرورت کے مطابق توجہ' پیار' اہمیت اور وقت نہیں ملتا جس کے وہ طالب ہوتے ہیں اور اسی صورت میں بچہ خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگتا ہے اور کبھی کبھی یہ مرض خطرناک بھی ثابت ہوسکتا ہے ابھی اس بچی میں اس مرض کی ابتدا ہے لیکن اگر اس کا ذہن اسی طرح منتشر رہا تو وہ خدانخواستہ پاگل......''

''اُف......'' میرا سر چکرایا' میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ یہ ڈاکٹر کیا کہہ رہی تھی میری اپنی بچی کے بارے میں...... میں نے اپنی ساتھی مددگار سے کہا کہ وہ یہاں سنبھال لے' مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے میں الٹے قدموں واپس پلٹی اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھی۔ میرے دماغ پر جیسے ہتھوڑے برس رہے تھے میں نے جاتے جاتے مڑ کر دیکھا' نسرین ڈاکٹر کے روم سے نکل رہی تھی تب میں نے تھوڑی دور جا کر نسرین کو کال کی۔

''بیگم صاحبہ میں گھر پر......''

''ہاں ہاں مجھے پتا ہے تم کہاں ہو۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''تم یہاں آئیں مجھے بتاتی تو......''

''بیگم صاحبہ! میں نے کئی بار بتانے کی کوشش کی......'' نسرین کی آواز دھیمی پڑی۔

''او کے او کے......'' میں نے اپنا گھومتا سر تھام لیا۔ ''میری ایک بات سنو' تم ہسپتال سے فارغ ہوکر یثرب کو شاپنگ پر لے جانا اور پارک وغیرہ سے گھماتے ہوئے کم از کم دو گھنٹے بعد گھر پہنچنا۔'' میں نے اسے ہدایات دے کر سیل آف کیا۔

''یا اللہ! یہ سب کیا ہوگیا...... میں کتنی بے پروا' بے

جس ماں ہوں۔ میں دوسروں کی بھلائی کے لیے اپنی بچی کونظر انداز کرتی رہی ساری زندگی غفران کے ساتھ اس تسلسل میں گزاری کہ اگر غفران یثرب کے لیے اپنے کام نہیں چھوڑتا تو میں کیوں چھوڑوں؟ میں اپنے فرائض کو بھولتی چلی گئی۔'' چراغ تلے اندھیرا کے مصداق کتنی بڑی غلطی کرتی رہی۔

''اپنی اولاد کی ضرورت سے اس کی خواہشات سے بے بہرہ رہی اور آج...... آج عمر کے اس حصے میں میری بیٹی کن حالات کا شکار تھی' اسے صرف محبت اور توجہ کی ضرورت تھی۔ وہ مجھ سے اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں شیئر کرنا چاہتی تھی' میرے ساتھ اٹھنا' بیٹھنا' گھومنا چاہتی تھی اور میں...... میرا دماغ جیسے پھٹنے لگا' اپنی کوتاہی اور ناقابل تلافی غلطی پر ندامت اور شرمساری سے میری جلتی ہوئی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں دوسری خواتین کی مظلومیت پر لیکچر دیتی' ان کی دل جوئی کرتی اور...... اور میری اپنی بیٹی...... میری اکلوتی بیٹی...... ہم میاں بیوی کے رسمی اور کشیدہ تعلقات کی وجہ سے پاگل پن کے دہانے پر کھڑی تھی۔ اگر خدانخواستہ...... نہیں نہیں...... اللہ نہ کرے۔'' میں نے اپنا سر تھام لیا۔

آج یثرب کی سال گرہ بھی تھی اور میں کتنی بے پروا تھی کہ اسے وش بھی کرنا یاد نہیں رہا۔ آج بھی وہ اکیلی تھی' میں گاڑی میں بیٹھی اور سیدھی غفران کے آفس پہنچی۔ غفران اپنے کمرے میں اکیلے تھے' آج پہلی بار اتنی حواس باختہ اور پریشان نم نم آنکھیں لیے میں ان کے سامنے کھڑی تھی۔ غفران بھی پریشان ہوگئے۔

''کیا ہوگیا......؟'' میرے بے تحاشا رونے پر وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''غفران...... غفران...... ہماری بیٹی پاگل ہوجائے گی...... وہ...... وہ نفسیاتی مریضہ بن چکی ہے۔ اسے آپ کی اور میری ضرورت ہے وہ...... وہ پاگل ہوجائے گی......'' میں غفران کا ہاتھ تھام کر بلک بلک کر رونے لگی۔

''ارے...... ارے کیا ہوگیا ہے...... کیا کہہ رہی ہوتم؟'' غفران نے مجھے کرسی پر بٹھا کر پانی پلایا۔

''غفران ابھی ٹائم نہیں ہے آپ میرے ساتھ چلیں میں گاڑی میں سب بتاتی ہوں۔'' پانی پی کر میں جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آج...... آج...... یثرب کی برتھ ڈے ہے اور میں چاہتی ہوں ہم سب مل کر یہ ون سیلیبریٹ کریں...... اوکے۔'' میری باتوں سے غفران نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا اور گاڑی کی چابی لیے میرے ساتھ باہر نکل آئے۔

گاڑی میں بیٹھ کر میں نے غفران کو مختصراً سب کچھ بتایا' میں مسلسل روئے جارہی تھی۔ غفران کے چہرے کا رنگ بھی فق ہوچکا تھا' وہ بھی خاصے متفکر ہوگئے تھے۔ گزشتہ چودہ سالوں میں آج پہلی بار میں نے غفران کو پریشان دیکھا تھا' ظاہر ہے اولاد تو اولاد ہوتی ہے یہ تو ان لوگوں کے دل سے پوچھو کہ جو اولاد جیسی نعمت سے محروم رہتے ہیں اور ایک ہم دونوں ناشکرے تھے مجھے آج شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہورہا تھا۔ یثرب کی پیدائش پر ہم دونوں ہی کچھ خاص خوش نہ تھے اور پھر ہمارے تعلقات نے اسے بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا۔ پچھتاوے کے احساس سے میں ہچکیوں پر آگئی تھی۔

''اوکے اوکے عمامہ پلیز...... جو ہوگیا سو ہوگیا' ہم دونوں کی ہی غلطی ہے۔ تم اکیلی نہیں میں بھی تمہارے ساتھ اس جرم میں برابر کا شریک ہوں۔'' غفران کے اعتراف نے میرے نیم مردہ وجود میں جان ڈال دی تھی۔ راستے سے ہم نے کیک لیا' یثرب کے لیے گفٹس ڈھیر سارے غبارے لائے تھے۔ ہم دونوں نے مل کر جلدی جلدی یہ ساری چیزیں سیٹ کیں۔ نسرین یثرب کو لے کر آگئی تھی۔ میرے اشارے پر وہ ڈرائنگ روم کی طرف آئے' نسرین پیچھے رک گئی اور یثرب نے جیسے ہی اندر قدم رکھا میں نے اور غفران

نے ڈھیر سارے پھولوں کی پتیاں اس پر نچھاور کردیں۔ آگے بڑھ کر دونوں نے دوطرف سے اسے تھام لیا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر یثرب...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' وہ آنکھیں پھاڑے حیرانی سے باری باری کبھی مجھے تو کبھی غفران کو دیکھ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار ہم نے اس طرح سے اسے وش کیا تھا۔ اس کی نظر سامنے سجی ٹیبل پر ٹھہر گئی۔

''آؤ بیٹا کیک کاٹو۔''

''مما! یہ سب کیا ہے؟'' اس نے ایک جھٹکے سے اپنا آپ ہم دونوں کی گرفت سے آزاد کیا۔

''آج...... آج اتنے سالوں بعد آپ لوگوں کو میری برتھ ڈے یاد آئی۔'' اس کے لہجے میں طنز اور چہرے پر سختی تھی' وہ منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے بھیگی آنکھوں سے غفران کے پریشان چہرے کو دیکھا اور تڑپ کر آگے بڑھی۔

''یثرب میری جان! وی آر ویری ویری سوری...... تمہارا غصہ بجا ہے' تم ہم سے ناراض ہو' غصہ کرلو مگر...... پلیز کیک تو کاٹ لو۔ دیکھو گل زمان انکل کے بچے بھی آگئے ہیں۔'' میں نے دروازہ کی طرف اشارہ کیا جہاں سے گل زمان کی گیارہ سالہ بیٹی اور سات سالہ بیٹا اندر آرہے تھے۔

''پلیز......'' میں نے آگے بڑھ کر عاجزانہ لہجے میں کہا تو وہ خاموشی سے ٹیبل کی طرف آگئی۔

''بیٹا! کیا آپ ہم دونوں کو معاف کردو گی؟'' ہم دونوں اس کے سامنے گھٹنوں پر بیٹھے تھے اور غفران نے اس سے سوال کیا۔ اس نے پہلے غفران کو اور پھر مجھے دیکھا' اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے پھر وہ آگے بڑھی اور ہم دونوں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''نہیں نہیں میری جان! اب نہیں رونا۔'' میرے ساتھ غفران بھی رو دیئے۔

''بس آج کے بعد وہ نہیں ہوگا جو میری جان کو بُرا لگے۔'' میں نے اس کا ماتھا چوم کر کہا۔

''ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے' اب آپ میرے پاس' میرے ساتھ رہو گی۔''

''اور پتا ہے میں آپ کو برتھ ڈے گفٹ کیا دوں گی؟'' میں نے اس کے نازک ہاتھ تھام کر پوچھا۔

''کیا......؟'' یثرب کا چہرہ یک دم ہی بدل گیا تھا جیسے اندر کا وبال آنسوؤں کی صورت بہہ چکا تھا۔

''میں...... میں کل سے آفس نہیں جاؤں گی' ریزائن کردوں گی اور اب میں اپنا ٹائم اپنے گھر کو' آپ کے پاپا اور آپ کو دوں گی۔''

''کیا......؟'' میری بات پر یثرب کے ساتھ ساتھ غفران بھی چونکے تھے۔

''جی......'' میں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

''واؤ مما شکریہ!'' یثرب خوشی سے بے قابو ہوئی جارہی تھی' اچانک چند لمحوں میں یثرب یکسر بدل گئی تھی۔

اسے کوئی بیماری نہیں تھی صرف اور صرف ہماری محبت اور توجہ کی ضرورت تھی۔ پہلی بار میں اور غفران یثرب کو اتنا غور سے دیکھ رہے تھے' وہ گل زمان کے بچوں کے ساتھ اچھلتی کودتی غبارے پھاڑتے ہوئے کتنی معصوم' مطمئن اور مسرور لگ رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے غفران کو دیکھا اور ریلیکس ہوکر غفران کے کاندھے پر سر رکھ دیا' ساری تشنگی' سارے گلے شکوے' ایک لمحے میں ہی ختم ہوگئے تھے۔

❀

تم بن ادھوری سجنا

عروسہ عالم

"تم اب آرہی ہو۔" رمشا نے اس کے دیر سے آنے پر غصے کا اظہار کیا۔

"کیا نہیں آنا چاہیے تھا' واپس چلی جاؤں۔"

"پاگل ہوئی ہو شرمندہ ہونے کے بجائے اکڑ دکھا کر واپسی کی بات کررہی ہو۔"

"تم نے دیر سے آنے پہ ٹوکا تو میں سمجھی کہ شاید اب آنا بیکار ہے اس لیے میں نے سوچا کہ واپس چلی جاؤں۔"

"اچھا بس اب اپنا باجا بند کرو۔ چلو میں تمہیں سب سے ملواتی ہوں۔"

"پہلے یہ تو بتاؤ کہ بکرا کٹ گیا۔"

"بکرا کون سا؟" رمشا اس کی بات پہ حیران ہوئی۔

"ارے بھئی' عقیقے کا بکرا اور کون سا۔"

"نہیں بس تمہارا ہی انتظار تھا' بکرا اور چھریاں دونوں چیزیں کٹنے اور کاٹنے کو تیار ہیں کیونکہ یہ بکرا تمہیں ہی کاٹنا ہے۔"

"کیا......!" نگین کی چیخ نکل گئی۔

"تم تو بالکل باؤلی ہوگئی ہو' بکرا اس وقت کٹے گا وہ صبح ہی کٹ چکا ہے اور پک بھی چکا ہے' وہ عقیقے کا بکرا ہے' کوئی سالگرہ کا کیک نہیں ہے جو مہمانوں کے آنے کے بعد کاٹا جائے اور اب خبردار جو تم نے کوئی الٹی سیدھی بات کی' ابھی مجھے بہت سے مہمانوں سے تمہیں ملوانا ہے۔" رمشا نے اسے بہت سے لوگوں سے ملوایا۔ "اور اب آخر میں تمہیں ایک بڑی شاندار سی پرسنلٹی سے ملواتی ہوں۔" وہ نگین کا ہاتھ پکڑ کے وہاں لے آئی' ان سے ملو یہ ہیں میرے فرسٹ کزن اور پیارے سے بھائی شہروز یزدانی' بلکہ ڈاکٹر شہروز یزدانی' شہروز بھائی نے پی ایچ ڈی کیا ہے اور انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں۔

تم نے کسی سے کوئی بات نہیں کی اب ان سے خوب باتیں کرنا۔"

"تم نے تو مجھے باتیں کرنے سے منع کیا تھا۔"

"ہاں تم ایسی ہی میری فرماں بردار ہو ناں' ذرا میرے بھائی جان کو تھوڑا سا ٹائم دو جب تک میں کچھ اور مہمانوں سے مل کے آتی ہوں۔" شہروز کی پرسنالٹی بہت اٹریکٹو تھی وہ کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہوسکتا تھا سو نگین بھی اس سے کچھ امپریس ہوگئی۔

آج رمشا کی بھتیجی کا عقیقہ تھا۔ اس کے بھائی کے یہاں شادی کے چھ سال بعد اولاد ہوئی تھی۔ انہوں نے بیٹی کا عقیقہ خوب دھوم دھام سے منایا۔

......☆☆☆......

چند ہی ملاقاتوں میں نگین نے شہروز سے بہت دوستی کرلی۔ شہروز اس سے جتنا بچنا چاہ رہا تھا وہ اتنا ہی اس کے حواسوں پر سوار ہوکر اس سے قریب ہوتی جارہی تھی۔

"آج آپ میرے ساتھ لنچ کریں گے لیکن میرے گھر پر۔" اس نے حکم نامہ جاری کیا۔

"پھر کبھی سہی۔"

"پھر کبھی بھی ہوگا لیکن آج کا لنچ آج ہی ہوگا۔ ممی نے آپ کی وجہ سے بہت اچھا لنچ تیار کروایا ہے۔"

"کروایا ہے یعنی خود نہیں پکایا......؟"

"کچن میں ممی کیسے کام کرسکتی ہیں۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"بس اب آپ جلدی سے اٹھ جایئے۔" وہ کہتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

"نگین پلیز' بیٹھ جایئے مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" شہروز نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بھی کچھ حیران سی ہوکے بیٹھ گئی۔

''نگین اتنا آگے مت بڑھیے کہ واپس لوٹتے ہوئے تکلیف ہو۔''

''کیا مطلب......؟'' اس نے عجیب سے انداز میں شہروز کی طرف دیکھا۔

''نگین مجھ میں اور آپ میں بہت فرق ہے۔''

''ہاں یہ تو مجھے پتہ ہے اور یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ آپ مرد ہیں میں لڑکی ہوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے تیزی سے کہا۔

''بیوقوف میں طبقاتی فرق کی بات کررہا ہوں۔ میرے اور تمہارے اسٹینڈرڈ اسٹیٹس میں بہت فرق ہے۔ ہم دونوں کا رہن سہن مختلف ہے تمہاری تربیت اور پرورش کچھ اور طرح سے ہوئی میں کسی اور طریقے سے پلا بڑھا ہوں' یہی سب چیزیں ذہنی سوچ بدل دیتی ہیں۔ ہم دونوں کے ماحول مختلف ہونے سے ہم دونوں کی سوچیں اور خیالات بھی مختلف ہیں اور مختلف ذہنیت کے لوگ ایک ساتھ رہیں تو آگے جاکر مسائل پیدا ہوتے ہیں اور میں مسائل سے بھرپور زندگی گزارنے کا قائل نہیں ہوں۔ ہر کام سوچ سمجھ کر اور پلاننگ سے کیا جائے تو اس کے نتائج بے سوچے سمجھے کاموں سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ ویری فرینکلی کہ اتنے زیادہ ڈیفرینسز کے ساتھ ہم دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتے ہیں۔''

''آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔''

''سوچنا پڑتا ہے' بعد کے پچھتاوے سے بہتر ہے کہ پہلے ہی سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا جائے۔ آپ کے خیال میں آپ مجھے اپنانے کے بعد پچھتائیں گے۔''

''میں نہیں تم پچھتاؤ گی۔''

''میں کیوں پچھتاؤں گی؟'' وہ حیران ہوئی۔

''میری اور تمہاری کلاس میں اور گھریلو ماحول

میں بہت فرق ہے تم بچپن سے لے کر اب تک جن حالات ماحول اور آسائشات میں پلی بڑھی ہو میرے گھر میں اس قدر فراوانی سے تمہیں یہ سب چیزیں میسر نہیں ہوں گی۔''

''اپنے گھر میں مجھے آپ تو میسر ہوں گے ناں۔'' نگین نے خاصی شوخی اور شرارت سے کہا تو شہروز کے ہونٹوں پر بھی ایک گہری سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''شادی کے بعد تمہارا واسطہ صرف مجھ سے نہیں ہوگا' تم جن تعیشات کی عادی ہو تمہیں ان کی ضرورت قدم قدم پر پڑے گی اور میں ٹھہرا بیچارہ متوسط طبقے کا آدمی۔ میں فوری طور پر تمہارے لیے اتنی عیش پرست زندگی کا بندوبست نہیں کرسکوں گا' یہ سب چیزیں تمہیں دینے میں مجھے بہت وقت لگ جائے گا۔''

''ڈاکٹر صاحب اب آپ اتنے بھی مسکین نہیں ہیں جتنا دردناک نقشہ کھینچ رہے ہیں۔''

''دیکھو ابھی میری بہن کی شادی نہیں ہوئی' وہ میری بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ بابا بھی ریٹائر ہوچکے ہیں۔ شادی کے بعد میں ان سب کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔''

''آپ میرے بارے میں بہت غلط انداز میں سوچ رہے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ بہت اچھی طرح رہ لوں گی۔''

''میرے ساتھ تو تم شاید رہ سکتی ہو لیکن میرے گھر میں اچھی طرح نہیں رہ سکو گی۔''

''بس اب ختم کریں' اس ٹاپک کو' آج آپ کو میرے ساتھ میرے گھر چلنا ہے۔'' نگین شہروز کو زبردستی اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئی' بلیک اور گولڈن بڑا سا آہنی گیٹ چوکیدار نے کھولا۔ نگین نے جلدی سے اپنی گاڑی اندر لا کے کارپورچ میں کھڑی کی۔ جہاں پہلے سے دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ بڑا سا لان پھولوں' پودوں اور درختوں سے بھرا ہوا تھا۔

وہ شہروز کو لے کر اندر آ گئی۔ گھر کیا محل تھا' گھر کے اندر قدم رکھتے ہی نگینوں کی امارت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

شہروز ٹھٹک کے وہیں رک گیا۔

''ارے رک کیوں گئے؟ اندر چلیے ناں۔'' نگین اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ نگین نے اندر آتے ہی دونوں اے سی آن کردیے۔

''اب بتائیے کیا لیں گے' چائے' کافی' جوس یا سب کچھ۔'' نگین نے گھٹنوں کے بل ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا تو بے اختیار شہروز نے سب کچھ کہہ دیا اور وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔ شہروز کو لگا جیسے اس کے آس پاس ڈھیروں گھنٹیاں سی بج اٹھی ہوں۔ اس نے اس کی طرف سے رخ پھیر لیا۔

''میں آپ سے سیریسلی پوچھ رہی ہوں مسٹر شہروز یزدانی۔''

''کیوں پوچھ رہی ہو' جب زبردستی لائی ہو تو زبردستی کھلا پلا بھی دو۔'' نگین کے اٹھنے سے پہلے ہی ملازم لوازمات سے بھری ٹرالی لیے چلا آیا۔

''آپ ٹھنڈا گرم لیجیے جب تک میں چینج کرکے آتی ہوں۔'' شہروز اس کی پشت پر پڑے سلکی بالوں کو تکنے لگا۔ اس لڑکی کو کیا ہوگیا ہے' میں ٹھہرا غریب آدمی اور یہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی' محل نما گھر میں اتنی آسائشات کے ساتھ رہنے والی یہ بھلا میرے ساتھ کہاں رہ سکتی ہے میں اسے فوری طور پر یہ سب کچھ نہیں دے سکوں گا' یہ سمجھتی کیوں نہیں ہے۔ شہروز نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر سوچنا شروع کیا تو ہر طرف سے دھیان ہی ہٹ گیا۔

''ہیلو شہروز۔'' کسی نے بڑی شان سے اسے مخاطب کیا تو اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے سامنے ایک خوش شکل اور اسمارٹ سی لیڈی کھڑی تھیں۔ شہروز انہیں دیکھتے ہی کھڑا ہوگیا۔ اس نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے سر کے اشارے سے جواب دے کر فرض پورا کیا۔ گویا اسے منہ کھول کے جواب دینے کے قابل سمجھا ہی نہیں گیا۔

پہلی ہی نظر میں شہروز کو ان کی اکڑ اور تکبر کا اندازہ

ہوگیا۔ اسے دوبارہ بٹھانے کے لیے بھی ہاتھ کا اشارہ ہی استعمال کیا گیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"یقیناً آپ نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔" انہوں نے ایک ترچھی سی نظر شہروز پر ڈال کے کچھ رعونت سے کہا۔

"جی یقیناً۔" شہروز نے ان سے مرعوب ہوئے بغیر کہا۔ وہ شارٹ سلیوز کا مختصر سا بلاؤز پہنے ہوئے تھیں۔ لائٹ پنک کلر کی ساڑھی میں ان کا جسم خاصا واضح ہو رہا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے ساڑھی جسم چھپانے کے لیے پہنی ہے یا جسم دکھانے کے لیے۔ شہروز کی تو نظریں ان کی طرف نہیں اٹھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اٹھ کر چلی گئیں تو شہروز نے سکھ کا سانس لیا۔

"آپ میری مما سے ملے۔" نگین چہکتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی' اس نے بلیک اور اورنج کنٹراسٹ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کا دوپٹہ زمین کو چھو رہا تھا۔

"میں شائد اپنا موبائل یہاں بھول گئی ہوں۔" ممی نے دوبارہ ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے کہا۔

"جی ممی یہ لیجیے۔" نگین نے ان کا موبائل ان کی طرف بڑھایا۔

"اور یہ تم کیا ڈریس پہن کر آ گئی ہو' کتنی بار میں نے تم سے کہا ہے ایسی ڈریسنگ مت کیا کرو' جینز ٹی شرٹ پہنا کرو کمفرٹیبل ڈریس ہے وہ۔"

"یہ بھی ایزی ہے مما۔" نگین نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ وہ خاموشی سے چلی گئیں۔

"میرے خیال سے تو شلوار قمیص سے زیادہ ایزی کوئی ڈریس ہو ہی نہیں سکتا۔"

"پتہ نہیں۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"مما کیسی لگیں آپ کو۔"

"جیسی ہیں۔" نگین کے پوچھنے پر تیزی سے شہروز کے منہ سے نکلا۔ اب وہ اسے کیا بتاتا کہ وہ اس کی مما اور ان کی باتوں سے کس قدر بدمزہ ہوا ہے۔ تھوڑی دیر مزید بیٹھ کر وہ وہاں سے نکل آیا۔ نگین اور اس کی مما اسے کھانے پر روکتی رہیں لیکن وہ دل پر بوجھ لیے واپس آ گیا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اب نگین سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ ان دونوں کے ماحول میں اتنا فرق تھا کہ کسی بھی طرح سے ذہنی ہم آہنگی نہیں ہو سکتی تھی۔ نگین اسے موبائل پہ کالز کر رہی تھی لیکن وہ اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔

......☆☆☆......

شہروز کلاسز لینے کے بعد اپنے آفس میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ اچانک دھاڑ سے دروازہ کھلا۔

"کیا سمجھتے ہیں آپ خود کو...... بتایئے۔" نگین نے اندر داخل ہوتے ہی درشت لہجے میں کہا۔

"کیا سمجھنا چاہیے تم بتا دو وہی سمجھنا شروع کر دوں گا۔ ویسے خاصی بے ادب ہو' سلام دعا خیر خیریت کچھ نہیں آتے ہی گولہ باری شروع کر دی۔"

"کہاں ہیں آج کل آپ' ہاتھ ہی نہیں آ رہے ہیں پھر خیریت میں ہواؤں سے پوچھوں۔" اس نے نہایت برہمی سے کہا۔

"میں آج کل بہت مصروف ہوں۔"

"کیا اتنے مصروف ہیں کہ آج کل آپ کے پاس مجھے سوچنے کے لیے بھی ٹائم نہیں۔"

"آج کل صرف تمہیں ہی تو سوچ رہا ہوں۔"

"سفید جھوٹ۔" نگین نے پرزور انداز میں کہا۔

"سفید جھوٹ نہیں سفید سچ۔" شہروز نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سفید سچ کیا ہوتا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

"جیسے سفید جھوٹ ہوتا ہے۔" شہروز نے سکون سے کہا۔

"آج شام کو آپ اپنے پیرنٹس کو ہمارے گھر بھیج رہے ہیں۔"

"کیوں تمہاری شادی ہو رہی ہے کیا؟"

"جی شادی ہو رہی ہے لیکن ابھی نہیں' اگلے مہینے کی

کسی بھی تاریخ کو بس آج آپ کے پیرنٹس آ کے فارمیلیٹی پوری کر دیں گے باقی سب کچھ طے ہے۔"

"دیکھو میری بات غور اور خاموشی سے سنو اب یہ پچپنا چھوڑ دو اور اپنے اسٹینڈرڈ کے مطابق کسی اپنی ہی کلاس کے مرد سے شادی کر لو۔"

"غور سے تو آپ میری بات سنیے اگر آج شام کو آپ کے پیرنٹس نہیں آئے تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے اور جو کچھ ہوگا اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے اللہ حافظ۔"

کئی دن سے الجھا ہوا شہروز اس کی بات سن کر مزید پریشان ہو گیا۔ اس نے مدد کے لیے فوراً رمشا کو فون کیا اور اسے نگین کی دیوانگی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

"ہاں تو شہروز بھائی اس میں آخر برائی کیا ہے۔ اچھی فیملی ہے اچھی لڑکی ہے آپ کو تو اب تک شادی کر لینی چاہیے تھی۔"

"چلو تم اس سے بھی کئی ہاتھ آگے ہو۔" ٹھنڈی سانس اس نے کہا۔ میں سمجھ رہا تھا تم کوئی عقل کی بات کرو گی تم بھی اسی جیسی باتیں کر رہی ہو۔ صرف شادی ہی نہیں کرنی اسے نبھانا بھی ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ اس کے اور میرے لائف اسٹائل میں بہت فرق ہے۔ شادی کے بعد کافی مشکل ہو جائے گی۔"

"سب کچھ جانتی ہوں میں شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ نگین سے شادی تو آپ کو ہر حال میں کرنا ہی ہوگی اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو وہ کچھ بھی کر لے گی وہ بہت ضدی ہے ایک دفعہ اپنی بات رد کیے جانے پر خودکشی کی کوشش کر چکی ہے۔" رمشا کی بات پر شہروز سناٹے میں آ گیا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے اور جو کچھ ہوگا اس کے ذمے دار آپ ہوں گے۔ اس کے کانوں میں نگین کے الفاظ گونجے تو وہ لرز اٹھا۔ وہ تو شادی سے پہلے ہی اس لڑکی کے ہاتھوں پھنس گیا تھا۔ نگین کئی دفعہ اس کے گھر آ چکی تھی اور سبھی کو پسند تھی۔ پسند تو وہ بھی اسے کرتا تھا لیکن طبقاتی فرق کی وجہ سے ذرا محتاط تھا۔ حالانکہ وہ کسی طرح کمتر نہیں تھا پی ایچ ڈی تھا ہاں نگین کے گھر کی طرح پیسے کی ریل پیل نہیں تھی اور نہ ہی اس کے محل نما گھر جیسا اس کا گھر تھا۔ پھر اس نے اللہ کا نام لے کر والدین کو اس کے گھر بھیج دیا اور شادی کی تاریخ طے ہو گئی۔

......☆☆☆......

وہ کافی دیر سے بیٹھا کام کر رہا تھا تھکن کے باعث اب اسے نیند آنے لگی تھی۔ جیسے ہی سونے کے لیے بستر پر آیا تو موبائل بج اٹھا۔

"سنا ہے آپ کی شادی ہو رہی ہے۔"

"اچھا واقعی کس کے ساتھ۔"

"ابھی آ کے گلا دباؤں گی ناں تو سب سمجھ میں آ جائے گا کہ کس کے ساتھ ہو رہی ہے۔"

"شادی میں چند دن رہ گئے ہیں اور تم اپنے ہونے والے دلہا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہی ہو۔" شہروز کی بات پر اس نے قہقہہ لگایا اور کچھ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فون آف کر دیا۔

شادی ہو کے نگین شہروز کے گھر آ گئی۔

"شادی تو بڑا تھکا دینے والا کام ہے۔" ولیمہ سے واپسی پر نگین نے جیولری اتارتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیوں کی......؟" شہروز نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"اگر میں نہ کرتی تو آپ کا کیا ہوتا۔ میں نے سوچا اچھا خاصا پڑھا لکھا لڑکا بے چارہ اکیلا پھر رہا ہے چلو اسے کچھ کمپنی دی جائے۔"

"اچھا جی بڑا خیال ہے اس لڑکے کا۔"

"دیکھ لیجیے میں صرف آپ کے لیے اس گھر میں آئی ہوں اب آپ کو بھی میرا اسی طرح خیال رکھنا ہوگا۔" شادی کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نگین مرغن کھانے کھا کر تنگ آ گئی۔ آج اس نے خاص طور سے امی سے کہہ کے دال اور سبزی بنوائی تھی۔

"اب میں کسی دعوت میں نہیں جاؤں گی اور نہ آپ کو جانے دوں گی۔"

"اچھا بڑا رعب ہے بیگم صاحبہ کا۔" شہروز اس کی ناک کھینچ کر کمرے سے نکل گیا۔

"نگین اٹھو میرے لیے ناشتہ بنادو مجھے ٹائم پر یونیورسٹی پہنچنا ہے۔"

"کیا میں ناشتہ بناؤں گی؟" اس نے گھبرا کے جلدی سے آنکھیں کھولیں۔

"میں کیسے ناشتہ بنا سکتی ہوں۔ میں نے تو کبھی کوئی کام کیا ہی نہیں۔"

"تو اب کرنا شروع کردو۔"

"آپ کی امی ناشتہ بناتی تو ہیں پھر میں کیوں یہ کام کروں۔ میں چولہے میں سنہ دے کر نہیں کھڑی ہوسکتی۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا اور چادر سر تک تان لی۔

"تم نے مجھ سے شادی کی ہے تو اب تمہیں میرے مطابق زندگی بھی گزارنی ہوگی۔"

"اوہ شٹ' شہروز یہ مڈل کلاس لوگوں والی باتیں اب چھوڑ دیجیے' میرے ساتھ رہنا ہے تو میری مینٹلیٹی کے مطابق سوچنا ہوگا۔ جیسا میں چاہوں گی ویسا ہی کرنا ہوگا۔" اس نے خاصی ہٹ دھرمی سے کہا۔ شہروز اسے دیکھتا رہ گیا۔

"شادی کے بعد لڑکی کو شوہر اور اس کے گھر کا ماحول اڈاپٹ کرنا پڑتا ہے' میکے کی باتیں اور عادتیں وہیں چھوڑ کے آنی ہوتی ہیں۔"

"اوکم آن شہروز' میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کرسکتی' آپ کی یا کسی اور کی خاطر میں اپنا روٹین اور مزاج چینج نہیں کرسکتی۔ میں گیارہ بجے سے پہلے سو کر نہیں اٹھتی' آج کے بعد آپ مجھے ڈسٹرب مت کیجیے گا۔" اس نے سختی سے کہہ کے منہ تک چادر لپیٹ لی جس کا مطلب تھا کہ اب اسے مزید ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ شہروز صبح صبح بات کو بڑھا کر گھر کا ماحول خراب نہیں کرنا چاہتا تھا' اس کے گھر کا ماحول بہت پرامن تھا' اس کے ماں باپ دونوں ہی ایک دوسرے کا لحاظ اور خیال رکھتے تھے۔ وہ چاہتا تھا جس طرح اس کی امی اس کے پاپا اور گھر کا خیال رکھتی ہیں بالکل اسی طرح اس کی بیوی بھی اس کی ضروریات کا خیال کرے لیکن یہاں تو ایسا کچھ ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔ اور وہ بات بڑھا کر گھر کا ماحول خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سو خاموشی سے اٹھ گیا۔ اس دن شہروز آیا تو نگین ایک سوٹ کیس میں کپڑے رکھ رہی تھی۔

"تم کہیں جارہی ہو کیا۔" شہروز نے حیرت سے پوچھا۔

"صرف میں نہیں آپ بھی جارہے ہیں۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔

"کہاں؟" وہ ہنوز حیران ہوا۔

"ہنی مون پہ۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے لاپروائی سے کہا' جیسے یہ کوئی بہت معمولی بات ہو۔

"لیکن میں نے تو ایسا کوئی پروگرام سیٹ نہیں کیا؟"

"آپ کو سیٹ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ پروگرام ممی اور ڈیڈی سیٹ کرچکے ہیں۔" سنتے ہی شہروز کے چہرے کی رگیں تن گئیں۔

"میکے کے پروگرام میکے میں ہی رہنے دو۔" شہروز نے زور سے سوٹ کیس بند کرتے ہوئے کہا۔

"اب تم میرے پاس آگئی ہو' لہٰذا تمہیں میرے سیٹ کیے ہوئے پروگرامز کے مطابق زندگی گزارنا ہوگی۔" اس کا موڈ ایک دم سے بہت خراب ہوگیا۔

"اچھا تو یہ جو ممی ڈیڈی نے ہمارے لیے پیرس کے ٹکٹس لیے ہیں انہیں کیا میں آگ لگادوں۔"

"ہاں لگادو۔ ہر اس چیز کو آگ لگادو جو ہماری زندگی میں آگ لگائے۔" شہروز نے برہمی سے کہا۔

"شہروز کیا ہوگیا ہے آپ کو' کیسی باتیں کررہے ہیں......" وہ چیخ پڑی۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں میں' جب میں تمہیں لے جانے کے قابل ہوجاؤں گا اس وقت جاؤ گی تم' واپس کردو انہیں یہ ٹکٹس کیونکہ میں دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والا

انسان نہیں اور نہ ہی کسی کی انگلی تھام کر چلنے والا۔'' ان کی چیخ پکار سن کر امی اندر آ گئیں۔ ان کے درمیان ہونے والا یہ پہلا جھگڑا تھا وہ تو گھبرا ہی گئیں۔ آج پہلی بار انہوں نے اپنے بیٹے کو برہم دیکھا تھا۔ نگین نے روتے ہوئے انہیں ساری بات بتائی۔

''بیٹا اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے' تم چلے جاؤ' ہنی مون تو شادی کے فوراً بعد ہی اچھا لگتا ہے ابھی نہیں جاؤ گے تو کب جاؤ گے۔''

''امی میرے حالات ابھی ایسے نہیں ہیں کہ میں ہنی مون افورڈ کر سکوں۔ جب اس قابل ہو جاؤں گا تو پھر کہیں بھی چلے جائیں گے۔'' اور شام کو نگین اپنی ماں کے سامنے بیٹھی چھکوں بھکوں رو رہی تھی۔

''لوئر مڈل کلاس اینڈ لوئر مینٹلٹی مین۔'' اس کی ماں نے جل کے کہا۔

''اسی لیے میں تم سے کہتی تھی کہ اس شخص کے ساتھ سوچ سمجھ کر شادی کرو' یہ کنزرویٹو کلاس کے لوگ بڑے انا پرست ہوتے ہیں۔ یہ ٹوٹ جاتے ہیں لیکن جھکتے نہیں اور دیکھ لو شہروز نے ہنی مون سے انکار کر کے یہ ثابت کر دیا' ابھی اس نے اپنی جرات اور طاقت دکھائی ہے۔ آئندہ بھی وہ یہی کچھ کرے گا۔ اب میں تمہیں اس جہنم میں جلنے کے لیے تو نہیں چھوڑ سکتی۔ وہ جب تک اپنے پیرنٹس کے ساتھ رہے گا اس کا دماغ بھی ان کے قبضے میں رہے گا' اس کی سوچیں تبدیل نہیں ہوں گی۔ اسے اس گھر سے نکالنا ہوگا۔ اس سے کہو وہ یہاں آ کر تمہارے ساتھ رہے۔''

''مام آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں اس نے ہنی مون ٹکٹس ایکسپٹ نہیں کیے وہ یہاں آ کر رہے گا' امپاسبل۔''

''ڈونٹ وری ڈیئر ابھی نہیں تو کچھ عرصے کے بعد اسے اس گھر میں آ کر رہنا ہوگا۔ تم ابھی اس سے کوئی بات نہیں کرنا میں آہستہ آہستہ اسے خود کنٹرول کروں گی۔'' اسے یہ سب اتنا آسان نہیں لگ رہا تھا۔ بہرحال ہنی مون تو کھٹائی میں پڑ گیا تھا' اس نے خود کو دوسری طرف مصروف کر لیا۔

''آپ کے لیے ایک خوش خبری ہے۔'' نگین نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تمہاری خبریں اور خوش خبریاں کچھ ایسی خوش گوار ہوتی نہیں ہیں اگر یہ واقعی کوئی معقول خبر ہے تو پھر ضرور سناؤ' آج میں بہت تھک گیا ہوں۔ شاید تمہاری یہ خوش خبری سن کے تھوڑی تھکن اتر جائے۔''

''شیور' وائے ناٹ۔'' اس نے کندھے اچکائے ''میں ماڈلنگ کر رہی ہوں۔''

''واٹ......!'' شہروز حیرت سے اچھل ہی تو پڑا۔ وہ ایک دم سے اٹھ کے بیٹھ گیا۔

''کیا مطلب ہے' کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟؟''

''کل صبح میری فرسٹ شوٹ ہے اور مجھے وہاں آٹھ بجے تک پہنچنا ہے۔ آپ صبح جلدی اٹھتے ہیں' پلیز مجھے بھی اٹھا دیجیے گا' گڈ نائٹ۔'' شہروز آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہ گیا' اس نے اس کی حیرت اور پریشانی کی پروا کیے بغیر اپنی بات اس کے گوش گزار کی اور کروٹ بدل کے لیٹ گئی۔ شہروز کا تو گویا دماغ گھوم گیا۔ اس کی بیوی نے اسے اتنے بڑے کام کے لیے اجازت لینے کے قابل سمجھا ہی نہیں۔ اس نے غصے سے نگین کا ہاتھ کھینچ کے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

''تم ماڈلنگ نہیں کرو گی اور دوبارہ میں ماڈلنگ کا نام بھی اپنے گھر میں نہیں سننا چاہتا۔'' اس نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کڑے تیوروں کے ساتھ کہا۔

''واٹ ڈو یو مین' ساری بات چیت فائنل ہو چکی ہے۔ میں انہیں ہاں کر چکی ہوں۔''

''تم نے مجھ سے پوچھے بغیر میری اجازت اور مرضی کے بغیر کیسے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔'' شہروز نے سختی سے پوچھا اس کا تو اس وقت دماغ گھوم گیا تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا' اب ذرا ذرا سی باتوں کے لیے مجھے آپ سے اجازت لینا ہوگی۔'' وہ بھی

برہمی سے بولی۔
''ذرا سی بات......'' وہ حیران رہ گیا۔ ''یہ تمہارے لیے ذرا سی بات ہے۔''
''آف کورس' آپ کے لیے یہ بڑی اور حیرت انگیز بات ہوگی ورنہ میں تو ایسی معمولی باتوں کی پروا بھی نہیں کرتی۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔
''لیکن تمہیں میری خاطر ہر چھوٹی بڑی بات کی پروا کرنی ہوگی۔ میرے گھر میں آئی ہو تو میری اور میرے گھر والوں کی عزت کا خیال کرنا ہوگا۔'' اس نے ہر لفظ جما جما کے ادا کیا۔
''اس میں بے عزتی والی کون سی بات ہے اور آپ کی اور آپ کے گھر والوں کی خاطر میں اپنی زندگی داؤ پر لگادوں۔ خود کو برباد کرلوں۔'' اس نے چیخ کر کہا۔
''ابھی نہیں...... اس وقت تم برباد ہوگی' اس وقت تمہاری زندگی داؤ پر لگے گی جب تم میری نافرمانی کروگی۔'' اور جب اس نے جا کے ماں کو شہروز کی مرضی بتائی تو وہ غصے سے بل کھا کے رہ گئیں۔
''وہ کیا چاہتا ہے کہ تم مڈل کلاس عورتوں کی طرح گھر میں پڑی رہو۔ ہر وقت ہانڈی روٹی' جھاڑو برتن کرتی رہو' اس نے تمہارے ساتھ شادی کی ہے تو اسے تمہارے مطابق زندگی گزارنا ہوگی' اسے اپنی میڈل کلاس سوچیں بدل کے ہمارے حساب سے چلنا ہوگا۔ وہ تمہیں اپنی مرضی کے مطابق چلا کے تمہیں اور ہمیں جھکانا چاہتا ہے۔''

......☆☆☆......

''میرے پرس سے تم نے پیسے نکالے ہیں۔'' شہروز نے پرس دیکھا تو وہ خالی تھا۔
''ہاں مجھے دس ہزار روپے اور بھی چاہئیں۔''
''تم نے پہلے ہی میری ساری تنخواہ لے لی اب اور دس ہزار روپے میں کہاں سے لاؤں۔ تم بیس ہزار روپے لے کر باقی پیسے مجھے واپس کردو۔''
''کیا؟ میں بیس ہزار روپے کا کیا کروں گی۔''

''یہ تمہاری مرضی ہے جو چاہو کرو میں نہیں پوچھوں گا۔''
''اچھا تو یعنی آپ مجھ سے حساب کتاب لینے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔''
''میں تم سے کوئی حساب نہیں لوں گا' لیکن تم نے میری پوری تنخواہ لی ہے اس کا تو تمہیں حساب دینا ہی ہوگا۔''
''مجھے کچھ ضرورت ہے اور میں اپنی ضرورتوں کا آپ کو حساب دینے کی پابند ہرگز نہیں ہوں۔'' اس نے ہٹ دھرمی سے کہا تو شہروز اسے دیکھتا رہ گیا۔
''مجھے اپنی امی کو بھی پیسے دینے ہیں' آج پانچ تاریخ ہوگئی ہے اور میں نے انہیں ابھی تک پیسے نہیں دیئے۔ تم جانتی ہو کہ وہ خود نہیں مانگتی۔''
''مانگنا بھی نہیں چاہیے ان کے ہسبینڈ بھی کمار ہے ہیں۔ اب آپ شادی شدہ ہوگئے ہیں آپ کے اخراجات بڑھ گئے۔ وہ اپنے میاں کی کمائی پر اپنا گزارہ کریں' میں اپنے میاں کی کمائی پر اپنا گزارہ کروں گی۔ یہ تو سراسر میرا حق مارنے والی بات ہوئی اور کوئی میرا حق مارے یہ میں بالکل برداشت نہیں کرسکتی ہوں۔''
''میری شادی کے بعد میرا فرض اور ان کے حقوق ختم نہیں ہوگئے۔ جیسے تمہارا میرے اوپر اور میری کمائی پر حق ہے اسی طرح ان کا بھی ہے اور رہے گا۔''
''لیکن آپ مجھے میرا پورا حق نہیں دیتے ہیں' آپ میرے حقوق مار کر ان کو میرا حصہ دیتے ہیں پھر میں اپنے حقوق کس سے مانگوں۔ اپنے میاں کی کمائی پر میرا پورا حق ہے۔''
''میں تمہارے حقوق پوری طرح سے ادا کررہا ہوں اور تمہارے حقوق کی ادائیگی میں' میں دوسروں کا حق نہیں مار سکتا ہوں۔''
''آپ کو سب نظر آتے ہیں سوائے میرے۔''
''یہ تمہاری احمقانہ سوچ ہے' جو بات ہے نہیں میں اس پر کوئی تبصرہ بھی نہیں کرنا چاہتا۔''

''اس نے کیا سمجھ رکھا ہے تمہیں' وہ تمہیں مہینے کا خرچ صرف بیس ہزار دے گا' اس سے زیادہ کے تم پرس اور سینڈلز خرید لیتی ہو وہ مڈل کلاس آدمی تمہیں ترسا ترسا کے مار ڈالے گا۔ اب تم اس گھر میں نہیں جاؤ گی۔ کیا سمجھتا ہے وہ خود کو اس نے تمہیں دبا ڈرا کے خوف زدہ کردیا۔ ایسے تو وہ تمہاری پرسنالٹی بالکل ڈیج کردے گا۔ اس کلاس کے مرد اسی طرح اپنی بیویوں کو ڈرا دھمکا کے رکھتے ہیں۔ انہیں مرد اور شوہر ہونے پر بڑی اکڑ ہوتی ہے۔'' سونیا بیگ ٹہلتی ہوئی غصے سے پھنکار رہی تھیں۔

''یہ لوگ بیوی کو جوتے کے نیچے پیس کے رکھتے ہیں لیکن یہاں اس کی ایسی کوئی چال کامیاب نہیں ہوگی۔'' شام کو شہروز نگین کو لینے گیا تو دونوں ماں بیٹی کے موڈ خاصے بگڑے ہوئے تھے۔

''نگین چلو۔'' کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ نگین سے مخاطب ہوا۔

''کہاں؟'' اس نے نہایت حیرت اور انجان پن سے کہا تو وہ اس کے انداز پر خاصا حیران ہوا۔

''کہاں سے کیا مطلب...... ظاہر ہے اپنے گھر جانا ہے۔''

''تم کس کے گھر لے جانا چاہ رہے ہو؟'' نگین کو سونیا بیگ نے نخوت سے پوچھا۔

''کیسی باتیں کررہی ہیں' سیدھی اور آسان سی بات ہے کہ اپنے گھر لے جارہا ہوں۔''

''بات اب سیدھی اور آسان نہیں رہی بلکہ ٹیڑھی اور مشکل ہوچکی ہے۔ وہ نگین کا گھر نہیں ہے' نگین کا گھر یہ ہے اور اب یہ یہیں رہے گی' اگر تم نگین کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔''

''کیسی باتیں کررہی ہیں آپ' میں اپنا گھر چھوڑ کے یہاں آکے کیسے رہ سکتا ہوں۔''

''جب نگین اپنا گھر چھوڑ کے تمہارے گھر جاکے رہ سکتی ہے تو تمہیں بھی اس کی خاطر اپنا گھر چھوڑنا ہوگا۔'' سونیا بیگ نے نہایت احمقانہ اور بچکانہ سی بات کی۔

''یہ کام عورت کرتی ہے مرد نہیں۔'' شہروز نے سختی سے کہا۔

''اگر تم یہاں آکر نہیں رہنا چاہتے تو الگ گھر لے لو۔''

''میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا' میں اپنے والدین اور جوان بہن کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ سب میری ذمہ داری ہیں۔''

''اور میری بیٹی' میری بیٹی کس کی ذمہ داری ہے۔'' سونیا چیخ پڑیں۔

''میں یہ ذمہ داری بھی بہت اچھی طرح سے پوری کررہا ہوں۔''

''یہ تمہارا خیال ہے جبکہ ہمیں ایسی کوئی بات نہیں نظر آرہی ہے۔''

''آپ کا خیال بالکل غلط ہے' آپ اپنی نظر اور عقل کا صحیح استعمال کرہی نہیں رہی ہیں۔'' شہروز کے کہنے پر وہ جزبز ہوگئیں۔

''اب میری بیٹی اس گھر میں نہیں جائے گی۔''

''یہی بات میں نگین سے سننا چاہتا ہوں۔''

''میرا فیصلہ مما سے الگ نہیں ہوسکتا' مما میرے لیے کبھی برا نہیں سوچ سکتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے' میں جارہا ہوں۔ جب تمہارا دماغ درست ہوجائے تو آجانا۔''

''شہروز آپ کو یہاں آنا ہوگا۔ آپ یہ بات اچھی طرح سے سمجھ کے جائیں۔''

''میں اچھی طرح سے سمجھ کر ہی جارہا ہوں اور سمجھا کے بھی جارہا ہوں کہ تم اپنی عقل استعمال کرو اپنے اچھے برے کو سمجھو اور اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرو۔''

......☆☆☆......

وہاں سے آنے کے بعد کئی دن تک وہ الجھا رہا' یونیورسٹی سے آتا اور اپنے کمرے میں بند ہوجاتا' گھر والوں کے ساتھ بھی کوئی بات نہیں کررہا تھا۔

''کیا بات ہے بھائی آپ کئی دن سے کچھ چپ

چپ سے ہیں۔“ نمرہ نے اسے چائے دیتے ہوئے کہا
تو بابا نے بھی بغور اس کی طرف دیکھا۔
”ہاں بیٹا میں بھی دیکھ رہی ہوں تم کچھ پریشان سے
لگ رہے ہو۔ ٹھیک طرح سے کھا پی بھی نہیں رہے ہو۔
کیا بات ہے‘ مجھے بتاؤ؟“ انہوں نے نرمی اور محبت سے
کہا تو شہروز نے ساری بات ان کے سامنے رکھ دی۔
بہت دن سے اس کے دل ودماغ پر ایک بوجھ سا تھا۔
آج اس نے اپنی پریشانی ان سب سے شیئر کرلی۔
”یہ کیسے ہوسکتا ہے۔“ بابا نے حیرت سے کہا۔ امی
بھی یہ سب سن کر پریشان ہوگئیں۔
”آپ لوگ پریشان مت ہوں‘ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔“
شہروز نے والدین کو پریشان دیکھ کر تسلی دی۔ پریشانی کی
تو بات تھی‘ ان کے بڑھاپے کا وہی واحد سہارا تھا۔

☆☆☆

وہ کافی چپ چپ رہنے لگا تھا‘ امی اسے دیکھ دیکھ کر
کڑھتی تھیں‘ اس دن وہ یونیورسٹی سے آ کے بے سدھ ہو
کے اپنے کمرے میں پڑا رہا۔
”شہروز بیٹا کیا بات ہے تم جب سے آئے ہو کمرے
میں بند ہو‘ تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔“
”آج یونیورسٹی میں ایک پارٹی تھی‘ وہیں لنچ
کرلیا تھا۔“
”بیٹا آج میں نے نگین سے اور اس کی ماں سے
بات کی نہ وہ یہاں آنے کو تیار ہے اور نہ اس کی ماں اسے
بھیجنے کے لیے رضامند ہیں۔“
”امی آپ نے بلاوجہ بات کی‘ اگر وہ یہاں رہنے
والی ہوتی تو یہاں سے جاتی ہی کیوں؟“
”بیٹا تو پھر ایسے کب تک چلے گا‘ تم دونوں میاں
بیوی ہو دونوں کو ایک گھر میں ایک ساتھ رہنا ہے۔
اس مسئلے کا کیا حل ہے‘ کسی طرح تو یہ معاملہ حل کرنا
ہوگا ناں۔“
”حل تو ان ماں بیٹی نے بتادیا ہے کہ میں ان کے گھر
آجاؤں اور یہ کبھی ہوگا نہیں۔“
”دیکھو ان کے گھر میں نہ سہی تم الگ گھر لے کر تو رہ
سکتے ہو ناں۔“
”اس کی ضد کی وجہ سے میں نے الگ گھر کی بات
بھی کی تھی لیکن وہ تیار نہیں ہے۔“
”دیکھو شادی ہوئی ہے کوئی کھیل یا مذاق نہیں ہوا‘
زندگی گزارنے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے کہ دونوں الگ
الگ رہ رہے ہو۔ ساری زندگی کا ساتھ ہے کوئی چند دن
کی بات تھوڑی ہے۔ تم سسرال میں مکمل طور پر نہیں رہو‘
ہفتے میں ایک آدھ دن کے لیے چلے جایا کرو وہ کچھ عرصہ
میکے میں رہے گی تو اسے میکے اور سسرال کا فرق خود ہی
سمجھ میں آجائے گا۔ ابھی اس کی ماں اسے شہہ دے رہی
ہے لیکن ہمیشہ میکے میں رہنے پر وہ بھی اس کا ساتھ نہیں
دیں گی‘ کنواری بیٹی اور بہن بھاری نہیں ہوتی ہے شادی
کے بعد آ کر بیٹھ جائے تو وہ اپنے ہی گھر والوں کو بھاری
اور بوجھ لگنے لگتی ہے۔ وہ میکے میں اس آزادی سے نہیں
رہ سکتی ہے جیسے وہ پہلے رہ رہی تھی۔ میکے کے تعیشات
اسے شادی کے بعد وہ سکون نہیں پہنچاتے ہیں۔ جن کا
مزا وہ شادی سے پہلے لے رہی ہوتی ہے گھر والوں کے
رویوں میں فرق آجاتا ہے ابھی وہ تمہیں اپنے میکے
بلا رہی ہے تم دیکھنا کل کو وہ خود تمہیں میکہ چھوڑ کر اپنے گھر
آنے کے لیے کہے گی‘ کبھی کسی شادی شدہ لڑکی کا گزارہ
میکے میں نہیں ہوتا ہے۔“ اور پھر شہروز نے یہی کیا وہ ہفتے
کے ایک دو دن سسرال میں گزارنے لگا۔
نگین کے لیے فی الحال اتنا بھی بہت تھا مسز سونیا
بیگ بھی مطمئن ہوگئیں جبکہ ماہین اور صارم کے رویے
نارمل تھے‘ انہوں نے بہنوئی کی آمد پر کسی جوش اور خوشی کا
اظہار نہیں کیا۔
شہروز نے نگین کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا وہ چاہتا
تھا کہ وہ جی بھر کے اپنی مرضی کی زندگی گزار لے کیونکہ وہ
جانتا تھا کہ ہر وقت کی ہلڑبازی تفریح اور ہلا گلا کوئی زندگی
نہیں ہے‘ ان سب چیزوں کے ساتھ زندگی کی باقی
ضروریات کو بھی پورا کرنا ہوتا ہے۔ جن کا نگین کو کوئی

ہوش نہیں تھا۔

''مما! میں ذرا پارلر جارہی ہوں۔'' شہروز بھی وہیں بیٹھا تھا لیکن نگین نے اسے بتانے کی یا اجازت لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ بھی ان سنی کرتے ہوئے اخبار کی طرف متوجہ رہا اس نے بھی کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

''نگین پلیز تم گاڑی لے کر مت جانا۔ مجھے اپنی فرینڈ کی منگنی کے لیے گفٹ لینے مارکیٹ جانا ہے۔'' ماہین جو اس سے ڈیڑھ سال چھوٹی تھی' اس کا نام ہی لیتی تھی اس وقت بھی اس نے خاصی ناگواری سے نگین کو گاڑی لے جانے سے منع کیا تھا۔

''تو پھر میں کیسے جاؤں۔'' نگین چیخ کر بولی۔

''مجھے نہیں پتہ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ تمہارا مسئلہ ہے' تم ہی جانو۔'' نگین کی پروا کیے بغیر وہ ریموٹ اٹھا کر ٹی وی دیکھنے لگی۔

''تم نہیں کہہ سکتی لیکن میں کہہ سکتی ہوں جب تم اس گھر کی چیزیں استعمال کرسکتی ہو تو میں بھی کروں گی' کیونکہ جتنا تمہارا اس گھر اور اس کی چیزوں پر حق ہے اتنا ہی میرا بھی ہے۔'' نگین بھی چڑ گئی۔

''بالکل غلط اب یہ تمہارا گھر نہیں بلکہ میکہ ہے۔ تم اپنے گھر اور وہاں کی چیزوں پر حق دار ہو یہاں کی چیزیں تمہیں ہماری اجازت اور مرضی سے استعمال کرنی ہوں گی اور وہ بھی اس وقت جب وہ فری ہوں اور وہ بھی اس شرط پہ کہ تمہارے استعمال سے ہمیں اور ہماری چیزوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے۔'' ماہین کی اس قدر صاف گوئی پہ وہ حیران ہی تو رہ گئی' تو کیا واقعی یہ گھر اس کے لیے اجنبی اور پرایا ہوچکا تھا وہ اب یہاں کی چیزوں کو اجازت اور مرضی سے استعمال کرنے کی پابند ہوچکی تھی۔ اس نے مدد طلب نظروں سے ممی کی طرف دیکھا تو انہوں نے بھی ایک طرح سے ماہین کی ہی طرف داری کی۔

''دیکھو بیٹا اگر تم گاڑی لے جاؤ گی تو ماہین کو مشکل ہوجائے گی' آج اس کی فرینڈ کی منگنی ہے اسے گفٹ خریدنے جانا ہی ہے تم تو کسی بھی دن پارلر جاسکتی ہو۔'' ممی کہتی ہوئی چلی گئیں تو وہ بھی خاموشی سے شہروز سے نظریں چراتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

......☆☆☆......

اس دن چھٹی تھی اور ناشتے کے بعد سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ صارم پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اسپورٹس چینل دیکھ رہا تھا۔

''کیا مصیبت ہے صارم تم تو جب ٹی وی کے سامنے بیٹھتے ہو تو اسپورٹس چینل سے چپک کر ہی رہ جاتے ہو اور افراد بھی ہیں جو مختلف چینل دیکھنا چاہتے ہیں۔'' اتنی دیر سے اسپورٹس دیکھ دیکھ کر نگین کی برداشت ختم ہوگئی تو وہ صارم پر چڑھ دوڑی۔

''گھر میں اور بھی دو ٹی وی ہیں تم ان پر اپنی مرضی کے پروگرام دیکھ لو۔''

''نہیں میں تو یہیں پر سب کے ساتھ بیٹھ کر دیکھوں گی۔ مجھے یہاں ٹی وی دیکھنے میں مزا آتا ہے۔''

''تمہیں اگر مزے کرنے ہیں تو اپنے گھر جاکر کرو ہمارے گھر میں ہمارے ماحول کے مطابق رہنا ہوگا اور سب کچھ ہماری مرضی سے برداشت کرنا ہوگا۔'' صارم کے کہنے پر وہ خاموش سے رہ گئی۔

''صارم صحیح کہہ رہا ہے' سب کو اپنے گھر میں اپنی مرضی سے رہنے کا حق حاصل ہے۔ ہم گھر میں رہ کر بھی اپنی چیزیں استعمال نہ کرسکیں تو کیا ہم دوسروں کے گھروں میں جاکر اپنی مرضی کی زندگی گزاریں گے۔'' ماہین نے بھی چہکتے ہوئے انداز میں صارم کی طرف داری کی۔

''بیٹا تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ صارم کو اسپورٹس سے بہت دلچسپی ہے تم کوئی اور ٹی وی دیکھ لو۔'' اس کا دل اتنا برا ہوا کہ وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

......☆☆☆......

''مما آج بریانی اور دہی بڑے بنوائیں۔'' ماہین کی فرمائش پر نگین چڑ گئی۔

"کیا مصیبت ہے تم لوگ روز روز چاول کھا کھا کے تنگ نہیں آتے ہو۔ پلیز ممار وٹی پکوائیں چاول پکوانے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو پتہ ہے مجھے بچپن سے چاول پسند نہیں ہیں۔" نگین جو پہلے ہی چڑی بیٹھی تھی اپنی بھڑاس اس صورت میں نکال بیٹھی۔

"پلیز آپ ہمیں ہماری مرضی کے مطابق جینے دیں۔ آپ نے تو ہمارے ہی گھر میں ہماری زندگی کو تنگ کردیا ہے۔ کھانا پینا' آنا جانا سب آپ کی مرضی سے ہوگا تو پھر ہم اپنی مرضی کے مطابق کہاں جا کر جئیں گے اور ویسے بھی آپ اب اس گھر میں مہمان ہیں اور مہمان کہیں پر بھی اپنی مرضی کے مطابق نہیں رہتے ہیں۔ انہیں وہاں کے ماحول کے مطابق رہنا ہوتا ہے' لہٰذا آپ کو یہاں جتنے دن بھی رہنا ہے خاموشی سے رہیں' ہمارا ماحول بدلنے کی کوشش مت کریں۔ وہ بالکل سن بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ بالآخر صارم اور ماہین نے اسے جتا دیا تھا کہ وہ یہاں مہمان ہے اور اسے یہاں سے جانا ہی ہوگا۔ ممی نے ان دونوں کو بالکل نہیں روکا تھا۔ ان کی خاموشی ان دونوں کی طرف داری کی علامت تھی۔

آج کل ماہین کا ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہوا تھا۔ وہ لوگ حیثیت میں بھی ان کے ہم پلہ تھے۔ سب لوگ اس رشتے سے راضی اور خوش تھے۔

"میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کو ہاں کردینی چاہئے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔" ممی نے ڈیڈی سے مشورہ کیا۔

"ہاں ٹھیک ہے کیونکہ مجھے تو کوئی ایسی کمی نظر نہیں آتی جس کی بنا پر اتنا اچھے رشتے سے انکار کیا جائے۔" ڈیڈی نے بھی فیور کیا۔

"ماہین تم بتاؤ بیٹا زندگی تو تمہیں گزارنی ہے' ہم تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کریں گے۔" ممی نے ماہین کی رائے لینا ضروری سمجھی۔

"ممی میں لڑکے سے مل کر کچھ بات کرنا چاہتی ہوں' اس کے بعد ہی ہاں اور نہ کا فیصلہ ہوگا۔" ماہین نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"او کے ڈیئر تم اس سے مل لو بات کرلو ہم تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کریں گے۔ ویسے تم اس سے ایسی کیا بات کرنا چاہتی ہو' جس کے بعد ہاں اور نہ کا فیصلہ ہوگا۔"

"میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ لڑکا کتنی ہمت والا اور غیرت مند ہے۔"

"کیا مطلب۔" ممی اور صارم کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"مطلب یہ کہ میں اسے آفر کروں گی کہ وہ شادی کے بعد میرے ساتھ میرے گھر میں آ کر رہے گا۔ اگر اس نے اس آفر کو قبول کرلیا تو میں اس سے شادی سے انکار کردوں گی۔ کیونکہ میں ایسے کمزور اور بے غیرت مرد کے ساتھ ہرگز شادی نہیں کروں گی۔ کیونکہ میں ایسے احمق اور کم ہمت مرد سے شادی کر ہی نہیں سکتی ہوں' جس میں اپنی عورت کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت اور طاقت نہ ہو بلکہ وہ اس کے ہاتھوں تماشا بنا رہے' اس کی ڈگڈگی پر بندر کی طرح ناچتا رہے۔ عورت اسے بتائے اور پوچھے بغیر اس کی ناک کے نیچے سب کچھ کرتی رہے اور وہ نامرد بنا بیمار مرغے کی طرح گردن نیچے ڈالے پڑا رہے۔ مجھے کسی ایسے مرد کے ساتھ شادی کرنی ہے جو مجھے تحفظ دے میری پہچان بنے۔ میں اس شخص کے گھر میں رہوں اس کی نیم پلیٹ باہر لگی ہو' جہاں میں لوگوں کو فخر اور خوشی سے لاؤں اور انہیں بتاؤں کہ میں ایک اسٹرونگ مرد کی بیوی ہوں اور میں اب اس کے نام سے پہچانی جاتی ہوں۔" ماہین جوش میں بول رہی تھی اور نگین کا چہرا دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"ایسا مرد جو میری اچھائیوں اور خوبیوں پہ مجھے سراہے اور میری خامیوں' برائیوں اور غلطیوں پہ مجھے ٹوکے اور باز رکھے۔ جب مجھ میں اچھی وفادار اور فرماں بردار بیوی بننے کی صلاحیتیں موجود ہیں تو میرے شوہر میں بھی بھرپور اور مضبوط شوہر اور مردوالی خوبیاں ہونی چاہئیں۔"

"او کے جان تم اس سے مل کے اپنی تسلی کرلو اس کے بعد ہی اگلا اسٹیپ لیا جائے گا۔" ماہین نے نگین اور شہروز پر گہری چوٹ کی تھی اس نے کوئی لحاظ نہیں کیا۔ نگین کے منہ پر ہی سب کچھ بولتی رہی اور ممی ڈیڈی نے اسے کچھ نہیں کہا اور نہ وہ اپنے دفاع میں کچھ بول سکی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ تو شکر تھا کہ اس وقت شہروز گھر میں نہیں تھے ورنہ ماہین تو اتنی منہ پھٹ تھی کہ ان کے سامنے بھی بولنے سے نہ چوکتی۔ آج اسے اپنی چھوٹی بہن کے منہ سے اپنے میاں کے لیے ان ڈائریکلی اتنی باتیں سننی پڑیں۔ شہروز تو اس کے ساتھ شادی کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔ اس نے ان کے ساتھ زبردستی شادی کی تھی۔ پھر کچھ عرصے بعد لڑ کر میکے آ بیٹھی تھی اور مجبور کر کے شہروز کو بھی یہاں بلا لیا جبکہ وہ ہرگز یہاں آنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس سارے پلان میں ممی نے اس کا بھرپور ساتھ دیا تو اسے اور شہہ ملتی چلی گئی اور اس کا حوصلہ بڑھتا چلا گیا۔ شہروز کی شرافت اور محبت کا فائدہ اٹھا کر اس نے انہیں ایک کمزور اور بے بس انسان بنا دیا تھا ورنہ وہ بھی ایک بھرپور اور غیرت مند مرد تھے۔ وہ خود کو لعنت ملامت کرنے لگی کہ اس نے ایک اتنے پڑھے لکھے شاندار آدمی کو اپنے میکے میں رکھ کر ماں باپ اور چھوٹے بہن بھائی کی نظروں میں گرا دیا تھا۔

شادی کے بعد مرد کا گھر عورت کی پہچان اور اس کا ٹھکانہ ہوتے ہیں۔ میکے میں بیٹھ کے اسے کیا مل رہا تھا۔ یہاں کی کسی چیز پر اس کا وہ حق نہیں رہا تھا جو شادی سے پہلے تھا۔ اسے پھوپو کی کہی ہوئی باتیں یاد آنے لگیں وہ اکثر کہا کرتی تھیں شادی شدہ بیٹی میکے میں مہمانوں کی طرح آئے تو سب خوش ہوتے ہیں اور اس کی بڑی آؤ بھگت اور عزت ہوتی ہے کنواری لڑکی بوجھ نہیں ہوتی ہے جبکہ شادی شدہ آ کے بیٹھ جائے تو وہ میکے والوں کے دل میں پھانس کی طرح کھٹکتی ہے اور وہ تو شوہر کے ساتھ آ کے بیٹھی تھی اس نے تو اپنے شوہر کو بھی اپنے میکے کے لیے ایک پھانس بنا دیا تھا۔

شام کو ماہین بہت خوش باش گھر میں داخل ہوئی۔

"ممی آپ ان لوگوں کو ہاں کردیں وہ واقعی میں ایک بھرپور اور شاندار مرد ہے جب میں نے انہیں شادی کے بعد اپنے ساتھ اپنے گھر میں رہنے کی آفر کی تو وہ غصے کے مارے بکھر گیا۔ اس نے کہا کہ تم شادی کے بعد میرے ساتھ میرے گھر میں میرے حالات اور ماحول کے مطابق گزارہ کرسکتی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میری طرف سے اس وقت یہ رشتہ ختم ہے تو میں نے کہا کہ اگر میں شادی کے بعد آپ کے گھر میں خوش نہیں رہ سکی تو واپس اپنے والدین کے گھر آ جاؤں گی تو اس نے کہا کہ پھر ساری زندگی وہیں بیٹھی رہنا' میری طرف سے کوئی اچھی امید مت رکھنا۔"

"اوہ ممی وہ بہت نائس ہے' وہ بیوی کو عزت دینا اور قدر کرنا جانتا ہے۔ مجھے ایسے ہی مرد کی ضرورت تھی۔ جو شوہر بن کر رہے بیوی بن کر نہیں۔" ماہین خوشی سے بدہوش ہو کر بول رہی تھی اور خفت اور ذلت کے مارے نگین کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

"ہاں بیٹا مرد کو ایسا ہی ہونا چاہیے' مرد سسرال میں عزت سے آتے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

"ممی آپ نے مجھ سے شہروز کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کی تھیں بلکہ آپ تو کہتی تھیں کہ تم شہروز کو اتنا پریشان کرو کہ وہ تمہیں چھوڑ بھی نہ سکے اور یہاں آنے پر بھی مجبور ہو جائے۔" نگین نے چیخ کے کہا تو ممی نظریں چرانے لگیں۔

"ممی کو کیوں کہہ رہی ہیں آپ' آپ نے شادی اپنی مرضی سے کی تھی اور سب کچھ دیکھ بھال کے کی تھی پھر آپ کو ان کی ساتھ ان کے گھر میں بھی رہنا چاہیے تھا۔ شادی کے بعد تو یہی طریقہ ہوتا ہے کہ لڑکی مرد کے گھر میں رہے۔ ایک شریف اور اتنے پڑھے لکھے آدمی پر فخر کرنے کے بجائے ان کی عزت کرنے کے بجائے

آپ نے انہیں اپنے میکے میں بٹھا کے خوار کر کے رکھ دیا۔ وفادار اور فرماں بردار ہونا تو دور کی بات نہ تو آپ ان کی عزت کرتی ہیں اور نہ انہیں کچھ سمجھتی ہیں بلکہ ہر وقت اپنی ہی مرضی چلاتی رہتی ہیں۔ اس طرح تو آپ ان کی شرافت کا مذاق اڑاتی رہتی ہیں۔ عورت کے سسرال میں اس کی عزت اس کے شوہر سے ہوتی ہے اور مرد کی سسرال میں اس کی عزت اس کی بیوی سے ہوتی ہے۔ آپ رخصت ہو کر ان کے گھر جانے کے بجائے انہیں رخصت کرا کے اپنے والدین کے گھر لے آئی ہیں۔ جو کام غلط طریقے سے کیا جائے وہ پھر غلط ہی ہوتا چلا جاتا ہے جب تک کہ ہم اسے صحیح کرنے کی کوشش نہ کریں۔ شہروز بھائی بہت اچھے شوہر ہیں لیکن آپ اچھی بیوی ہرگز نہیں۔'' ماہین کی باتیں اس کے دل میں انی بن کے چبھ گئیں۔ اس نے غور کیا تو اس کی ہر بات صحیح تھی۔ اس نے کس دن اپنے اتنے شاندار اور پڑھے لکھے شوہر پر فخر کیا اور کس دن انہیں مان دیا' وہ تو بس اپنے آپ کو دیکھتی اور سنبھالتی رہی۔ اس نے تو شوہر' شادی شدہ زندگی اور سسرال کو کبھی کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس کا شوہر اور سسرال والے کتنے اچھے تھے وہ اپنی جنت ٹھکرا کر یہاں سب کی دھتکاریں سن رہی تھی۔

اب اس کے پاس سوچنے اور غور کرنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ اس نے سوٹ کیس تیار کیا اور اپنے اصل گھر آ گئی۔ سب کے چہرے اسے دیکھ کر کھل اٹھے۔ کسی نے کوئی سوال یا طنزیہ گفتگو نہیں کی۔ اتنے اچھے لوگوں کی ناقدری کرنے پہ وہ شرمندہ سی ہو کے اپنے کمرے میں آ گئی۔ شام کو شہروز آئے تو وہ بھاگ کے ان سے لپٹ گئی۔

''مجھے معاف کر دیجیے شہروز میں نے آپ کو بہت پریشان کیا' میرا غرور' میرا مان' میرا سب کچھ آپ ہیں۔'' شہروز محبت اور نرمی سے اس کے بال سہلاتے رہے۔ اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو چکا تھا وہ مزید کچھ کہہ کے اسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''آج آپ ممی کے گھر نہیں گئے یہاں آ گئے آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں آ گئی ہوں۔''

''دیکھ لو دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ کبھی تم نے میرے دل کی راہوں کی طرف قدم ہی نہیں بڑھائے اور میں بیچارہ تمہارے دل کی راہوں پر ہی چل رہا ہوں۔'' شہروز کی بات پہ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ شوہر کا دل ہی عورت کا اصل گھر ہے۔ میکے میں شادی شدہ لڑکی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا ہے۔

''ادھر آؤ۔'' اس کا ہاتھ تھام کے شہروز نے اسے بیڈ پر بٹھایا اور الماری سے ایک ڈبہ نکال کے اس کے سامنے آئے اس میں سے ایک چمکتی ہوئی بریسلیٹ نکالی اور اس کی نازک سی کلائی میں پہنا دی' تو وہ حیرت اور خوشی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''گھر آنے کی خوشی میں' اوں' ہوں' مینی ہیپی رٹرن آف دی ڈے۔'' شہروز نے اس کے ہاتھ دباتے ہوئے کہا تو وہ حیرت اور خوشی سے چیخ پڑی۔

''آپ کو میری سال گرہ یاد تھی۔'' کیونکہ آج وہ اتنی پریشان رہی تھی کہ اسے خود اپنی سال گرہ یاد نہیں رہی تھی۔ وہ شہروز کی محبتوں کی قائل ہو گئی۔

''شہروز آپ کتنے اچھے ہیں کہ آپ کو میری سال گرہ یاد تھی لیکن آپ نے مجھے گھر آنے کی خوشی میں تو کچھ دیا ہی نہیں۔'' اس نے کچھ منہ پھلا کے کہا۔

''اچھا ابھی دیتا ہوں۔'' شہروز نے مزید اس کے قریب آنے کی کوشش کی تو وہ کھلکھلاتی ہوئی کمرے سے بھاگ گئی۔

تیرے لوٹ آنے تک

سلمیٰ فہیم گل

"اوگاڈ! آج اخ سے مجھے کوئی نہیں بچاسکتا" میں نے کہا بھی تھا اس اسٹوپڈ سے کہ مجھے دیر ہورہی ہے مگر نہیں' یہاں ٹائم کی پروا کسے ہے؟ ہر کوئی اپنی ہی چلاتا ہے۔ جو دل چاہے گا وہی کریں گے جب دل چاہے گا تب ہی جان چھوڑیں گے۔ اب میں تو پھنس گئی ناں' یہاں کون بچانے آئے گا مجھے۔ ویسے تو ہر کوئی دوستی دوستی کی رٹ لگائے رکھتا ہے لیکن کہاں گئے دوست؟ اور کہاں گئی ان کی نام نہاد دوستی۔ ہنہ سب نام کے ہیں' وقت آنے پر سو قدم پیچھے کھڑے ہوتے ہیں' یااللہ بچالے' جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو......' جل تو جلال......" وہ حسب معمول لیٹ تھی اور اپنی غلطی کو دوسروں پر ڈالتے ہوئے خود کو ہی اپنی بے گناہی جتارہی تھی۔ ساتھ ساتھ حسب معمول بڑبڑانے کا عمل ہنوز جاری تھا۔ جل تو جلال کا ورد بھی جاری وساری تھا۔ آفس کا تمام اسٹاف چونکہ اس کی نادانیوں بلکہ کوتاہیوں سے خوب واقف تھا اسی لیے بنا اس کی جانب توجہ دیے اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ وہ اچھی خاصی کلاس لے لیتی خود کو نظر انداز کیے جانے پر' مگر وہی بات کہ اپنے ہی دام میں صیاد آ گیا تھا تو کسی اور جانب کیا خاک توجہ دی جاتی۔

"میں کم ان اخ...... سر......" اس نے فوراً اپنی زبان دانتوں تلے دبائی اور ہلکا سا دروازہ کھول کر سر اندر کیا۔ میٹنگ روم میں موجود نفوس پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے منمناتے ہوئے اجازت طلب کی تھی' سب ہی نے ایک پل کو مڑ کر دیکھا تھا' دوسرے ہی پل چہرے واپس موڑ لیے۔ اس نے ان سب پر سرسری سی نظر ڈالی اور بگ باس کی جانب نگاہ کی جو آل ریڈی خشمگیں نظروں سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے اشارے سے اجازت طلب کی تھی۔

"اب بھی کیا آپ کو انویٹیشن کی ضرورت ہے' مس ظعینہ بخاری صاحبہ؟" کڑے انداز میں طنزاً کہا تو وہ بظاہر شرمندہ سی سر جھکا کر ست روی سے اندر چلی آئی اور ان کے چیئر کے قریب آ کر کھڑی ہوگئی۔

"کائنڈلی اپنی سیٹ پر بیٹھ جایئے مس ظعینہ' پلیز۔" دبے دبے لہجے میں چبا چبا کر ادا کیے گئے لفظوں میں ان کا خوف ناک غصہ اور طنز پنہاں تھا۔ غالباً میٹنگ میں بیٹھے نفوس کی وجہ سے کنٹرول کررہے تھے۔ ظعینہ نے ایک دم بوکھلاتے ہوئے اپنی چیئر سنبھالی تھی۔

"میرے کیبن میں آؤ۔" میٹنگ کے اختتام پر سب کے جانے کے بعد وہ کڑے تیوروں سے اس سے مخاطب ہوئے اور بنا اس کی جانب دیکھے ہوئے بڑے بڑے ڈگ بھرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ اس نے بھی بوکھلاتے ہوئے بیگ کندھے پر رکھا اور تیزی سے ان کے پیچھے لپکی۔

"آئم سوسوری سر میں......" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی تو ارہا نے غصے سے پلٹ کر دیکھا۔

"سوری! واٹ سوری ظعینہ' اتنی لاپروا اور ان ریسپونسیبل ہو تم' آئی ڈونٹ بلیو دس۔ اگر پہلے پتا ہوتا تو تمہیں پریفر کرنے سے قبل سو دفعہ سوچتا۔ مگر نہیں' ہمیشہ صحیح وقت پر غلط فیصلہ کرتا ہوں۔ اس وقت بھی میرے پاس بہت اچھا ایمپلائر اپائنٹ...... لیکن نہیں۔" اس نے ایک پل کو اپنے لب بھینچے تھے۔ "اس پر بھی میں نے تمہیں ترجیح دی تھی۔ کیوں؟ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو مگر آئی تھنک میں غلط تھا۔ اگر اس وقت تمہاری جگہ کسی ذمہ دار انسان کو اپائنٹ کرتا تو آج مطمئن ہوتا' تمہیں پتا تھا کہ اتنی امپورٹنٹ میٹنگ ہے ہماری' پھر بھی تم اتنی لیٹ ظعینہ کیوں؟"

"آئی ایم رئیلی سوری ارخ...... سوری سر۔" اس نے فوراً زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔

"لیکن آپ تو جانتے ہیں' مجھے یونیورسٹی بھی جانا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی آفس آتی ہوں' اب کبھی کبھی دیر تو......؟"

"کبھی کبھی ظلیعہ کبھی کبھی جب سے تم نے آفس جوائن کیا ہے تب سے ہر روز لیٹ ہوتی ہو' کبھی کبھی کا تو سوال ہی نہیں۔ میں نے تمہیں فورس کیا تھا ناں' آفس جوائن کرنے کو' او کے آج میں ہی کہتا ہوں اگر تم اپنی ذمہ داری نہیں نبھا سکتیں تو میں......"

"نن...... نہیں ارخ اینڈ آئم سو سوری' میں جانتی ہوں آپ میری وجہ سے ڈس ہارٹ ہو رہے ہیں' لیکن آئی پرامس ارخ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں جانتی ہوں' آپ میرے فائدے کے لیے ہی سوچتے ہیں' آپ کے ہر فیصلے میں میرا فائدہ ہی ہوتا ہے' میں پوری کوشش کروں گی آپ کی امیدوں پر پوری اتروں۔" توارہا کو مایوس دیکھ کر اسے بہت ندامت محسوس ہوئی تھی اسی لیے سنجیدگی سے گویا ہوئی۔ توارہا زیرلب مسکرایا۔

"ابھی بھی کوشش کروں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب پلٹا اور اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے گویا ہوا۔

"او...... تھینک گاڈ ارخ' آپ نے سائل تو کی' جانتے ہیں جب آپ غصے میں ہوتے ہیں تو میرے منہ سے الفاظ ہی نہیں نکلتے' ایسا لگتا ہے میں اپنے سویٹ سے ارخ سے نہیں بلکہ ہلاکو خا...... سوری......" توارہا کے گھور کر دیکھنے پر اس نے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی' توارہا نے محظوظ کن انداز میں بمشکل اپنی امنڈ آنے والی مسکراہٹ کو روکا اور گہری سنجیدگی سے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"اب کچھ کام کرلیں؟"

"لیس سر۔" اس کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے وہ بھی ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھی۔

"یار مجھے سمجھ نہیں آتی آخر تمہیں پرابلم کیا ہے؟ کیوں ہاتھ دھو کر اس بے چارے کے پیچھے پڑی ہوئی ہو۔ غلطی تو ہو ہی جاتی ہے تم تو جان لینے کے درپے ہوگئی ہو۔ چھوڑ دو ناں یار اس نے اتنی بڑی غلطی بھی نہیں کی کہ تم......"

"تم تو چپ ہی رہو امن کی فاختہ۔ تمہارے نزدیک کوئی بھی غلطی بڑی نہیں ہوتی۔ کوئی بھی قصوروار نہیں ہوتا۔ جتنے بھی عالی شان فرمان ہیں تمہارے' وہ مجھے اچھی طرح ازبر ہیں۔ اس لیے کوئی ضرورت نہیں ہے دوبارہ سے دہرانے کی اور جہاں تک اس بے چارے کی بات ہے تو میں تو ہرگز نہیں چھوڑنے والی' تمہارے اس بے چارے کو' سمجھتا کیا ہے خود کو' ہنہ لے کر جان نکال دی ہماری' اگر کچھ ہو جاتا تو......؟"

"ہو جاتا ناں' ہوا تو نہیں' ٹھیک ٹھاک تو ہو تم' پھر اتنے ہنگامے کی کیا تک ہے طعینہ؟" ایک تو آغا مینا کو بہت تکلیف ہو رہی تھی اوپر سے طعینہ کا شور شرابا اسے مزید ٹینس کر رہا تھا۔

"ہاں میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ مگر تم اپنی حالت تو دیکھو کتنی زخمی ہوگئی ہو' وہ تو شکر کرو کوئی ہڈی وڈی نہیں ٹوٹی' اگر ایسا کچھ ہوتا تو میں اس نک چڑھے پر گاڑی چڑھا دیتی۔ جاہل کہیں کا' سمجھتا کیا ہے خود کو؟ اچھی بھلی چلتی پھرتی لڑکی کو پیشنٹ بنا دیا اور تم کہہ رہی ہو سب ٹھیک ہے۔ تم دیکھنا کیا کرتی ہوں میں اس کے ساتھ۔ ابھی جانتا نہیں ہے طعینہ بخاری ہے کیا چیز؟" آغا مینا نے اس کے انداز پر بمشکل ہنسی ضبط کی' تبھی اس کی نظر طعینہ کے پیچھے کھڑے سنجیدہ اور بارعب سے شخص پر پڑی' اس نے طعینہ کو اشارے سے بتانا چاہا مگر وہ صدا کی بے وقوف احمقوں کی طرح اس کے اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی آغا مینا کا اپنا سر پیٹ لینے کو جی چاہا تھا۔

"آئی ایم رئیلی سوری مس طعینہ بخاری صاحبہ' اگرچہ اس میں میری غلطی قطعی نہیں لیکن میں پھر بھی آپ سے معذرت خواہ ہوں' اگین سوری۔" اس کی بارعب اور انتہائی سنجیدہ آواز پر طعینہ ایک دم اچھلی اور پلٹ کر دیکھا' خود کو سنبھالنے میں اسے ایک پل لگا۔

”آہا...... واہ‘ کیا بڑا پن ہے آپ کا مسٹر‘ عظیم ہیں آپ رئیلی‘ ورنہ اتنا گریٹ کون ہوگا جو اپنی ہی غلطی پر معذرت خواہ ہو‘ اور رعب جماتے ہوئے سوری کہہ رہا ہو۔“ گہرے طنزیہ انداز میں اس نے ایک ایک حرف پر زور دیا۔ سامنے والے نے بمشکل خود کو کچھ بھی سخت کہنے سے روکا تھا۔

”دیکھیے محترمہ آپ بلاوجہ بات کو بڑھا رہی ہیں‘ حالانکہ کوئی اتنا بڑا حادثہ نہیں ہوا جس پر آپ......“

”اتنا بڑا حادثہ نہیں ہوا؟ ایکسکیوز می مسٹر‘ میری دوست یہاں ہاسپٹل کے بیڈ پر پڑی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں اتنا بڑا حادثہ نہیں ہوا۔ جس پر میں خوامخواہ ہنگامہ کررہی ہوں‘ آپ کے نزدیک یہ کوئی حادثہ ہی نہیں ہے۔ امیزنگ رئیلی امیزنگ۔“ اس کے اتنی حیرانگی سے کہنے پر وہ ایک پل کو شرمندہ سا ہوا۔

”ظعینہ! بس کرو اب‘ کچھ نہیں ہوا ہے مجھے۔ آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ‘ اوکے۔“

”تم چپ رہو امن کی فاختہ۔“ اس کی بات پر وہ چونکا اور دل ہی دل میں اسے سراہا تھا۔

”واہ کیا بات ہے‘ ایک امن کی فاختہ اور دوسری جنگ کا ڈنکا‘ انٹرسٹنگ۔“ آغا مینا کو وہ امن کی فاختہ کہہ رہی تھی اور اسے وہیں کھڑے کھڑے اس نے نام دے دیا تھا‘ مگر صرف دل ہی دل میں‘ گو اس کی باتوں پر اس کی زبان میں گدگدی ہورہی تھی لیکن جو امپریشن اس کا ان دونوں پر پڑ چکا تھا فی الحال اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا اپنا اصلی روپ دکھانے کا۔ اس لیے مزے سے ان دونوں کی گفتگو انجوائے کررہا تھا۔

”ایکسکیوز می‘ اگر آپ دونوں کی باتیں ختم ہوگئی ہوں تو کیا میں جاسکتا ہوں؟“ اپنا نظر انداز کیا جانا غالباً اسے کچھ پسند نہیں آیا تھا۔ اسی لیے درمیان میں بول کر بظاہر خود کو بڑا بے زار سا ظاہر کیا اور اس کے چہرے پر چھائی مصنوعی بے زاریت کا ہی اثر تھا کہ دونوں نے اپنی بات بیچ میں ہی چھوڑ کر خاصی حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''کس خوشی میں؟'' ظعینہ نے کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں استفسار کیا۔ وہ اس کے انداز پر دل ہی دل میں خاصا محظوظ ہوا۔

''دیکھیے مس! میں بہت لیٹ ہو رہا ہوں۔ مجھے بہت ارجنٹ کہیں جانا ہے۔'' اپنے چہرے پر بے زاریت طاری کرنے میں اسے ایک پل لگا تھا۔

''بھول جایئے جب تک آپ ہم سے معافی نہیں مانگ لیتے' یہاں سے ہل بھی نہیں سکتے۔'' اس نے چونک کر بغور اس کی جانب دیکھا۔ اسے اس کی دماغی حالت پر شک سا ہوا تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں آپ سے معافی مانگ چکا ہوں۔ اب کیا پاؤں پکڑ کر معافی مانگوں؟'' اس نے طنزاً چبا چبا کر ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ وہ گڑبڑا سی گئی مگر پھر ڈھٹائی سے مسکرائی۔

''ناٹ آ بیڈ آئیڈیا۔''

''واٹ......؟'' وہ حیرت کی زیادتی سے چلا ہی تو اٹھا۔ دلچسپی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ ہم تو آپ کو بہت سستے میں چھوڑ رہے ہیں' محترم احسان مانیے' ورنہ پولیس کو بلانے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے؟'' ان دونوں کی باتوں کے درمیان خاموش تماشائی بنی آغا مینا مسلسل مسکراہٹ ضبط کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اور وہ بے چارہ ہونق سا کھڑا سچویشن سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''دیکھ کیا رہے ہیں' جلدی کیجیے۔ زیادہ ٹائم نہیں ہے ہمارے پاس' اگر آپ کو فیصلہ کرنے میں دقت ہو رہی ہے کہ پہلے میرے پاؤں پکڑیں گے یا میری دوست کے تو ایک احسان میں اور کر دیتی ہوں' آپ پر میں آپ کو اپنے پاؤں پکڑائے بنا معاف کرتی ہوں' لیکن چونکہ میری چلتی پھرتی دوست کو آپ نے پیشنٹ بنا دیا ہے لہٰذا اس کا تو حق بنتا ہے اور حق لینا مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ سو پلیز ہری اپ' ٹائم نہیں ہے ہمارے پاس..... کیوں آغا مینا؟''

''بس کرو ظعینہ' اتنا کافی ہے' تم تو ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئی ہو۔'' اس نے فوراً زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔ ظعینہ نے غور نہیں کیا ورنہ اتنی سی حرکت پر پوری تفتیش کرتی۔

''آپ پلیز جایئے' ایکچوئلی یہ تھوڑی کھسکی ہوئی ہے۔'' مسکراہٹ روکتے ہوئے اس نے کہا تو ظعینہ حیرت کی زیادتی سے چلا اٹھی۔

''واٹ؟ میں' میں کھسکی ہوئی ہوں' آغا مینا' میں تمہیں اخ.....'' اس سے کچھ نہ بن پڑا تو مجبوراً مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ ارقام نے بہت دلچسپی سے سرخ چہرہ لیے ناراض سی ظعینہ کو نظر بھر کر دیکھا اور اجازت لے کر باہر نکل گیا' جبکہ ظعینہ خطرناک تیور لیے اس کی جانب پلٹی تھی۔

''تم انتہائی ایڈیٹ' اسٹوپڈ اور بدتمیز لڑکی ہو' میں یہاں تمہارے لیے لوگوں سے لڑتی پھر رہی ہوں اور تم نے ایک اجنبی شخص کے سامنے میری ہی انسلٹ کر دی۔ دس از ناٹ فیئر آغا۔''

''ایم سوری ظعینہ' لیکن یار تم خوامخواہ بات کو بڑھا رہی تھیں' اور بلاوجہ کسی کو روک کر اس سے ناجائز خواہش منوانا' آئی تھنک یہ غلط ہے اور تم ہی بتاؤ' غلطی اس کی تھی یا ہماری ہاں؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو وہ نظریں چرا گئی مگر پھر ڈھٹائی سے بولی۔

''غلطی صرف ہماری نہیں تھی او کے' دیکھ کر ڈرائیو نہیں کر سکتا تھا کیا وہ' اگر ہم اس کی گاڑی کے سامنے آ بھی گئیں تھیں تو اسے تو دیکھنا چاہیے تھا ناں' تم مانو یا نہ مانو غلطی اس کی بھی تھی۔'' منہ بسورتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر رہی تھی اور اسے بھی قصوروار ٹھہرا رہی تھی۔ زبردستی ہی سہی۔ آغا مینا کا اپنا سر پیٹ لینے کو جی چاہا تھا۔ اس سے بحث فضول تھی' اس لیے وہ مزید کچھ کہے خاموش ہو گئی۔

''السلام علیکم!'' اس نے لاؤنج میں داخل ہوتے با آواز بلند سب پر سلامتی بھیجی تھی۔ وہاں پر موجود تینوں نفوس چونکے تھے۔

''ارقام! واٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔'' ذروہ نے اٹھتے ہوئے پرمسرت آواز میں حیرت کا اظہار کیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے شرارتاً اس کے قریب جھکا اور اس نے بھی شرارتاً پرشفقت انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دعا دی تھی۔

''جیتے رہو صدا خوش رہو......''

''بس...... بس' اتنا کافی ہے' اتنی بزرگی مت جھاڑیے۔ سوٹ نہیں کرتی۔ کیسی ہیں ام آپ؟'' اسے چڑاتے ہوئے وہ ام کے آگے جھکا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے بیٹا' تم کیسے ہو؟ گھر میں سب کیسے ہیں؟ اور اتنے دنوں سے آ ئے ہوئے ہو آج توفیق ہوئی یہاں آنے کی ہاں۔'' اتنے سارے سوالوں کے بعد آخر میں پورے استحقاق سے ڈانٹ پلائی تھی۔ وہ ان کے انداز پر مسکرا دیا۔

''سب ٹھیک ہیں ام! اور گھر اس لیے نہیں آیا کہ بہت مصروف تھا۔ آج ہی وقت نکال کر آیا ہوں' ورنہ آپ تو جانتی ہیں' سب سے پہلے حاضری اسی آستانے پر ہوتی ہے۔''

''ہاں...... ہاں اچھی طرح جانتے ہیں وضاحتیں دے کر بچنا تو تمہاری پرانی عادت ہے۔'' ذروہ نے مداخلت کی بلکہ بدلہ لینا چاہا۔

''جی ہاں اور وضاحتوں کو خاطر میں لائے بغیر ڈانٹ کا موقع ڈھونڈنا آپ کی پرانی عادت ہے۔ کیوں چھوٹے' ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں؟'' اس کی بات کا جواب دے کر اس نے ثامن کے کندھے پر ہاتھ مارا تو وہ جزبز ہوا۔

''پلیز بھائی' اب میں بڑا ہوگیا ہوں' چھوٹا مت بولا کریں۔'' اس نے اچھا خاصا برا منایا اور منہ پھلاتے ہوئے گویا ہوا تو وہاں موجود سبھی قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔

''کیا بات ہے ام یہ چھوٹا کچھ زیادہ ہی بڑا ہونے کی کوشش کررہا ہے؟''

''کوشش نہیں کررہا' بلکہ بڑا ہوگیا ہے' تیری طرح ایک ہی جگہ پر جم کر نہیں بیٹھا ہوا۔'' سیڑھیوں سے اترتے ہوئے زادیار نے اس کا آخری جملہ سن کر با آواز بلند کہا۔ ارقام دوست کی آواز سن کر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور چند قدم چل کر اس سے بغل گیر ہوگیا۔

اتنی دیر لگادی آنے میں' کتنی دیر سے انتظار کررہا ہوں۔'' پندرہ منٹ کا کہہ کر ڈھائی گھنٹے بعد آرہے ہو کہیں ٹریفک میں پھنس گئے تھے کیا؟'' معنی خیزی سے کہتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ اس کی بات پر ارقام کے ہونٹوں پر خوب صورت مسکراہٹ رقص کرنے لگی پھر فوراً ہی سنجیدہ ہوگیا۔

''نہیں ٹریفک میں تو نہیں پھنسا البتہ چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے اچھا خاصا ٹائم لگ گیا۔''

''اللہ خیر کرے' بچے ٹھیک تو ہونا تم...... زیادہ تو نہیں لگی ناں؟'' ام نے ایک دم پریشانی سے اس کی جانب دیکھا۔ ان کے فکرمندانہ انداز پر اسے ٹوٹ کر پیار آیا۔

''نہیں ام جانی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں' مجھے کوئی چوٹ نہیں آئی۔''

''لیکن ہوا کیسے یہ سب' تم تو بہت سنبھل کر ڈرائیو کرتے ہو؟'' ذروہ کو حیرت ہوئی۔

''کبھی کبھی بے احتیاطی ہو ہی جاتی ہے اپیا! بس اچانک ہی دو لڑکیاں گاڑی کے سامنے آ گئیں اور بریک لگاتے لگاتے بھی ایک لڑکی زخمی ہوگئی۔ اسی وجہ سے ہاسپٹل میں خاصا ٹائم لگ گیا۔''

''ہوسپٹل میں...... اینی تھنگ سیریس؟'' وہ چونکا۔

''سیریس تھا نہیں' لیکن کھینچ تان کر بنا ہی دیا گیا۔'' وہ کچھ سوچ کر خوب صورت انداز میں مسکرایا۔ زادیار اس کی مسکراہٹ پر چونکا تھا۔ مگر سب کی موجودگی میں خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

''اپیا پلیز میرے روم میں چائے وغیرہ بھجوا دیجیے گا۔ ارقی کو میں روم میں ہی لے جارہا ہوں۔'' سیڑھیوں کی جانب بڑھتے ہوئے زادیار نے ذروہ سے کہا اور ارقام

کے پیچھے ہی سیڑھیاں چڑھ گیا۔
"ہوں...... اب بتاؤ ماجرہ کیا ہے؟" ارقام بیڈ پر نیم دراز ہوا تو زادیار اس کے سامنے رکھے صوفے پر براجمان ہوگیا۔
"بس یار ایک چھوٹے سے ایکسیڈنٹ نے امن کی فاختہ اور جنگ کے ڈنکا سے ملاقات کرادی۔ جو خاصی دلچسپ تھی۔"
"کیا مطلب؟" اس نے بھنویں اچکائیں' جواب میں اس نے پورا واقعہ جوں کا توں اسے سنادیا۔ اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی۔ ارقام جل کر خاک ہوگیا۔
"حسرت ہی رہ جائے گی' کہ کبھی تجھے قہقہہ لگاتے ہوئے دیکھوں۔ اتنا انٹرسٹنگ واقعہ سنایا ہے تجھے اور تو...... تیری جگہ اگر کوئی اور ہوتا ناں تو ہنس ہنس کے دوہرا ہوجاتا۔ ان فیکٹ میں خود قہقہے لگانے کو بے تاب تھا۔ مگر تو صدا کا خشک مزاج مجال ہے جو......"
"یار اگر تیرا دل چاہ رہا ہے قہقہے لگانے کو تو لگا لے ناں۔ میں منع تھوڑا ہی کررہا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے مزید جلانے کی کوشش کررہا تھا۔
"بائی داوے جان کیسے چھوٹی تیری اس جنگجو سے۔"
"بس یار...... امن کی فاختہ نے بچالیا' ورنہ جنگ کا ڈنکا تو بجتا ہی چلا جارہا تھا۔ بڑی مشکل سے جان چھڑا کر بھاگا ہوں۔" اس کے دوبارہ اسی موضوع پر لوٹ آنے پر وہ پھر کچھ یاد کرکے مسکرایا۔
"جان چھڑا کر بھاگا ہے یا اپنا امیج برقرار رکھنے کو جان چھڑائی تھی...... ہاں۔" زادیار نے شرارت سے اس کی جانب دیکھا' وہ جھینپتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیر کررہ گیا۔ زادیار دھیرے سے مسکرادیا۔
"بائی داوے آگے کے کیا ارادے ہیں؟ یونیورسٹی آرہے ہو یا ٹوٹلی بزنس مین بننے کا ارادہ ہے؟"
"کہاں یار' اپنی ایسی قسمت کہاں' اکلوتے ہونے کی بھی تو پرابلم ہے' ہر جگہ موجود رہنا پڑتا ہے۔ ڈیڈ کے ساتھ بزنس میں بھی ان رہنا ہے اور ڈیڈ کے ہی حکم پر یونیورسٹی بھی جانا ہے۔ اور ان دونوں ڈیوٹیز کے علاوہ ایک اور ایکسٹرا ڈیوٹی تیرا باڈی گارڈ بنے رہنے کی' اب تیرا خیال رکھنا بھی تو مجبوری ہے ناں۔ بس یار یہ ناتواں کندھے بوجھ سے جھکے جارہے ہیں' مگر اف تک نہیں کی کبھی۔"
زادیار نے اس کے انداز پر بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی اور گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"نہیں نہیں دوست' اتنی بھی مجبوری نہیں ہے' باڈی گارڈ کے عہدے سے میں تجھے فارغ کرتا ہوں۔ وہ کیا ہے ناکہ اب ضرورت نہیں رہی' اب میں بڑا ہوگیا ہوں' اپنی حفاظت خود کرسکتا ہوں۔ تیرے ناتواں کندھوں سے تھوڑا سا بوجھ میں اتار دیتا ہوں۔ ڈونٹ وری۔" گہری سنجیدگی سے اپنے کف فولڈ کرتے ہوئے اس نے کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھا جو اس کی بات پر کھسیانا سا کان کھجانے لگا تھا۔ وہ ہلکے سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ارقام نے خاصا برا منایا تھا۔
"تو کبھی مجھے خوش نہیں ہونے دینا۔"
"لو...... میں نے کب منع کیا ہے؟ جی بھر کر خوش ہو' بائی داوے اگر تیرا بہت دل چاہ رہا ہے میرا باڈی گارڈ بننے کا تو آئی ڈونٹ مائنڈ۔"
"شکل دیکھی ہے اپنی...... ہنہ باڈی گارڈ۔"
"کیوں کیا ہوا میری شکل کو' اچھی خاصی ہے۔" اس نے بظاہر چونکتے ہوئے قد آدم آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔
"تیری شکل کو کچھ نہیں ہوا بلکہ میں......" اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات پوری کرتا دروازے پر ناک ہوا۔
"آجایئے پلیز۔" زادیار کے کہنے پر ملازمہ اندر چلی آئی اور چائے رکھ کر واپس پلٹ گئی۔ اس دوران وہ خاموش ہی رہے تھے۔
"یار ایک بات سمجھ میں نہیں آئی' تو نے مائیگریشن کیوں کروائی جبکہ وہاں بھی تو...... اور تیری وجہ سے مجھے بھی یہیں آنا پڑا۔ ایسی کیا وجہ ہے کہ تجھے......" ارقام اپنی

بات پوری کیے بنا خاموش ہوگیا تھا کیونکہ اس کی بات پر زادیار کے چہرے پر گہری سنجیدگی آن رکی تھی جسے اس نے چونک کر دیکھا تھا۔

''کیا ہوا زادیار؟''

''یہ بابا کا فیصلہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں اس یونیورسٹی میں اپنی تعلیم مکمل کروں۔ حالانکہ اس بات کے پیچھے کچھ اور وجہ ہے۔ انہیں لگتا ہے جو کام اتنے سالوں میں نہیں ہوسکا وہ اب حقیقت جاننے کے بعد ضرور ہوجائے گا۔ کیونکہ اس میں میری کوشش بھی شامل ہوگی' لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا' کیونکہ میں ایسا نہیں چاہتا۔'' اس کا انداز اٹل تھا اور ارقام اچھی طرح جانتا تھا کہ جو وہ کہتا ہے اس پر قائم بھی رہتا ہے۔ اگر اس کے بابا کے فیصلے پتھر کی لکیر ہوتے تھے تو زادیار بھی انہی کا بیٹا تھا۔

آج لنچ کے لیے اسے اخ کے ساتھ آنا پڑا تھا۔ دو بجے میٹنگ تھی اور اخ نے اسے اکیلے لنچ کے لیے جانے سے منع کردیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے لنچ کے لیے آدھے گھنٹے کا کہہ کر وہ کئی کاموں کے پیچھے پڑ جائے گی۔ یونیورسٹی دوبارہ جانا' فرینڈز سے گپ شپ لگانا وغیرہ وغیرہ اور اس سارے پروسیس میں دو ڈھائی گھنٹے تو لازمی لگنے تھے یہی وجہ تھی کہ اخ نے اس کے ساتھ لنچ کرنے کو ترجیح دی تھی گو آفس میں بھی لنچ کیا جاسکتا تھا جیسا وہ روز کرتا تھا مگر ظعینہ کو ریسٹورنٹ کے بہانے اور بہت کچھ کرنا ہوتا تھا اسی لیے وہ ساتھ چلا آیا تھا لیکن ظعینہ کا آج کا پروگرام چوپٹ ہوگیا تھا۔ اسی لیے وہ بے زاری شکل بنائے کھانا آنے تک اردگرد کا جائزہ لینے لگی' توارہا حسب معمول سیل پر مصروف تھا۔ تبھی ظعینہ کی نگاہ کچھ دور کونے میں تنہا بیٹھی ہوئی کامنی سی لڑکی پر پڑی' گو اس کا سائیڈ پوز دکھائی دے رہا تھا اور وہ باہر دیکھ رہی تھی لیکن اسے پہچاننے میں ظعینہ کو قطعاً دقت نہیں ہوئی تھی۔

''اپیا!'' توارہا اس کے اچانک بول اٹھنے پر چونکا۔

''کیا؟'' حیرانی سے استفسار کیا۔

''اخ وہ دیکھیے اپیا!'' اس کے لہجے میں دبا دبا جوش پنہاں تھا' توارہا نے چونک کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ یقیناً وہی تھی مکمل گرین سوٹ میں ملبوس' انگلیاں چٹخاتی ہوئی کنفیوز سی۔ اس نے نظریں چراتے ہوئے اپنا چہرہ واپس موڑلیا۔

''تو میں کیا کروں؟'' بے نیازی سے روکھے لہجے میں جواباً کہا۔

''وہ اکیلی بیٹھی ہیں اخ!'' اس نے ڈھکے چھپے انداز میں کچھ احساس دلانا چاہا۔

''میں نے کہا ہے اکیلے بیٹھنے کو؟'' اس کی تیوری پر بل پڑنے لگے' ظعینہ کو ڈر تو لگا ان کے متوقع غصے سے مگر مجبور تھی۔

''وہ بہت نروس لگ رہی ہیں اخ...... پلیز۔'' وہ آہستگی سے منمنائی اور کن اکھیوں سے کبھی نروس بیٹھی اپیا کو دیکھتی اور کبھی پتھریلے تاثرات لیے اخ کو' جس کی تیوری پر بل گہرے ہونے لگے تھے۔

''اخ' پلیز آپ......''

''اسٹاپ اٹ ظعینہ۔''

''او کے مت جایئے آپ' میں خود چلی جاتی ہوں۔ بائی دا وے آپ نا بہت......'' اس نے کچھ کہتے ہوئے یکلخت خود کو روکا۔ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے نظر انداز کیے آگے بڑھ گئی' توارہا نے چند پل کچھ سوچا اور خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''السلام علیکم۔'' اس کے قریب پہنچ کر وہ ایک دم جوش میں بولی تو وہ جو پہلے ہی نروس سی بیٹھی تھی ایک دم ڈرسی گئی' جونہی پلٹ کر دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔

''اف...... ظعینہ تم...... تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔''

''اچھا' یہ نئی اطلاع ہے کیا؟'' اس نے مصنوعی حیرانگی سے بھنویں اچکائی۔ وہ جھینپ سی گئی۔

''تم کبھی نہیں بدلوگی۔''

''آپ بھی کبھی نہیں بدلیں گی' ہمیشہ ڈر ڈر کر ہی رہیں گی اگر جو ہمت دکھائی ہوتی تو آج یوں......'' وہ کچھ کہتے

کہتے یکلخت رکی کیونکہ اس نے اس کی بات پر ہونٹ بھینچتے ہوئے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا۔ ظعینہ کو اپنے ہمیشہ بے موقع بات کرنے پر ندامت ہوئی۔ حالانکہ اس کا اسے شرمندہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''ایم سوری اپیا! میرا وہ مطلب نہیں تھا' آئم رئیلی سوری۔ آپ کو تو پتا ہے میری زبان ہمیشہ غلط وقت پر پھسل جاتی ہے اور غلطی کر جاتی ہوں لیکن......''

''اٹس اوکے...... ظعینہ مجھے بالکل برا نہیں لگا۔ ڈونٹ وری۔'' وہ دھیرے سے بدقت مسکرائی۔

''تھینکس...... بائی داوے آپ یہاں اکیلی' مجھے یقین نہیں آرہا۔''

''نہیں میں اکیلی نہیں ہوں' امن ہے میرے ساتھ۔ خیر مجھے چھوڑو' تم بتاؤ آج یونیورسٹی نہیں گئی کیا؟''

''گئی تھی اپیا' روز ہی جاتی ہوں' ایکچوئیلی ان دنوں دو دو جگہوں پر اپنا آپ منوانا پڑ رہا ہے۔'' اس نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے قدرے افسردگی سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''مطلب یہ کہ ان دنوں یونیورسٹی کے علاوہ مجھے آفس بھی جانا پڑ رہا ہے کیونکہ......''

''آفس کیوں' ابھی تو تم......'' اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی توارہا اس کے عین سامنے آن کھڑا ہوا اور اسے دیکھ کر وہ ایک دم کنفیوز سی ہوگئی اور سر جھکا کر لب چبانے لگی۔ توارہا نے سختی سے اپنے لب بھینچے تھے۔

''اسے میں نے آفس جوائن کرنے کو کہا ہے۔ اسی لیے یہ آفس آرہی ہے۔'' ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اس نے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

''جانتی ہو میں نے اسے آفس جوائن کرنے کو کیوں کہا؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں استفسار کیا مگر وہ ہنوز خاموش رہی۔

''کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ یہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے' دوسروں کے سامنے سر اٹھا کر مکمل اعتماد سے بات کر سکے' دوسروں کے اپنے متعلق کیے گئے صحیح اور غلط فیصلے پر آواز اٹھانے کی سکت ہو اس میں بات اعتماد سے کرے' دوسروں کی طرف مدد کے لیے نہ دیکھے۔ خود پر بھروسہ کرے' دوسروں کے سہارے پر نہ رہے' کچھ لوگوں کی طرح ہمیشہ......'' اس نے فوراً اپنے لب بھینچے چیئر پر اس کے مضبوط ہاتھ مزید سخت ہوئے تھے' اس کی پیشانی پر بل پڑنے لگے تھے' ناگواریت چہرے پر چھانے لگی تھی۔

گو وہ سر جھکائے بیٹھی تھی' مگر پھر بھی اس کا سرخ چہرہ اس بات کا غماز تھا کہ وہ کسی بھی پل رو دے گی اور چاہے کچھ بھی ہو سامنے بیٹھی ہستی اسے بہت عزیز تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے آنسوؤں میں توارہا کا نام ہو' توارہا اس کے آنسوؤں کی وجہ بنے' یہی سوچ کر وہ خاموش ہو گیا اور دزدیدہ نظروں سے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

''ایم سو سوری اپیا' وہ میں......اور آپ لوگ۔'' کتنی ہی دیر تک ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی جس کا پردہ امن نے آکر چاک کیا۔ ''السلام علیکم'' وہ انہیں دیکھ کر ایک پل کو ٹھٹکا۔

''کیسے ہو امن!'' اس کے سلام کا دونوں نے ہی سر ہلا کر جواب دیا تھا' تبھی ظعینہ نے قدرے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

''جی ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟'' اس کے پوچھنے پر اس نے محض سر ہلا کر جواب دیا۔ ظعینہ نے ایک نظر انگلیاں چٹخاتی ہوئی اپیا کو دیکھا۔ اسے ازحد ندامت محسوس ہو رہی تھی۔

''چلیں امن۔'' سر جھکائے جھکائے دھیرے سے استفسار کیا اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھتی توارہا جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو ظعینہ۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' بنا ان کی جانب دیکھے ظعینہ کو مخاطب کیا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ظعینہ نے اپیا کی جانب دیکھا جو توارہا کو جاتا ہوا دیکھ کر پلکیں جھپک جھپک کر اپنے آنسو روکنے کی کوشش

کر رہیں تھیں۔

"اچھا اپیا! میں چلتی ہوں پھر ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔" تاسف بھری نگاہ اس پر ڈال کر وہ بھی ارخ کے پیچھے چلی گئی۔ اور وہ کتنی ہی دیر گم صم سی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

"آغا! کل سر یر مغان نے جو لیکچر دیا تھا وہ بھی تم نے نوٹ کرلیا تھا ناں؟" لائبریری سے نکلتے ہوئے ظعینہ نے بیگ کندھے پر لٹکاتے ہوئے آغا مینا سے استفسار کیا۔ آغا مینا اچھی طرح جانتی تھی اس کے بے نیازانہ انداز کے پیچھے وجہ بھی۔ اسی لیے وہ دھیرے سے مسکرادی۔

"ڈونٹ وری! میں نے نوٹ کرلیا تھا۔ اور تمہارے لیے نوٹس بھی بنادیے ہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں اب محترمہ کو یر مغان سر کا لیکچر اٹینڈ کرنے کی فرصت کہاں۔ اب تو خیر سے جنابہ خاصی ذمہ دار ہوگئی ہیں ناں۔"

"اوہو...... خیر ہو خاصی فاسٹ جارہی ہو محترمہ۔ کیا بات ہے؟ امن کی فاختہ کو بولنا آرہا ہے۔" تمسخرانہ لہجے میں حیرانگی کا عنصر نمایاں تھا۔

"جی ہاں! امن کی فاختہ کو آج کل کمپنی ہی ایسی میسر ہے۔ اثر تو ہوگا ہی ناں۔ وہ سنا تو ہوگا جیسا دلیس ویسا بھیس۔ بس اسی کی پریکٹس جاری ہے۔"

"آہا...... واہ! کیا بات ہے امن کی فاختہ۔" اس نے سراہا۔

"بائی داوے کس کی ایسی کمپنی میسر آگئی ہے جس نے عقل کے ساتھ ساتھ زبان بھی دے دی۔ ورنہ مجھ جیسی لڑکی جو پتھروں کو بھی بولنے پر مجبور کردے امن کی فاختہ پر کوئی اثر نہ ڈال سکی تو اب ایسا کون آگیا جس نے محترمہ کو زبان عطا کردی۔" اس نے خاصے تمسخرانہ انداز میں استفسار کیا۔

"نہیں خیر کمپنی تو پرانی ہی ہے مگر کمپنی کا ٹرینڈ بدل گیا ہے جو خاصا اثر پذیر ہے۔" آغا مینا نے معنی خیزی سے کہا تو ظعینہ نے حیرت کی زیادتی سے آغا مینا کو دیکھا۔ جیسے یقین کرنا چاہ رہی ہو۔

"آئی ڈونٹ بلیو دس۔ تم آغا مینا ہی ہو ناں۔ واہ کیا بات ہے داد دینی پڑے گی مجھے خود کو بائی داوے یہ معجزا کب وقوع پذیر ہوا۔" اپنے کالر اکڑاتے ہوئے اس نے خود کو داد دی۔

"بس کچھ دن پہلے ایک حسین واقعے کے بعد۔" تبھی ظعینہ کا سیل بج اٹھا۔

"او گاڈ! مرگئی۔" سیل کی اسکرین پر موجود نام دیکھ کر اس نے ایک دم سر پر ہاتھ مارا۔

"کیا ہوا...... خیریت؟"

"ارخ کی کال ہے آج پھر میں لیٹ ہوگئی اور یہ بھی صرف تمہاری وجہ سے کتنی دفعہ کہا ہے مجھے لیٹ مت ہونے دیا کرو مگر نہیں بہت ایڈیٹ ہو تم۔ ہمیشہ غلط وقت پر باتوں میں لگا دیتی ہو۔ ہوگئی ناں پھر سے لیٹ اچھا میں چلتی ہوں۔ تم یاد سے کل یر مغان سر کے نوٹس لے آنا اوکے بائے۔" حسب معمول بوکھلائے ہوئے تیزی سے اسے کہہ کر وہ برق رفتاری سے بھاگی۔ آغا مینا اس کی بوکھلاہٹ پر دھیرے سے مسکرادی۔

"پاگل ہے لیکن بہت سویٹ بھی۔" بہت پیار سے اس کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ مسکرارہی تھی تبھی اس کا سیل فون بج اٹھا۔

"السلام علیکم! خیریت انکل! واٹ! او گاڈ کیا ہوا امی کو میں آرہی ہوں۔ جی جی آپ پلیز امی کا خیال رکھیے گا۔ میں میں آتی ہوں۔" کچھ دیر قبل والی مسکراہٹ ایک دم اڑن چھو ہوگئی تھی۔ سیل بیگ میں رکھتے ہوئے وہ تیزی سے تقریباً بھاگتے ہوئے راہداری سے گزر رہی تھی پاؤں کہیں رکھ رہی تھی اور پڑ کہیں رہے تھے۔ وہ ایک دم بوکھلاسی گئی تھی اس کی سمجھ جیسے مفلوج سی ہوگئی تھی تبھی موڑ مڑتے ہوئے وہ کسی شخص سے بری طرح ٹکراگئی۔

"او...... کیا بے ہودگی ہے یہ۔" اس شخص نے ناگواری سے ٹکرانے والی کو دیکھا تھا۔ تیوری پر بل پڑگئے تھے۔ اس طرح کے بظاہر اتفاقی تصادم اسے انتہائی زہر لگتے تھے۔ اسے ایسا لگتا تھا جیسے جان بوجھ کر ٹکرانے کی

کوشش کی گئی ہے۔ اسی لیے اس کے چہرے پر ناگوار سے تاثرات چھا گئے تھے۔ اور دوسری طرف آغا مینا اتنی پریشان تھی کہ اس کا بیگ اور بکس گریں سو گریں وہ خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

"ایکسکیوزمی محترمہ برائے مہربانی اب اٹھ جائیے مجھ سے امید مت رکھیے گا کہ میں اٹھاؤں گا۔" اس کی حالت پر غور کیے بنا وہ ناگواری سے گویا ہوا۔ مگر وہ اس کی جانب متوجہ کہاں تھی وہ کپکپاتے ہاتھوں سے بیگ سے گری ہوئی چیزیں اٹھانے لگی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ ہر چیز دھندلی دھندلی نظر آرہی تھی۔ جو بھی ہاتھ لگ رہا تھا وہ بیگ میں ڈالتی جارہی تھی سب چیزیں سمیٹ کر اس نے بکس اٹھائیں اور بنا ارد گرد دیکھے تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اس شخص نے خاصی حیرانگی سے اس عجوبے کو دیکھا اور آگے بڑھنے کے لیے قدم بڑھانے چاہے تبھی چونک کر رک گیا......!

"امی کیسی ہیں انکل وہ ٹھیک تو ہیں ناں؟" وہ کیسے ہوسپٹل پہنچی نہیں جانتی تھی مگر ہوسپٹل پہنچتے ہی وہ انکل کے بتائے ہوئے روم کی جانب چلی آئی وہ باہر ہی کھڑے اس کے منتظر تھے۔ انہیں دیکھتے ہی اس نے تیزی سے استفسار کیا۔

"ریلیکس بیٹا ڈونٹ وری شی از آل رائٹ۔"

"میں ان سے ملنا چاہتی ہوں انکل۔"

"شیور کیوں نہیں۔" ان کے کہنے پر وہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر چلی آئی وہ بیڈ پر دراز پلکیں موندے ہوئے تھیں۔ خاصی پژمردہ سی لگیں۔ انہیں یوں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔ وہ کتنی ہی دیر تک انہیں دیکھتی رہی تب ہی انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے دیکھ کر وہ آہستگی سے مسکرائیں تھیں۔

"آپ ٹھیک تو ہیں ناں امی میں تو گھبرا ہی گئی تھی۔ صبح تک تو آپ بالکل ٹھیک تھیں یہ اچانک کیا ہوا؟"

"ہوجاتا ہے مینا کبھی کبھی پریشان مت ہوا کرو بیٹا تم تو ذرا ذرا سی بات پر گھبرا جاتی ہو۔ ایسے کیسے چلے گا تمہیں مضبوط بننا ہے بیٹے کل کو اگر مجھے کچھ ہوگیا تو تم......"

"امی پلیز...... ایسا مت بولا کریں اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو آپ کے سوا میرا ہے ہی کون؟" اس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا اٹکا تھا۔ وہ سر جھکا گئی۔

"اللہ ہے ناں بیٹا میرے ساتھ بھی تو وہی تھا ناں اسی نے تو مجھے یہاں تک پہنچایا ہے وہ تو ہر کسی کے ساتھ ہوتا ہے کب کسی کو اکیلا چھوڑتا ہے لیکن بیٹا زندگی تو اس کی امانت ہے اور امانت تو لوٹانی پڑتی ہے اس سے انکار تو نہیں ناں؟" وہ اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔

"میں جانتی ہوں امی لیکن میں ایسا کچھ بھی نہیں سن سکتی آپ پلیز ایسا کچھ بھی مت بولا کریں۔ ابھی تو میں نے آپ کو......" کچھ کہتے کہتے وہ یکلخت رک سی گئی۔ وہ بھی سمجھ کر ایک پل کو خاموش رہیں پھر گویا ہوئیں۔

"ہاں بیٹا بس اسی ایک پل کا تو انتظار ہے یہی دعا تو میں بھی مانگتی ہوں کہ بس ان لمحوں تک کے لیے خدا مجھے سانسیں دے دے۔ بس ان لمحوں تک یہ ڈور بندھی رہے پھر بھلے......" وہ بری طرح چونکی۔ آج پہلی بار ماں نے ایسا اظہار کیا تھا وہ حیران ہوئی مگر اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

"میں ہوں ناں ماں وہ پل میں آپ کی زندگی میں لاؤں گی یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔ بس آپ زیادہ سوچا مت کیجیے۔ آپ بہت زیادہ سوچتی ہیں اور ٹینس ہوجاتی ہیں۔ تبھی تو آپ کی طبیعت بگڑ جاتی ہے اپنا خیال رکھیے پلیز۔ میرے لیے اور...... اور ان کے لیے رکھیں گی ناں؟" اس نے یقین چاہا۔ انہوں نے بھی نم آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔

ارقام کا اس وقت کوفت کے مارے برا حال تھا۔ اتنا ڈھونڈنے کے باوجود وہ مطلوبہ چیز تک رسائی حاصل نہیں کرسکا تھا اب تو اس کا دل چاہ رہا تھا دو حرف بھیجے اور

شاپ سے باہر نکل آئے۔

''وُم ایکسکیوزمی۔'' ابھی وہ یہاں سے جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا جب ایک بہت ہی خوب صورت اور مانوس سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی' اس نے چونک کر ذرا سا چہرہ گھما کر آواز کی سمت نگاہ کی اور نگاہوں کے عین سامنے کھڑی ہستی کو دیکھ کر اس کی کوفت منہ چھپا کر کہیں دور بھاگ گئی تھی اور ہونٹوں پہ ایک خوب صورت سی سمائل آن رکی تھی۔ اس کی سماعتیں مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہو چکی تھیں۔

''ایکچوئیلی مجھے ایئررنگز چاہیے' اچھے سے' پلیز ذرا جلدی دکھا دیجیے' بلکہ دکھا کیا دیجیے جو آپ کو اچھے لگیں وہی دے دیں۔ میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے پسند کرنے کا۔ آل ریڈی کافی لیٹ ہو چکی ہوں۔'' اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے اس نے سیلز مین سے کہا اور اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔ ارقام کے ساتھ ساتھ شاپ کیپر نے بھی خاصی حیرت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''اُفوہ بھئی دیکھ کیا رہے ہیں' جلدی کریں' لیٹ ہو رہی ہوں میں۔'' شاپ کیپر کے ہنوز ایسے ہی کھڑے رہنے پر اس نے تیزی سے کہا تو وہ گڑبڑا کر آگے بڑھ گیا۔

''ایکسکیوزمی' کیا آپ ایسے ہی دوسروں کی پسند پر سب کچھ چھوڑ دیتی ہیں؟'' اس نے غالباً کچھ روز قبل والی ملاقات کو نظر میں رکھا تھا اسی لیے طنزیہ انداز میں دریافت کیا۔ اس نے کسی قدر چونک کر خود سے مخاطب شخص کو دیکھا۔

''جی نہیں' دوسروں کی پسند تو کیا میں تو خود کی پسند پر بھی سو دفعہ تنقیدی نظر ڈالتی ہوں' یہ تو بے چارے شاپ کیپر کی قسمت اچھی ہے' ورنہ میں تو اچھے اچھوں کی سٹی گم کر دیتی ہوں۔ یہ کیا چیز ہے۔''

''جی ہاں' مجھ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' اس نے کچھ چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ غالباً اس کی بڑبڑاہٹ اس کے کانوں تک نہیں پہنچ پائی تھی۔

''کچھ نہیں' بائی داوے کیا آپ میری ہیلپ کر سکتی ہیں؟'' اس نے اپنی مشکل کا حل تلاش کرنے کے لیے اس کی خدمات حاصل کرنا چاہی۔

''جی نہیں' میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔'' بلاتوقف جھٹ سے انکار کر دیا' ارقام کو توقع نہیں تھی ایسے جواب کی۔ اسی لیے اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں اسے خاصی سبکی محسوس ہوئی تھی۔

''آئی تھنک آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔'' اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لیے اس نے در پردہ کچھ یاد دلانا چاہا اس کی بات پر اس نے خاصی تمسخرانہ نظروں سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''کیوں...... آپ آسمان سے اترے ہوئے ہیں کیا؟'' طنزیہ استفسار کیا۔

''کیا آپ آسمان سے اترے ہوؤں کو ہی پہچانتی ہیں۔'' اب کے ساری مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس نے بھی طنز کیا لیکن مقابل ظعینہ تھی۔

''جی نہیں' زمین زادوں کو بھی کبھی کبھی عزت بخش دیتی ہوں۔'' بے نیازی اور سنجیدگی کا بہت خاص امتزاج تھا۔

''اور یہ کبھی کبھی کے اوقات کب زمین پر اترتے ہیں۔''

''جب میرا موڈ ہو۔'' بے نیازی ہنوز قائم تھی۔

''اس کا مطلب ہے اس وقت زمین زادوں کی قسمت اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کا موڈ اچھا نہیں اور اگر آپ کا موڈ اچھا نہیں ہے تو کوئی بھی زمین زادہ آپ کے سامنے آجائے آپ اس کو پہچاننے سے انکاری ہو جائیں گی' رائٹ۔''

''یس یو آر رائٹ۔ اس وقت تو زمین زادوں کے علاوہ اگر کوئی آسمان سے بھی اتر کر آجائے تو اس کو پہچاننے کا بھی موڈ نہیں ہے میرا اور کے مسٹر ایکس وائے

زیڈ۔'' اس نے خاصا چبا چبا کے کہا۔

''کیوں...... ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونے کو دیر ہو رہی ہے کیا؟''

''یہی سمجھ لیں۔ اینڈ بائی دا وے آپ اسمارٹ بننے کی کوشش میں زیادہ ہی اوور اسمارٹ بن گئے ہیں۔ اپنی حد میں رہیے مجھے عزت اتارنے میں قطعاً ٹائم نہیں لگتا۔''

''مائنڈ اٹ! ایکسکیوزمی۔'' ایئر رنگز پیک ہو چکے تھے اس نے پیمنٹ کی اور ایئر رنگز اٹھا کر باہر کی جانب بڑھ گئی۔ ارقام جو خاصا کھسیانا سا ہو کر سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

''ایکسکیوزمی' مس ظعینہ۔ ایک منٹ رکیے پلیز۔''

ارقام کے پکارنے پر وہ ایک دم رکی اور پلٹ کر اس کی جانب دیکھا جو اس کے اچانک رک جانے پر بمشکل خود کو اس سے چند انچ کے فاصلے پر روک پایا تھا۔

''اگر آپ زبردستی اپنی پہچان کروانا چاہتے ہیں تو اس کی کوئی ضرورت نہیں' جس انسان کو میں ایک بار دیکھ لوں اسے کبھی بھولتی نہیں' اس معاملے میں میری یادداشت بہت اچھی ہے اور آپ کو تو قطعی نہیں بھول سکتی کیونکہ آپ کی وجہ سے میری دوست نے ایک ٹوٹلی اجنبی شخص کے سامنے میری انسلٹ کی تھی اس لیے زیادہ تردد کی ضرورت نہیں' کیونکہ میں آپ کو پہچان چکی ہوں اور بڑے افسوس کے ساتھ آپ کو کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ کے فرسٹ امپریشن کی طرح آپ کا سیکنڈ امپریشن بھی خاصا ایڈیٹ قسم کا ہے' جو مجھے کچھ خاص پسند نہیں آیا' اوکے ہو گیا ناں' تھینکس۔ بائے۔'' ایک ہی سانس میں اس کے اندر سے امنڈتے سوالوں کے جواب دے کر وہ یہ جا وہ جا۔ ارقام کتنی ہی دیر تک ہونق سا کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ تو اس سے بھی چار ہاتھ آگے تھی۔ ارقام سراہے بنا نہ رہ سکا۔

***

''بہت ہی بے مروت بندی ہو۔'' وہ کچن میں تاباں کے ساتھ کچھ اسپیشل بنانے کی کوشش کر رہی تھی تب ہی بے پناہ مصروفیت بھرے انداز میں تاباں نے اس پر کمنٹ پاس کیا۔ اسے حیرت قطعی نہیں ہوئی تھی۔

''یہ کمنٹ آئی تھنک خاصا پرانا ہو چکا ہے اور پہلے بھی کافی دفعہ تم اسے مجھ پر پاس کر چکی ہو۔ کچھ نیا سوچو ناں ڈیئر۔''

''تم ایک نمبر کی ڈھیٹ بندی ہو۔'' قدرے برا مناتے ہوئے وہ گویا ہوئی تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''تھینکس فار دس کمنٹ' خیر تو ہے ناں' آج وقفے وقفے سے کمنٹس پاس کیے جا رہے ہیں۔'' اس نے کسی قدر مشکوک سے انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

''تم پر کمنٹ پاس کرنے کے لیے کسی خاص وجہ کا ہونا قطعی ضروری نہیں' تم پر تو ہر دوسری بات پر اظہار رائے کیا جا سکتا ہے۔ آفٹر آل ہم سب نے کمپلیمنٹس کی بک تمہارے لیے ہی تو خریدی تھی۔'' ٹماٹر کاٹتے ہوئے اس نے ایک پل کو رک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا' وہ اس کے انداز پر بے ساختہ ہنس پڑی۔ تاباں نے کسی قدر چونک کر اس کی سمت دیکھا' اس کا یوں کھلکھلا کر ہنسنا بہت اچھا لگا تھا۔

''کتنے دنوں بعد تمہاری خوب صورت ہنسی سننے کو ملی ہے۔ ہنستی رہا کرو یار۔ کم از کم ہمیں یاد تو رہے محترمہ ہنستی کیسے ہیں۔'' بہت پیار سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے مزاح بھرا انداز اپنایا تھا۔ اس نے ایک پل کو اپنے لب بھینچے' دوسرے ہی پل دھیرے سے مسکرا دی' بولی کچھ نہیں۔

''ہیلو گرلز۔'' اسی پل زوہیب اور توارہا ایک ساتھ کچن میں داخل ہوئے تھے۔ توارہا کو دیکھ کر اس کے مسکراتے لب یکلخت سمٹ سے گئے۔ اسے اس وقت اس کے یہاں آنے کی قطعاً امید نہیں تھی۔ وہ حیران ہوئی تھی۔

''تاباں یار چائے کا کیا پروگرام ہے۔'' تب ہی زوہیب کی آواز پر وہ یکلخت چونکی۔

''آپ چلیے میں لاتی ہوں۔''

''اوکے' تھینکس' چلیں توارہا۔''

"ہاں چلو۔" ایک نظر اس کے جھکے سر پر ڈال کر وہ زوہیب سے پہلے ہی باہر نکل گیا۔ اس نے کن اکھیوں سے توارہا کو جاتے ہوئے دیکھا اور رخ موڑ گئی۔ تاباں نے چائے کے کپ ٹرے میں رکھے اور ٹرے اس کی جانب بڑھائی۔

"کیا مطلب؟" گڑبڑا کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیا مطلب بھئی' چائے ہے اندر دے آؤ۔" اس نے قدرے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا۔

"اُفوہ جانتی ہوں یہ چائے ہے' لیکن تم مجھے کیوں دے رہی ہو؟ جاؤ نا جا کر دو اندر۔ زوہیب بھائی نے تمہیں کہا ہے مجھے نہیں۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے بے نیازی دکھانا چاہی۔

"جی ہاں' زوہیب بھائی نے مجھے ہی کہا ہے لیکن چونکہ مجھے کچھ کام ہے اس لیے تمہیں کہہ رہی ہوں۔ پلیز یار دے آؤ ناں۔" اب کے اس نے التجائیہ انداز اپنایا مگر وہ ہنوز خاموشی ہی کھڑی رہی۔

"کیا پرابلم ہے یار۔ پلیز دے آؤ ناں۔"

"آئم سوری تاباں۔ میں نہیں جاسکتی۔" تاباں کتنی ہی دیر اس پر نظریں جمائے کھڑی رہی۔ اس کی نظروں کے انداز نے اسے جھنجلانے پر مجبور کردیا۔

"وہاں توارہا ہے تاباں!" کچھ سمجھانا چاہا۔

"تو...... اگر وہاں توارہا ہے تو کیا ہوا؟" اس نے حیرت سے اس کا انداز ملاحظہ کیا۔

"تو کیا تاباں' کیا تم نہیں جانتی؟"

"جانتی ہوں' اسی لیے تو کہہ رہی ہوں' لسن۔ اس رشتے سے ہٹ کر ایک اور رشتہ بھی ہے تمہارا اس کے ساتھ۔ تم ہمیشہ اسے نظر انداز نہیں کرسکتیں۔ یوں نظریں نہیں چرا سکتیں۔ سامنا تو ہوہی جاتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ تم کب تک یوں خود کو چھپاتی رہوگی' خود میں اعتماد پیدا کرو' وہ پہلے والا توارہا ہی ہے۔ اس میں کچھ بدلاؤ نہیں آیا۔"

"نہیں تاباں' وہ پہلے والا توارہا نہیں ہے' اگر پہلے والا توارہا ہوتا تو مجھے قصوروار قطعی نہیں سمجھتا۔" اس کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"اور وہ ایسا کیوں سمجھتا ہے' کبھی جاننے کی کوشش کی تم نے؟" اس نے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"نہیں! اور نہ ہی جاننے کی خواہش ہے۔" انداز اٹل تھا۔

"اوکے مت جاؤ' لیکن یہ چائے تو دے آؤ' مجھے حقیقتاً کام ہے یار ورنہ تم سے قطعی نہ کہتی۔"

"سچ کہہ رہی ہو؟" اس نے شک بھری نظروں سے دیکھا۔

"واٹ' تم...... تم مجھے......" اس نے گہرے صدمے کی کیفیت میں اس کی سمت دیکھا۔ وہ مسکرادی۔

"اوکے' دو مجھے' میں دے آتی ہوں۔" اس کے ہاتھ سے ٹرے لے کر وہ زوہیب بھائی کے کمرے کی جانب چلی آئی۔ اتنے عرصے بعد کسی کا یوں سامنا ہونا تھا' کسی کے روبرو جانا پڑ رہا تھا محسوسات کچھ الگ قسم کے تھے۔ غالباً یہی وجہ اسے آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ ٹرے وہی چھوڑ کر واپس چلی جائے لیکن...... اس نے ہاتھ بڑھا کر آہستگی سے ناک کیا اور دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ توارہا کمرے میں بالکل اکیلا تھا۔ اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔ اسے لگا کہ آج وہ اس کے سوالوں کو نظر انداز نہیں کرپائے گی۔ دانستہ اسے نظر انداز کرنے کی وہ جتنی کوششیں کرتی رہی ہے آج وہ نہیں کرپائے گی۔ لب چباتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی اور بنا اسے مخاطب کیے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دی۔ صوفے پر نیم دراز پلکیں موندھے توارہا ایک دم چونک کر سیدھا ہوا' تاباں کی بجائے اسے روبرو دیکھ کر اسے ازحد حیرت ہوئی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں تمہاری وضاحتوں کا منتظر ہوں۔ تمہیں دانستہ اپنے روبرو لانا چاہتا ہوں۔ تم سے تمہارے رویے کی وضاحتیں' وجوہات جاننا چاہتا ہوں۔" چائے رکھ کر وہ خاموشی سے پلٹی' تبھی توارہا کی

آواز نے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو جکڑ لیا۔ وہ ایک پل کو رکی مگر پلٹی نہیں۔ دوسرے ہی پل اس کے سوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیئے مگر توارہا ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی نازک کلائی اپنی گرفت میں لے لی اور ہلکا سا جھٹکا دیا' وہ پل میں اس کے مقابل آ گئی۔ اسے اس کے اس جارحانہ انداز کی قطعاً توقع نہیں تھی۔ کتنی ہی دیر ساکت بے یقین نظروں سے اس کے پتھریلے تاثرات سے مزین چہرے کو دیکھتی رہی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے تم یوں بے پروائی سے میری بات سن کر ہمیشہ نظر انداز کرو گی اور میں سڑک چھاپ عاشقوں کی طرح تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا رہوں گا۔ تم سے اپنے جذبوں کو فراموش کیے جانے کا سبب پوچھوں گا۔ تم سے وضاحتیں مانگوں گا۔ تم سے ان سوالوں کا جواب مانگوں گا جو تم آل ریڈی رد کر چکی ہو؟ نہیں مسز توارہا حسن بخاری ہرگز نہیں...... مجھے اب تم سے کچھ بھی جاننے کی خواہش نہیں ہے۔ تمہاری کسی بھی وضاحت کا منتظر نہیں ہوں میں کیونکہ دوسروں کے رحم و کرم پر رہنے والوں سے کوئی سروکار نہیں ہے مجھے۔ دوسروں کو اپنی لاٹھی سمجھ کر چلنے والوں کو میں قابل اعتنا نہیں جانتا' دوسروں کے غلط فیصلوں پر سر جھکانے والوں سے مجھے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ سو اپنی اس خوش فہمی کو ذہن سے نکال دو۔'' وہ جو اس کی آہنی گرفت سے شدید تکلیف کا شکار تھی' ایک دم ساکت ہو گئی' کتنی ہی دیر سے کلائی چھڑانے کی کوشش بھی دم توڑ چکی تھی۔ اپنی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی لیے اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھتی رہ گئی۔

توارہا نے چند پل اس کی آنکھوں میں رقم بے یقینی کو دیکھا اور جھٹکے سے اس کی کلائی کو چھوڑ دیا۔ وہ یکلخت لڑکھڑا سی گئی۔ اس کی آنکھوں میں جمع ہوتے گرم سیال کو دیکھ کر اس نے فوراً نظریں چرائیں تھیں ساتھ ہی رخ بھی موڑ لیا۔ کتنی ہی دیر وہ دھندلائی ہوئی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھتی رہی اور لب بھینچتے ہوئے بنا کچھ کہے تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔ توارہا نے شدید اذیت محسوس کرتے ہوئے اپنی پلکوں کو موند لیا تھا۔

''ایک سیکنڈ زادیار۔ اسٹاپ دا کار۔'' ارقام کے ایک دم کہنے پر اس نے دفعتاً بریک لگایا۔

''کیا ہوا؟'' زادیار نے قدرے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا۔

''وہ دیکھ امن کی فاختہ۔''

''واٹ!'' اس نے چونک کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور جو لڑکی اس کی نگاہوں کے سامنے کھڑی تھی' اس عجوبے کو وہ دو روز قبل دیکھ اور بھگت بھی چکا تھا۔

''یار یہ وہی ہے' تجھے بتایا تھا ناں کہ میری گاڑی کے ساتھ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور اسی ایکسیڈنٹ نے مجھے امن کی فاختہ اور جنگ کا ڈنکا سے ملاقات کروائی تھی۔'' اس نے کچھ یاد دلانا چاہا۔ زادیار بے زار سا اس کی اسٹوری سن رہا تھا۔

''تو...... تو نے گاڑی کیوں رکوائی؟''

''تو کیا یار' ایک جاننے والی لڑکی تنہا یہاں کھڑی ہے' کچھ پریشان بھی لگ رہی ہے۔ ایٹ لیسٹ ہمیں اس سے اس کی پریشانی کی وجہ تو پوچھنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے اسے لفٹ کی ضرورت ہو یا پھر......''

''تو میں کیا کروں؟ اگر وہ پریشان ہے یا اسے لفٹ کی ضرورت ہے یہ اس کا پرابلم ہے' ہمیں اس سے کیا لینا دینا' ہم آل ریڈی لیٹ ہو چکے ہیں۔ اب تیری یہ فضول گوئی مزید لیٹ کروا رہی ہے۔'' وہ بے زاری سے گویا ہوا۔

''یار مانا کہ تو لفظ ہمدردی کے معنی سے بھی ناآشنا ہے' تجھے کوئی سروکار نہیں کسی کی بے بسی یا پریشانی سے' خصوصاً لڑکیوں کی تو بالکل نہیں' لیکن یار اس نے میری مدد کی تھی۔ پلیز یار میری خاطر' گاڑی بیک کرنا پلیز۔'' اب کے اس نے اس کے سپاٹ سے چہرے کو دیکھتے ہوئے مصنوعی

التجائیہ انداز اپنایا تھا۔ زادیار کو اس کی مسکین سی صورت دیکھ کر ہنسی آئی تھی۔ جسے اس نے منہ پھیر کر چھپالیا تھا' جانتا تھا اگر اس نے دیکھ لیا تو مزید فری ہو جائے گا۔

"زادیار...... پلیز یار۔" اس کے دوبارہ کہنے پر اس نے کسی قدر کوفت سے سر جھٹکتے ہوئے گاڑی بیک کی۔

"امن کی فاختہ!" اس کی آواز پر آغا مینا نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ وہ دروازہ کھول کر اس کی جانب چلا آیا جبکہ زادیار سامنے نگاہیں جمائے بے نیاز بیٹھا تھا۔ بےزاری تو جیسے انگ انگ سے جھلک رہی تھی۔

"ارے آپ!"

"جی میں' یہاں کیوں کھڑی ہیں' اپنی پرابلم؟"

"یونیورسٹی جارہی ہوں۔ ٹیکسی کا انتظار کررہی تھی لیکن کوئی آثار نہیں لگ رہے۔" ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے وہ گویا ہوئی۔

"ٹیکسی نہیں آئی تو کیا ہوا' ہم بھی یونیورسٹی ہی جارہے ہیں' چلو تمہیں بھی ڈراپ کردیں گے۔" بے تکلفی سے گویا ہوا۔

"اٹس اوکے۔ میں ٹیکسی سے آجاؤں گی۔ آپ جائیں تھینکس۔"

"ایک تو تم لیٹ ہوگئی ہو دوسری بات ٹیکسی کے بھی کوئی آثار نہیں لگ رہے' تیسری بات' ہم یونیورسٹی جارہے ہیں' چوتھی بات' تمہیں بھی وہیں جانا ہے' نمبر پانچ میں زیادہ اجنبی بھی نہیں ہوں' نمبر چھ مجھ پر اعتبار بھی کیا جاسکتا ہے۔ نمبر سات......"

"بس بس' جتنی دیر تک آپ کاؤنٹنگ کرتے رہیں گے' اتنی دیر میں میں یونیورسٹی پہنچ جاؤں گی اور خود پر اعتبار کرانے کے لیے زیادہ تردد نہ کریں' کیونکہ کسی پر بھروسہ بھلے نہ ہو' خود پر مجھے بہت بھروسہ ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کسی قدر جتا کر کہا۔ ارقام نے مصنوعی انداز میں جھینپتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور مسکرا دیا۔

"اوکے ڈیٹس گریٹ' تو پھر چلیں۔ خود پر بھروسہ رکھنے والی خاتون۔" اس نے مسکراتے ہوئے پر مزاح

انداز میں کہا۔

"یس شیور۔" اس نے مسکرا کر ہامی بھری اور قدم آگے بڑھادیے۔ ارقام نے فوراً گاڑی کا پچھلا دروازہ وا کیا۔ بیٹھنے سے قبل اس نے چونک کر ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان سرد سے تاثرات لیے شخص کو دیکھا۔

"یہ زاویار ہے میرا دوست۔" اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے ارقام نے بتایا۔ دوسری جانب بے نیازی اور لاتعلقی ہنوز قائم تھی۔ آغا مینا نے بھی سر ہلاتے ہوئے کندھے اچکائے۔ اگر وہ بے زار بیٹھا تھا تو اس کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا اسے مخاطب کرنے کا۔

زاویار جو خاصا کوفت کا شکار ہو رہا تھا ان کے بیٹھتے ہی گاڑی جھٹکے سے آگے بڑھائی۔ آغا مینا نے بہت چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ اسی پل مرر میں پیچھے دیکھنے کی غرض سے اس کی اٹھی ہوئی نظریں اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے ٹکرا گئیں۔ دونوں نے ایک ساتھ نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔

"سو مس آغا مینا' بائی داوے آغا مینا کا مطلب کیا ہے؟" ارقام سیٹ پر ذرا سا ترچھا ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔ اچانک کچھ یاد آنے پر پوچھا۔

"آغا مینا کا مطلب ہے' خوش گلو پیاری پیاری باتیں کرنے والی۔"

"رئیلی......" اس نے مصنوعی حیرت بھرے انداز میں بے یقینی سے استفسار کیا۔ اس کے انداز پر آغا مینا کے لبوں پر مسکراہٹ آن رکی تھی۔ زاویار نے سرسری سے انداز میں دیکھا اور پھر سے نظریں سامنے روڈ پر مرکوز کرلیں۔

"کیوں آپ کو یقین نہیں آیا؟" وہ مسکرائی۔

"نہیں اگر تم اتنا فورس کررہی ہو تو یقین تو کرنا ہی پڑے گا ناں۔" کندھے اچکاتے ہوئے جیسے مجبوراً کہا۔

"کیا...... آپ کو لگ رہا ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" انتہائی بے تکلفی سے اس کے انداز میں مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ زاویار کے چہرے پر ناگوار سے تاثرات ابھرے۔ محض ایک ہی ملاقات میں کسی اجنبی لڑکی سے اتنا فرینک ہوجانا اسے ایک آنکھ نہ بھایا۔ ایسی لڑکیوں سے وہ ہمیشہ خار کھاتا تھا' ابھی بھی اس کی ارقام کے ساتھ اتنی بے تکلفی اسے ازحد کوفت کا شکار کررہی تھی۔ تیوری پر بل پڑنے لگے تھے۔

"تو تم اس یونیورسٹی میں نئی ہو؟" زاویار ارقام کی آواز پر چونکا تھا۔

"جی نہیں' میں اس یونیورسٹی میں پہلے سے ہی ہوں۔ غالباً آپ نئے ہیں؟"

"اوئیں۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ نئی آپ نہیں نئے ہم ہیں' لیکن سنیئر تو ہم ہی ہیں ناں؟"

"تو...... میں نے کب انکار کیا؟" اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"تو اقرار بھی کب کیا؟ بائی داوے تمہاری دوست بھی اسی یونیورسٹی میں ہے نا؟" بہت عام سے انداز میں ایسے استفسار کیا جیسے اسے کوئی سروکار نہیں بس ایسے ہی بات کرنے کی غرض سے پوچھ رہا ہو حالانکہ یقین چاہ رہا تھا۔

"جی ہاں' وہ بھی اسی یونیورسٹی میں ہے۔"

"تو آج نہیں آئی کیا؟" انداز ہنوز عام سا تھا۔

"وہ آج کل اکثر چھٹی پہ ہوتی ہیں۔ خاصی مصروف سی بندی ہے۔"

"نہریں کھودتی ہیں کیا؟" انداز استہزائیہ ہوا۔

"اسے تو ایسا ہی لگتا ہے اور آئی تھنک صحیح بھی لگتا ہے۔ اس کے لیے تو یہ نہریں کھودنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ بائی داوے آپ کو اس میں اتنا انٹرسٹ کیوں ہے؟ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ...... ایک سیکنڈ' ایک بات تو بتائیں' آپ کا اصل روپ کون سا ہے؟ یہ جو آج میرے سامنے ہے یا وہ جو اس روز آپ ری ایکٹ کررہے تھے۔" اچانک کچھ یاد آنے پر اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے دریافت کیا۔ اس نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔ زاویار ہنوز لب بھینچے سنجیدگی سے ڈرائیو کررہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" ارقام نے مصنوعی سنجیدگی

سے استفسار کیا۔
"آئی تھنک آپ ایسے ہی ہیں۔"
"مطلب؟" استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔
"مطلب' جس روپ میں' میں ابھی آپ کو دیکھ رہی ہوں آپ ایسے ہی ہیں۔"
"ریلیٹ۔" اس نے فٹ سے کہا۔
"تو پھر وہ کیا تھا؟" آج خلاف معمول آغا مینا بہت باتیں کررہی تھی۔ ارقام کو بھی حیرانگی ہوئی مگر بنا کچھ کہے اس کا ساتھ دے رہا تھا۔
"وہ بھی ہمارے موڈ کا ایک حصہ تھا۔" انداز خاصا شاہانہ تھا' کچھ یاد آنے پر وہ خوب صورت انداز میں مسکرایا۔ آغا مینا خاموش ہوگئی۔ ارقام نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔ یونیورسٹی کے قریب زادیار نے جھٹکے سے گاڑی کے بریک لگائے۔ ٹائر چرچرا کررہ گئے۔ آغا مینا نے خاصی ناگواری سے اس کا انداز ملاحظہ کیا تھا۔ جبکہ وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔
"تھینک یو..... تھینک یو سوچ۔" گاڑی سے نکلتے ہوئے اس نے ارقام کا شکریہ ادا کیا۔
"کس لیے؟"
"مجھے لفٹ دینے کے لیے۔"
"لیکن میں نے تو تمہیں لفٹ نہیں دی۔ گاڑی زادیار کی ہے اصولاً تو شکریہ کا حق دار وہی ہے۔"
"ایکسکیوز می۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر فوراً آگے بڑھ گئی۔ زادیار نے نخوت بھرے انداز میں سر جھٹکا۔ پہلی ملاقات میں ہی وہ اسے ناپسندیدگی کی سند دے چکا تھا۔ دوسری ملاقات اس سے بڑھ کر ثابت ہوئی تھی۔

"پاپا نہیں آئے بریک فاسٹ کے لیے؟" جوس کا سپ لیتے ہوئے اس نے ناشتے میں مصروف تو ارہا سے سرسری سے انداز میں استفسار کیا۔
"نہیں۔" تو ارہا نے بے زار سے انداز میں آہستگی سے جواب دیا۔

"کیوں؟" ظعینہ کے چہرے پر حیرت در آئی تھی۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ ٹیبل پہ بریک فاسٹ کے لیے آئی ہو اور پاپا موجود نہ ہوں۔
"خاموشی سے بریک فاسٹ کرو۔ اگر خاموش نہیں رہ سکتیں تو خود جا کر دیکھ لو اور کے۔" تو ارہا کے لہجے اور انداز دونوں میں ایک دم ناگواریت گھل گئی تھی۔ اپنی بات کہہ کر وہ دوبارہ سے ناشتے میں مگن ہوگیا۔ وہ کتنے ہی پل اخ کے سرد وسپاٹ سے چہرے کو دیکھتی رہی۔ کیا کبھی ان دونوں میں موجود سرد جنگ ختم ہوگی' اس نے گہرے تاسف سے سوچا اور ملازمہ کو آواز دینے لگی۔
"زینب..... زینب۔" وہ اس کی آواز پر بھاگتی ہوئی قریب آئی۔
"پاپا ناشتے کے لیے نہیں آئے اور تم نے بھی انہیں بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔" غصے سے استفسار کیا۔ حالانکہ وہ کبھی غصہ نہیں کرتی تھی۔
"جی میں بلانے گئی تھی' لیکن ان کی طبیعت ٹھیک نہیں اس لیے انہوں نے انکار کردیا۔"
"کیا.....؟ پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں اور تم مجھے اب بتا رہی ہو۔ حد ہے بے پروائی کی بھی۔" وہ غصے اور فکر کے ملے جلے تاثرات لیے جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"لیکن میں نے تو ارہا صاحب کو بتایا تھا۔"
"کیا؟" اس نے ایک جھٹکے سے بے نیاز بیٹھے تو ارہا کی سمت دیکھا۔ اسے ازحد حیرت ہوئی اور بے پناہ دکھ بھی' یقین نہیں آیا کہ ہر کسی کی پروا کرنے والا آج اتنا بے حس ہوگیا تھا..... کیوں؟

(جاری ہے)

احساس

سباس گل

جس کھیت سے کسان کو ملتی نہ ہو روٹی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

مرزا بختیار علی نے علامہ محمد اقبال کے شعر کو آسان اصلاح میں پڑھا تو بیگم رفعت مرزا بختیار علی تڑپ کر بولیں۔

''آئے ہائے مرزا! کیوں قومی شاعر کے شعروں کو قصائی بن کر حلال کررہے ہو؟ دماغ ہے تو اپنی شاعری لکھو نا۔''

''شاعری دماغ سے نہیں ہوتی کم عقل عورت! شاعری تو دل سے ہوتی ہے۔''

''اور دل تمہارے پاس ہے نہیں۔'' بیگم رفعت مرزا نے جھٹ سے اطلاع دی۔

''ہاں صحیح کہتی ہو ہمارے پاس اگر دل ہوتا تو ہم تم سے ہرگز شادی نہیں کرتے۔''

''اے بس رہنے دو' انیس برس ہوگئے یہ سنتے ہوئے تم اگر اتنے ہی دل والے ہوتے تو میرے دل میں گھر کر گئے ہوتے۔ مگر تمہارا تو اپنے گھر میں ہی دل نہیں لگتا' دل میں کیا خاک گھر کرو گے' خود کو ابھی تک چھڑا چھانٹ سمجھتے ہو اور محلے کے لونڈے لپاڑوں میں بیٹھ کر خود کو راجا اندر سمجھتے ہوئے انہیں پرلے درجے کے گرے ہوئے شعر سناتے ہو اور واہ واہ سن کر پھولے نہیں سماتے حالانکہ ایسے اشعار سنانے پر تو واہ واہ کی بجائے واہیات کی داد ملنی چاہیے تم کو مگر ہائے افسوس......! کہ لوگوں کا ذہنی ذوق انتہائی گھٹیا اور قلبی مزاج انتہائی پستی کی جانب ہوچلا ہے جبھی تو تم جیسے تھرڈ کلاس شاعر کو بھی لوگ سر آنکھوں پر بٹھانے لگے ہیں۔''

''بس یا اور کچھ بیگم! بحث النساء عرف نصیحت بی بی!'' مرزا بختیار علی بیوی کی اس لمبی چوڑی تقریر کو سن کر خاصے بدمزہ ہوکر چڑ کر بولے۔

''تم پر کسی نصیحت کا اثر ہوجائے تو معجزہ ہی ہوگا میاں! تم لگے رہو اساتذہ کے اشعار سے نبرد آزمائی کرتے شکست فاش ان شاء اللہ تمہارا مقدر بنے گی۔'' بیگم رفعت مرزا بختیار نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ تپ کر بولے۔

''ادبی رو سے انتہائی فاش بلکہ فحش طنز مارا ہے تم نے۔''

''میں نے تو مرزا تمہیں آئینہ دکھایا ہے۔''

''ارے رہنے دو تم' آئینہ ہم خود دیکھ لیں گے' تم جاؤ جا کر بھنڈی' کدو پکاؤ اور ہاں باورچی خانے میں قدم رنجا فرمانے سے پہلے اپنی لپ اسٹک کا شیڈ ضرور تبدیل کرلینا' سرخ لپ اسٹک لگائے گھوم رہی ہو یوں لگ رہا ہے جیسے تمہارے منہ کو خون لگا ہے۔ آدم خورسی لگ رہی ہو بھئی۔'' مرزا بختیار علی نے بیوی کی تقریر کا جواب کچھ اس انداز میں دیتے ہوئے کہا تو وہ چڑ کر تیز لہجے میں بولیں۔

''تو تمہیں کاہے کا خوف ہے مرزا! تمہارا شمار آدم زاد میں تھوڑی ہوتا ہے تم تو......''

''اچھا بس رہنے دو' ملک کے عظیم شاعر کی بے عزتی کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے تمہیں۔'' مرزا بختیار علی بیوی کی بات کاٹتے ہوئے ناراض لہجے میں بولے تو وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔

''تمہیں بھی شاعری کی بے عزتی کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے مرزا! اس کا بھی حساب دینا ہوگا تمہیں روز محشر وہ تمام شاعر تمہارا گریبان پکڑیں گے جن کے اشعار کو تم تار تار کرکے اپنے نام سے ادھر اُدھر

بھیڑ لگا کر پڑھا کرتے ہو۔"

"بات صرف یہ ہے رفعت بیگم! کہ تم جلتی ہو ہم سے ہمارے علم و فن سے۔"

"تمہارا علم و فن' ہاہاہا...... ارے جلتی ہے میری جوتی۔" بیگم رفت بختیار علی نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا تو وہ خجل سے ہو کر بغلیں جھانکنے لگے۔

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی

"کیا کر رہے ہو ابا؟" مرزا بختیار علی کے صاحب زادے اٹھارہ سالہ مرزا عمر بختیار علی نے گھر آتے ہی باپ کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ جھٹ سے بولے۔

"دیکھ نہیں رہا شعر کی اصلاح کر رہا ہوں' تلفظ درست کر رہا ہوں۔"

"محلے کے ایک اٹھائی گیر اور اچکے شاعروں کے ٹھکے دے مشاعرے میں پانچ شعر کیا سنا دیئے تب سے غالب اور اقبال کی شاعری میں غلطیاں نکال رہے ہیں۔" بیگم رفعت مرزا بختیار علی نے بیٹے کو باپ کے کارنامے جو کے دراصل ان کی نگاہ میں کرتوت تھے سے آگاہ کرتے ہوئے منہ بنایا۔

"بات سنو رفعت بیگم! پہلے تو تم اپنی نالج میں اضافہ فرمالو کہ پانچ شعر والی غزل ہوا کرتی ہے کمی اور مسدس غزل کو کہا جاتا ہے۔ پانچ سے چھ اشعار ہوتے ہیں اس میں اور رہی بات اقبال اور غالب کی شاعری کی غلطیاں نکالنے کی تو میں غلطیاں نہیں نکال رہا' اشعار کی اصلاح کر رہا ہوں۔" مرزا بختیار علی نے تیزی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"پہلے اپنی اصلاح تو کرلو مرزا! غالب اور اقبال کی شاعری کی اصلاح کرنے چلے ہیں۔ قبر میں بھی مرحومین کی روحیں اس ظلم ناگہانی پر تڑپ اٹھی ہوں گی۔"

"قبر اور روح سے یاد آیا ابا! وہ کاظمی صاحب گزر گئے۔" مرزا عمر بختیار علی کو جیسے اچانک یاد آیا کہ وہ باہر سے کیا خبر لے کر آئے ہیں فوراً بول پڑے۔

"کہاں سے گزر گئے؟" مرزا بختیار علی نے اسے اپنے چشمے کے پیچھے سے گھورا۔

"اس جہاں سے گزر گئے۔"

"ابے کیا بک رہا ہے' رات تو وہ بھلے چنگے تھے۔" مرزا بختیار علی نے چشمہ اتار کر کتاب سخن ایک طرف رکھتے ہوئے کہا تو مرزا عمر بختیار علی گویا ہوئے۔

"بس راتوں رات ہی کام دکھا گیا ملک الموت۔"

"ہیں...... ہیں...... کیا کہے جا رہا ہے تو؟"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ کاظمی صاحب کا فجر کے وقت انتقال ہو گیا ہے بعد نمازِ ظہر نماز جنازہ ہے ان کی۔"

"حد ہو گئی یعنی کہ بیویوں نے مرنا ہی چھوڑ دیا ہے کیا زمانہ آ گیا ہے۔ ابھی اسی ہفتے تو اسلم صاحب کا

انتقال ہوا اور اس مہینے کے شروع میں وہ کریانے والے مجید صاحب داغ مفارقت دے گئے۔ مقام افسوس ہے یارو! بیویوں کو کچھ نہیں ہوتا شوہر بے چارے ملک الموت کے نشانے پر دھرے ہیں۔'' مرزا بختیار علی نے تشویش ناک لہجے میں کہا تو مرزا عمر بختیار علی بولے۔

''ہاں بات تو ٹھیک کررہے ہیں ابا! مجھے تو اب آپ کی فکر ہونے لگی ہے۔ اماں تو یوں بھی ابھی نوجوان دکھائی دیتی ہیں' آپ قبر نشین ہوگئے تو انہیں بیاہنے والوں کی لائن لگ جائے گی۔''

''خوش فہمی ہے تمہاری' اسے بھگتنے والا کوئی نہیں ملنے کا' میں بتائے دے رہا ہوں اور بیٹا! میری وصیت ذہن نشین کرلے اگر میں خدانخواستہ تیری اماں سے پہلے بقضائے الٰہی رحلت فرما جاؤں تو اپنی ماں کی شادی اگر ضروری ہو تو کسی خسیس بڈھے سے کروانا یا کسی اکڑو بدمزاج اور خرانٹ قسم کے آدمی کے ساتھ کروانا۔ ارے اسے بھی تو پتا چلے نا کہ میں نے کس دل سے بھگتا ہے اس عورت کو یا اس اکڑ آدمی کی اکڑ نکل جائے گی یا تیری ماں کو عبرت حاصل ہوجائے گی۔'' مرزا بختیار علی نے بیٹے کو ناصحانہ اور حاسدانہ لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا۔ رفعت مرزا بختیار علی سب سن رہی تھیں باورچی خانے سے باہر آکر انہیں روہانسی ہوکر دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں ہاں کرلو میری برائیاں بیٹے کے منہ پر' شرم تو نہیں آرہی بیٹے کے سامنے ماں کی کردار کشی کرتے ہوئے۔''

''کردار کشی تھوڑی کررہے ہیں ہم تو تم سے شادی یعنی خودکشی کے سنگین نتائج پر روشنی ڈال رہے ہیں تاکہ عبرت حاصل ہو اور ہمارے صاحب زادے شادی کرنے سے پہلے ہزار بار اپنے والد محترم و مظلوم کی حیات اندوہناک اور دردناک پر نگاہ ڈال لیں۔'' مرزا بختیار علی نے ڈھٹائی سے ان پر طنز و تنقید کے ڈونگرے برساتے ہوئے کہا تو بیگم رفعت مرزا بختیار علی جلے دل سے بولیں۔

''نگاہ ڈالنے کی عادت تو تمہاری ہے مرزا! آتے جاتے محلے بھر کی کنواری لڑکیوں پر نگاہ ڈالتے ہو وہ بی بی شرمی سے۔''

''بیگم! یہ الزام ہے' بہتان ہے ہم پر' ہم تو صرف خدا کی بنائی ہوئی حسین تخلیق کو دیکھ کر خدا کے حسنِ فن کو داد و تحسین دیا کرتے ہیں۔'' مرزا بختیار علی نے بڑی خوب صورتی سے اپنی چوری کا دفاع کرتے ہوئے کہا' مرزا بختیار علی کو ہنسی آگئی۔

''ان لڑکیوں کے بھائی یا باپ کی نگاہ پڑی نہ کسی دن تمہاری اس حرکت پر' تو وہ بھی تمہیں تمہاری اس قدر دانی پر داد و تحسین دینے چلے آئیں گے وہ بھی گھونسوں' مکوں اور لاتوں سے۔'' بیگم رفعت مرزا بختیار علی نے نتائج سے آگاہ کیا۔

''ہائے کاش..... جب تم پر نگاہ ڈالی تھی تب تمہارے باپ بھائی نے ہمیں دیکھ لیا ہوتا تو ایک ہی بار تکلیف اٹھانا پڑتی عمر بھر کا دردِسر تو نہ گلے پڑتا۔''

''کیا کہا تم نے؟'' بیگم رفعت مرزا بختیار علی نے بھاؤ کھاتے ہوئے بھنویں سکیڑ کر شوہر کو دیکھا۔

''میں دردِسر ہوں؟''

''ارے تم تو دردِسر' دردِ دل' دردِ جگر ہو جانم! تمہیں دیکھ کے تو ہمیں اپنی غلطیوں اور نادانیوں کا بڑی شدت سے احساس ہوتا ہے اور میں بارگاہ ایزدی میں اپنی سزا مختصر ہونے کی فریاد کیا کرتا ہوں۔'' مرزا بختیار علی بنا زوجہ محترمہ کی دلی کیفیت و جذبات کا خیال کیے مسلسل تابڑ توڑ حملے کیے جارہے تھے اور بیگم رفعت مرزا بختیار علی اندر ہی اندر مسمار ہوتی جارہی تھیں۔

''مرجاؤں گی نا اس دن پتا چلے گا۔''

''کہ زندگی کتنی پُرسکون اور خوب صورت نعمت کا نام ہے۔'' مرزا بختیار علی نے فوراً جملہ پھینکا جو سیدھا

رفعت مرزا بختیار علی کے دل پر جا کے لگا۔ وہ روتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''ہاں ہاں میں نے تمہاری زندگی اجیرن بنا رکھی ہے نا' جہنم کا نمونہ پیش کرتا ہے یہ گھر میری وجہ سے' میں تو ہوں ہی بُری۔''

''صد شکر کہ آج تم نے اپنی غلطی مانی' اپنا قصور تسلیم تو کیا۔'' مرزا بختیار علی نے بہت شوخ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں کرلیا تسلیم' مان لی غلطی بس اب خوش ہوگئے؟ پڑگئی ٹھنڈ آپ کے کلیجے میں؟ میں مرجاؤں تو جان چھوٹ جائے گی آپ کی ہمیشہ کے لیے مجھ عذاب سے بیویوں کے نہ مرنے کا گلہ بھی آپ کا دور ہوجائے گا۔ میرے مرنے سے جشن منانا اپنے رنڈوے ہونے کا آئی سمجھ۔'' بیگم رفعت مرزا بختیار علی نے آنسوؤں میں ڈوبے لہجے میں تیزی سے کہا اور اپنے کمرے کی طرف روتی ہوئی چلی گئیں۔

''ابا...... یہ کچھ زیادہ نہیں ہوگیا؟'' مرزا عمر بختیار علی نے بات بگڑنے پر ہی زبان کو حرکت دی ورنہ وہ بھی اماں ابا کی نوک جھونک سے حظ اٹھا رہا تھا ابھی تک۔

''ہو تو گیا صاحب زادے مگر خیر منالیں گے حسب عادت ہم ہی' آخر کو معافی تو ہمیں ہی مانگنا پڑے گی۔ گھٹنے ٹیکنے کی روایت ہم ہی نے ڈالی ہے سو اب کہ بھی ٹیک دیں گے گھٹنے۔''

''تو جاؤ نا ابا! اماں رو رہی ہیں۔''

''ارے رونے دو کچھ دیر دل کا غبار نکل جائے گا تو غصہ کم ہوجائے گا' منانے میں ذرا آسانی ہوگی۔ ہمیں بھی تو آٹھ آٹھ آنسو رلائے ہیں رفعت بیگم نے اب خود چار آنسو بہالیں گی تو کون سا سوکھا پڑ جائے گا۔''

''ابا......'' مرزا عمر بختیار علی نے تنبیہی انداز میں باپ کو گھورا۔

''اچھا جاؤ اندر جا کے حالات کا جائزہ لو' ماحول ساز گار بنا آنسو پونچھ پائی پلا اپنی ماں کو میں بھی ابھی آیا۔'' مرزا بختیار علی نے بیٹے کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا بیگم رفعت مرزا بختیار کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''اس دل پشوری کا سارا مزا کرکرا ہو جائے گا' بیگم صاحب کو منانے کے چکر میں۔ کچھ دیر تو لطف سخن باقی رہے بعد میں منا لیں گے۔'' مرزا بختیار علی نے مسکراتے ہوئے خود کلامی کی اسی لمحے مرزا عمر بختیار علی کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔

''ابا...... ابا...... جلدی سے آؤ اماں کو کچھ ہو گیا ہے۔''

''ہیں...... مبارک ہو بڑی خوشی کی خبر سنائی بیٹا!''

''ابا...... میں نے کہا اماں کو کچھ ہو گیا ہے بے ہوش پڑی ہیں وہ اپنے بستر پر۔'' مرزا عمر بختیار علی نے انہیں گھورتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ کھسیانے ہو کر اپنے کمرے کی طرف دوڑے۔

''ارے رفعت بیگم! تمہیں کیا ہوا بھئی ہم تو مذاق کر رہے تھے' تم نے تو دل پر ہی لے لیا۔'' مرزا بختیار علی نے بستر پر آڑھی ترچھی لیٹی نیم بے ہوش بیگم رفعت مرزا بختیار علی کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ پھولی ہوئی سانسوں کے بیچ اٹک اٹک کر بولیں۔

''فکر نہ کرو مرزا! بیویوں کے...... نہ مرنے کا گلہ تھا نہ تمہیں اب دور ہو...... جائے گا...... میں مرنے لگی ہوں...... پھر جشن منانا اپنے رنڈوے ہونے کا۔'' یہ کہتے ہی بیگم رفعت مرزا بختیار علی مکمل بے ہوش ہو گئی تھیں' مرزا گھبرا گئے ہاتھ پیر پھول گئے۔

''ابا...... اماں......!'' مرزا عمر بختیار علی نے روتی صورت بنا کر باپ کو دیکھا تھا۔

''بیٹا! رکشہ یا تانگہ لا۔'' مرزا بختیار علی نے گھبرا کر بیٹے سے کہا وہ بھاگم بھاگ گیا اور رکشہ لے آیا اور آناً فاناً رفعت مرزا بختیار علی کو ہسپتال پہنچایا گیا۔

ایمر جنسی وارڈ کے باہر اضطراب کے عالم میں ٹہلتے ہوئے باپ بیٹا بار بار وارڈ کے بند دروازے کو تک رہے تھے۔

''ابا...... اب کیا ہوگا؟'' مرزا عمر بختیار علی نے باپ کو استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ جھٹ سے بولے۔

''بیٹا...... وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔''

''یعنی......''

''یعنی کہ...... بچے لے ڈاکٹر آ گیا' ابھی پتا چل جائے گا کہ دال میں کتنا کالا ہے۔'' مرزا بختیار علی نے ایمر جنسی وارڈ سے باہر آتے ڈاکٹر کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے تصحیح کی۔

''ابا...... دال میں نہیں دل میں۔''

''ہاں ہاں...... دل کالا ہو تو سب کالا ہو جاتا ہے۔'' وہ اپنی رو سے بولتے ڈاکٹر کی جانب بڑھے۔

''کیا ہوا ڈاکٹر! بچ تو نہیں گئیں' م...... مطلب ہے بچت ہو گئی نا ص کیا ہوا ہے ہماری زوجہ محترمہ کو؟''

''ہمیں افسوس ہے دو دن لگیں گے۔'' ڈاکٹر نے سنجیدگی سے بتایا تو مرزا فوراً بولے۔

''افسوس کیسا ڈاکٹر صاحب...... دو دن بھی گزر جائیں گے جہاں اتنے برس گزار دیئے۔''

''جی......'' ڈاکٹر نے چونکتے ہوئے ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھا۔

''ابا! ڈاکٹر صاحب کا مطلب ہے کہ اماں کو دو دن ہسپتال میں رکھنا پڑے گا کیوں ڈاکٹر صاحب یہی مطلب ہے نا آپ کا؟'' مرزا عمر بختیار نے پہلے باپ کو وضاحت کی پھر ادھیڑ عمر ڈاکٹر سے اپنی اور ان کی بات کی تصدیق چاہی۔

''جی ہاں یہی کہنا چاہ رہا ہوں میں' آپ کی بیگم کو انجائنا کا ہلکا سا اٹیک ہوا ہے۔ آپ انہیں خوش رکھیں ان کی غذا اور آرام کا خیال رکھیں اور ان کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے انہیں دکھ ہو ان کی

اس وقت جو حالت ہے وہ کسی صدمے کے سبب ہوئی ہے۔ ہم احتیاطاً انہیں دو دن تک انڈر آبزرویشن رکھیں گے۔" ڈاکٹر اپنی بات مکمل کر کے واپس وارڈ میں چلا گیا۔

"ابا! اماں دو دن تک ہسپتال میں داخل رہیں گی۔"

"یوں بول نہ کہ مجھے ڈبل خرچہ کرنا پڑے گا یعنی ڈبل مار پڑے گی۔" مرزا بختیار علی پھر سے اپنی پرانی روش پر چل دوڑے اور برآمدے میں رکھے بنچ پر بیٹھ گئے۔

"باز آ جاؤ ابا! اماں نے سن لیا نا تو آپ کے ہوش اڑا دیں گی۔"

"جانتا ہوں اس کام میں تو وہ ماہر ہے ہمیشہ سے۔ میرے ہوش اڑا کے ہی تو شادی کی تھی اس نے مجھ سے۔" مرزا بختیار علی نے سنجیدگی سے سچ کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"اچھا ابا! اگر ایسا تھا تو اب کیا ہوا آپ نے اپنی باتوں سے اماں کو اتنا دکھ دیا کہ انہیں دل کا دورہ پڑتے پڑتے رہ گیا۔ سچ کہنا ابا! اگر خدانخواستہ اماں کو کچھ ہو گیا تو کیا آپ خود کو معاف کر پاؤ گے۔ بڑے حساس شاعر بنے پھرتے ہو اور ایک عورت جس سے محبت کر کے شادی کی آپ نے اسی کا دل اپنے لفظوں سے چھلنی کر دیا' روح زخمی کر ڈالی۔ ایسی شاعری اور ایسی حساسیت کو چولہے میں جھونک دینا چاہیے' جو اپنوں کی دل آزاری اور دل شکنی سے پنپتی ہو۔" مرزا عمر بختیار علی نے باپ کو تاسف بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کھری کھری سنا ڈالیں۔ مرزا مارے شرم کے نظریں تو نہ اٹھا سکے البتہ خود وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

بیگم رفعت مرزا بختیار علی کو ہوش آ گیا تھا' ساتھ ہی ساتھ مرزا بختیار علی کو بھی وہ بیوی سے نظریں نہیں ملا پا رہے تھے نہ ہی کچھ بول پا رہے تھے۔

''شکر ہے اماں! آپ ٹھیک ہوگئیں۔'' مرزا عمر بختیار علی نے ماں کو دیکھتے ہوئے تشکر اور مسرت بھرے لہجے میں کہا تو وہ تھکی تھکی آواز میں بولیں۔

''تیرے ابا بھی ٹھیک ہوئے یا نہیں؟''

''ایسے ویسے...... ابا تو ٹھیک ٹھاک ہوگئے ہیں' آپ کو بے ہوش دیکھ کر ابا کے بھی ہوش اڑ گئے تھے۔ رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے آپ کی لمبی زندگی اور صحت کی۔''

''یقین نہیں ہوتا۔'' بیگم رفعت بختیار علی نے بیٹے کی بات سن کر تحیر آمیز نظروں سے اپنے چپکے بیٹھے شوہر نامدار کو دیکھا جن کی زبان تالو کو نہیں لگتی وہ اس وقت منہ پر تالا ڈالے بیٹھے تھے اور بیٹے کی باتوں پر حیران الگ تھے جوان کی طرف سے ماں کو بدگمانی سے بچانے کو بات اپنی طرف سے بنا رہا تھا انہیں بے اختیار بیٹے پر پیار آیا تھا۔

''یقین کرلو بھاگوان! میں تو یونہی تمہیں چھیڑا کرتا ہوں ورنہ دل سے تو پیار کرتا ہوں تم سے۔'' مرزا بختیار علی نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مرزا! دل میں کون جھانکتا ہے' زبان سے نکلے الفاظ' رویہ اور عمل ہی بتاتا ہے کہ ہم کس سے پیار کرتے ہیں یا کس سے بے زار رہتے ہیں۔ دل کو کسی نے چاٹنا ہے کیا' جب رویہ' عمل اور زبان ہی زہر میں بجھا ہو تو پوشیدہ جذبے اور کھوٹے سکے (ایک سے ہی ہوتے ہیں) میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا ہے۔'' بیگم رفعت مرزا بختیار علی نے انہیں دیکھتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر کہا تو وہ شرمندگی سے بولے۔

''تم صحیح کہتی ہو بیگم! میں نے مذاق مذاق میں تمہاری دل آزاری کی اور تمہیں اس حال کو پہنچادیا۔ بھگت تو تم مجھے رہی تھیں آج تک میرے عیبوں سمیت میں تمہیں اپنے رویے سے' لفظوں سے دکھ دے کر ہنستا رہا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ تمہارے دل پر کیا گزرتی ہوگی؟ ہم معافی چاہتے ہیں بیگم! آئندہ سے ایسا نہیں کریں گے۔''

''تمہیں تو میرا بولنا بھی کھلتا ہے...... میری ہر بات بُری لگتی ہے۔'' بیگم رفعت مرزا بختیار علی نے یاد دلایا۔

''مجھے تمہاری کوئی بات نہ بُری لگی ہے کبھی اور نہ لگتی ہے بس جب تم ناراض ہو' چپ ہو جاتی ہو تو خود کو تنہا محسوس کرنے لگتا ہوں' چاہے محفل میں ہی کیوں نہ ہوں۔'' مرزا بختیار علی کی اس بات پر جہاں بیوی حیران رہ گئی وہاں بیٹے کو اچھو لگ گیا وہ ہنستے ہنستے کھانسنے لگا۔

''ابا! اب اتنی لمبی بھی نہ چھوڑ دے کے لپیٹنا مشکل ہوجائے۔''

''تُو تو چپ کا بیٹھا رہ' سمجھا۔''

''جی۔'' وہ ہنسنے لگا' مرزا نے اسے گھورا۔

''سوچ لو مرزا! اب اگر اتنے اچھے بنو گے تو میں نہیں مرنے کی' نہ تم رنڈوے ہوگے نہ ہی دوسری شادی کرسکو گے۔'' بیگم رفعت مرزا بختیار علی نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا چھیالیس سالہ مرزا گندمی رنگت اور گھنی مونچھوں سے سجے دلکش چہرے کے مالک تھے تو بیگم رفعت بھی جی بھر کے خوب صورت تھیں۔

روز روز شکل دیکھ کر مرزا کو ان کی قدر نہ رہی تھی مگر اب ایک ہی جھٹکے میں انہیں اپنی محبت اور غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کی زندگی میں رونق تو صرف رفعت بیگم کے دم سے ہی ہے اگر خدانخواستہ ان کا دم نکل جاتا تو مرزا کی زندگی سے خوشیوں کا موسم بھی نکل جاتا۔

''ارے تو کون کافر کرنا چاہ رہا ہے دوسری شادی؟ محبت اور شادی ایک ہی بار کرو اور دل سے کرو' جو ہم نے تم سے کرلی تھی بس۔'' مرزا بختیار علی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تو وہ خوش ہوکر بولیں۔

''سچی مرزا......''

''ہاں تو اور کیا...... وہ کیا کہا ہے شاعر نے؟''

''پھر سے شاعری۔''

''ارے سنو تو...... بڑی اچھی بات کہی ہے شاعر نے کہ

ایک ہی شادی کافی ہے
دوسری شادی اضافی ہے

''ابا! شاعر نے تو کچھ اور ہی کہا تھا آپ نے یہاں بھی اپنی استادی دکھادی۔''

''بیٹا! انسان کو وقت' موقع اور حالات کی مناسبت سے کام کرنا چاہیے۔''

''بڑے پتے کی بات کہی مرزا تم نے۔'' بیگم رفعت مرزا بختیار علی نے انہیں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ فوراً بولے۔

''پتے کی بات تو تمہارے صاحب زادے نے کہی ہے بیگم! اس نے ہمیں آئینہ دکھایا ہے اور صحیح دکھایا ہے' خوب صورت الفاظ کو جمع کرکے شعر تخلیق کرنا کوئی ہنر نہیں ہے اصل ہنر اور کمال تو یہ ہے کہ ہم خوب صورت لفظوں پر عمل کرکے اپنے سے وابستہ لوگوں اور رشتوں کو کس طرح خوب صورت بناتے ہیں۔ اگر ہم صرف لفاظی کرکے داد وصول کرتے ہیں اور رشتوں کو اپنے تلخ لہجے اور رویے سے دکھ پہنچاتے ہیں تو ہماری شاعری ہو یا کوئی اور تخلیق ہم ناکام انسان کہلائیں گے۔ کامیابی مشاعرے جیتنے سے نہیں دل جیتنے سے ملا کرتی ہے اور آج ہم نے یہ نکتہ سمجھ لیا ہے لہٰذا...... ہمیں مزید نادم ہونے سے بچایا جائے اور گھر چلنے کا عندیہ دیا جائے۔''

''پر ابا...... ڈاکٹر نے تو کہا ہے کہ اماں کو دو دن یہیں رکھنا ہے۔'' مرزا عمر بختیار علی نے یاد دلایا تو وہ جھٹ سے بولے۔

''ڈاکٹر سے کہو دو دن کے لیے کیوں تیری اماں کو ہمیشہ کے لیے یہیں رکھ لے۔''

''مرزا......'' بیگم رفعت بختیار علی نے گھورا۔

''معاف کرنا بیگم! زبان ہے نا کبھی بھی پھسل جاتی ہے' سنبھلنے میں تھوڑا وقت تو لے گی نا آخر برسوں سے بے لگام جو رہی ہے۔'' مرزا بختیار علی نے گھبرا کر کہا تو وہ دونوں ان کی حالت دیکھ کر ہنس پڑے اور مرزا نے چند ثانیے انہیں حیرت سے دیکھا پھر خود بھی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ اس ہنسی اور قہقہے میں ان کی ساری شکایت' کثافت اور دل آزاد حماقت دفن ہوگئی تھی اور وہ نئے سرے سے ایک دوجے کے سنگ زندگی برتنے کا عہد کررہے تھے۔ عزت' احساس اور محبت بھری زندگی کا عہد۔

❁

موم کی طرح پگھلتے ہوئے دیکھا اس کو
رُت جو بدلی تو بدلتے ہوئے دیکھا اس کو
جانے کس غم کو چھپانے کی تمنا ہے اسے
آج ہر بات پر ہنستے ہوئے دیکھا اس کو
وہ جو کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا کرتا تھا
ہم نے پھولوں کو مسلتے ہوئے دیکھا اس کو
نہ جانے وہ دعاؤں میں مانگتا ہے کسے
ہاتھ اٹھاتے ہی سسکتے ہوئے دیکھا اس کو
پھر ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے ہم نے
جب مقدر سے الجھتے ہوئے دیکھا اس کو

انتخاب
جویریہ ضیاء

مجھے کچھ بھی نہیں کہنا

سیدہ ضوبلریہ

پکڑ کے ہاتھ اس نے ہاتھ میں' گھر سے نکالا ہے
پکڑ کے ہاتھ جس کو ہاتھ سے چلنا سکھایا تھا

اس کی بوڑھی آنکھوں نے اپنے وسیع و عریض گھر کو ایک عجیب عالم سے دیکھا تھا' کیا نہیں تھا اس گھر میں' بڑے بڑے کشادہ و آراستہ کمرے' جدید سہولیات و آسائشات کے انبار' پورچ میں کھڑی مہنگی ترین گاڑیاں' بڑے سے ماربل کے والان میں سجے امپورٹڈ پلانٹ پوٹس...... سب ہی کچھ تو تھا یہاں پھر دم کیوں گھٹ رہا تھا۔ کیوں بستر علالت' بستر مرگ محسوس ہو رہا تھا۔ حلق کے خشک راستوں سے آوازیں ٹکرا کر واپس کیوں لوٹ رہی تھیں۔ کوئی صدا کیوں اس کے یخ بستہ لبوں سے آزاد نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس نے سینے کو مسلتے ہوئے جیسے اپنے سہمے ہوئے دل کو ڈھارس دینی چاہی۔

''نہیں' مجھے ہمت کرنی ہوگی۔ اپنی زندگی کے ہر سرد و گرم کو میں نے بہت برداشت سے جھیلا ہے' اسی تمکنت' اسی وقار اور خودداری کے ساتھ مجھے موت کو بھی گلے لگانا چاہیے۔'' بستر پر اُگے کانٹوں پر کروٹیں بدلتے خود کو سمجھا رہی تھی۔ اسے آج بھی یاد تھا شوہر کے گھر سے نکلتے وقت اس کے پاس دو معصوم بچوں اور ایک بوسیدہ اوڑھنی کے سوا کیا تھا۔ بیوگی کا ایک ایسا سیاہ نشان جس نے اس کے نصیب کو جواں عمری میں ہی گہنا دیا تھا چار سال کی سہمی ہوئی بیٹی اور ایک سال کے معصوم حالات سے بے خبر ننھے سے بیٹے کو آغوش میں دبائے وہ حوادث زمانہ کے سامنے تنہا کھڑی تھی۔ بیوگی اس کا ایک ایسا ناکردہ جرم تھا جس نے اسے سسرال اور میکے دونوں کے لیے اجنبی بنا دیا تھا' ظاہر ہے ہمدردی کے دو بول' بول دینے سے ممکن ہے انہیں اس کی کوئی ضرورت پوری کرنی پڑ جاتی۔ وہ پڑھی لکھی نہیں تھی کہ کوئی باعزت نوکری کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پال سکتی ہاں اچھے وقتوں میں سیکھا گیا سلائی کڑھائی کا کام اس کے اور اس کے بچوں کو پیٹ بھر روٹی مہیا کرنے کا وسیلہ بن گیا تھا۔

رات کے دو بجے تک سلائی مشین کی گھر رگھر اس ٹین کی چھت والے چھوٹے سے کرائے کے مکان میں گونجتی رہتی اور وہ نیند سے بوجھل ورم زدہ آنکھوں کی پروا کیے بنا کپڑے سیئے جاتی۔ اس کے سامنے محض تین پیٹ کا ایندھن نہیں تھا' وہ جانتی تھی جیسے جیسے بچے بڑے ہوں گے ان کی احتیاجات ان کی ضروریات بڑھتی چلی جائیں گی پھر کس طرح وہ ان کا دھیان رکھ پائے گی۔ ابھی تو ہڈیوں میں طاقت تھی وہ مشقت کر کے کچھ نہ کچھ بہتری کر سکتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ دکھ اور حالات اس کی رہی سہی طاقت بھی چھین لیں گے پھر وہ کچھ بھی نہ کر پائے گی۔ اپنے بچوں کی معصوم آنکھوں کی ہر حسرت پوری کر دینے کا جنون اس میں پھرتی اور زندگی بھر دیا کرتا۔ وہ خود کو بھلائے انہی دو بچوں کو اپنا مقصد حیات بنائے پوری تندہی سے اپنے کام میں مگن رہتی۔

اس کی محنت' اس کی لگن اور کوششوں سے اس کے بچوں کو ضروریات زندگی کے ساتھ تعلیم جیسی نعمت بھی دستیاب ہو رہی تھی' انہی دنوں اس کی زندگی میں ایک بہت بڑا بدلاؤ آیا۔ شاید رب پاک اس پر مزید ذمہ داریاں ڈالنا چاہتا تھا' اس کے خلوص' محبت اور لگن کے ساتھ فرض نبھانے کی صلاحیت کو مزید پرکھنا چاہتا تھا سو اس کی زندگی میں نصیب نے ایک بار اور دستک دی۔

ظہیر حسن ایک سلجھے ہوئے پڑھے لکھے انسان تھے' طاہرہ کی ساری زندگی ان کے سامنے تھی اور وہ بہت خلوص سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کی ذمہ داریاں بانٹنا چاہتے تھے لیکن طاہرہ جو بیوگی کے شدید ترین دھچکے کے بعد کسی پتھر کی طرح سخت جاں ہوگئی تھی اسے موم کرنے میں انہیں کافی وقت لگا۔ انہوں نے ہر طرح سے احساس دلایا کہ وہ طاہرہ کی زندگی میں جس حد تک ممکن ہوسکا سکھ لانے کی کوشش کریں گے۔ اس کے ہر دکھ کو خوشی میں بدلنے کی سعی کریں گے' وہ ان بچوں کو بھی باپ کی کمی کا احساس نہ ہونے دیں گے۔ تمام حالات طاہرہ کی آنکھوں کے سامنے تھے۔

سسرال میں تو شوہر کی وفات کے ساتھ ہی ان کا اور ان کے بچوں کا حق ختم ہوگیا تھا' میکے سے کسی کی ڈھارس ملنے کے امکانات بھی نہیں تھے۔ شادی شدہ بھائیوں نے آج تک پلٹ کر حال بھی نہ پوچھا تھا۔ پہاڑ سی زندگی سامنے تھی' غربت وتنگ دستی کا عفریت نگلنے کو بے تاب تھا۔ حالات کی کڑی دھوپ کی تمازت نے اس کے جذبات واحساسات' اس کی آرزوؤں کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ دل کے کسی گوشے میں ایک سایہ پانے کی آرزو نے سر اٹھایا اور طاہرہ نے ظہیر حسن کی خواہش کے آگے سر جھکا دیا۔ آنے والے دنوں میں ظہیر حسن کے پُرخلوص ساتھ نے اسے ہر فکر ہر خوف سے جیسے آزاد ہی کردیا تھا۔ اپنے ننھے بچوں کے آسودگی سے بھرے پیٹ اور پُرسکون چہرے دیکھ کر طاہرہ نے تمام اپنے پرایوں کی ان باتوں کو نظر انداز کردیا جو اس کی دوسری شادی کو تنقید کی نظر سے دیکھتے ہوئے اٹھتے بیٹھتے باتیں بنا رہے تھے۔

دنیا کا کیا ہے یہ تو کسی کو بھی کسی حال میں نہ جینے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے۔ بھوک کے مارے جان بلب کو روٹی تو نہیں دیتی ہاں اگر اس بھوک سے مرنے سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے کوئی جرم کر گزرے تو اسے سزا سنانے میں ایک پل کی دیر نہیں لگاتی۔ حالات کے مارے ہوؤں کو دیکھ کر حقارت سے کندھے جھٹک کر' نظر چرا لیتی ہے لیکن وہی حالات کا مارا اگر خودکشی کرلے تو جانے کیسے کیسے افسانے اس کی ذات سے منسوب کرکے چٹخارے لیتی ہے۔ یہی تو ہوا تھا طاہرہ کے ساتھ بھی' اس کی بوسیدہ اوڑھنی اور دو ننھے بھوک اور جسمانی احتیاجات کو ترستے بچے کسی کو دکھائی نہیں دیئے تھے اور اب جب اس نے ایک مضبوط ستون کا سہارا لے لیا تھا تو طنز وتشنیع اور ناقدانہ نظروں کا سامنا کررہی تھی لیکن اسے اب اس سب کی کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ وہ پُرسکون تھی اس کے بچے مطمئن تھے۔ انہی دنوں جب اسے اپنے حاملہ ہونے کا پتا چلا تو جیسے ایک دم کئی خوف اس کے دامن کو آ لیے۔

ظہیر حسن کا بچہ' ان کے وجود کا حصہ...... اس بچے کی آمد کی خبر نے اس کے دل کو گدگدایا تھا نہ ہی اس

کے جذبوں میں ممتا بھری حرارت و سرخوشی کی لہر دوڑائی تھی اس کے برعکس ایک خیال کوڑیالی سانپ کی طرح پھن پھیلا کر اس کے سینے پر براجمان ہوا تھا کہ اس بچے کے آنے کے بعد ظہیر حسن کا رویہ اس کے دونوں بچوں راہین اور گل کے ساتھ بدل جائے گا۔ وہ ہر جگہ ہر مقام پر اپنے بچے کو ترجیح دیں گے' ماہین اور گل دوبارہ سے ناآسودگی' بے اطمینانی اور تکلیف کا شکار ہوجائیں گے۔ دن' رات اٹھتے بیٹھتے یہ سوچ طاہرہ کے دل و ذہن کو ڈستی رہتی تھی اور پھر اچانک کسی ملنے والے سے اسے ظہیر حسن کی پہلی شادی اور دو بچوں کا پتا چلا۔ اعتماد و یقین کی مضبوط عمارت ایک جھٹکے سے زمین بوس ہوگئی' ایک سال سے ظہیر حسن اس سے اپنا آپ چھپائے کس خوب صورتی سے محبت اور خلوص کا ڈرامہ کررہے تھے۔ ان کی محبت ان کا ساتھ اسے ایک ڈرامہ ہی تو لگ رہا تھا اب...... اس رات وہ بہت روئی تھی ویسے ہی جیسے اپنے پہلے شریک حیات کی موت پر بلک بلک کر روئی تھی۔ ایک بار پھر اس کی اوڑھنی تار تار تھی' اس کے بچے بے سائباں ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ اپنے وجود میں پلتے سانس لیتے ایک معصوم وجود کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس کی زندگی میں در آنے والی محرومیوں کا خیال اسے رلائے جارہا تھا۔

"آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ آپ کی پہلے بھی شادی ہوچکی ہے۔" وہ ظہیر حسن کے سامنے سر اٹھائے کھڑی جواب طلب کررہی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے اس سے' تمہارے اور تمہارے بچوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی فرق آیا؟" بہت اطمینان سے جواب دیا گیا۔ وہ ہق دق ان کا چہرہ دیکھے گئی۔

"آپ کو فرق نہیں پڑتا لیکن مجھے پڑتا ہے' آپ کو بتانا چاہیے تھا مجھے۔"

"آپ کی زندگی میں بھی تو مجھ سے پہلے ایک مرد تھا' اس سے ہونے والی اولاد بھی آپ کے پاس ہے مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں آپ کے ساتھ کا متمنی ہوا تو اس کی وجہ آپ کی ذات تھی طاہرہ! میں نے آپ کی ذات کو مقدم جانا' سوان بچوں کے لیے بھی میرے دل میں خود بخود محبت پیدا ہوگئی کیونکہ یہ آپ کے وجود کے حصے تھے اور آخری بات یہ کہ میری بیوی یا بچے کبھی بھی کسی بھی حوالے سے آپ کی زندگی میں مداخلت نہیں کریں گے۔ وہ صرف میری بیوی تھی اور ہے اور آپ میری محبت ہیں طاہرہ! کیا اس پورے ایک سال میں کسی بھی مقام پر آپ کو لگا کہ آپ نے میری زندگی میں آنے کا فیصلہ کرکے کوئی غلطی کی ہے۔" وہ بہت رسان سے بولے۔

طاہرہ جانتی تھی اس کا جواب نفی میں تھا' اس شادی والے ایک پہلو کو نظر انداز کردیا جاتا تو ظہیر حسن ایک آئیڈیل شوہر اور بہترین باپ تھے۔ ماہین اور گل ان کی پدرانہ شفقت سے مکمل مانوس ہوچکے تھے' ننھی منی فرمائشیں کرتے ان کے ساتھ کھیلتے' ان کے کندھے سے لگے ناز اٹھواتے' اتراتے پھرتے' ان کی زندگی میں کوئی سیاہ سایہ نہیں تھا تو یہ ظہیر حسن کے وجود کی روشنی سے ہی ممکن ہوسکا تھا وہ خاموش ہوگئی پھر اس کے بعد اس نے ظہیر حسن سے کبھی کوئی شکوہ نہ کیا۔

مرحلہ وار تعلیمی منازل طے کرتی ماہین سیکنڈ ائیر میں تھی اور گل آٹھویں جماعت میں' جاتے سالوں نے اس کی آغوش میں دو بے انتہا خوب صورت بیٹیاں اور دو پیارے سے بیٹے ڈال دیئے۔ اس کی زندگی بہت ہموار انداز میں گزر رہی تھی۔ ایک منصف شوہر کی طرح ظہیر حسن دونوں بیویوں کو برابر خرچ دیتے۔ دونوں خاندانوں کو برابر وقت دیتے پھر نہ جانے کیا ہوا ظہیر حسن کی زندگی میں عجیب سا بدلاؤ آیا' اکثر بیٹھے بیٹھے انہیں دورہ سا پڑ جاتا۔ ہاتھ پاؤں مڑ جاتے' دن بہ دن وہ خاموش اور تنہائی پسند ہوتے جارہے تھے کھانا

غزل

کوئی ہے اب تک منتظر یاد گر تمہیں ہو تو
لوٹ آؤ بے خبر یاد گر تمہیں ہو تو
جب کتاب کھولو گے رنگ مسکرائیں گے
ٹوٹے ہوئے تتلی کے پر یاد گر تمہیں ہو تو
اب بھی جھیل آنکھوں میں چاند مسکراتا ہے
ہے وہی حسین منظر یاد گر تمہیں ہو تو
وہ شب وصل ساون سی شوخیاں تیری
پیار میں بھیگی چنر یاد گر تمہیں ہو تو
اب بھی تیری یاد کا موسم وہی ٹھہرتا ہے
پیار کا پہلا شہریاد گر تمہیں ہو تو
جس کے سائے تلے پیار کے وعدے کیے
برگد کا بوڑھا شجر یاد گر تمہیں ہو تو
لوگ جانے کس طرح بے وفائی کرتے ہیں
تم نے کہا تھا ہم سفر یاد گر تمہیں ہو تو
یہی خنک شامیں تھیں جب تم مجھ سے بچھڑے تھے
لوٹ آگیا ہے دسمبر یاد گر تمہیں ہو تو

شاعرہ: ام ثمامہ..... جھڈو سندھ
انتخاب: عائشہ سلیم۔ کراچی

پینا جیسے بالکل ہی نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ ان کی اس بگڑتی مخدوش حالات کو دیکھتے ہوئے ادارے نے (جہاں وہ سرکاری نوکری پر تعینات تھے) انہیں جبری ریٹائرمنٹ دے دی۔ بے حد توجہ اور علاج کے باوجود ان کی طبیعت میں کوئی سدھار نہیں ہو پا رہا تھا۔

وہ دن بھر عجیب عجیب سی باتیں کرتے اور پھر ایک دن گھر بار چھوڑ کر ننگے پاؤں پھٹے کپڑوں کے ساتھ وہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے‘ کچھ خبر نہیں کہ یہ سب کیا تھا‘ کیوں ہوا تھا لیکن طاہرہ کے لیے یہ بہت بڑا امتحان تھا۔ اب اسے چھ بچوں کی کفالت کرنی تھی‘ سترہ سال کی ماہین ایسی جوان ہوئی تھی کہ نگاہ بھی تکتی تھی اور باقی بچے اتنے چھوٹے تھے کہ کچھ بھی کرنے سے مجبور تھے ایسے میں گل اس کا دستِ راست بن گیا۔ ڈھیروں کے حساب سے اخبار لے آتا‘ آٹے کی لئی بنا کر اس کی مدد سے فارغ وقت میں لفافے بناتا‘ کتابوں کی جلدیں بناتا‘ وہ بہت حساس بچہ تھا جانتا تھا کہ اس کی ماں کی زندگی میں بہت اذیتیں آئی تھیں وہ ان اذیتوں کے احساس میں کمی کرنا چاہتا تھا۔

وہ اپنی ماں کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ اکیلی نہیں ہیں ان کا بیٹا ان کے ساتھ ہے‘ وہ ذہین اور محنتی طالب علم تھا۔ پڑھائی میں بہت اچھا اور باقاعدہ بلاناغہ اسکول جاتا تھا‘ ہر جماعت اس نے امتیازی نمبروں سے پاس کی تھی۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں جب زندگی ایک جمود اور سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی ایک ارتعاش اس وقت پیدا ہوا جب ماہین کے تایا نے اپنے دوسرے نمبر کے بیٹے کے لیے ماہین کا ہاتھ

مانگ لیا۔ طاہرہ تو بس ششدر سی ان کا منہ ہی دیکھے گئی' اتنے سال گزر جانے کے بعد اچانک انہیں کیسے یاد آ گیا کہ ان کی ایک یتیم بھتیجی بھی ہے۔ ایک عرصے سے کسی نے پلٹ کر پوچھا تک نہ تھا کہ دھرتی پر ہو بھی کہ نہیں' اچانک اپنے مرحوم بھائی کی بیٹی کے لیے محبت کی سوتے پھوٹ پڑے۔ طاہرہ کو اپنی جٹھانی کے جھلستے آگ برساتے الفاظ آج بھی یاد تھے۔

''کسی عورت کا حق شوہر کے گھر پر اس وقت تک ہوتا ہے جب تک شوہر زندہ ہو' اس کے جاتے ہی کون سا حق' کیسا اختیار...... اپنا سامان سمیٹو بی بی اور چلتی بنو۔'' وہ اس عورت کے گھر میں اپنی بیٹی کیسے دے دے' مانا کہ بہت آسودہ حال لوگ تھے گھر بار' مال اموال والے لیکن جس گھر میں وہ بیوگی کی سفید چادر کے ساتھ چند دن بھی نہ بتا پائی تھی وہ گھر اس کی بچی کو کیسے خود میں سموئے گا۔ وہ وہاں کس طرح جیے گی اس نے فوری طور پر انکار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور کچھ دن سوچنے کا وقت مانگ لیا۔ دل کی نہاں خانوں میں کہیں شدت سے ایک بھرپور انکار مچل رہا تھا' اسے اپنے جیٹھ سے کوئی گلہ نہیں تھا مگر جٹھانی اور اس کے بچوں سے بے انتہا شکایات تھیں لیکن یہ بھی ایک بہت بڑی حقیقت تھی کہ اپنی بھرپور جوان' خوب صورت بیٹی کے ساتھ تنہا اس معاشرے میں جیتے وہ اندر ہی اندر گھلتی اور مٹتی جا رہی تھی۔ کچھ بھی تھا وہ انہی کی نسل انہی کی اولاد تھی جو آج اس کے دعوے دار بن کر دہلیز پر آ کھڑے ہوئے تھے انہیں انکار کرنے کے بعد ماہین کو وہ کہاں اور کس کھونٹے سے باندھیں گی۔

کئی دن سوچنے کے بعد بالآخر یہ احساس جیت گیا کہ ماہین کو اس گھر میں اور کچھ ملے نہ ملے مالی و معاشرتی استحکام ضرور مل جائے گا اور ان کے سینے پر دھرا یہ سب سے وزنی پتھر بھی کسی مناسب مقام پر جا لگے گا۔ باپ کے بغیر جوان بیٹی کو لیے وہ کہاں کہاں پھریں گی۔ ماہین نے معمولی سا اعتراض کیا وہ مزید پڑھنا چاہتی تھی لیکن اس کے کسی اعتراض کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے انہوں نے اپنے جیٹھ کو ہاں کر دی اور چند ماہ کے بعد ماہین کو رخصت بھی کر دیا۔ ایک طویل عرصے بعد ان کی روح نے کچھ سکون محسوس کیا تھا' آج انہیں لگتا تھا وہ اپنے اس شریک سفر کی نظروں میں سرخرو ہو گئی ہیں جس کے ساتھ زندگی کے بہت کم دن بتائے تھے انہوں نے مگر جوان کی پہلی محبت تھا ان کے دل میں محبت کے پھول کھلانے والا واحد شخص جس نے مختصر سے ازدواجی دورانیے کو ان کے لیے حسین' خوب صورت اور محبت کے رنگوں سے مزین کر دیا تھا جس کے گھر میں وہ بس چند سال ہی گزار پائی تھیں لیکن آج اسی گھر اسی چھت کے نیچے ان کی بیٹی ایک نئے رشتے میں بندھ کر ایک نئی زندگی کی شروعات کرنے جا رہی تھی شاید یہ سب کچھ اسی طرح ہونا تھا' آنے والے دنوں کی کسی کو کیا خبر مگر ابھی جو کچھ بھی تھا وہ درست ہی لگ رہا تھا۔

ایک فرض پورا ہوا تھا' پانچ باقی تھے وہ ایک بار پھر زندگی کے میدان کارزار میں اتر آئی تھیں لیکن اس بار ایک جرنیل ایک بہادر سپہ سالار بھی ان کے ہمراہ تھا ان کا بیٹا' ان کا کل...... ایک ذمہ دار' حساس اور سچا بیٹا جس نے بنا کہے ماں کی کئی ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر اٹھالی تھیں۔ I.Com بہترین نمبروں سے پاس کرنے کے بعد مزید تعلیمی اخراجات نہ پورے کر سکنے کی وجہ سے اس نے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا اور ماں کے شانہ بشانہ محنت مزدوری میں لگ گیا۔

اس کے دل میں بس ایک آرزو تھی' وہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو بہت کامیاب دیکھنا چاہتا تھا' اپنی آنکھوں کے سارے خواب اس نے طاق میں رکھ دیئے تھے۔ یہ سوچ کر کہ اب یہ چھوٹے چھوٹے بہن بھائی ان خوابوں کی رو پہلی تعبیریں بنیں گے مگر مسلسل محنت و مشقت کے بعد بھی وہ ان کی بہت سی خواہشات پوری نہیں کر پاتا تھا۔ اپنی ماں کو دن رات

کام کرتے دیکھ کراس کا دل بوجھل ہو جاتا تھا اور دل کا بوجھ بڑھانے کے لیے ایک مزید اتفاق یہ ہوا تھا کہ ماہین جسے اس کے تایا بہت لاڈ اور مان کے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کی شادی کے بعد بمشکل دو سال زندہ رہے تھے اور ان کی وفات کے بعد تو جیسے ماہین کے شوہر سمیت سب خاندان والوں کو ماہین کو اذیت دینے کا سرٹیفکیٹ مل گیا تھا۔ مرے پر سو درے دو سال کے وقفے سے اس نے دو بیٹیوں کو جنم دے کر گویا خود کو مزید گناہ گار اور قابل تعزیر قرار دے دیا تھا۔

ماہین کا شوہر اچانک باپ کی وفات کے بعد ملنے والی بے تحاشا دولت پا کر گویا بالکل ہی آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ شراب پینا اس کا معمول بن گیا‘ اس سے چھوٹے بیٹے کو کسی نے شاہی بازار کا راستہ دکھادیا۔ الغرض دولت کے خزانے تھے اور لٹانے والے ہاتھ بے درد‘ باپ بنا گیا تھا اور اولاد اجاڑنے میں لگی تھی۔ ماہین جیسی نفیس طبع لڑکی کے لیے ایسے ماحول میں جینا سوہانِ روح تھا‘ وہ تتلیوں اور پھولوں سے پیار کرنے والی‘ شاعری اور الفاظ کے جادو سے بہلنے والی‘ خشک‘ بنجر اور پتھریلے جذبات سے عاری لوگوں کے درمیان گھٹ گھٹ کر جی رہی تھی پھر بھی نبھا رہی تھی جانتی تھی کہ اس کی ماں تو پہلے ہی بہت تکلیف میں ہے‘ وہ اب دو بیٹیوں کو لے کر ان کے سر پر جا کر بیٹھ جاتی تو مزید ان کے دکھ‘ اذیت اور بوجھ میں اضافہ ہی کرتی۔

گل اِدھر اُدھر کوششوں سے ہاتھ مار کر جس حد تک ہوتا گھر کو لاتا لیکن کچھ بھی نہ بن پا رہا تھا۔ آخر کار اس نے ملک سے باہر جانے کا فیصلہ کرلیا‘ طاہرہ کو یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں کا نور چھین کر کسی نے ان میں اندھیرا بھر دیا ہو۔ یہ بیٹا اس کا کل سرمایہ حیات تھا‘ شاید وہ سانس بھی لیتی تھی تو اسی بیٹے کی آس کے سہارے‘ وہ اسے کس طرح آنکھوں سے دور کر دیتی لیکن گل اب صمم ارادہ کر چکا تھا اس نے اپنی بہن ماہین سے کچھ مدد لی اور کچھ خود بیس انداز کیا اور ماں کو

نظم

یہ جو چار سو
میری چاہتوں کا حصار ہے
اسے توڑ دے
ابھی وقت ہے
ابھی ضبط ہے
تو مجھے چھوڑ دے

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

بتائے بنا ایک دن ڈھیروں خواب آنکھوں میں سجائے ملک سے باہر چلا گیا۔ ایک سال تک اس کی کوئی خیر خبر نہ تھی‘ طاہرہ دن بھر اپنے آپ کو کام میں لگائے رکھتی اور رات رات بھر روتی رہتی۔ اپنی واحد آس اپنے جوان بیٹے کی یاد میں گھلتی‘ بھربھری ریت کی مانند ڈھتی جارہی تھی۔ پورے ایک سال تین ماہ بعد ہمسائے کے گھر گل کا فون آیا تو جیسے سوکھے دھانوں پر پانی آپڑا‘ ممتا کی فصل ہری بھری ہوگئی۔ گل سوئٹزرلینڈ میں تھا‘ ایک کمپنی میں جاب کر رہا تھا اس نے اپنی کمائی کے پہلے بیس ہزار ماں کو بھیجے‘ اس رات طاہرہ تمام رات نہ سو پائی تھی۔ اپنے مزدور بیٹے کی مشقت کی پہلی کمائی کو آنکھوں سے لگا کر چومتی رہی‘ چھلکتی آنکھوں میں بیٹے کی دوری کے غم کے ساتھ ساتھ یہ مان اور فخر بھی آنسوؤں میں گھل رہا تھا کہ اب بن باس کٹ چکا تھا۔

اچھے دن آنے والے تھے‘ اس کے چھوٹے چاروں معصوم بچوں کا ہر خواب پورا ہونے والا تھا‘ اس نے بہت کچھ کھویا تھا اس کی بیٹی نے بھی اذیتیں جھیلی تھیں اس کے بیٹے گل نے ماں‌تا اور محبت کے دیس سے ہجرت کر کے پتھروں کے ملک میں مہاجر بن کر جینا گوارا کیا تھا تو یہ سب کس لیے تھا۔ اپنے بعد آنے والوں کی زندگیوں کو سدھارنے کے لیے انہیں وہ سب کچھ دینے کے لیے جس سے ایک ماں ایک بہن اور ایک بھائی خود محروم رہ گئے تھے۔ گل پہلی بار تین

سال کا طویل وقت گزار کر اپنے وطن آیا تھا اور حیران رہ گیا تھا جن ننھے ننھے پودوں کی آبیاری کے لیے وہ پردیس گیا تھا اب نوجوانی کی دہلیز پر کھڑے تھے۔ سب کی آنکھیں محبت سے لبریز تھیں' ہر ایک اسے اپنی نم آنکھوں کے ذریعے دل میں اتارنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ ان تین سالوں میں اس نے اپنی ماں کو اپنی جو کمائی بھیجی تھی' طاہرہ نے ایک ایک پائی کو بہت سنبھال کر خرچ کیا تھا۔ کرائے کے مکان سے اپنے مکان میں منتقل ہو چکے تھے۔ بے شک ابھی تعمیر نامکمل تھی مگر اپنے گھر کی ملکیت کے احساس نے گل کے دل کو پُرسکون کر دیا تھا' یہ احساس کے محض تین سال کے عرصے میں وہ اپنے بے سرو سامان خاندان کو اپنا گھر' اپنی چھت دینے میں کامیاب ہوگیا اس کے احساسات کو مزید تقویت ملی اب وہ پہلے سے بھی زیادہ تندہی سے کام کرے گا اس چھوٹے سے نامکمل گھر کو ہر سہولت ہر سکھ سے آراستہ کرے گا۔ اپنے بہن بھائیوں کو بھرپور مستقبل دے گا' ماہین جو ایک دولت مند گھرانے میں بیاہی گئی تھی سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ اور اس کی دونوں بیٹیوں کو وہاں کچھ میسر نہ تھا' وہ اپنی اس بہن کی ڈھارس بنے گا' اس کی ننھی ننھی دونوں بیٹیوں کی معصوم آنکھوں کی ہر حسرت بنا کہے پوری کرے گا۔ وہ ایک تراشیدہ ہیرے کی مانند تھا جس کے ہر رخ سے خلوص کی کرنیں چمکتی تھیں' جو اپنے اردگرد رہنے والے ہر شخص کی اندھیری زندگی میں روشنی لانے والا تھا۔ وہ محبت کا ایک ایسا دریچہ تھا' جو زندگی کے حبس زدہ کمرے میں کھل کر سب کو تازہ ہوا اور سانس دینے کا ذریعہ تھا۔ طاہرہ ایک ماں کی حیثیت سے اپنے ہر بچے کے لیے وقف تھی مگر گل......
گل اس کی حیات تھا' اس کی سانس' اس کا سہارا' اس کی ممتا کا غرور اور اس کے قلب کی ڈھارس...... ہر گزرتے پل کے ساتھ گل نے اس کے سینے پر دھرا ایک ایک فرض کا پتھر نہایت محبت' سکون اور دل جمعی سے اتارا اور ایسی مناسب جگہوں پر لگایا کہ زندگی کی عمارت کا حسن مکمل لگنے لگا۔

بیٹے بڑے ہوگئے' گل کے بازو بن گئے۔ بیٹیاں بڑی ہوئیں حسن کی مکمل تصویر میں ڈھل گئیں' اچھے گھرانوں میں بیاہ کر گئیں اور سکون سے زندگی جینے لگیں۔ طاہرہ نے گل کے لیے بھی ایک بے انتہا خوب صورت لڑکی کا انتخاب کیا' جسے پانے کے بعد گل کو اپنی زندگی کی بے رنگی اور یکسانیت بھول گئی۔ وہ اس کی محبت پا کر خود کو بے انتہا مکمل اور سکھی سمجھنے لگا تھا اگرچہ اس کے دل میں اپنی بڑی بہن کا غم بھی تھا' ماہین کا غم جو زندگی کی بے اعتنائیوں سے لڑتے لڑتے آخرکار ہار گئی تھی اور یکے بعد دیگرے پڑنے والے دل کے دورے اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوئے تھے۔ اس کی بے آسرا رہ جانے والی بیٹیاں' جیسے تیسے بیاہ دی گئیں اور پھر انہیں بھی ان کی مری ہوئی ماں کی طرح زندہ ہی منوں مٹی تلے دفن کر دیا گیا۔

کبھی تنہا بیٹھے گل کے دل میں خیال آ بھی جاتا تو اپنی مصروف ترین زندگی میں وہ اس خیال کو جھٹک کر اپنی ساری توجہ اپنے باغ کے پھولوں کی آبیاری کی طرف لگا دیتا۔ وقت نے بہت کچھ بدل دیا تھا' جن بہن بھائیوں کے لیے اس نے ایک عرصہ خود کو نظرانداز کیے رکھا تھا' وہ بھی بدل گئے تھے۔ ہر ایک اپنے اپنے خاندان کو سکھ اور خوشیاں دینے کی تگ و دو میں لگا ہوا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ گل کے اندر یہ احساس بہت مضبوط جڑیں بنا چکا تھا کہ اس نے سب کے لیے بہت کچھ کیا ہے' ہر ایک کو اس کا احسان مند ہونا چاہیے۔ وہ ایک سیلف میڈ شخص تھا' کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں تھا لیکن وہ بہت ساروں کے جینے کا بہانہ رہا' اس نے بنا کسی تخصیص و فرق کے اپنے خاندان کے ایک ایک فرد کو زندگی کا ہر سکھ بہم پہنچایا۔ اس احساس تفاخر نے اس کے اندر کے حساس گل کو مار دیا' وہ گل کہیں دور بہت دور چلا

گیا جو کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا جو بے غرض اپنا آپ لٹا دینے کو تیار رہتا تھا جس کے نزدیک اپنے آپ سے زیادہ دوسروں کے خواب قیمتی تھے جس نے اپنے لڑکپن کے خوابوں کو محض اس لیے طاق پر رکھ دیا تھا تاکہ اس کے خاندان کے باقی سب افراد کے خواب پورے ہوسکیں۔

وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ اس کی ماں‘ اس کی بہن اس کے پاس اپنی محبت اور دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر نہیں بلکہ کسی نہ کسی لالچ کی وجہ سے آتی ہیں‘ ان کی کوئی ضرورت‘ کوئی آرزو مجبور کرتی ہے انہیں کہ وہ اس کے قریب آئیں۔ اس کی بوڑھی آنکھوں نے اپنے وسیع و عریض گھر کو عجیب عالم سے دیکھا تھا‘ اپنے جلتے ہوئے دل کو ہاتھ سے مسلتے ہوئے تسلی دیتے ہوئے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تھی۔

’’اس گھر میں سب کچھ تھا‘ ہر آسائش‘ ہر سہولت‘ ہر آرائش..... ایسا گھر جو کبھی بھی کسی کے خواب کی تعبیر ہوسکتا ہے مگر طاہرہ کے لیے محض اینٹ‘ پتھر اور رنگوں کا ایک ملغوبہ بن کر رہ گیا تھا۔ گھر..... اس کی تعمیر میں اس کا اور اس کے گل کا خون شامل تھا‘ دن رات کی بے آرامیاں‘ تھکاوٹیں اور بے چینیاں سمیٹ کر یہ گھر بنا تھا۔ مگر کیا یہ گھر تھا..... یہ تو مکان تھا اس میں بسنے والے سب ایک ایک کرکے دور اپنے اپنے آشیانے بنا کے یہاں سے جاچکے تھے۔ اسے سب کا غم تھا‘ ماہین کے وقت سے پہلے مرجانے کا غم اس کی بیٹیوں کے سب کے ہوتے ہوئے رل جانے کا غم‘ اپنے بیٹوں کے شادیوں کے بعد بدل جانے اور الگ ہوجانے کا غم‘ مگر ان سب غموں پر بھاری ایک ایسا غم ہے جو اس کے سینے کو دبوچتا رہتا ہے۔ اس کے روم روم پر جان کنی طاری کردیتا ہے۔ خون بن کر اس کی آنکھوں سے رستا ہے اور اس کی تنہائی میں بلکتا واویلا کرتا ہے۔ یہ سب کچھ پانے میں اس نے اپنا قیمتی اثاثہ جو کھودیا ہے‘ یہ مکان کھڑا کرلیا ہے۔ اس کو قیمتی آسائشات سے بھرلیا مگر اپنی آنکھوں کے نور کو کھودیا۔ اپنے ہیروں جیسی آب و تاب والے گل کو کھودیا‘ مگر ہمیشہ کی طرح وہ اپنے دل کے اندر بلک رہی تھی‘ بین کررہی تھی خود کو قیمتی ملبوسات میں چھپائے اپنی بیماری سے لڑتی اندر ہی اندر نیم جاں ہورہی تھی۔

’’اتنے بڑے گھر میں کوئی نہیں جو مجھ سے بات کرے‘ کسی کے پاس فرصت نہیں جو آکے دیکھے تو سہی کہ میں نے کیا کھویا۔ کوئی تو ہو جو میرے زباں پر میرے ساتھ مل کر رودے۔ میرا گل میرا بچہ..... تُو کب آئے گا‘ ایک بار پھر آکے دیکھ تیری ماں اکیلی ہے‘ بے سہارا..... تُو تو اس کی ہر بات بنا کہے جان جاتا تھا نا‘ اسے آج بھی کچھ نہیں کہنا۔ بنا کہے جان جا میرے بیٹے! مجھے یہ اکیلا گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے‘ مجھے یہ آسائشات نہیں چاہئیں۔ مجھے وہی بوسیدہ اوڑھنی‘ وہی ٹین کی چھت والا کمرا چاہیے جہاں تو میرے پاس تھا۔ میری ممتا کی ڈھارس‘ میری روح کا سکون بن کر‘ مجھے اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہنا‘ کچھ بھی نہیں.....‘‘ کھانسی کے طویل دورے سے بے حال ہوتی طاہرہ اپنے تکیے پر سر رکھے بے آواز رو رہی تھی لیکن اس کی سسکیوں کی بازگشت وسیع و عریض گھر کے در و دیوار سے ٹکرا کر واپس آتی اس کی سماعتوں کو زخمی کررہی تھی۔

فکر میں بچوں کی کچھ اس طرح گھل جاتی ہے ماں
نوجواں ہوتے ہوئے بوڑھی نظر آتی ہے ماں
پیار کہتے ہیں کسے اور ماتا کیا چیز ہے
کوئی ان بچوں سے پوچھے جن کی مرجاتی ہے ماں۔

❀

عشق سچا سائیں دا

ام ثمامہ

میں کل ہی فیض آباد سے بہاول نگر پہنچی تھی اور اس وقت میرے قدم حویلی سے تھوڑی دور بنے پاک بی بی کے آستانے کی طرف اٹھ رہے تھے۔ کل سے ننھے عاشر نے رو رو کر برا حال کر رکھا تھا اور ماں جی کا کہنا تھا کہ جب بچہ بلک بلک کر روئے تو سب سے پہلے اس پر دم کر کے اس کی نظر اتارنی چاہیے پھر ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیے اور میں اسے دم کرانے پاک بی بی کے آستانے پر لے جا رہی تھی جیسے جیسے آستانہ قریب آتا جا رہا تھا دل کی حالت عجیب ہوتی جا رہی تھی۔

جو سب کچھ جان جاتے ہیں ان کی جان کو آگہی کا عذاب روگ کی مانند چمٹ جاتا ہے بے خبری میں بڑی راحت ہوتی ہے ذہن کی ڈور کٹی پتنگ کی طرح ادھر اُدھر ڈول رہی تھی۔ عاشر ایک بار پھر زور زور سے رونے لگا تھا۔ نذیراں ساتھ ساتھ چھتری لیے چل بلکہ دوڑ رہی تھی کیونکہ میری رفتار اپنے بچے کے رونے کی رفتار کے ساتھ تیز ہوگئی تھی۔ آستانے کی بیرونی دیوار کے ساتھ ایک مجاور برے حال کے ساتھ بیٹھا تھا رت جگوں سے سرخ آنکھیں بڑھے ہوئے بال، پھٹے ہوئے کپڑے میں نے ایک لمحہ رک کر اس پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی میری نگاہ کے تعاقب میں نذیراں کی نظر گئی تو وہ بڑبڑانے لگی۔

"اللہ جانے کون نمونہ ہے سارا دن گرم ریت پر ہتھ جوڑے بیٹھا رہتا ہے جانے کیسی معافی ہے جو اسے ملتی ہی نہیں ہے۔" وہ ایسے کیا بتاتی کہ ہوتے ہیں بعض ایسے طیرہ بخت جو خود اپنے نصیب کے روشن اجالے رواجوں کی پھونکوں سے بجھا دیتے ہیں اور تمام عمر کے لیے سیاہ رات سے اپنے ناطے جوڑ لیتے ہیں اور پھر کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی معافی نہیں ملتی دل میں یہ سب سوچتے ہوئے میں آستانے کی دہلیز تک آ پہنچی تھی۔

برآمدے میں بڑی سی سفید چادر اوڑھے تپتے فرش پر پاک بی بی ایسے آرام سے بیٹھی تھیں جیسے قالین پر بیٹھی ہوں میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا (کبھی کبھی خدا بندے کو اس کی عمر، مرتبے اور سوچ سے بڑھ کر وہ مقام دے دیتا ہے کہ بڑے بڑے شاہوں کو اس کے آگے جھکنا پڑتا ہے) میرے کچھ بتانے سے پہلے ہی پاک بی بی نے عاشر کو گود میں لیا مسکرائیں اور کلام الٰہی پڑھ کر اس پر دم کر دیا۔ کل سے بے چین مضطرب روتا ہوا عاشر ایک لمحے میں پرسکون ہوگیا۔

"پاک بی بی چل کر حجرے میں بیٹھے آج تو ڈاڈھی تاپ ہے تھل کی ریت تپ کر دانے بھوننے جیسی ہو رہی ہے۔" میں نے عاشر کو واپس گود میں لیتے ہوئے عقیدت سے کہا نذیراں ابھی تک ہم ماں بیٹے پر چھتری تانے کھڑی تھی۔

"کیڈی دھوپ شاہ بی بی جب بندہ رب سوہنے دی رحمت دے سائے وچ آ جاتا ہے تو تھل کا تاپ بھی معنی نہیں رکھتا۔"

"وڈے دن ہوئے بی بی جان ملنے نہیں آئی، ویل نہیں ملتا کہ کوئی ہور گل ہوگئی ہے۔" انہوں نے ماں جی کی بابت پوچھا۔

"نئیں جی ہور کیا گل ہونی ہے ان کی طبیعت آج کل کچھ ٹھیک نہیں رہتی اس لیے ذرا کم باہر نکلتی ہیں انہوں نے سلام بھیجا ہے اور دعا کے لیے کہا ہے۔"

"اچھا شاہ بی بی ہن آپ جاؤ، آپ تو چھتری کے تھلے ہو مگر بچاری نذیراں مالکوں کے آرام کے لیے دھوپ ڈھو رہی ہے۔" انہوں نے عاشر کے گال چھوتے ہوئے احساس دلایا اور مجھے ایک دم ڈھیر ساری ندامت نے آن گھیرا میں نے ماں جی کو منع بھی کیا تھا مگر آج بہت

لو چل رہی تھی اور عاشر کی وجہ سے ماں نے اسے چھتری دے کر ساتھ روانہ کر دیا پاک بی بی آسمان کی وسعتوں میں جانے کیا تلاش کرتی ایک بار پھر ذکر الٰہی میں مشغول ہوگئی تو میں چپ چاپ وہاں سے اٹھ آئی۔

تھل کی دھرتی پر چند دنوں سے ابر کے سیاہ ٹکڑے مہربان ہوئے تھے۔ چولستان کی ریت پر کن من کن من موتیوں کے شفاف قطرے برس رہے تھے بے رنگ اور سوکھی زمین کسی الہڑ مٹیار کے حسن کی طرح جوان اور رنگین ہوتی جارہی تھی۔ ننھا ننھا سبزا کونپلوں سے پھوٹ کر اپنے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔ جنگلی بیری پر لگے سرخ بیر گلابوں کی طرح مسکرا رہے تھے۔ گلے میں ٹن ٹن کرتی گھنٹیوں کی صدائیں واپسی کے لیے اپنے قدم تھل کی ریت پر ثبت کر رہی تھی۔ کہنے والے سچ کہتے ہیں کہ بارش رحمت ہوتی ہے۔ مگر صحراؤں میں بسنے والوں کے لیے یہ سب کچھ ہوتی ہے۔ خوشیوں اور ملن کا موسم، فصل اگانے اور سیراب ہونے کا ذریعہ اور زندگی کے رنگوں سے اپنی بے رنگ زندگی کے لیے کچھ رنگ چرانے کا بہانہ......

❀......❀......❀

سارنگ آج ہی ملتان سے واپس آیا تھا اور سرمئی سے ملنے کی خواہش اس کے دل میں پیاسی دھرتی اور بھیگے بادلوں کے ملن سے زیادہ شدید تھی۔ اس نے اسے سوہنی کے ہاتھ پیغام بھیجا اور خود اب ایک بھیگے ٹیلے پر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے پتا تھا جیسے ہی بارش تھمی وہ اپنے پیروں میں پریت کی پائل باندھے دوڑی چلی آئے گی اور اس کی دھانی چنر زیادہ دیر بارش رکنے کا انتظار بھی نہیں کرے گی اور اسے بوندوں سے بچاتی بھگوتی سارنگ کے پاس لے آئے گی اور پھر دور سے آتی سرمئی نے اس کے یقین پر پیار کی مہر ثبت کر دی۔

سرمئی نے آج میرون اور ہرے رنگ کا جوڑا پہنا تھا سر پر وہی دھانی چنر تھی جو سارنگ پچھلے چکر اس کے لیے ملتان سے خرید کر لایا تھا۔ شیشوں والا پراندہ اس کے لمبے گھنے سیاہ بالوں میں بل کھا کر بھی خوش تھا گہری سرمئی آنکھوں میں کاجل کی کالی دھار اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں کو اور بھی حسین بنا رہی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت حسین تھی مگر سارنگ کے پیار نے اس کے حسن کو اور ہی طرح کے رنگ دے دیے تھے۔

"ارے سارنگ تو کدی آیا۔ ابھی لوڈے ویلے تو میں نے حویلی کے باہر جا کر دیکھا تھا تیری جیپ وہاں نہیں کھلوتی تھی اور جب سے میگھ برسا تھا میڈا بڑا من تھا کہ تو جلدی واپس آجائے۔" سرمئی نے سارنگ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اپنی بات مکمل کر لی تا کہ سارنگ یہ نا سمجھے کہ وہ اس سے یا اس کی یاد سے غافل تھی جو اس کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا اس کی یہی تو باتیں تھی جو سارنگ کو اس کے پلو سے باندھ کر رکھتی تھیں ورنہ وہ اکثر نکے شاہ جی کے ساتھ شہر جاتا تھا وہاں تو بڑا حسن تھا اور آزادی بھی اور سارنگ تھا بھی بڑا سوہنا گھبرو جوان مگر اس کا دل تو صرف سرمئی کے

لیے مچلتا تھا۔

"ہاں ابھی ابھی لوٹا ہوں اور آتے ہی تجھے بلاوا دے کر بھوکا پیاسا تیرے دیدار کی خاطر ٹیلے پر بیٹھا ہوں۔" اس نے سرمئی کے کندھوں پر محبت بھرا احسان رکھنے کی کوشش کی۔

"ہاں، ہاں میڈے سوہنے کو پتا تھا اس لیے میں تیرے واسطے تیرے پسند کے بادام والے لڈو لے کر آئی ہوں۔" اس نے ڈبہ کھول کر اس کے سامنے کیا اور پھر ٹیلے پر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ مزے لے لے کر لڈو کھانے میں مصروف تھا۔

"سارنگ......!" سرمئی نے دھیرے سے پکارا۔

"ہوں۔" آخری لڈو کھاتے ہوئے سارنگ نے ایک پیار بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"کاش رب سوہنا مجھے تیری مرکی بنا دیتا۔" اس نے جل تھل آنکھوں کے ساتھ سارنگ کی طرف حسرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں جھلی......؟" سارنگ نے حیرت سے پوچھا۔

"جب جب تو شاہ جی کے ساتھ شکار پر جاتا ہے زمینوں کے وارے پر جاتا ہے، آتے سارے ویلے کے لیے شہر چلا جاتا ہے تو میں ہر ویلے تیرے کول تو ہوتی، سارنگ اب تو ایک پل کا وچھوڑا بھی دکھ دیتا ہے۔" دو شفاف قطرے اس کی سرمئی آنکھوں سے پھسلے سارنگ کو لگا تھل میں رات بھیگ گئی ہو۔

"جھلی میں ہر ویلے تیرے کول تو ہوتا ہوں تیری دعاؤں میں تیری یادوں میں اور سب سے زیادہ یہاں۔" اس نے اس کے دل کی طرف اشارہ کیا۔ شام گہری ہونے لگی تو وہ دونوں ٹیلے سے نیچے اترنے لگے۔

❁......❁......❁

میں نے واپس حویلی میں قدم رکھا تو ماں جی صحن میں پریشان کھڑی تھیں میرا بڑا بیٹا حاشر بھی ان کے پاس ہی کھڑا تھا عاشر چپ ہوا وہ ہمیں دیکھ کر ہماری طرف لپکیں اور اسے سوتا پا کر مطمئن سی ہوگئی حاشر اپنی نانو کے ساتھ ان کے کمرے میں چل دیا وہ زیادہ تر ان کے پاس ہی رہتا تھا میں عاشر کو لے کر اپنے کمرے کی طرف آگئی۔ سوتے ہوئے عاشر کو نرم اور ٹھنڈے بستر پر ڈال کر اچانک کمرے میں لگے اے سی کی ٹھنڈک سوئیوں کی طرح میرے تن بدن میں چبھنے لگی۔ دل و دماغ ایک بار پھر آستانے کی طرف چک پھریاں کھانے لگے۔ وقت کو مانوں پر لگ گئے تھے سب کچھ جلدی جلدی ہوگیا تھا مگر کہیں کہیں وقت ٹھہر گیا تھا تھم گیا تھا یادوں کے در وا ہونے لگے اور ان سے گزرتے ہوئے میں ماضی کی گلیوں میں سفر کرنے لگی۔

❁......❁......❁

میں سیدہ سطوت زہرہ شاہ حویلی کی لاڈلی اور اکلوتی بیٹی، میں نے جو چاہا جب چاہا پایا۔ اتنا مان پیار اور عزت حویلیوں کی بیٹیوں کو نصیبوں سے ملتی ہے اس سب کی ایک اہم وجہ اور بھی ہے جسے حسن اتفاق بھی کہا جاسکتا ہے میں اپنے خاندان کی چار پشتوں میں واحد لڑکی ہوں۔ میرے پردادا سید سہراب علی شاہ کے دو ہی بیٹے تھے میرے دادا سید نسبت علی شاہ اور ان کے بھائی سید فصیحت علی شاہ، دونوں کے یہاں قدرت کی طرف سے ایک ایک بیٹا ہی ہوا یعنی میرے والد سید دستار علی شاہ اور چاچا جی سید ابرار علی شاہ اور پھر چاچا جی کے یہاں تو اولاد ہی نہیں ہوئی اور بابا کے یہاں پہلے لالہ منصب علی شاہ اور پھر میں پیدا ہوئی اس لیے میں بابا، چاچا، لالہ سب کی لاڈلی تھی جس کی کوئی بھی بات رد کرنا حویلی کی کتاب میں لکھا ہی نہیں تھا۔

بقول ماں جی کے "وڈے شاہ جی کی تو جان قید ہے اس کڑی میں ایک لمحے کو آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے اللہ جانے بیٹی کو بیاہیں گے بھی یا نہیں اور بابا جان ہنس کر کہتے ناں جھلی لوک دھی ذات تو نبیوں نے بھی بیاہی ہے پھر میڈی کیا اوقات ہے جب وقت آئے گا تو یہ فرض بھی ادا کردے گے تو پہلے سے ہی ایسے بول کر دل پریشان مت کیا کر۔"

اپنے خاندان کی سالوں بلکہ صدیوں کی روایت کے برخلاف میں نے ذکریا یونیورسٹی سے ماسٹرز کیا اور آج کل ماں جی مجھے زبردستی گھر گرہستی سکھا رہی تھیں۔

"بھابی آپ ہماری دھی رانی کو کیوں ہلکان کرتی ہیں ہم جہاں اسے بیاہیں گے اس کے ساتھ نوکروں کی پوری فوج بھیج دیں گے اسے کام سیکھنے کی کیا ضرورت' دیکھیں چولہے کے آگے بیٹھنے سے کیسا سرخ ہو رہا ہے اس کا چہرہ۔" چاچا جی بھی خفا ہوتے اور ماں جی ایسی باتوں پر خفا ہو جاتی اور کہتی۔

"دھی ذات کو سب کچھ آنا چاہیے دقت اور حالات کب بدل جائے کسی کو پتا نہیں ہوتا اس لیے کام سیکھے کرے نا کرے اس کے نصیب......!"

میں نے کچن میں کام کرتے ہوئے آخری سہارے کے طور پر منصب لالہ کی طرف دیکھا جو بظاہر کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے مگر ان کا سارا دھیان اِدھر ہی لگا ہوا تھا منصب لالہ ابھی تھوڑے عرصے پہلے لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے آئے تھے مگر وکالت کرنے کے بجائے آج کل جاگیرداری کا شوق پورا کر رہے تھے۔

"سطوت تم سب کام چھوڑو جلدی سے ریڈی ہو جاؤ میں ملتان جا رہا ہوں بڑا زبردست قسم کا بک فیئر لگا ہے آئی ہوپ کے تم انجوائے کرو گی۔" انہوں نے جلدی سے ماں جی سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"اچھا لالہ میں دو منٹ میں تیار ہو کر آتی ہوں ویسے بھی میرے کلیکشن میں کافی عرصے سے اچھی کتابوں کا اضافہ نہیں ہوا۔" میں جلدی سے اٹھنے لگی تو ماں جی نے بازو کھینچ کر دوبارہ پیڑھی پر بٹھا لیا۔

"منصب پتر زندگی جب سبق دیتی ہے تو کتابوں کا پڑھا لکھا کام نہیں آتا۔ اس لیے اب تم سب اس معاملے میں نہ پڑو تو بہتر ہے۔" جب ہر طرف سے ملنے والی امداد کے رستے مفقود ہو گئے تو ناچار منہ پھلا کر ماں جی سے ساگ پائے اور بادامی کھیر کی ترکیبیں سننے لگی۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

سارنگ صبح سویرے اٹھا اسے سرمئی نے کل ہی بتا دیا تھا کہ اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے کل وہ اماں کے وٹے میں حویلی جائے گی، اس لیے آج وہ بہت خوش تھا کہ جب سرمئی فارغ ہو جائے گی تو وہ دونوں حویلی کے پچھلے ڈیرے میں بیٹھ کر خوب ساری باتیں کریں گے۔ کیونکہ نکے شاہ جی کی وجہ سے اسے حویلی میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ پورے علاقے کا وہ واحد بندہ تھا جو حویلی کی عورتوں کو لے کر آتا جاتا تھا۔ وہ ہینڈ پمپ پر ہاتھ منہ دھو رہا تھا کہ فیکا آتا دکھائی دیا۔

"آ او فیکے جی آج صبح سویرے دیدار کروائے خیر تو ہے۔"

"ہاں، تجھ کو وڈے شاہ جی نے سدیا ہے انہوں نے بی بی جان کے ساتھ فیض آباد جانا ہے تو جلدی تیار ہو کر آ جا تھوڑی دیر میں نکلنا ہے۔" بلاوے کا سن کر سارنگ کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ مگر مالکوں کو ناں بھی تو نہ کر سکتا تھا۔ سرمئی کو تو اس نے آ کر منا لینا تھا۔ اس نے جلدی جلدی ماں کے پاس بیٹھ کر ناشتہ کیا اور اسے کل تک واپس آنے کا کہہ کر روانہ ہو گیا۔

"اچھا پتر رب راکھا۔" ماں نے زادِ راہ کے طور پر دعا تھما دی تھی۔

اگر سرمئی حویلی میں ہوئی تو وہ کسی کے ہاتھ بلوا لے گا اور مل کر جائے گا آج کل نکی بی بی کے رشتے کی بات چل رہی تھی اور شاید اسی سلسلے میں فیض آباد جانا تھا۔ بی بی جان کا میکہ فیض آباد میں تھا وہ سوچوں کے تانے بانے بنتا ہوا جلدی جلدی حویلی کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ سرگی کا مٹیالا اجالا سورج کی اوٹ میں چھپ رہا تھا چڑیاں اپنے حصے کا رزق چن کر کھیتوں سے اڑ چکی تھیں کسانوں کے محنت کش ہاتھوں نے ہل چلا کر پنیریاں لگانا شروع کر دی تھیں۔ چولستان میں کہیں کہیں موسم برسات میں کاشت ہو جاتی تھیں جو سنہری ریت کے ماتھے پر جھومر کی طرح چمکتی تھی۔

"دیکھا دھی رانی گھر گرہستی سیکھنا کتنا مبارک ثابت

ہوا اِدھر تو نے باورچی خانے میں پیر رکھا اُدھر رب سوہنے کی طرف سے اتنا چنگا رشتہ آ گیا۔"

"سچی بھابی ندیم کی چنگی عادت تو پورے خاندان میں مشہور ہے اور رخسانہ بھرجائی بھی بہت میٹھی عادت کی ہیں اور کاکے کو تو میں نے بہت عرصے سے نہیں جب وہ نکا سا تھا تب دیکھا تھا اب تو خیر سے ولایت سے ڈاکٹری کی ڈگری لے کر آیا ہے۔" ماں جی تیار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے خالہ زاد بھائی بھابی اور بھانجے اور رشتے کے بارے میں رطب اللسان تھیں اور سطوت بیڈ پر اداس سی لیٹی تھی وہ ابھی حویلی اور حویلی والوں سے دور نہیں جانا چاہتی تھی۔

"سطوت دھی ایسے منہ پھلا کر کیوں بیٹھی ہے یہ دن تو ایک بار ہر لڑکی کی زندگی میں آتا ہے تو، تو خوش بخت ہے تو نے ہمارے ساتھ اتنے سارے دن اچھے طریقے سے بتائے ہمارے ماں پیو نے تو ہمیں جب بیاہ دیا تھا جب ہمیں صحیح طرح سے چوٹی بھی باندھنی نہیں آتی تھی۔" چاچی نے کمرے میں آ کر اس کا صبیح چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے اسے سمجھایا۔ ان کی اپنی اولاد تو تھی نہیں تو انہوں نے بڑی نیک نیتی سے اپنی ساری ممتا منصب اور سطوت پر ہی لٹا دی تھی۔

"اچھا، میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے چاچا جی کی تیاری ختم ہوئی کہ نہیں ایسا لگتا ہے لڑکا دیکھنے نہیں اپنے آپ کو دکھانے جارہے ہیں۔" وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے نکلیں تو سطوت بھی ان کی بات پر مسکرا دی۔

"بی بی جی آپ کو وڈے شاہ جی بلا رہے ہیں۔" سطوت کی نگاہوں نے آواز کا تعاقب کیا، کھلتی ہوئی گندمی رنگت، تیکھے نین نقش، سانچے میں ڈھلا ہوا سراپا اور سب سے خوب صورت اور نمایاں اس کی گہری سرمئی آنکھیں اس نے اتنا مکمل حسن کم ہی دیکھا تھا وہ تو بہاولپور پیلس کی کوئی بھٹکتی ہوئی شہزادی لگ رہی تھی کس نے ٹھیک کہا تھا حسن دولت مندوں کی میراث نہیں ہوتا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک تھی جو دیکھنے والے کو ایک دم چونکا دیتی تھی۔ ماں جی کمرے سے باہر نکل گئیں تو اس نے بھی جلدی سے کمرے سے باہر نکل کر اسے آواز دے ڈالی۔

"سنو، کیا نام ہے تمہارا اس سے پہلے تو میں نے تمہیں کبھی حویلی میں نہیں دیکھا۔"

"وہ جی میں ماسی برکتے کی دھی ہوں اماں کی طبیعت رات سے بہت خراب تھی تو انہوں نے کام کے لیے مجھے بھیج دیا۔" اس نے دھیمے دھیمے لہجے میں بتایا لہجہ میں کہیں کوئی گنوارپن نہیں تھا۔

"اچھا اور نام تو تم نے بتایا ہی نہیں۔"

"وہ جی میڈا نام سرمئی ہے۔"

"واؤ، بڑا خوب صورت اور منفرد نام ہے تمہارا بالکل تمہاری آنکھوں جیسا تم مجھ سے دوستی کرو گی؟" سطوت نے اسے حیران کرتے ہوئے کہا۔

"وہ جی ہم غریب لوگ ہیں آپ سیدزادی ہو آپ کی اور ہماری دوستی بھلا کیسے ہوسکتی ہے۔" اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"اچھا تم بیٹھو تو سہی پھر اس سلسلے میں بھی بات کرتے ہیں۔" وہ وہیں قالین پر بیٹھ گئی۔

"ارے، ارے اوپر بیٹھ جاؤ نیچے کیوں بیٹھ گئی ہماری حویلی میں اور خاص کر مجھ میں وہ شاہوں والے غلط طور طریقے نہیں ہیں۔" میں نے پیار سے کہا۔

"شاہ بی بی اوپر بیٹھنا بڑا سوکھا ہوتا ہے مگر جب کوئی آپ کو آپ کی اوقات یاد دلائے تو اوپر سے واپس نیچے آنا بڑا اوکھا لگتا ہے اس لیے میں یہیں صحیح ہوں۔" اس نے باتوں باتوں میں بڑی بات کہی تھی سطوت اس کے حسن کے ساتھ ساتھ اس کی ذہانت سے بھی مرعوب ہونے لگی وہ تھی بھی اتنی پیاری بھولی بھالی کہ دیکھتے ہی پیار آ جائے۔

"اچھا بابا بھلے تم نیچے بیٹھو مگر ہماری دوستی ہوسکتی ہے بھلے ہم سادات سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ نسبت ہمارے لیے بہت قابل فخر بھی ہے مگر ہم سب ایک اللہ کے

بندے ہیں اور پھر ایک ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی اور اگر پھر بھی تمہیں کسی قسم کا خوف ہے تو ہم اس دوستی کو خفیہ رکھ لیں گے تو پھر دوستی پکی۔" سطوت نے سرمئی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا جو اس نے کچھ سوچتے اور سمجھتے ہوئے مضبوطی سے تھام لیا۔

اتنے میں کمرے میں سوہنی داخل ہوئی اس نے سرمئی کے کان میں جانے کیا کہا جسے سن کر اس کی گندمی رنگت میں ایک گلابی پن سارچ گیا۔ اس گھنیری پلکیں اس کے گالوں پر سایہ فگن ہوگئیں۔ اچھا شاہ بی بی میں پھر آؤں گی ابھی ایک ضروری کام ہے وہ سلام کرتی سوہنی کے ساتھ جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی اور سطوت کافی دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہی جو پہلی ہی نظر میں اسے بہت پسند آئی تھی۔

سرمئی کے قدم جلدی جلدی حویلی کے پچھواڑے بنے ڈیرے کی طرف اٹھ رہے تھے اس کے قدموں میں ان لمحوں کی آہٹ تھی جو ہجر کے سیپوں میں پل کر وصل کے موتی بنتے ہیں اسے سوہنی ملن کی چند گھڑیوں کا سندیسہ دے کر گئی تھی وہ جیسے ہی ڈیرے میں داخل ہوئی ٹہلتے ہوئے سارنگ کو اپنا منتظر پایا۔

"سرمئی میں دو دن کے لیے فیض آباد جارہا ہوں۔"

سارنگ نے اسے جلدی سے بتایا۔

پھر چھوڑے گا سن کر سرمئی کی آنکھوں میں پانیوں کے بھرے بادل چھم سے اتر آئے یہ نہیں تھا کہ وہ ہر پل اس کے پاس تھا بس کبھی کبھار چھوٹی سی کوئی ملاقات یا بات ہوجاتی تھی مگر جب وہ بہادلنگر سے باہر جاتا تھا تو اس کے دل کو کچھ ہونے لگتا تھا۔

"سرمئی بھیگی آنکھوں سے رخصت کرے گی تو سارے رستے من بوجھل رہے گا بس دو دن کی بات ہے فیض آباد سے لوٹ کر میں شاہ جی سے لمبی چھٹی لے لوں گا تجھے پتا تو ہے وہ اپنی عورتوں کو جب لے جاتے ہیں تو کسی کو ساتھ نہیں لے جاتے۔" اس نے آنسوؤں کو ہتھیلی سے پرے دھکیلا۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں اس نے اس کے رخسار کو انگلی سے چھو کر اجازت چاہی۔"

"سارنگ تو میکوں کتنا پیار کرتا ہے؟" جاتے ہوئے سارنگ سے اس نے جانے کس ترنگ میں سوال کرڈالا۔

"میڈے پیار کا کیا ناپ ہوگا، جھلی کیا تو تھل کی ریت کے ذرے گن سکتی ہے اگر ہاں تو بس اتنا ہی پیار میں تیرے نال کرتا ہوں، میرے لیے تیرا وجود بالکل ایسا ہے جیسے صحرا کی پیاسی زمین کے لیے پانی سے بھرے بادل کہ جب وہ برستے ہیں من مور کی طرح ناچتا ہے میرا پیار میرے دل کی طرح بہت گوڑا اور سچل ہے۔" وہ لفظ لفظ اپنی محبت اس کے اندر اتار رہا تھا اور دو دن کی جدائی کے لیے یہ بہت تھا۔ سارنگ نے سرمئی پر الوداعی نگاہ ڈالی اور ڈیرے سے باہر نکل گیا سرمئی تھکے تھکے قدموں سے حویلی کی طرف چل دی اور بجھے دل سے بقایا کام نمٹانے لگی۔

❁......❁......❁

گرمیوں کی تپتی دوپہریں تھیں ہر طرف ہُو کا عالم تھا اور اب حویلی میں تھا بھی کون؟ ویڑے میں لگے ہار سنگھار، جامن اور انار کے پیڑ تپش کی وجہ سے کملائے ہوئے تھے اس کے اندر ایک بھانبھڑ جل رہا تھا جو اسے ایئرکنڈیشن روم سے نکال کر جلتے بلتے ویڑے میں لے آیا تھا۔ اس نے ایک نگاہ پرشکوہ حویلی پر ڈالی ایک زمانہ تھا جب سیدوں کی یہ حویلی پورے علاقے میں مشہور تھی چند سالوں سے جب بابا سائیں کا انتقال ہوا تو ماں جی بستر کی ہی ہو کر رہ گئیں چاچا جی سارا دن جاگیرداری کے بکھیڑوں میں گھر سے باہر رہتے تھے بچاری چاچی ہی سارے بکھیڑے سمیٹتی تھیں اور منصب لالہ تو ایسے پردیس گئے کہ بابا کے انتقال پر بھی بمشکل تین دن کے لیے آئے اور دستار بندی کرائے بغیر ہی چوتھے دن واپس انہیں سرد فضاؤں میں جا بسے اپنے دیس کی مٹی ان سے خفا ہوگئی تھی یا خود انہوں نے اپنے اوپر یہ زمین تنگ کرلی تھی۔ کتنا ارمان تھا ماں جی کو کہ منصب کی دوجی بیاہ کرلاؤں گی۔

انسان کا دل بڑا کوجا ہوتا ہے اس سے ایسے کام کراتا ہے کہ جس کے عوض اسے ایسے ایسے نقصان اٹھانے پڑتے ہیں جن کا کوئی مداوا نہیں ہوتا اور لالہ نے بھی بن باس اور اپنوں سے دوری کو خود ساختہ سزا کے طور پر چن لیا تھا اور یہ سزا کب ختم ہونی تھی یہ تو خود انہیں بھی پتا نہیں تھا سب کو یاد کرکے سطوت کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔ یہی ویڑا تھا جب اس کی منگنی کی تاریخ پکی ہوئی تھی تو کتنا پررونق اور آباد تھا کانوں میں ڈھول کی تھاپ کی آواز آنے لگی وقت تھم سا گیا گھڑی کی سوئیاں پیچھے کی طرف ٹک ٹک کرنے لگی۔

❀......❀......❀

بابا جان فیض آباد سے بات پکی کرکے لوٹ آئے تھے کچھ دن تک وہ لوگ بھی شگن ڈالنے حویلی آنے والے تھے سب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس موقع پر کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ نوکروں نے پوری حویلی کو چمکانا شروع کردیا تھا ساری حویلی شہر سے منگائے قمقموں سے جگ مگ کررہی تھی۔ ویڑے کے مردانہ حصے میں ملتان سے آئے بڑے بڑے حلوائی مٹھائیاں بنا رہے تھے گوجرانوالہ سے جیولر بلوایا گیا تھا اور خاص انارکلی لاہور سے درزی کپڑے سینے کے لیے آیا تھا ساری حویلی میں میلے کا سماں تھا۔ سطوت ساری تیاریاں دیکھ رہی تھیں۔ اس کے دل میں خوشی اور دکھ کا ملا جلا احساس کروٹیں لے رہا تھا ڈاکٹر سید فیضان علی شاہ کی ہر کسی نے تعریف کی تھی اور چاچی جی آتے ہوئے تصویر بھی لے آئی تھیں دیکھنے میں تو کافی ہینڈسم تھے اور پھر منصب لالہ نے منگنی کے بعد اسے ڈاکٹر فیضان سے ملانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ منصب لالہ تو چاہتے تھے کہ وہ فیضان کو رسم کے لیے ساتھ ہی لے آئے مگر سیدوں کی روایات اور طریقے اس خواہش کے آڑے آگئے تھے۔

وہ اپنے زیورات پسند کررہی تھی کہ اسے سرمئی اندر آتی دکھائی دی بابا سائیں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنی لاڈلی کے قدموں میں چاند تارے لاکر ڈال دیں۔

"ارے سرمئی آؤ اچھی سکھی ہو مبارک باد دینے بھی نہیں آئیں میں نے سوہنی کے ہاتھ پیغام بھی بھیجا تھا۔" سطوت اسے دیکھ کر سب چھوڑ چھاڑ کر اپنے کمرے میں لے آئی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی سطوت کو لگا وہ کچھ اداس ہے۔

"کیا بات ہے میری سکھی آج کچھ پریشان لگ رہی ہے؟"

"ناں...... ناں شاہ بی بی رب سوہنا آپ کو ڈھیروں خوشیاں دکھائے، آپ میڈی چھوڑو اپنی بتاؤ تیاری ہوگئی اب میں اماں کے ساتھ حویلی آؤں گی، وڈی بی بی نے کہا ہے شادی والا گھر ہے ہزاروں کام ہوتے ہیں اس لیے اب میں بھی آیا کروں گی اور میرا کام آپ کے ساتھ رہنا آپ کا خیال رکھنا مقرر ہوا ہے۔" سطوت نے محسوس کیا وہ بڑے سلیقے سے اپنے غم یا پریشانی کو لفظوں کی پوٹلیوں میں باندھ باندھ کر سائیڈ میں رکھتی جارہی تھی۔

سرمئی نے سطوت کو بتایا تھا کہ اس نے مسجد کے مولوی صاحب سے قرآن پاک بھی پڑھ رکھا ہے اور گاؤں کے ماسٹر سے پڑھنا لکھنا بھی سیکھ لیا ہے جو رشتے میں اس کا چاچا لگتا تھا وہ آگے پڑھنا چاہتی تھی مگر برادری کے سردار نے اس کی اجازت ناں دی سرمئی کا دینی اور دنیوی علم اور لگن اس معصوم لڑکی کی ہر ادا میں جھلکتا تھا۔

"ایک بات پوچھوں سرمئی؟" سطوت نے قالین کے ڈیزائن پر انگلیاں پھیرتے ہوئے سرمئی کو پکارا۔

"پوچھیں شاہ بی بی۔"

"تم کسی سے محبت کرتی ہو؟ سچ بتانا میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔"

"شاہ بی بی میں کوڑ نہیں بولوں گی آپ سے، محبت تو کسی سے بھی نہیں لگ سکتی یہ من میں بس جائے تو متھے پر لکھا جاتا ہے کہ بندہ سر سے پیر تک محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ جی سارنگ ہے نا، وہی سرمئی کے روم روم میں بستا ہے میری ہر سویر کا اجالا اور ہر رات کا خواب اس سے جڑا ہے۔" وہ جذب کے عالم میں بولتی چلی گئی۔

''ارے یہ اپنا سارنگ جو گاڑی چلاتا ہے، واہ سرمئی تمہاری پسند تو بہت اچھی ہے میں کئی دفعہ اس کے ساتھ آتی جاتی رہی ہوں لالہ اور بابا سائیں اس پر بہت اعتبار کرتے ہیں۔ اب یہ بھی بتادو کہ تمہیں کیا پریشانی ہے جو ہماری سرمئی کی آنکھوں سے واضح طور جھلک رہی ہے۔''

''وہ جی کل ماسی اپنے پتر کے لیے میرا رشتہ لے کر آئی ہے اس کا پتر شہر میں پکی نوکری کرتا ہے پڑھا لکھا ہے اماں اس رشتے سے بہت خوش ہے، مگر انہوں نے مجھ سے زبردستی کی تو میں ماسی سے خود کہہ دوں گی کہ میں سارنگ کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی۔ ویسے تو میں نے کل ہی سارنگ سے بات کی ہے وہ ایک دو دن میں اپنے ابا اماں کو بھیجے گا اور پھر اس کا ابا ہماری برادری کا سردار ہے اس لیے اب یہ سارنگ کے سر پر آنی ہے اس لیے اماں انکار نہیں کر پائے گی مگر محبت میں پھر بھی وچھوڑے کا ڈر ہر ویلے ساتھ رہتا ہے ناں، شاہ بی بی محبت کرنا اتنا سوکھا ہے جیسے مٹی پر مٹی سے لکھنا مگر محبت کو نبھانا اتنا ہی اوکھا ہے جیسے پانی پر پانی سے لکھنا کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ کسی بھی وجہ سے سارنگ نے قدم پیچھے ہٹائے یا اماں ناں مانی تو میں کیا کروں گی۔ لیکن میں نے سوچ لیا ہے اگر ایسا کچھ ہوا تو میں حویلی کے پچھواڑے بنے کنوئیں میں گر کر جان دے دوں گی؟'' موتی اس کی سرمئی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر قالین پر گرنے لگے۔

''ارے پگلی کچھ نہیں ہوگا سارنگ نصیبوں والا ہے جسے اتنی انمول محبت مل رہی ہے وہ بے قدری تھوڑی کرے گا اور رہی بات ماسی برکتے کی تو میں ماں جی سے کہوں گی، وہ کبھی انکار نہیں کرے گی سارنگ کے پاس پکی نوکری نہ سہی مگر لالہ کا چہیتا ہے وہ اور یہ حوالہ اس کے لیے کافی مضبوط ہے۔ اب تو خوش ہو جاؤ۔'' سطوت قالین پر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے تسلی دینے لگی تو وہ یک دم مسکرانے لگی مسکراتے ہوئے اس کی گالوں پر ایک گڑھا سا بنتا تھا اور اس کی آنکھیں اور سرمئی لگنے لگی تھیں۔

''ایک بات اور بتاؤ سرمئی، تم اتنی بڑی بڑی باتیں کیسے کر لیتی ہو، تمہاری تعلیم تو واجبی سے ہے پھر اتنی سمجھ بوجھ کہاں سے آئی؟''

''شاہ بی بی علم صرف کتابوں اور اسکولوں سے نہیں ملتا یہ تو من کے اندر ہوتا ہے اور پھر محبت، نفرت، جدائی ملن جیسے جذبے انسان کے اندر علم کی سمجھ بوجھ کا دیا روشن کر دیتے ہیں اور پھر یہی روشنی انسان کو روشن کرتی ہے یا پھر جلا کر بھسم کر دیتی ہے یہ تو اس کے نصیب کی بات ہے۔''

''اچھا استانی جی تو جیتی اور میں ہاری مجھے لگتا ہے میری ماسٹرز کی ڈگری تیرے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔''

''ناں..... ناں شاہ بی بی آپ تو اتنی پڑھی لکھی ہو میں نے تو کبھی گاؤں سے باہر نکل کر نہیں دیکھا ہاں سارنگ نے وعدہ کیا ہے کہ شادی کے بعد وہ مجھے نکے شاہ جی کی گڈی میں ملتان گھمانے لے کر جائے گا۔'' وہ شرماتے ہوئے بتانے لگی۔

سیدوں کی حویلی بقعہ نور بنی ہوئی تھی ندیم ماما جی اور رخسانہ مامی رسم کرنے آئے تھے سطوت تیار ہو کر کمرے میں بیٹھی تھی کہ سرمئی کمرے میں داخل ہوئی۔

''میں صدقے جاؤں شاہ بی بی آج تو آپ ڈاڈھی سوہنی لگ رہی ہو۔ بالکل آسمان سے اتری پری جیسی، میں شاہ چاچی سے کہوں گی کہ آپ کی نظر اتار دے مجھے سارنگ بتا رہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب بھی بہت چنگے ہیں اللہ آپ کی جوڑی ہمیشہ سلامت رکھے۔'' وہ بھی آج بہت تیار ہوئی تھی اسے پتا تھا کہ وہ آج سارا وقت سارنگ کی نظروں کے حلقے میں رہے گی اور اس کی ساری تیاری اپنے محبوب کی ستائش کے لیے تھی، رسم کے اختتام پر ہی سب کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں کہ آج بیٹی پرائی ہو گئی تھی ندیم ماما جی نے شادی کے لیے ڈیڑھ سال تک کی مہلت مانگی تھی کہ جب تک فیضان اپنا اسپتال سیٹ کر لے اور پھر سطوت کی ایک نند بھی تھی اس کا بھی کوئی اچھا رشتہ مل جاتا تو دونوں شادیاں ساتھ ہی کر دی جاتی اندھا کیا

چاہے دو آنکھیں کے مترادف سب اس بات سے کافی مطمئن تھے۔

❀......❀......❀

جیسے جیسے میں سرمئی اور سارنگ کی محبت دیکھتی جارہی تھی مجھے کہیں پڑھی بات بالکل سچ لگنے لگی تھی "محبت بارش میں بھیگتے ہوئے اس بچے کی جیسی ہوتی ہے جو بارش میں بھیگ بھیگ کر تھک جاتا ہے مگر پھر بھی بارش میں بھیگتے رہنے کی تمنا اس کے دل سے ختم نہیں ہوتی۔"

پھر ایک دن سارنگ اپنی ماں کو سرمئی کے گھر لے گیا اِدھر ماں جی نے بھی ماسی برکتے سے بات کی اور یوں نہ چاہتے ہوئے بھی ماسی برکتے کو ماننا ہی پڑا آخر مالکوں کی بات نہیں ٹال سکتی تھی مالک بھی وہ جنہوں نے ہر قدم پر اس کا ساتھ دیا تھا اور یوں سرمئی اور سارنگ کا رشتہ بخوبی طے پا گیا۔ خوشی اس کے ہر روم روم سے پھوٹ رہی تھی۔ اس کے گال کا گڑھا آنکھوں کا سرمئی رنگ اس کے تیکھے نقوش اب تو ہر چیز مسکراتی تھی اور ہنستی مسکراتی سرمئی کو دیکھ کر سطوت کے دل سے ہر لحہ دعائیں نکلتی تھیں۔

❀......❀......❀

تھوڑی دیر پہلے فیضان کا فون آیا تھا وہ مجھے لینے آنے کے لیے فیض آباد سے نکل چکے تھے میں نے عاشر کو چاچی کو پکڑایا اور جلدی جلدی سامان پیک کرنے لگی وہ ایسا ہی کرتے تھے جب دل بہت بے چین ہوتا میری اور بچوں کی یاد ستاتی وہ لینے آجاتے تھے۔ اللہ کا شکر تھا اتنے سال گزرنے کے باوجود بھی ہماری محبت شادی کے اولین دنوں جیسی ہی تھی بابا سائیں اور ماں جی کا فیصلہ میرے حق میں سو فیصد بہتر ثابت ہوا تھا فیضان نے ہمیشہ میرا خیال رکھا پیار اور عزت دی۔

"شاہ بی بی جی۔" نذیراں کی آواز پر ہاتھ اور سوچ دونوں کا دھارا ایک ساتھ رکا تھا۔

"آپ کو پاک بی بی آستانے پر بلا رہی ہیں۔"

سطوت نے پیکنگ کا کام ادھورا چھوڑ کر ماں جی کو اطلاع دی اور آستانے کی طرف چل دی دراصل آستانہ حویلی کے احاطے میں ہی کچھ دور تھا اس لیے آنے جانے میں کوئی خاص اہتمام نہیں کرنا پڑتا تھا۔

صبح سے موسم ابر آلود تھا اس لیے گرمی کے زور میں کمی تھی پاک بی بی حجرے کے اندر نماز ادا کر رہی تھیں سطوت چپ چاپ ایک طرف بیٹھ گئی۔ نماز اور تسبیحات سے فارغ ہو کر پاک بی بی نے سلام کیا تو میں ایک دم چونکی جو انہماک سے نماز پڑھتی پاک بی بی کے نورانی حسن کو دیکھ رہی تھی ذہن کی رو ایک بار پھر بھٹک گئی تھی۔

"شاہ بی بی سنا ہے آپ جا رہی ہیں۔"

"جی فیضان لینے آرہے ہیں بابل کا گھر تو چار دن کا ٹھکانہ ہے پھر اپنا گھر اور روز مرہ کے کام۔" میں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"کل بی بی جان حجرے میں آئی تھیں کہتی تھیں آپ دعا کریں میرا منصب لوٹ آئے تو میری سونی حویلی آباد ہو جائے۔ آپ کی نکے شاہ جی سے بات ہو تو انہیں سمجھائیں اور کہیے گا کہ......! معاف کرنے والی تو وہ میٹھی ذات ہے بندے کی کیا مجال کہ وہ کسی کو معاف کر سکے اور پھر جس من میں وہ رب سوہنا بس جائے اسے کسی اور بات کی یاد ہی نہیں رہتی۔ انہیں کہیے گا اپنوں سے دور رہ کر اپنوں کو دکھ دے کر وہ گناہ گار ہو رہے ہیں۔ میں ظرف کی بہت اونچی سیڑھی پر کھڑی ایک عورت کو دیکھ رہی تھی یا پھر یہ فیض اس کو اس عظیم ذات نے دیا تھا جو ہر شے پر قادر ہے جو پل میں زمین کی دھول کو آسمان کا چاند بنا دینے کی قدرت رکھتا ہے۔"

"ایک بات پوچھوں آپ برا تو نہیں مانیں گی۔" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"شاہ بی بی ہر بات پر برا وہ مانتے ہیں جو برے ہوتے ہیں جن کا دل برا ہوتا ہے آپ کھل کر پوچھو جو پوچھنا چاہتی ہو۔"

"آپ کے دل میں اب بندوں کے لیے شکایت نہیں ہے مگر اس پاک ذات کے لیے تو کبھی شکوہ کی کسی کونپل نے سر اٹھایا ہوگا۔"

"ناں شاہ بی بی ناں، عشق میں تو مندے سے مندے محبوب کو بھی برا نہیں کہا جاتا پھر وہ تو ہے ہی بس چنگا ہی چنگا اور پھر جو سچے سائیں کے عشق کی جھانجھریں پہن کر محبوب کے ویڑے ناچتا ہے اس کے پاؤں بھلے ہی چھل جائیں ان سے خون رسنے لگے مگر شکر کا کلمہ اس کی زبان سے ہٹتا ہی نہیں، غصہ، حسد، نفرت، انتقام جیسے جذبے کہیں دور بکل مار کر بیٹھ جاتے ہیں رب راضی ہونا چاہیے بندہ آپوں آپ راضی ہوجاندا اے۔ بس اب آپ جاؤ فیضان شاہ جی آپ کا انتظار کررہے ہوں گی اور انتظار بڑا اوکھا ہوتا ہے چاہے چند لمحوں کا ہو چاہے ساری حیاتی۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے ذکر الٰہی میں مشغول ہوگئیں۔

وہ ایسے ہی کرتی تھیں بندے کے من کے اندر ٹھنڈک اتار کر اسے سکھ کی چھایا میں بٹھا کر خود جانے کہاں پہنچ جاتی تھیں میں ہمیشہ کی طرح چپ چاپ اٹھ کر چلی آئی تھی۔

❁......❁......❁

وقت کا پنچھی دھیرے دھیرے آگے کی طرف اڑان بھر رہا تھا لالہ مجھے ڈاکٹر فیضان سے ملوا کر بھی لائے اور پھر کبھی کبھار فون پر بھی بات ہوجاتی تھی وہ بہت سلجھی ہوئی طبیعت کے مالک تھے مجھے ماں جی کے انتخاب پر فخر سا ہونے لگا تھا فیضان سے رشتے کی ڈور میں بندھنے کے بعد مجھے معلوم ہوا تھا کہ محبت کس طرح دل کی زمین پر یکلخت ڈیرے ڈالتی ہے اور پھر کبھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ جاتی ہے مگر سرمئی کی سارنگ کے لیے محبت دن بدن جنون میں بدلتی جارہی تھی یہ تو عشق تھا سراسر عشق اس لیے میں اکثر اس کے لیے دعا کرتی تھی کہ اس کی محبت پر آنچ نہ آئے۔ میری شادی کی تاریخ طے ہونے والی تھی بس آج کل کچھ اسی کی تیاری تھی کہ دن مصروف گزر رہے تھے۔ کافی دن سے سرمئی نے چکر نہیں لگایا تھا میں نے سوہنی کے ہاتھ اسے بلوایا تھا۔

"سرمئی تو، تو رشتہ کروا کر اتنی مغرور ہوگئی ہے اگر ویاہ ہوگیا تو بلاوے پر بھی نہیں آئے گی۔" سطوت سامنے بیٹھی سرمئی سے شکوہ کرنے لگی۔

"ناں...... ناں شاہ بی بی غرور کیسا میں تو سراپا شکر ہوں بس کچھ دن سے طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

"تجھے پتا ہے میری شادی کی تاریخ طے ہونے والی ہے میں ماسی برکتے سے کہوں گی کہ تیرے ویاہ کی تاریخ بھی جلد طے کروے ورنہ وچھوڑے کے یہ بخار یونہی چڑھتے اترتے رہیں گے اور ہاں جب میں چلی جاؤں گی تو جب جب بہاولنگر آؤں گی ہم ملا کریں گے اور میرے جانے کے بعد اور شادی کے بعد اگر سارنگ تجھے تنگ کرے تو بتانا میں بابا جان سے کہہ کر اس کی خبر گیری کروا لوں گی۔" میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"ناں...... ناں شاہ بی بی رب سوہنا میڈے سارنگ کو تتی ہوا سے بھی بچائے وہ تو مجھے دیکھ دیکھ کر جیتا ہے اس کی بھرجائی کہتی ہے کہ سارنگ کی مت کو سرمئی کی محبت نے مار رکھا ہے۔" اس نے پیار بھرے مان سے بتایا۔

ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک کمرے میں منصب لالہ داخل ہوئے سرمئی کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹکے شاید انہیں اس کے اندر بیٹھنے کی خبر نہیں تھی ورنہ وہ یوں یک دم اندر نہ آتے وہ کافی کم آمیز تھے۔

"سلام شاہ جی۔" سرمئی گھبراتی ہوئی جلدی سے باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں نے منصب لالہ کو پکارا جن کا رخ ابھی تک اس دروازے کی طرف تھا جہاں ہلتا ہوا ریشمی پردہ اس بات کا اعلان کررہا تھا کہ جانے والا جاچکا ہے۔

"لالہ کیا بات ہے کوئی کام تھا آپ کو۔" میں نے ایک بار پھر پکارا۔

"نہیں، ہاں وہ سطوت یہ لڑکی کون تھی جو ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے۔"

"یہ تو آپ کے لاڈلے سارنگ کی منگ ہے سرمئی، آپ نے اسے پہلے حویلی میں نہیں دیکھا کیا، بہت

پیاری اور اچھی ہے اور میری سہیلی بھی......!"

"خیر چھوڑو میں شہر جارہا ہوں اس لیے پوچھنے آیا تھا کہ اگر کچھ منگوانا ہو تو لکھ کر دے دو میں لیتا آؤں گا۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولے اور میرا جواب سنے بغیر باہر نکل گئے۔

❁......❁......❁

سرمئی نے آنکھوں میں کاجل کی دھار لگائی، بالوں میں جلدی جلدی ریشمی موتیوں والا پراندہ ڈالا کانوں میں سونے کی چمکتی بالیاں ڈالی جو بار بار اس کے گالوں کو چھوتی۔ یہ سب سامان رشتہ پکا ہونے پر سارنگ کے گھر والے لائے تھے۔ پیروں میں چاندی کی پائل ہاتھوں پر سارنگ کی محبت کی گوڑی مہندی کا رنگ اس نے گوٹے والی چنری کو اچھی طرح پھیلا کر اپنے گرد لپیٹا اور ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد ٹیلے کی طرف قدم بڑھادیے۔

رشتہ طے ہونے کے بعد آج سارنگ سے اس کی پہلی ملاقات تھی اور اس نے فرمائش کی تھی کہ وہ سارا سامان پہن کر آئے جو اس نے بھیجا تھا اور جو بطور خاص وہ خود اس کے لیے شہر سے خرید کر لایا تھا اور وہ سارنگ کے منہ سے نکلی کوئی بات کیسے ٹال سکتی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ٹیلے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اچانک سیاہ رنگ کی ویگو اس کے بالکل قریب آ کر رکی اس کا دل دھک سے رہ گیا کیونکہ وہ دوپہر میں سب سے چھپ کر سارنگ سے ملنے جارہی تھی کیونکہ ان کے قبیلے کی رسم کے مطابق منگنی کے بعد لڑکا لڑکی ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے تھے۔

"سلام شاہ جی۔" گاڑی میں سے منصب علی شاہ نمودار ہوئے۔

"تم اتنا تیار ہو کر کہاں جارہی ہوں تمہیں پتا ہے آج کل زمانہ کتنا خراب ہے چلو گاڑی میں بیٹھو، جہاں سارنگ ہوگا میں تمہیں وہاں اتار دوں گا۔" نکے شاہ جی نے غصے سے اپنی بات مکمل کی جسے سن کر ڈر اور شرم کے مارے سرمئی کی جان ہی نکل گئی گھبراتی ہچکچاتی وہ گاڑی میں بیٹھ گئی ایک تو مالکوں کو انکار نہیں کرسکتی دوسرا شاہوں کی حویلی کے مکین اپنی شرافت کے لیے علاقے بھر میں مشہور تھے۔

منصب کے پوچھنے پر سرمئی نے دھیرے سے ٹیلے کا بتایا تھوڑی دیر میں گاڑی ٹیلے کے پاس موجود تھی سرمئی کے اترتے ہی فوراً گاڑی تیزی سے مڑی اور پوری رفتار سے واپس روانہ ہوگئی سرمئی ریت اڑاتے گاڑی کے بڑے بڑے پہیوں کو دیکھتی ٹیلے کے پار اترنے لگی۔

"سرمئی آج تو، تو بڑی جلدی آ گئی۔" سارنگ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں، آج میں نکے شاہ جی کی گڈی میں بیٹھ کر آئی ہوں قسم سے سارنگ گڈی کے اندر اتنی خوش بو اور ٹھنڈک تھی کہ میرا دل کررہا تھا میں گڈی میں ہی بیٹھی رہوں۔" پھر اس نے اسے ساری بات بتائی۔

"سارنگ، شاہ جی بڑے چنگے ہیں ان کے کہنے پر اماں راضی ہوئی ان کا یہ احسان میری سات پشتوں پر رہے گا۔" وہ جذب کے عالم میں بولتی چلی گئی۔

"اچھا ان باتوں کو چھوڑ میری سرمئی تو آج حور لگ رہی ہے۔ خریدتے وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ سب سامان تجھ پر اتنا جچے گا۔" اس نے نظروں کے ذریعے اسے دل میں اتارتے ہوئے کہا۔ سارنگ کو شدت سے اس دن کا انتظار تھا جب یہ انمول حسن تمام جملہ حقوق کے ساتھ اس کی دسترس میں ہوگا۔

تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد وہ ٹیلے کی طرف واپسی کے لیے چڑھائی چڑھنے لگے۔ سورج شام کے گھونگھٹ میں اپنا مکھڑا چھپانے والا تھا جدا ہونے کو دل نہیں کررہا تھا کیونکہ شادی ہونے تک یہ ان کی آخری ملاقات تھی مگر دل اور آنکھوں کو سمجھا کر دونوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی کیونکہ اگر پنچوں تک بات چلی جاتی تو رشتہ ٹوٹ بھی سکتا تھا اور پھر یہ تو سردار کے اپنے گھر کا معاملہ تھا۔

❁......❁......❁

میری شادی کچھ عرصہ کے لیے لیٹ ہوگئی تھی کیونکہ میری نند شہوار کے منگیتر نے کینیڈا سے آنا تھا کچھ امیگریشن پرابلم کی وجہ سے وہ آ نہیں سکتا تھا پھرانہی دنوں ماسی برکتے نے سرمئی اور سارنگ کی شادی کی تاریخ دے دی یہ سن کر مجھے دلی خوشی ہوئی کہ چلوان کی محبت اپنے منطقی انجام تک پہنچی۔ میں نے شادی پر جانے کے لیے بابا جان سے خصوصی اجازت لی تھی اور اس کے لیے شہر سے خوب صورت دبکے اور ریشم کے کام والا سرخ لہنگا بھی بنوایا تھا۔

❁......❁......❁

وہ دن سرمئی کی زندگی میں بہت اہمیت کا حامل تھا وچھوڑے کے سارے ڈر وصل رت کے اولے چھپنے جارہے تھے سرمئی لال رنگ کے جوڑے میں آسمان سے اتری حور لگ رہی تھی، سارنگ سے ملن کا سارا روپ اس کے بھولے بھالے چہرے پر اتر آیا تھا جو دیکھتا دنگ رہ جاتا تھا میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے سونے کا چھلا پہنایا اور ڈھیروں دعائیں دی، وہ میرے آنے سے بہت خوش ہوئی سرمئی کی رخصتی، منصب لالہ کی گاڑی میں ہوئی اور خلاف توقع گاڑی منصب لالہ خود چلارہے تھے آخر کو سارنگ کا ہر پل کا ساتھ تھا۔

تین دن بعد جب بی سرمئی حویلی ماں جی کو سلام کرنے آئی تو سب حیران رہ گئے۔ معصوم سے چہرے پر جانے کیسی چمک تھی جو دیکھتا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا وہ سر سے پیر تک فاتح عالم لگ رہی تھی وہ ویڑے میں بیٹھی ماں جی اور چاچی سے دعائیں لے رہی تھی انہوں نے اسے بٹھا کر اس کی نظر اتاری اور دعاؤں کے ساتھ بہت سارے تحفے بھی دیے کہ وہ حویلی کی بیٹی بھی تھی اور اب سارنگ کے حوالے سے بہو بھی سطوت نے اس کا ہاتھ تھاما اور کمرے کی طرف چل دی کہ اس سے ڈھیر ساری باتیں کرنی تھی دونوں کے پیچھے جامن کے پیڑ کے پاس کسی کا سایا بھی واپسی کے لیے مڑا تھا۔

❁......❁......❁

سطوت دستار علی شاہ فیض آباد واپس آ گئی تھی یہاں آنے کے بعد وہ کئی روز تک ڈسٹرب رہی تھی اسے لگتا وہ حویلی اور آستانے کے درمیان چک پھریاں کھا رہی ہے۔ فیضان نے کئی بار اس سے اس بے چینی و دکھ کی وجہ پوچھی تھی مگر وہ انہیں کیا بتاتی انسان کی زندگی میں کچھ راز ایسے ہوتے ہیں جو تمام عمر بھاری صلیبوں کی طرح دل پر دھرے رہتے ہیں کہ چاہ کر بھی انسان انہیں انچ بھر بھی نہیں سرکا سکتا۔

عاشر دادا دادی کے پاس تھا حاشر اسکول گیا ہوا تھا فیضان کو ابھی بھی اسپتال سے ایمرجنسی کال آئی تھی وہ جلدی سے گاڑی کی چابی لے کر باہر نکل گئے تھے میں نے ایک بار پھر ماضی کی گلیوں میں ننگے پیر سفر شروع کردیا تھا اور اس سفر میں پاک بی بی کی آواز میری ہم سفر تھی۔

"شاہ بی بی مجازی محبت کو مینکھ کی طرح چھونے سے ہتھیلیاں تو بھیگ ہیں مگر ہاتھ ہمیشہ خالی ہی رہتے ہیں اور حقیقی محبت ہوا کے وہ نرم جھونکے ہیں جو نظر نہیں آتے مگر ان کی ٹھنڈ آپ کے اندر سکون بھر دیتی ہے اس میں سوالی کو اتنا کچھ ملتا ہے کہ ہاتھ، کاسہ، جھولی ہر چیز بھر جاتی ہے۔"

❁......❁......❁

سرمئی کے بیاہ کو دو ماہ ہوگئے تھے۔ ابھی ابھی سارنگ ناشتہ کرکے نکلے شاہ جی کے ساتھ شہر جانے کے لیے نکلا تھا اور وہ وہیں چولہے کے پاس پیڑی پر بیٹھی اس کے قدموں کے نشان دیکھ رہی تھی۔ جاتے وقت ناں کوئی پیارا سا لحمہ نہ کوئی وعدہ کچھ بھی دے کر نہیں گیا تھا۔ سارنگ بدل رہا تھا یا پھر یہ مرد کی فطرت تھی اس کی محبت دوری میں گوڑی اور سنگت میں کچھ اور ہوجاتی ہے من کا میت اور سر کا سائیں دونوں کے لیے محبت کی الگ الگ پہچان ہے مگر وہ جھلی کیا کرتی کہ سارنگ کی بے پروائی کے باوجود اس کی محبت میں لمحے کے ہزاروے حصے کے حساب سے اضافہ ہورہا تھا اس کی بے انت محبت کو سارنگ کے من کا وہی پیالہ درکار تھا جس میں وہ اس

امرت کو سنبھال کر رکھتی تھی۔
سوچ کے دھارے میں ننھی چڑیا نے خلل ڈالا جو سارنگ کی کھائی روٹی کے ذرے چگنے کے لیے زمین پر ٹھونگے مار رہی تھی۔ سورج اپنی کرنوں کے ساتھ دیڑے کی دیوار تک آن پہنچا تھا اور اسے بہت سارے کام نمٹا کر اماں کی طرف بھی جانا تھا قبیلے کے سردار ہونے کے ناطے باہر آمد و رفت لگی رہتی تھی جس سے کام کافی بڑھ جاتا تھا سرمئی چنر جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تو یک دم ننھی چڑیاں سہم کر پھر سے دیوار پر جا بیٹھیں۔ سرمئی نے ان کے لیے دیوار کی بیز پر پیالی میں پانی اور روٹی کے ٹکڑے رکھے اور خود کام میں لگ گئی۔
سارنگ تین دن بعد شہر سے لوٹا تھا سرمئی نے تیار ہونے میں خاص اہتمام کیا تھا اور اس کے لیے بادام والی کھیر اور بھنڈی کی سبزی بنائی تھی مگر شاید وہ تھکا ہوا تھا بے توجہی سے کھانا کھانے کے بعد چپ چاپ بستر پر لیٹ گیا تھا۔ سرمئی نے برتن سمیٹے اور اس کے پہلو میں جا کر لیٹ گئی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے اسے پکارا۔
''سارنگ......!''
''ہاں بول۔''
''میکوں تیرے نال ضروری گل کرنی اے۔''
''ہاں بول مجھے پھر صبح سویرے اٹھ کر نکے شاہ جی کے ساتھ ملتان جانا ہے۔'' سرمئی پھر خاموش ہوگئی تو تھوڑے انتظار کے بعد وہ خود بول پڑا۔
''سرمئی ہمارے ویاہ کو چار ماہ ہوگئے ہیں پر تیرے سر سے ابھی تک پیار کا بھوت نہیں اترا کتنی بار تجھے سمجھایا ہے وہ دن اور تھے اب ہمارا ویاہ ہوگیا ہے مجھے تیری باتیں سننے کے علاوہ اور بھی سو کام ہوتے ہیں۔'' بالوں میں پھرنے والے ہاتھ کو اس نے پرے کھسکا کر کروٹ لے لی۔
محبت کی دوری میں بھی ایک قرب کی کیفیت ہر لمحے موجود رہتی ہے مگر وہی محبوب جب سر کا سائیں بن جاتا ہے تو اس کی قربت میں بھی ایک ان دیکھی دوری حائل ہو جاتی ہے یہ وہ سارنگ تو نہیں تھا جو ہر ویلے اس کے صدقے واری جایا کرتا تھا ابھی تو تھوڑے سے دن گزرے تھے اور وہ بہت سارا بدل گیا تھا سرمئی نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسوؤں کو ہتھیلی سے رگڑ کر آنے سے روکا اور دوبارہ بات شروع کی۔
''وہ......سارنگ میں ماں بننے والی ہوں۔''
''کیا کہا تو نے پھر سے بول۔'' سارنگ یک دم چارپائی سے اٹھ کر بیٹھ گیا وہ اسے کندھوں سے تھامے پیار بھری نظروں سے تکتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور آج کتنے دنوں بعد سارنگ کی آنکھوں میں چاہ کا وہ پہلا والا رنگ چھلک رہا تھا۔
''تو خوش تو ہے نا سارنگ۔'' سرمئی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
''ارے پگلی یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے میں تو دن گن گن کر اس دن کا انتظار کر رہا تھا۔ سرمئی، ہمارے یہاں بیٹا ہی ہوگا ناں۔'' اس نے ہاتھ تھام کر پیار سے پوچھا۔
''یہ تو اس رب سوہنے کی مرضی ہے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' اس نے شرما کر نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔
''سرمئی تو دعا کرنا ہمارے یہاں بیٹا ہی ہو مجھے دھی ذات پسند نہیں ہے سر نیچا کروا دیتی ہے۔ بندہ سینہ چوڑا کر کے نہیں چل سکتا اور پھر بھا ساتول کے یہاں بھی چار لڑکیاں ہی ہیں۔'' سارنگ نے روٹھے لہجے میں آ ہا در کرایا۔
''میں بھی تو کسی کی دھی تھی جس پر تو اس قدر مرتا تھا۔'' سرمئی نے دل میں سوچا کہہ اس لیے نہیں پائی کہ ان چار مہینوں میں وہ یہ بات تو جان گئی تھی کہ محبوب جو باتیں کہتا ہے اور پھر مان بھی لیتا ہے سر کا سائیں وہ باتیں سننے کا بھی روادار نہیں ہوتا۔
''سارنگ میں رب سوہنے سے دعا کروں گی وہ

تیرے من کی مراد پوری کرے۔ مگر بیٹی ہوئی تو وہ بھی رحمت ہوتی ہے۔" اس نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"نہیں میں نے تجھے کہا ناں مجھے لڑکا ہی چاہیے تجھے پتا تو ہے کہ ابا برادری کا سردار ہے اور رسم کے مطابق اب یہ پگ بھا سانول کو ملنی تھی مگر ہمارے یہاں لڑکیوں کے باپ کو سردار نہیں بنایا جاتا۔ اس لیے اب سب کی نظریں مجھ پر لگی ہوئی ہیں میرا بیٹا ہوا تو میں برادری کا سردار بنوں گا اور اگر ہمارے گھر پانچویں لڑکی آئی تو سرداری کسی اور کے پاس چلی جائے گی اور میں کسی صورت نہیں چاہتا کہ پرکھوں کی یہ پگڑی غیروں کے پاس چلی جائے۔ اس نے اسے ایک تلخ حقیقت سے آگاہ کیا اور کروٹ لے کر مزے سے سونے کے لیے لیٹ گیا۔

مرد کی محبت دھوپ چھاؤں کا کھیل ہوتی ہے چند لمحوں پہلے والے سارنگ کا اب دور دور تک شائبہ نہیں تھا ماں بننے کی انمول خوشی پر لڑکے کی شرط نے وسوسوں اور ڈر کے پہرے بٹھا دیے تھے اور پھر وقت دھیرے دھیرے گزرنے لگا اب تو سارنگ کا اسرار ضد میں بدل گیا تھا۔ وہ سرمئی کا بہت خیال رکھتا مگر وہ ہر وقت ہولتی رہتی تھی کہ اگر لڑکی ہوئی تو...... اور اس کے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

❀......❀......❀
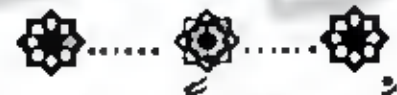
شادی کو پانچ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا میں بہاولنگر آئی ہوئی تھی فیضان شاہ سب کی امیدوں سے بڑھ کر اچھے نکلے تھے۔ سب سے ملنے اور کھانا کھانے کے بعد فیضان منصب لالہ کے ساتھ باہر نکل گئے تو میں ماں جی کو بتا کر سرمئی کی طرف جانے کو تیار ہوگئی۔ میری شادی پر بھی وہ نہیں آسکی تھی پتا چلا تھا کہ وہ امید سے ہے اور اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور اب میرے آنے پر ماں جی نے بتایا تھا کہ ماسی برکتے کا کچھ دن پہلے انتقال ہوگیا ہے۔ سرمئی کا ان کے سوا تھا ہی کون باپ تو بچپن میں ہی چل بسا تھا اکلوتی اولاد تھی اور ماسی برکتے نے اپنی شہزادیوں جیسی بیٹی بڑے لاڈ سے پالی تھی ابھی وہ اپنے

غزل

اے دل داغ دار رونا ہے
ہو کے اب بے قرار رونا ہے
کس نے دیکھی ہے کھول کر قیمت
حسرت سوگوار رونا ہے
اب دسمبر کی سرد راتوں میں
ہو کے بے اختیار رونا ہے
اپنے پیاروں میں بانٹ کر خوشیاں
پھر ہمیں زار زار رونا ہے
جیت ان نصیب کرنے کو
لازمی تھا یہ ہار رونا ہے
دکھ کی کشتی میں جب سے آ بیٹھے
تب سے بس آر پار رونا ہے

شاعرہ: نازیہ کنول نازی
انتخاب: طیبہ عبید، کراچی

ماں کے گھر ہی تھی اور وہ گھر بھی حویلی کے پاس ہی تھا میں نذیراں کے ساتھ اس طرف چل دی۔

دروازہ کھلا ہوا ہی تھا اور ویڑے میں چارپائی پر سرمئی لیٹی ہوئی تھی ہمیں دیکھ کر یک دم کھڑی ہوگئی۔

"شاہ بی بی آپ۔" بس اتنا ہی کہہ کر وہ ایک دم میرے گلے لگی اور خوب بلک بلک کر روئی، ماں کا دکھ اپنی جگہ مگر جانے کیوں مجھے اس کے رونے میں صرف ماں کی جدائی کا غم محسوس نہیں ہوا، ہم کافی دیر باتیں کرتے رہے مگر اس کے گالوں میں پڑنے والا گڑھا اور اس کی آنکھوں کا سرمئی رنگ دونوں اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"ایک بات پوچھوں سرمئی جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ ماسی برکتے کی جدائی کے دکھ کے علاوہ بھی کچھ ہے، سب خیر ہے ناں سارنگ تیرا خیال تو رکھتا ہے نا۔" سطوت نے جانے سے پہلے سرمئی کا ہاتھ تھام کر پیار سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں شاہ بی بی بس دو جان سے ہونے

کی وجہ سے عجیب سا بوجھل پن رہتا ہے اس لیے باہر کم نکلتی ہوں۔''

''کیا بات ہے سرمئی تم اتنی بڑی خوشی کو بوجھل پن کا نام دے رہی ہو۔'' مجھے وہ سرمئی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی جسے میں جانتی تھی جو سارنگ کے عشق میں پور پور مہکتی تھی۔

''شاہ بی بی جب خوشیوں کے ساتھ شرطیں جوڑ دی جائیں تو وہ خوشیاں نہیں رہتی بلکہ بوجھ کی گٹھڑیاں بن جاتی ہیں جنہیں ڈھوتے ڈھوتے بندہ تھک جاتا ہے۔ جانے کیوں وقت، لوگ، رشتے اتنی جلدی بدل جاتے ہیں میری محبت تو سارنگ کے لیے اب بھی نہیں بدلی بلکہ سکوں لگ دا اے یہ دن بدن گوڑی ہوتی جا رہی ہے۔ میرے اندر اس کی جڑیں اب بھی اتنی ہی گہری ہیں مگر اوپری حسن اور نکھار ماند پڑ گیا ہے کیونکہ اس پیڑ کو محبت توجہ اور مان کا پانی نہیں مل رہا اور آپ کو تو پتا ہے پانی کے بغیر اچھی سے اچھی زمین بنجر ہو جاتی ہے میں تو پھر انسان ہوں۔'' وہ ایک ٹرانس میں بولتی چلی گئی اور میں نے اسے روکا نہیں پھر اس نے سارنگ کے رویے بیٹے کی ضد اور رسم کے بارے میں جو کچھ بتایا اسے سن کر دل اس موہنی سی لڑکی کے لیے درد سے بھر گیا۔ ''شاہ بی بی جانے آج کل کیوں میں ایک ہی خواب بار بار دیکھتی ہوں کہ میں کہیں ہوں جہاں گھور اندھیرا ہے اتنا اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا اور پھر ایک دم روشنی ہی روشنی ہو جاتی ہے آسمان سے چھوٹے چھوٹے ستارے میرے اوپر برسنے لگ جاتے ہیں اور پھر یک دم میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ رب سوہنا خیر کرے میرا دل ہر ویلے ہولتا رہتا ہے۔''

آتے ہوئے میں نے سرمئی کو بہت سمجھایا کہ وہ اپنا اور اپنے آنے والے بچے کا خیال رکھا کرے اگر لڑکی بھی ہوئی تو سارنگ اسے سینے سے لگا لے گا اولاد آخر اولاد ہوتی ہے سب ٹھیک ہو جائے گا اور میں منصب لالہ سے کہوں گی کہ اس کے دماغ سے سرداری کا بھوت اتارے تو دل چھوٹا مت کر اللہ تعالیٰ سب بہتر کر دے گا تو تو خود نماز روزے کی اتنی پابند ہے اس ذات سے مدد مانگا کر وہ تجھے اندھیروں سے روشنیوں میں لے آئے گی۔''

سطوت نے کہیں پڑھا تھا۔ ''مرد دریافت کا پرندہ ہوتا ہے۔'' اور آج اسے اس جملے کی حقیقت سمجھ میں آ گئی تھی جب تک نارسائی کی تلوار سر پر لٹکتی رہتی ہے مرد سب کچھ کرتا ہے بے حد بے حساب چاہتا ہے ایک ایک لمحے کو یادگار کر دیتا ہے اتنا قریب آ جاتا ہے کہ سانس لینے کی جگہ بھی نہیں بچتی لیکن پا لینے کے بعد بے پروا ہو جاتا ہے۔ محبت تو پھر بھی کرتا ہے مگر اپنی مرضی کی اپنے معنیٰ کی جہاں آنکھوں میں چاہتوں کے دیے روشن کرتا ہے وہی ان آنکھوں کو پل بھر میں سمندر بھی کر دیتا ہے۔ سطوت بہت بوجھل دل سے واپس آئی تھی اور ابھی بھی اپنے کمرے میں بیٹھی سرمئی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

اسے وہ لمحات یاد آ رہے تھے جب اسی کمرے میں اس کی سرمئی سے پہلی ملاقات ہوئی تھی محبت اور زندگی کس طرح اس کے انگ انگ میں خون کی مانند گردش کرتی تھی۔ اس نے منصب لالہ کو ساری تفصیل بتا کر ان سے بات کرنے کی ٹھانی، تھوڑے دنوں میں اسے فیضان کے ساتھ یورپ ٹور پر چلے جانا تھا وہاں فیضان نے رہ کر کوئی امتحان دینا تھا اور سطوت کو گھوم پھر کر واپس آ جانا تھا۔ ماموں اور مائی شہوار کے پاس کینیڈا گئے ہوئے تھے کیونکہ وہ امید سے تھی اور اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ کا کہا تھا اور وہ وہاں اکیلی تھی یورپ سے واپسی پر چھ ماہ سطوت کو حویلی میں آ کر رہنا تھا۔ کیونکہ فیض آباد میں کوئی نہیں تھا بہاولنگر چھوڑتے ہوئے بھی آخری خیال جو اس کی سوچ سے جڑا تھا وہ سرمئی کا ہی تھا۔

وقت مٹھی میں دبی ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسل رہا تھا سطوت کو یورپ گئے ایک ماہ ہو گیا تھا سرمئی اب تخلیق کے آخری مراحل سے گزر رہی تھی سطوت نے چاچی سے فون پر اس کی بابت پوچھا تھا تو انہوں نے بتایا تھا کہ اسے کوئی مسئلہ ہو گیا ہے جس کے لیے سارنگ

اسے ایک دو بار شہر لے کر گیا ہے منصب نے سارنگ کو گاڑی پیسہ ہر چیز دے رکھی ہے پہلی بار تو وہ سارنگ کے ساتھ سرمئی کو خود بڑے اسپتال لے کر گیا تھا۔

''اپنا منصب کتنا اچھا ہے۔'' چاچی نے مان بھرے لہجے میں لالہ کے بارے میں بتایا۔

یورپ کے سرد اور خوب صورت ماحول فیضان شاہ کی چاہتوں اور خوابوں سے سجی سنگت میں بھی وہ اپنی سہیلی اور اس کے آنے والے بچے کے لیے دعا کرنا نہیں بھولی تھی۔ تین ماہ بعد سطوت آج دوپہر لندن سے پاکستان پہنچی تھی اور سیدھی حویلی ہی آئی تھی خلاف توقع اسے لینے آنے والا ڈرائیور سارنگ نہیں کوئی اور تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا ساتھ میں چاچا جی تھے اگر سارنگ ہوتا تو وہ سرمئی کے بارے میں ضرور پوچھتی سفر کی تھکن کی وجہ سے وہ سب سے ملنے کے بعد سر شام ہی سو گئی تھی۔

موبائل کی بیپ مسلسل بج رہی تھی۔ سطوت نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھول کر گھڑی کی طرف دیکھا رات کا ایک بج رہا تھا اس نے جلدی سے فون اٹھا کر اسکرین کی طرف دیکھا اس کے خیال میں اس وقت فیضان کا فون ہی ہوسکتا تھا مگر اسکرین پر منصب لالا کا نام چمک رہا تھا۔

''اللہ خیر۔'' لالہ تو حویلی میں ہی ہیں تو رات کے اس پہر فون سطوت نے دل ہی دل میں دعا کرتے ہوئے اوکے کا بٹن دبایا۔

''ہیلو سطوت تم حویلی کے ساتھ والے ڈیرے پر آجاؤ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے کسی کو بتانا مت حویلی کے باہر صغراں کھڑی ہے بس چپ چاپ اس کے ساتھ چلی آؤ اس سے پہلے کہ سطوت کچھ پوچھتی فون رکھا جا چکا تھا لالہ کی آواز میں ایسا کچھ تھا جس نے ایک لمحے کے لیے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے جلدی سے پاؤں میں سلیپر ڈالے اور بڑی سی کالی چادر میں خود کو لپیٹ کر دبے پاؤں حویلی سے باہر نکل آئی۔

باہر ہر طرف ہو کا عالم تھا سارا سید پور نیند کی آغوش میں ٹھنڈے میٹھے سپنے دیکھ رہا تھا۔ چاند اور تاروں کی لکن

غزل

زندگی ہے بے بسی کے روپ میں
کیوں نہیں ملتی خوشی کے روپ میں
چھا گئے غم کے اندھیرے ہر طرف
اب وہ آئیں روشنی کے روپ میں
وہ فرشتہ صفت ہے میرے لیے
ہے اگرچہ آدمی کے روپ میں
الوداع کہتے ہوئے وہ کہہ گیا
چند جملے شاعری کے روپ میں
دشمنی پر کیوں اتر آیا ہے وہ
آج رانا دوستی کے روپ میں

شاعر: قدیر رانا...... راولپنڈی
انتخاب: صوفیہ خان' ریاض

مٹی میں ہر شے کا عکس دھندلا دھندلا نظر آرہا تھا باہر صغراں کھڑی تھی۔ سطوت تفکرات اور وسوسوں کے گرداب میں ڈوبتی ابھرتی اس کے پیچھے ہولی۔ منصب لالہ بے چینی سے باہر ٹہل رہے تھے اور مجھے جانے کیوں ان کی بے چینی میں کرب کی ایک کیفیت نظر آرہی تھی۔

''خیر تو ہے لالہ۔'' میں نے جلدی سے لپک کران کا ہاتھ تھاما میرا دل بہت گھبرا رہا تھا کہ جانے رات کے اس پہر کیا ہونے والا ہے یا کیا ہوگیا ہے۔

''مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی سطوت بلکہ غلطی نہیں گناہ ہوگیا، محبت نے مجھے چاروں شانے چت کردیا میں محبت میں اس قدر اندھا ہوا کہ صحیح غلط سب بھول بیٹھا مگر پھر بھی میں نے اپنی دانست میں جائز طریقہ استعمال کیا تھا مگر جانے کیوں میں نے فراموش کردیا تھا کہ محبت مانگنے یا مجبور کرنے سے نہیں ملا کرتی میرے دل کے ہاتھوں سب تہس نہس ہوگیا مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں؟'' منصب لالہ ہاتھوں میں سر تھامے جانے کیا کیا بول رہے تھے۔ سطوت کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا لالہ کی آنکھوں میں رت جگوں کی سرخی، سب کچھ کھو

دینے کا ملال اور گناہ کے خوف کی نمی واضح طور پر دیکھی جاسکتی تھی۔

"سطوت تمہیں پتا ہے ہم سید پور کے سیاہ سفید کے مالک ہیں اسے ڈیرے پر اٹھا کر لانا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا مگر مجھے اس سے محبت ہوگئی تھی محبت بھی ایسی جس کے آگے میری ساری عقل بیرون ملک سے حاصل کی گئی ہائی فائی تعلیم، مرتبہ، دولت سب دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ میں اسے حاصل نہیں کرنا چاہتا تھا پانا چاہتا تھا اور اسی پانے اور حاصل کرنے کے درمیان سب کچھ گنوا بیٹھا۔" وہ وہیں کھڑے کھڑے دوبارہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ رات کی سیاہ چادر پر ٹکا چاند اور اس کے اردگرد پہرہ دیتے ستارے حیرت سے سب سن اور دیکھ رہے تھے ہوا کی سانس بھی ساکن تھی۔

"لالہ کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو کھل کر بتاؤ کون ہے وہ، تم سے کیا ہوا ہے مجھے وحشت ہورہی ہے۔" میں نے روہانسی ہوکر ان کا بازو پکڑ کر ہلایا۔

اور پھر جو کچھ منصب لالہ نے بتایا اسے سن کر مجھے لگا وقت کی گردش تھم گئی ہے ان کے ہاتھوں وہ ہوگیا تھا جس کا کوئی ازالہ نہیں تھا جس کی کوئی معافی نہیں تھی وہ سمجھ ہی نہیں پائے تھے کہ محبت کسی ایسے شخص کی تلاش نہیں کرتی جس کے ساتھ رہا جائے محبت تو ایسے شخص کو تلاش کرتی ہے جس کے بغیر نہ رہا جائے کاش وہ مجھ سے ایک بار پوچھ لیتے تو میں انہیں بتاتی کہ اس پگلی کی تو سانسوں کی ہر کیل اپنے عشق کے خیمے میں گڑی ہے۔ پھر منصب لالہ نے اتنے بڑے ظلم کی بڑی بودی دلیل دی۔

"پہلی نظر کی اٹوٹ محبت" کس طرح انہوں نے سرمئی کو میرے کمرے میں پہلی بار دیکھا اور وہ دل ہی دل میں اس کے دیوانے ہوگئے حالانکہ انہوں نے اپنے دل اور دماغ کو بہت سمجھایا کہ وہ کسی سے پیار کرتی ہے کسی کی ہونے والی ہے اس کا اور ان کا کوئی جوڑ نہیں ہے ذات پات رسم ورواج معاشرہ کوئی بھی اس رشتے کو قبول نہیں کرے گا۔ مگر دن بدن محبت کا آکٹوپس انہیں اس بری طرح سے جکڑتا چلا گیا کہ انہیں کچھ سمجھ نہیں آتا تھا انہی دنوں میں وہ سارنگ کے ساتھ بیاہ کر بھی چلی گئی اندر ہی اندر کچھ تھا جو انہیں ایک پل بھی چین نہیں لینے دیتا تھا انہیں لگتا تھا اگر سرمئی نہ ملی تو کچھ دنوں میں وہ ساری جاگیرداری اور وکالت چھوڑ کر گلیوں کی خاک چھانتے پھریں گے۔ چند دنوں میں ان کی مراد برآئی سارنگ نے انہیں بتایا کہ سرمئی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور پھر اوپر سے سونے پر سہاگہ میں نے سرمئی اور سارنگ کے درمیان چلنے والی ساری صورت حال سے انہیں آگاہ کردیا وہ سرمئی کو لے کر فوراً شہر کے اسپتال گئے اور وہاں ڈاکٹر نے جو کچھ بتایا اسے سننے کے بعد ان کے دل نے جسے سرمئی کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا ایک رستہ دکھایا جس کی منزل اب تباہی اور بربادی کی صورت میں ان کے سامنے کھڑی تھی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ سرمئی کے کیس میں کافی پیچیدگی ہے جس کی وجہ سے ماں اور بچے دونوں میں سے کسی ایک کو بچایا جاسکتا ہے مگر ایک میجر آپریشن اگر جلد از جلد ہوجائے تو کچھ امید ہے مگر اس میں کافی خرچہ ہے اور پھر ڈاکٹر نے یہ بھی بتایا کہ کوکھ میں پلنے والا لڑکا ہی ہے اور بس یہاں سے دو مردوں کے درمیان محبت اور غرض کا ایک ناقابل یقین معاہدہ طے پاگیا۔

ملک کے دارالحکومت کے مہنگے ترین اسپتال میں اعلیٰ ڈاکٹروں کی بورڈ کی نگرانی میں سرمئی نے ایک صحت مند اور خوب صورت بیٹے کو جنم دیا ہوش میں آنے کے بعد نرس نے اس کے پہلو میں ایک گول مٹول سا ننھا وجود لاکر رکھا تو اسے لگا سارنگ کو پانے کی طرح آج وہ پھر ایک بار سرخرو ہوگئی۔ تشکر اور خوشی کے آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے رب سوہنے نے ہمیشہ اس کے من کی مراد پوری کی تھی وہ اس نمانی پر بہت مہربان تھا۔ اس نے بچے کو ہاتھ سے چھوکر دیکھا تھا ممتا کا ایک انوکھا احساس اس کی رگ وپے میں سرایت کر گیا اس کی آنکھیں سرمئی کی طرح سرمئی ہی تھیں۔ کھڑے کھڑے نقوش سارنگ سے مشابہ تھے بچے کو پیار کرتے ہوئے اچانک اس کی

نگاہ اپنے اردگرد کے ماحول پر پڑی۔ کمرہ اس قدر شاندار اور خوب صورت تھا کہ ایسا تو اس نے خوابوں میں بھی نہیں دیکھا تھا اسے اتنا یاد تھا اچانک اس کی طبیعت بگڑی تھی اور پھر وہ بے ہوش ہوگئی تھی اور اب جب آنکھ کھلی تو وہ فاتح عالم تھی سارنگ کی خواہش اور دعا پوری ہوگئی تھی وہ بیٹے ہی کا باپ بنا تھا اب پگ کہیں نہیں جانی تھی۔ اس نے بہت دعائیں مانگی تھی اس لیے نہیں کہ اسے دھی ذات سے کوئی مسئلہ تھا بلکہ وہ اپنے من کے مطلوب کی ہر خواہش پوری ہوتے دیکھنا چاہتی تھی ہاں اسے سارنگ کا سرداری کے لیے ہٹ دھرم رویہ اسے دکھ دیتا تھا۔ اسے یہ بات تکلیف دیتی تھی کہ وہ صرف پگ کے لیے رب سوہنے کی رحمت سے منہ موڑ رہا ہے اسے ماسٹر جی نے بتایا تھا کہ رب سوہنا جب کسی سے راضی ہوتا ہے تو اسے بیٹی جیسی رحمت سے نوازتا ہے سوچوں کی ڈور ہاتھ سے جب چھوٹی جب سارنگ نے ننھے سے وجود کو پیار سے چھوا اور اس نے کسمسا کر رو کر اپنے ہونے کا احساس دلایا سامنے سارنگ کھڑا تھا۔ اس کے ''من کا میت'' اس کے جینے کی سب سے مضبوط اور واحد وجہ سرمئی نے سرشار نظروں سے اپنے سر کے سائیں کی طرف دیکھا اور دھیرے سے مسکرائی۔

''سرمئی میں پورے ہوش وحواس میں تجھے طلاق دیتا ہوں، تجھے طلاق دیتا ہوں، تجھے طلاق دیتا ہوں۔'' سارنگ کا ہوش وحواس میں کہا یا ایک جملہ سرمئی کو پل بھر میں دوبارہ ہوش وحواس کی دنیا سے کہیں دور لے گیا۔

''میرے اور سارنگ کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ میں اس کا آپریشن کراؤں گا جتنا بھی خرچ آئے گا میں اٹھاؤں گا باہر سے بڑے بڑے ڈاکٹر بلواؤں گا سرمئی اور بچہ دونوں بچ جائیں گے مگر بیٹے کی پیدائش کے بعد بیٹا اس کا اور سرمئی میری۔ سارنگ بچے کو لے کر جائے گا اور سرمئی کو طلاق دے دے گا۔ لوگوں کو فیس کرنے کے لیے میں تیار تھا اگر بابا جان نہیں مانتے تو میں نے سرمئی کو اپنے ساتھ باہر لے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ سارنگ نے اپنی

غزل

عجیب دل کا ہوا ہے موسم اداس تجھ بن اداس شامیں
تو نے مجھ کو دیا ہے موسم اداس تجھ بن اداس شامیں
ملے جو غم تو خوشی بھی آئے کہ رت بدلتی ہے یہ سنا تھا
کیوں میرے گھر رک گیا ہے موسم اداس تجھ بن اداس شامیں
گلہ نہیں ہے کوئی بھی تجھ سے جو تو نے مجھ سے بہار چھینی
یہ تیرے دم سے ملا ہے موسم اداس تجھ بن اداس شامیں
یہ کیسی دنیا ہے میرے مولا کہ پیار کرنا بھی جرم ٹھہرا
یہ چاہتوں کی سزا ہے موسم اداس تجھ بن اداس شامیں
یہ میرا پل پل کا ہمسفر ہے یہ میرا پل پل کا رازداں ہے
تیرے لیے جو دیا ہے موسم اداس تجھ بن اداس شامیں
میں کیسے تم سے کہوں اے جاناں رہو کبھی آ کے میرے دل میں
کہ شہر دل کا جدا ہے موسم اداس تجھ بن اداس شامیں
ملن کی شب جانے کیا ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آئے
کہ تب سے ارشد ہوا ہے موسم اداس تجھ بن اداس شامیں

شاعر: ارشد محمد ارشد، سرگودھا
انتخاب: مہ نور انصاری، ملیر کراچی

مرضی سے یہ سودا کیا تھا کہ وہ سرداری کی پگ کسی صورت اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا اور یہ سارا معاملہ ہم دونوں کے درمیان ہی رہنا تھا سارنگ اپنے گھر والوں کو کیا کہتا وہ اس کا مسئلہ تھا اور سرمئی کا تو اب کوئی تھا ہی نہیں سرمئی کے بارے میں، میں نے سوچا تھا کہ میں اسے اتنا پیار دوں گا اتنی آسائش دوں گا مان مرتبہ اپنے دل کی رانی بنا کر رکھوں گا کہ وہ سارنگ جیسے مطلبی اور ایک دن کے بچے کو خود بخود بھول جائے گی ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے میں نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ ہر چیز کی ایک ریپلیسمنٹ ہوتی ہے مگر میرے علم میں اب یہ بات آئی عشق کی ریپلیسمنٹ صرف عشق ہی ہوسکتا ہے محبت نہیں اور پھر محبت بھی وہ جو دل کے ہاتھوں غرض کی راہ پر چل پڑے۔''

منصب لالہ ٹوٹے لہجے میں دھیرے دھیرے کہانی کے ورق الٹتے جا رہے تھے اور سطوت ایسے بیٹھی سن رہی

تھی جیسے کسی نے اسے پتھر کا بنادیا ہو کیونکہ وہ سرمئی کے عشق کی شدتوں سے آگاہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا گوڑا اور سچل عشق تھل کی ریت کے ذروں سے زیادہ تھا اس کے دل میں دھڑکن تو شاید اس کی تھی مگر وہ ننھا سا گوشت کا ٹکڑا صرف اور صرف سارنگ کی وجہ سے دھڑکتا تھا۔

"پھر میں بے ہوش سرمئی کو ملتان والے بنگلے میں لے آیا۔" رات کے اندھیرے میں لالہ کی آواز کے ارتعاش سے وہ چونکی تو سرمئی کی محبت شوخیوں اور زندگی سے بھرپور سویرا ایک دم آنکھوں کے آگے سے اوجھل ہوگیا اور ہر شے پر سیاہ عمیق رات نے اپنا پردہ تان لیا۔

چوبیس گھنٹوں کے بعد جب سرمئی کو ہوش آیا تو پہلے تو اس نے مجھے سامنے بیٹھا دیکھ کر حیران نظروں سے مجھے اور کمرے کو دیکھا اور پھر یک دم اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا اس نے کرب کی شدت سے آنکھیں بند کرلیں پلکوں کے کناروں پر آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے وہ اس کھیل کی ساری ترتیب سمجھ گئی تھی اس کے بعد وہ بالکل نہیں روئی نہ چیخی نہ چلائی بس اتنا بولی۔

"نکے شاہ جی آپ تو ڈوھی ہو ہی نہیں آپ کے پاس دولت کی طاقت تھی آپ نے محبت خریدلی لیکن اگر سارنگ کی محبت مضبوط ہوتی تو سرمئی بکتی ہی کیوں؟ مگر آپ ایک ماں کی کوکھ کے ڈوھی ضرور ہو اس کی ممتا کے کٹہرے میں آپ مجرم ہو۔" اور پھر اس نے چپ کی بکل مارلی نہ وہ کچھ کھاتی نہ بولتی، اگر میں اس کے قریب جانے کی کوشش کرتا تو اس کے وجود میں سے اٹھتی خاموشی کی آواز اس قدر تیز ہوتی کہ میں ڈر جاتا ایک انجانی اور ان دیکھی روشنی اس کے وجود کے گرد ہالہ کیے رکھتی اور میں چپ چاپ الٹے قدموں پلٹ آتا وہ گھٹنوں میں سر دیے جانے کیا سوچے جاتی یک ٹک خلا کو گھورے جاتی ایک بے خودی کی کیفیت اس پر طاری رہتی میں نے سارنگ کو ایک کرائے کے مکان میں ٹھہرایا ہوا تھا اور بچے کے لیے ایک بہت اچھی آیا کا انتظام کیا ہوا تھا اور گاؤں کہلوا دیا تھا کہ ماں اور بچے کی حالت کافی خراب ہے اس لیے وہ اسپتال میں داخل ہیں آگے کے بارے میں فی الحال نہیں سوچا تھا میرے لیے اس وقت سب سے اہم بات سرمئی کی توجہ بٹانا اس کی دل جوئی کرنا اور اسے اپنی طرف راغب کرنا تھا۔ پھر چند دن بعد سارنگ روتا پیٹتا بنگلے پر آیا چند دن کا بچہ ماں کے بغیر جانبر نہیں ہوسکا تھا اور اب اسے سمجھ آیا تھا کہ لینے اور دینے کے سودے تو اس پاک ذات کے یہاں ہوا کرتے ہیں، یہ حقیر بندوں کے بس کا کھیل نہیں ہے۔ سرمئی نے اسے بھی کچھ نہیں کہا تھا چند دن میں سرمئی وہ سرمئی نہیں رہی جسے صرف ایک عورت، جسم اور محبت سمجھ کر دو مردوں نے اپنی سمجھ بوجھ کے تحت استعمال کیا تھا۔ سارنگ کا حال تو پاگلوں جیسا ہوگیا تھا اور میں اس سے بدتر حال میں تھا ایک ہفتہ گزر گیا تھا مگر میری اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ میں صرف اسے اتنا ہی بتاسکوں میں اسے کتنا پیار کرتا ہوں۔ جس کے لیے میں نے یہ سب کیا ہے۔ بس ایک دن اس نے مجھ سے بات کی اور مجھ سے جائے نماز اور قرآن پاک مانگا اور کہا کہ مجھے سید پور واپس لے چلو جانے ایسا کیا ہے، جو بظاہر کچھ نا ہوکر بھی بہت کچھ ہے میں ایک لمحے کے لیے اس کی طرف نہیں دیکھ پاتا اس کے اطراف سے مجھے ایک خوش بو پھوٹتی محسوس ہوتی ہے بتاؤ سطوت میں کیا کروں مجھے لگتا ہے چند دن میں میں بھی سارنگ کی طرح پاگل ہوجاؤں گا۔"

"سرمئی کہاں ہے لالہ؟" سب کچھ سننے کے بعد میرے لبوں سے صرف ایک ہی جملہ نکلا منصب لالہ نے اندر کمرے کی طرف اشارہ کردیا۔ میں لپک کر دروازے میں داخل ہونے لگی پھر یک دم میرے قدم دروازے پر ہی رک گئے مجھے یقین تھا وہ مجھے دیکھ کر بے اختیار مجھ سے لپٹ جائے گی اور پھر دھاڑیں مار مار کر اس قدر روئے گی کہ تھل کی پیاسی زمین ہمیشہ کے لیے سیراب ہوجائے گی میں اسے اپنی بانہوں میں لے کر بھی اس کے دکھ کا ازالہ نہیں کرسکوں گی وہ دکھ عظیم دکھ جو اسے ان دو مردوں سے ملا جن میں سے ایک میرا ماں جایا ہے۔

پھر سوچتے سوچتے بالآخر میں نے کمرے کا دروازہ وا کیا اندر کی خاموشی میں ذرا برابر کمی نہیں آئی۔ سرمئی سفید چادر لپیٹے گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی تھی پاس جانے پر معلوم ہوا کہ وہ کسی اسم الٰہی کا ورد کر رہی ہے میں نے پاس بیٹھتے ہوئے دھیرے سے پکارا۔

''سرمئی......!'' اس نے منہ اوپر اٹھایا۔ سرمئی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں نے اس کی آنکھوں کی چمک کو نگل لیا تھا گال پر پڑنے والا گڑھا اب کبھی نہیں ابھرنا تھا۔ اداس ویران میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں سرمئی کا کبھی ایسا روپ دیکھوں گی مگر خلاف توقع اس کے چہرے پر ہر جگہ سکون ہی سکون تھا۔ میرے چہرے پر آئی پریشانی، شرمندگی اور آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر اس نے دھیرے سے میرے ہاتھ تھامے اور بس اتنا بولی۔

''شاہ بی بی جب تھلوں سے بارش کے بھرے بادل روٹھ جائے تو زمین بنجر ہو جاتی ہے اور کبھی برسنے کے بعد بھی جب پیاس باقی رہے تو ایسا ہوتا ہے کہ بنجر زمین کے بہت اندر سے ایک نئی کونپل پھوٹتی ہے۔ من کا مطلوب جو آپ کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہو وہ اگر منہ پھیر لے دھوکا دے جائے تو پھر اتنی سی بات تو پلے پڑ جاتی ہے کہ سچل اور گوڑا عشق بس اس رب سوہنے کی ذات سے ہے جو کبھی منہ نہیں موڑتا جو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا جس کی محبت، ہجر وصال کی محتاج نہیں۔ آپ اپنے من میں دکھ نہ لانا اس رب سوہنے کے کام وہی جانتا ہے کون لوٹ لیا گیا کون لٹ گیا کون پا گیا اور کون خالی ہاتھ رہ گیا یہ رمزیں تو وہ پاک ذات ہی جانتی ہے اور دھیرے دھیرے آپ کو بھی سمجھ آ جائے گی۔''

اور یوں سرمئی سے پاک بی بی کا سفر چند مہینوں میں طے پا گیا۔ لوگوں نے یہ قیاس کر لیا کہ بچے کی جدائی کے دکھ نے اسے دنیا سے بے گانہ کر کے رب تعالیٰ کے قریب کر دیا اور پھر ماں جی نے اسے حویلی کے قریب ہی آستانہ بنا دیا لوگ آتے اور ان کی دعا سے من کا مطلوب پاتے تھے۔ وہ کسی سے کچھ نہیں لیتی تھی وہ لینے سے ماورا ہو گئی تھیں، ویسا ہی ان کی سرشت بن گیا تھا سرمئی کے اس گھور اندھیرے سے روشنی میں آنے والا خواب پاک بی بی کی تعبیر پا گیا تھا۔

''ماں جی غضب ہو گیا شاید رب سوہنا ہم سے ناراض ہو گیا ہے اس کے نیک لوگوں کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔'' نذیراں سر پیٹتی ہوئی حویلی کے صحن میں داخل ہوئی۔

''کیا ہوا نذیراں کیا اول فول بک رہی ہے۔'' چاچی نے اسے ٹوکا۔

''چاچی جی پاک بی بی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ وہ ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔'' وہ ایک بار پھر بین کرنے لگی۔ شور سن کر میں اور جاشر کمرے سے دوڑے آئے کہ کہیں اماں جی کو تو کچھ نہیں ہو گیا۔ نذیراں کے جملے نے میرے قدم جکڑ لیے۔ کل ہی تو میں ان سے مل کر آئی تھی کتنی مسرور اور مطمئن تھی وہ جیسے کوئی من چاہے سفر کا قصد کرتا ہو جیسے کسی کو محبوب سے ملنے کی جلدی ہو، یک دم میرا خیال اس بر ے حال مجاور کی طرف گیا تھا۔ سارنگ کو آج معافی مل جانی تھی اس کی سزا ختم ہو جانی تھی کیونکہ وہ خود کو جس کا مجرم سمجھتا تھا وہی اس فانی دنیا سے کوچ کر گئی تھی۔ آج کئی سالوں بعد منصب لالہ نے بھی واپس لوٹ آنا تھا۔

اس سفر میں حاصل کی راہ میں سرمئی ہی چلی نہ پاتے ہوئے بھی سب کچھ پانا اس کے مقدر میں لکھا جا چکا تھا اور آج برسوں بعد مجھے یہ بات سمجھ آ گئی تھی پاک بی بی کے کہے آخری الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔

''یار منادن اوکھا پر رب نوں منادن سوکھا
یار تے ویندے دھوکا پر رب نا ہوندا اوکھا
ایک گل پلے بندھ لو لوگوں
عشق سچا سائیں دا
عشق سچا سائیں دا......!''

دل نہیں ٹھہرا

نازیہ جمال

"آپا جی! آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ لڑکی پڑھی لکھی، سلجھی ہوئی اور سمجھ دار ہو۔" بتول نے منیرہ کے بے حد سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے وضاحتی انداز میں کہا۔

"ہاں میں نے یہ تو کہا تھا کہ لڑکی پڑھی لکھی ہو، مگر یہ نہیں کہا تھا کہ اس کی آنکھوں پہ میرے نمبر جتنا کھوپہ چڑھا ہو، سر آدھے سے زیادہ سفید ہو۔" منیرہ چبا چبا کر بولیں۔

"ہاتھ دیکھے تھے ابھری ہوئی رگوں والے، غضب خدا کا تین تین ایم اے کی ڈگریاں حاصل کرچکی تھی۔ نجانے کیا عمر ہوگی اب ایک وقت میں ایک ہی ایم اے کیا جاسکتا ہے نہ کہ تین تین۔ ناں بھیا! مجھے بھولانی ہے کوئی دیورانی نہیں۔" منیرہ نے دونوں ہاتھ حلفیہ انداز میں اوپر اٹھاتے ہوئے حتمی انداز میں کہا تو بتول بے ساختہ لمبی سانس بھر کر بولی۔

"ٹھیک ہے آپا جی! ایک دو اور اچھے رشتے میری نظر میں ہیں، میں آپ کو وہاں لے چلوں گی۔ ان شاء اللہ آپ مایوس نہیں ہوں گی۔" بتول نے یقین سے کہا تو منیرہ طنز سے ہنکارہ بھر کر بولیں۔

"رہنے دو بتول، یہ جو پچھلے دو ہفتوں سے تو مجھے لور لور ایک گھر سے دوسرے گھر لیے پھر رہی ہے ان کے بارے میں بھی تو نے مجھے یہی آس دلائی تھی۔"

"نہیں، نہیں آپ بے فکر رہیں۔ اب من پسند چیز چھانٹ کے تو لینی ہی پڑتی ہے۔ مجھے بس واپسی کا کرایہ دے دیں۔" بتول نے جلدی سے مدعا پیش کرتے ہوئے رخصتی کا عندیہ دیا۔

"ہاں تم اپنا کرایہ ضرور پورا مارلو۔ چاہے میرا کام پورا ہو یا نہ ہو۔" منیرہ نے تکیہ کے نیچے سے اپنا چھوٹا پرس نکالا اور اس میں سے سو روپے نکال کر بتول کی ہتھیلی پہ تقریباً پٹختے ہوئے جتا کر کہا۔

♥ ...... ☾ ...... ♥

"حسن! ارے حسن بیٹا ادھر آؤ ذرا۔" منیرہ کچن کے دروازے سے منہ نکال کر بیٹے کو آوازیں دینے لگیں۔

"جی امی! آپ نے بلایا۔" حسن ماں کی آواز پر باہر آکر مودب انداز میں پوچھنے لگا۔

"بیٹا! گیس کا وال مجھ سے نہیں کھل رہا۔ بہت ٹائٹ ہے۔ بہت زور لگایا سانس پھول گئی مگر یہ نہ کھلا۔"

"تو امی اس لیے تو کہتا ہوں کہ جلد از جلد بھابی لے آئیں۔ ایسے بیسیوں وقت طلب کام ہیں جو آپ نہیں کرسکتیں۔" اس کے مضبوط مردانہ ہاتھوں نے دال کھولنے میں ایک سیکنڈ کا بھی وقت نہیں لیا۔

"ہاں جیسے بھابیاں بازار میں ملتی ہوں، بس جاؤ پسند کرکے لے آؤ۔" منیرہ قدرے ناراضگی سے بولیں۔

"تو گویا آپ کی مہینہ بھر سے جاری 'بہو نیٹ کمپین' فی الحال کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوپائی۔" حسن نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور چڑھ کر سلیب پہ بیٹھ گیا۔

"ارے کہاں، خدا پوچھے اس بتول سے، ایسی ایسی لڑکیاں دکھاتی ہے میرا تو دل جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔" چولہا جلاتے ہوئے منیرہ تپ کر بولیں۔

"نہ رنگ روپ، نہ اوڑھنے پہننے کا سلیقہ، بس سر پہ ڈگریوں کی گٹھڑی لدی ہے، اب میں نے بہو سے کوئی نوکری کروانی ہے۔ میرا معین ماشاء اللہ قد آور اور مضبوط جسم کا مالک ہے۔ بڑی بڑی روشن آنکھیں، اب لڑکی بھی تو اس کے جوڑ کی ہونی چاہیے۔" وہ تیزی سے آلو چھیلتے ہوئے بولیں۔

"امی! یہ شکل صورت اتنی اہم نہیں ہوتی، بس لڑکی کی سیرت سے غرض ہونی چاہیے۔ اس گھر کو ایک سگھڑ، سلیقہ

شعار اور خالصتاً گھریلو لڑکی چاہیے جو آپ کو حقیقی معنوں میں بیٹی سا سکھ دے۔'' حسن سنجیدگی سے بولا تو منیرہ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''کیا خوب کہی' میرا معین خوب صورت' شریف اور سب سے بڑھ کر سرکاری بینک میں منیجر ہے۔ اس کے لیے میں اس کے جوڑ کی ہی لاؤں گی۔ خوب صورت بہو کی چاہ تو اس ماں کو بھی ہوتی ہے جس کا بیٹا آوارہ' نشئی اور بے روزگار ہو اور میرا معین تو لاکھوں میں ایک ہے۔'' بڑے بیٹے کے نام پہ ان کے لہجے میں ممتا کی شیرنی گھل گئی تھی۔

''او کے بیسٹ آف لک۔ خدا کرے کہ جلد ہی آپ کو اپنا گوہر مقصود مل جائے اور میرے دیر کے سہرے کے پھول کھلیں۔'' حسن نے مسکراتے ہوئے دعائیہ انداز میں کہا اور سلیب سے نیچے اتر آیا۔

''ہاں خدا وہ دن جلد لائے۔ تم ذرا بتول کو فون کر دو۔ پتہ نہیں کب آئے گی۔'' منیرہ نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

♥ ...... ☾ ...... ♥

''خدا پوچھے تم سے بتول! پتہ نہیں اور کتنا خوار کرواؤ گی مجھے۔ جوتیاں تک تو گھس چکی ہیں۔ ٹانگیں جواب دینے پہ آ گئی ہیں۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے منیرہ یوں لمبے لمبے سانس لینے لگیں' جیسے پیدل چل کر آ رہی ہو۔ حالانکہ لڑکی کا گھر سامنے والی گلی میں چوتھے نمبر پر ہی تھا۔

دراصل وہ جب بھی بتول کے ہمراہ رشتہ دیکھنے کے لیے نکلتیں تو ایک دم فٹ' تازہ دم اور پرامید ہوتیں' مگر جب ان کے طے کردہ معیار پہ کوئی گھرانہ یا لڑکی پوری نہ اتر پاتی تو وہ بری طرح مایوس اور افسردہ ہو جاتیں۔

''آپا جی! بس یہ گنے چنے گھرانے ہی میری نظر میں تھے۔ جو آپ کی نظروں میں جچ نہیں سکے۔'' بتول نے شرمندگی سے وضاحت دی جیسے کسی لڑکی کے پسند نہ آنے میں اس کا کوئی قصور ہو۔

''دیکھو تو پورا شہر بن بیاہی لڑکیوں سے بھرا ہے' کیا بازار کیا کالج' کسی شادی میں چلے جاؤ تو ایک سے ایک پری چہرہ دکھائی دیتا ہے' مگر جب بیٹے کا فرض پورا کرنے کی نیت سے نکلو تو کوئی ایک بھی دل میں نہیں سماتی۔'' منیرہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔

''میں آپ کو اس سلسلے میں ایک گھر اور دکھاتی ہوں۔ اللہ کرے آپ کو پسند آ جائے۔'' دھوپ کی حدت میں تیزی سے کمی آ رہی تھی۔ گویا دن اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا۔

لڑکی بے حد خوب صورت تھی' نازک سراپا' تیکھے نقوش اور بے حد صاف رنگت' لوگ بھی بے حد خوش اخلاق اور مہمان نواز تھے مگر منیرہ بیگم کو یہ بھی گھر پسند نہ آیا۔

''عجیب بدسلیقہ اور بے ڈھنگے لوگ تھے۔ کوئی چیز اپنے ٹھکانے پہ نہیں تھی۔ ٹی وی ٹرالی میں جوتے رکھے ہوئے تھے۔ میں واش روم گئی' اللہ توبہ' اتنا غلیظ کہ استعمال

کے قابل ہی نہ تھا۔ جوان لڑکیوں سے بھرا گھر تھا' چمکتا ہوا ہونا چاہیے تھا اور گھر کے لڑکے تو انتہائی بدتمیز اور بے ادب تھے۔ ساتھ والے کمرے میں کتنا اونچا میوزک لگا رکھا تھا۔ معلوم بھی تھا مہمان آئی ہوئی ہیں مگر نہ جی شور شرابا اتنا کہ کان پھٹنے کو آ گئے۔ آخر شرافت' وضع داری اور سلیقہ بھی کوئی چیز ہے۔ سب کچھ خوب صورتی تو نہیں ہوتی ناں۔" بولتے بولتے انہوں نے ساتھ بیٹھی بتول سے تائید چاہی تو اس نے دھیمے سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

♥ ...... ◉ ...... ♥

"چھولے چاٹ میمونہ کو بنانی چاہیے۔" چاول صاف کرتے ہوئے حبیبہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ارے نہیں چاٹ جویریہ ہی بنائے تو بہتر ہے۔ پہلے بھی تو یہ بنانی آ رہی ہے۔ میمونہ تو ساری چیزوں کا ناس مار دے گی۔ جویریہ کے ہاتھ میں ذائقہ ہے۔" بتول نے سلائی مشین پہ پردوں کی سلائی کرتے ہوئے سر جھکائے جواب دیا۔ یہ پردے آج ہی سل کر دروازوں اور کھڑکیوں پہ لگانے تھے۔

"ارے اماں! اس لیے تو کہہ رہی ہوں چاٹ میمونہ بنائے۔ جویریہ باجی تو ایسی لاجواب کوکنگ کرتی ہیں کہ مہمان سارا چٹ کر جائیں گے۔ میمونہ بنائے گی تو یقیناً ایک چمچ لینے کے بعد مہمانان گرامی کا دوبارہ لینے کو جی نہیں چاہے گا۔ سوچیں کتنی بچت ہوگی۔" حبیبہ نے شرارتی انداز میں کہتے ہوئے میمونہ کو دیکھا جو پوچھا لگانا چھوڑ کر اسے غصیلی نظروں سے گھورنے لگی تھی۔

"تم سے زیادہ سگھڑ ہوں۔ خود کو تو ٹھیک طرح سے انڈہ تلنا بھی نہیں آتا اور اعتراض مجھ پہ کیے جا رہے ہیں۔" میمونہ بالٹی میں پوچھا نچوڑتے ہوئے طنز سے بولی۔

"لڑکیوں! باتیں ذرا کم کرو ٹائم کم رہ گیا ہے۔ مہمان بس آنے والے ہیں۔" بتول نے کپڑا جھٹک کر اپنی سلائی کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے بیٹیوں کی توجہ کام کی طرف دلائی۔

"سب سے بڑی بیٹی کبریٰ کے فرض سے تو وہ تین سال پہلے فارغ ہو چکی تھی۔ داماد جمیل اس کے مرحوم شوہر اللہ دتہ کا بھتیجا تھا۔ کبریٰ کے بعد جویریہ تھی۔ جس کے رشتے کے سلسلے میں آج مہمانوں کی آمد متوقع تھی۔

لڑکا میٹرک پاس اور کسی گارمنٹ فیکٹری میں سپروائزر تھا۔ مہینے میں تیس سے چالیس ہزار تک کما لیتا تھا گھر کا سب سے بڑا اور کفیل تھا۔ بتول تو جیسے خوشی سے نہال ہوئی جا رہی تھی۔ غربت کے سائے میں چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیے من مارتی جویریہ کے لیے ماہانہ تیس ہزار کمانے والا متوقع داماد اسے اپنی اور جویریہ کی اچھائیوں کا ثمر لگ رہا تھا۔ اس کی تو بیٹی کے دن پھرنے والے تھے۔ اس لیے خوب دل لگا کر مہمانوں کے استقبال کی تیاری کی جا رہی تھی۔

لمبے بال سلجھا کر بیچ مانگ نکالنے کے بعد ڈھیلی چٹیا گوندھتے ہوئے جویریہ کی نگاہیں آئینے میں اپنا جائزہ لے رہی تھیں۔ سیاہ آنکھوں میں یقین کی چمک تھی تو لبوں پہ شرمگیں مسکان' دبلے پتلے سراپے پہ فیروزی کاٹن کا پھول دار جوڑا خوب سج رہا تھا۔ یہ جوڑا اس نے خود سیا تھا۔

دو سال قبل میٹرک کرنے کے بعد اس نے قریبی سلائی کڑھائی کے مرکز میں داخلہ لے لیا تھا۔ کھانے پکانے کی تو وہ پہلے ہی ماہر تھی۔ بتول کی میچ میکنگ کی جاب کی وجہ سے چولہا تقریباً اس کے ذمے تھا۔ محنت' شوق اور لگن کی بدولت وہ کچھ ماہ میں ہی بیسیوں امور میں طاق ہو چکی تھی۔ حبیبہ اور میمونہ آتے جاتے اسے امتیاز کا نام لے کر چھیڑ رہی تھیں۔ کبھی تو سانولی رنگت میں شرم کی لالی گھل جاتی تو کبھی وہ محض ان کو گھور کر ہی رہ جاتی تھی۔

پردے سل چکے تھے۔ بتول نے حبیبہ کو پردے لگانے کے لیے کرسی پہ چڑھایا۔

"اماں! وہ منیرہ خاتون کے بیٹے کی شادی ہو گئی ہے جن کے ساتھ آپ شہر کا ہر گھر جھانک رہی تھیں۔" رنگ اتارتے ہوئے حبیبہ نے پوچھا۔

"ہاں منیرہ آپا کے بیٹے کی شادی خیر سے ہو گئی' بڑی

مشکلوں سے انہیں چاند چہرہ بھولی ہے۔ بہت خوش ہیں خوب صورت' نازک اور اونچے گھرانے کی لڑکی لے کر۔ من پسند بہو ملنے پہ مجھے تو انہوں نے بہت خوش کیا ہے۔ دو ریشمی جوڑے' پانچ ہزار روپے اور مٹھائی الگ۔" بتول نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

"اماں! مہمان آگئے۔" میمونہ نے اندر جھانک کر اطلاع دی تو بتول سنبھل کر بیٹھک کی طرف بڑھ گئی۔

❤ ...... ◉ ...... ❤

معین اور شمائلہ کافی لمبا ہنی مون پیریڈ منا کر گھر لوٹے' بے شمار تحائف سے لدے پھندے' ان کے چمکتے چہرے ان کی خوشی کو ظاہر کر رہے تھے۔ منیرہ بیگم تو دونوں کی بلائیں لیتی نہ تھک رہی تھیں۔ شمائلہ بے حد ہنس مکھ' باتونی اور تمیز دار لڑکی تھی۔ معین کو بھی پورا وقت دیتی' دیوروں سے ان کے من پسند موضوعات پر خوب سیر حاصل گفتگو کرتی۔ گھر میں ایک دم خوش گواریت پھیلی ہوئی تھی۔ ابھی منیرہ نئی نویلی بہو کے چاؤ اٹھا رہی تھیں کہ شمائلہ کی فیملی نے انہیں مدعو کرنا شروع کر دیا۔ شمائلہ کا ننھیال و ددھیال پورے پاکستان میں پھیلا ہوا تھا۔ محض دو دن ہی وہ ایک شہر میں ٹک پاتے تھے۔ پھر اگلے دن کسی اور رشتے دار کے ہاں دعوت کھانی ہوتی۔

ماموں بھی اپنی نوکری پہ چلا گیا۔ البتہ حسن ہفتے میں ایک بار ضرور چکر لگا لیتا' وہ انجینئرنگ کا طالب علم تھا۔ حصول علم کے سلسلے میں وہ لاہور میں رہائش پذیر تھا۔ ماں کی تنہائی کا خیال اسے ہر ہفتے گھر کھینچ لاتا ورنہ لاہور سے ہر ہفتے اپنے قصبے آنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ معین اور شمائلہ پورا ایک ماہ بعد لوٹے۔ معین کی چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں۔

شمائلہ ایک صنعت کار کی بیٹی تھی۔ اپنے گھر میں کبھی ہل کر پانی نہ پیا تھا۔ بڑے سے گھر میں وہ کبھی کچن میں جھانکی تک نہ تھی۔ ایسے میں منیرہ بیگم کی اسے گھر کے کاموں میں حصہ لینے کی پیار بھری ہدایت نے بری طرح پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔

"معین! ہائے گاڈ میں نے کبھی کوکنگ نہیں کی۔ آخر اتنی ساری میڈز کس لیے ہوتی ہیں؟" وہ معین کے کندھے پہ سر رکھ کر منہ بسور کر بولی۔

اپنی خوب صورت اور کم عمر بیوی کے لیے زیادہ تو نہیں معین کم از کم ایک کل وقتی ملازمہ ضرور ارینج کر سکتا تھا۔ منیرہ بیٹے کی بیوی کے لیے والہانہ چاہت سے بخوبی آگاہ تھیں سو لب سی لیے۔ تاہم دل میں یہ گلہ ضرور پیدا ہوا تھا کہ لاڈلے اور فرماں بردار بیٹے نے ملازمہ کے سلسلے میں ان سے اجازت تک لینا گوارا نہیں کی۔

❤ ...... ◉ ...... ❤

ماں' دو بہنوں' ایک خالہ اور پھوپی پر مشتمل مہمانوں نے کھانے سے خوب انصاف کیا۔ سموسے' چاٹ' بریانی' پھل اور کھیر نکس کو یوں بڑھ چڑھ کر کھایا جیسے انہیں ہر چیز پسند آ رہی ہے یا پھر یہ کہ پہلی بار کھا رہے ہوں۔ جویریہ کو ساتھ بٹھا کر لڑکے کی اماں نے خوب چٹا چٹ چوما' پانچ سو روپے مٹھی میں دے کر مٹھی خوب دبائی۔ رشتہ پکا ہونے کی واضح دلیل...... ! میمونہ اور حبیبہ مہمانوں کے جاتے ہی جویریہ سے مارے خوشی کے لپٹ گئیں۔

"میں تو ہفتے پہلے ڈھولک رکھواؤں گی۔" حبیبہ نے کھنکتے لہجے میں اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔

"میں خوب ڈھیر ساری کلیوں والا فراک بنواؤں گی۔ چوڑی دار آستینوں والا' باجی! آپ میرا فراک سینے کی تیاری کریں۔ میں مطلوبہ رنگ کا کپڑا ڈھونڈنے کی کرتی ہوں۔" میمونہ نے پرجوش انداز میں جویریہ سے کہا۔

"خبردار! میری بیٹی سلائی مشین کو ہاتھ تک نہیں لگائے گی۔" بتول نے بیچ میں میمونہ کو ٹوک دیا۔

"کئی سالوں سے یہ سب کرتی آ رہی ہے اب یہ چند دن تو آرام کر لے تم ساتھ والی درزن سے سلوا لو۔"

"ارے اماں! کپڑے سینے سے کیا فرق پڑتا ہے اور ویسے بھی ان دونوں کی ٹھیک فٹنگ کا مجھے ہی اندازہ ہے۔" جویریہ نے مسکراتے ہوئے میمونہ کو دیکھا جو اسے اپنی طرف داری کرتی پا کر ہنسنے لگی تھی۔

آنے والی خوشیوں کی چاپ سن کر وہ تینوں ماں بیٹیاں بے حد خوش ہورہی تھیں کہ شام کو آنے والی کال نے ان کی ساری خوشیوں کو یک دم نگل لیا۔

"دیکھیں بہن! بٹی تو آپ کی ہمیں واقعی بہت پسند آئی ہے' معصوم صورت اور بھولی بھالی' کم میرا بیٹا بھی نہیں ہے اونچا لمبا' گھبرو جوان' خوب دھوم دھام سے بارات لائیں گے' گھر آپ کا کافی چھوٹا ہے' صرف میرا میکہ ہی اس میں آجائے تو بڑی بات ہے۔ آپ کو ہوٹل میں انتظام کرنا پڑے گا۔ تین سو مہمان ہوں گے ہماری طرف سے۔ مینو بعد میں طے کریں گے لیکن یہ بات یاد رہے کہ کھانے میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔" پاٹ دار آواز میں بولتے ہوئے خاتون نے تو بتول کے حواس ہی گم کردیے۔

"ہوٹل میں انتظام....." بتول کے منہ سے کچھ ثانیے بعد سرسراتی آواز میں چند لفظ نکلے۔ تینوں بہنوں نے چونک کر ماں کو دیکھا' جس کے چہرے کا رنگ ایک دم سے پھیکا پڑتا جارہا تھا۔

"جی ہاں ہوٹل میں..... سلامی میں میرا بیٹا کار لے گا۔ میری بیٹیاں تو کہہ رہی ہیں کہ بھائی کی ساس سے سونے کے کنگن لیں گے کیونکہ ہم بھی تو پورا دس تولے سونا چڑھا رہے ہیں' مگر آپ بچیوں کو انگوٹھیاں بھی دیں گی تو بھائی کی خوشی میں وہ بھی چپ چاپ پہن لیں گی۔" وہ خاتون مگن سی بولے جارہی تھیں' ادھر بتول کا پورا جسم تقریباً بے جان ہوچکا تھا۔

❤ ..... ◉ ..... ❤

منیرہ بیگم کو بہو کے طور طریقے کچھ پسند نہ آئے تھے۔ شمائلہ دن چڑھے سوتی رہتی' آئینے کے سامنے بیٹھ کر خوب ہار سنگھار کرنے کے بعد باقی کا سارا وقت موبائل پہ فرینڈز اور معین سے گپ شپ کرنے میں گزار دیتی۔ گھر کے کاموں میں ذرا برابر بھی دلچسپی ظاہر نہ کی۔ منیرہ بیگم نے کئی دن کھول کھول کر اپنا جی جلایا مگر ایک دن صاف صاف کہہ ہی ڈالا۔

"ارے بہو! میں کوئی خوب صورت ڈیکوریشن پیس نہیں خرید لائی ہوں۔ اپنے بیٹے کی بیوی اور اس گھر کی نصف مالکن بیاہ لائی ہوں' مگر تمہیں تو کوئی فرق نہیں پڑ رہا کہ بوڑھی ساس کتنی مشکل سے کام کررہی ہے' اب میرے بیٹھ کے کھانے کا وقت ہے نہ کہ تم لوگوں کے لیے دیگچیاں کھڑکاتی رہوں۔" اتنا کھلا طنز' ناپسندیدگی کا واضح اظہار۔

شمائلہ نے ٹھٹک کر ساس کا چہرہ دیکھا' جہاں سنجیدگی اور قطعیت تھی۔ بزرگوں سے بے ادبی تو بہرحال تربیت میں شامل نہ تھا۔ سو کچھ کہے بنا اپنے کمرے میں چلی آئی' اگلے ہی لمحے معین کال پہ تھا۔

"معین! میں اس گھر میں نہیں رہ سکتی' میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ گھر کے کاموں میں مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے' مگر آنٹی اس بات کو نہیں سمجھ رہی ہیں۔ آپ مجھے اپنے ساتھ اسلام آباد لے جائیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں اپنے مما پاپا کے پاس جارہی ہوں۔" معین بے حد ذکی اور معاملہ فہم تھا۔ ماں اور بیوی کے مزاجوں میں موجود تفاوت کو پہلے دن ہی بھانپ گیا تھا۔

خوب صورت اور نفیس بہو کے ساتھ ساتھ سلیقہ مند اور سلیقہ شعار بہو بھی ماں کی پسند تھی۔ وہ یہ بات جانتا تھا' اس سے پہلے کہ ماں اس سے بیوی کی بے پروائی اور پھوہڑ پن کی شکایت کرتیں' وہ اسی ہفتے شمائلہ کو اپنے ساتھ لے جانے کے ارادے سے گھر آگیا۔

❤ ..... ◉ ..... ❤

"خوب صورت اور فیشن ایبل بالکل نہ ہو' بہت زیادہ مال دار گھرانے کی نہ ہو' اکلوتی تو بالکل نہیں چلے گی۔ پہلی بہو بھی اکلوتی تھی' تبھی تو تین ماہ ساتھ نہ ٹک سکی' بس ایسی ہو جو گھر کے کاموں میں حصہ لے۔ مجھے سکھ دے۔" منیرہ بیگم نے بتول کو مطلوبہ بہو کے کوائف سے آگاہ کیا۔

"مامون بیٹا کیا چاہتے ہیں؟" بتول نے دریافت کیا۔

''ارے ماموں کا کیا پوچھتی ہو وہ میرا بیٹا ہے' بیوی کی پسند اس نے سراسر مجھ پہ چھوڑ رکھی ہے۔ بہت مطیع اور فرماں بردار ہے میرا بیٹا۔'' منیرہ کا انداز تفاخر سے بھرپور تھا۔

منیرہ بیگم کی چوائس اس دفعہ اتنی مشکل نہ تھی' سو بتول انہیں ایک گھر بہت اعتماد سے لے گئی۔ منیرہ بیگم کی عادت تھی' جتنا وقت لڑکی والوں کے ہاں بیٹھتیں خوش اخلاقی' اور خوش مزاجی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتیں' چاہے انہیں لڑکی اور اس کا گھرانہ ذرا بھی پسند نہ آیا ہو۔ اس وقت بھی ایسا ہوا۔ موقع پر تو خاموش رہیں مگر بعد میں بتول پر خوب خفا ہوئیں۔

''بتول! تم میرے کہے کا غلط مطلب لیتی ہو' میں نے قبول صورت لڑکی کہا تھا' نہیں کہ بالکل گئی گزری کو تم میری بہو بنانے چل پڑو۔ لڑکی کے دانت دیکھے تھے۔ بولتے ہوئے پورے تین دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ جب ہنستی ہوگی تو جبڑا تو پورا باہر آجاتا ہوگا۔''

''لڑکی بے حد گھریلو اور کافی سگھڑ تھی۔'' بتول نے انہیں یاد دلایا۔

''بس تم کوئی اچھی سی لڑکی مجھے دکھاؤ۔'' منیرہ نے اچھی پر خاصا زور دیا۔

اب اچھی لڑکی سے ان کی کیا مراد تھی۔ بتول کو سمجھ نہیں آرہی تھی۔ درجنوں گھر لے گئی مگر کوئی بھی ان کے پیمانے پر پوری نہ اتر سکی۔

''کافی دقیانوسی اور پسماندہ لوگ لگے مجھے' کلینڈر دیکھا تھا تم نے پانچ سال پہلے والا لٹکا رکھا تھا۔ ماں بھی مجھے کافی گنوار لگ رہی تھی۔ بیٹی کو کیا سکھایا ہوگا۔'' بتول سر جھکائے ان کے اعتراضات یوں سنتی رہتی جیسے لڑکی کے اچھے نہ ہونے میں ان کا کوئی قصور ہو۔

''توبہ! لوگ کھانا بھی ایسے کھاتے ہیں جیسے کسی میدان جنگ میں اترے ہوئے ہوں۔ انسان کی تہذیب تو دستر خوان پہ نظر آتی ہے۔ لڑکی کی بہن کو دیکھا تھا' وہیں کھانے کے بعد پلیٹ میں ہاتھ دھو لیے۔'' بتول

نظم

سخت گرمی کا موسم ہو
دھوپ غصے سے جل رہی ہو بہت
دہن وحلقوم خشک ہوں ایسے
جیسے صحرا میں دہکتے سورج تلے
کئی دنوں کی کڑی مسافت سے تھکا ہارا' پیاسا مسافر
جس کی خواہش ہو پیاس بجھ جائے
نبض زندگی جو تھک تھک کے چل رہی ہو
سکوں میں آجائے
ایسے جاں بلب' شعلہ بار لمحوں میں
تیری ہنسی کے جلترنگ جو بجے
یوں آسماں سے مینہ برسا
ہوگئی پہلی بارش ساون کی
ہوگئی رم جھم پھوار جذبوں کی
پڑگئی جان زندگی میں بھی
اک تیری جلترنگ ہنسی کے سبب
برکھا رت نے حصار کھینچا ہے
جل تھل' جل تھل ہے مَن اور آنگن
اک تیری جلترنگ ہنسی کے سبب

شاعرہ: سباس گل
انتخاب: سدرہ شاہین' پیرووال

کا دل چاہا جیسی بہو کا خاکہ وہ لیے پھر رہی ہیں۔ اس کی حقیقی تصویر انہیں شمائلہ کے خاندان میں ہی مل سکتی ہے۔ یعنی خوب صورت' تعلیم اور تہذیب سب کچھ ایک ساتھ۔ مگر منیرہ بیگم کی سب سے پہلی شرط......!

''دوسری بہو شمائلہ سے یکسر مختلف ہو' نہ اسے دھول مٹی سے الرجی ہوتی ہو' نہ مصالحوں کی بو سے سر چکراتا ہو۔'' شکل وصورت میں اچھی' مناسب تعلیم' بے مثال سلیقہ' گھرداری سے بے پناہ لگاؤ۔ بتول کو ماموں کے لیے دلہن ڈھونڈنا بے حد مشکل کام لگ رہا تھا۔

♥......☾......♥

جویریہ کو دیکھنے کے لیے آنے والی خواتین خاصی

مہذب اور تہذیب یافتہ لگ رہی تھیں۔ نہ کھانے میں کوئی عجلت یا ندیدہ پن دکھایا' نہ ہی گھر کے درو دیوار اور اشیاء کو گھور گھور کے دیکھا۔ بس لوازمات تکلفاً چکھے۔ کرسیوں کے بیک کورز پر کی گئی کڑھائی کو سراہا۔ جویریہ کی ہنر مندی اور تخلیقی صلاحیت کا برملا اظہار کیا۔ لڑکے کی اسپیئر پارٹس کی ذاتی دکان تھی۔ بتول کا دل پرسکون تو ہوا مگر اس نے موقع پہ ہی صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

''دیکھیں میری بچیاں یتیم ہیں' مرحوم کا وارث ایک بیٹا ہے' جو چاروں بہنوں کے بعد ہوا۔ بہت چھوٹا اور لاابالی۔ میں اس سنجوگ جوڑ کے دھندے سے اپنے بچوں کو عزت سے پال رہی ہوں۔ بیٹیوں کو شرم وحیا' تمیز اور شرافت کے ساتھ ساتھ ہر نسوانی ہنر سے آراستہ کرچکی ہوں۔ اس لیے کوئی لمبا چوڑا جہیز اور اضافی اخراجات کے لیے تہہ دل سے معذرت۔''

''ارے خالہ' کیوں نہیں' ہم لوگ خود بہت سادہ اور نمود ونمائش سے کافی دور ہیں۔'' لڑکے کی بڑی بیاہتا بہن نے ہنس کر محبت سے بتول کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

''ہمارا الطاف تو ویسے ہی جہیز کے سخت خلاف ہے۔ ہمیں آپ کی بیٹیاں شکل وصورت کے لحاظ سے بہت پسند آئی ہیں۔ سلیقہ وسگھڑاپا بھی گھر سے نظر آرہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جویریہ کے ساتھ ساتھ میمونہ بھی ہمارے گھر کا اجالا بنے۔''

''جی کیا مطلب؟'' بتول ان کی بات نہ سمجھ پائی۔

''خالہ! ہمیں جویریہ کے ساتھ میمونہ کا ہاتھ بھی چاہیے۔ اپنے چھوٹے بھائی اکرام کے لیے' خدا کے لیے انکار مت کیجیے گا۔'' مہمان خاتون کے ملتجی لہجے میں اصرار' مان' محبت سب کچھ تھا۔ منیرہ سوچ میں پڑ گئیں۔

جویریہ کے سانولے چہرے پہ دھیمی شرمگیں مسکان آٹھہری تھی۔ اندرونی خوشی کا مکمل اظہار۔ البتہ میمونہ نے خوب شور مچایا۔

''اماں! میں کسی صورت جویریہ کے ساتھ رخصت نہیں ہوں گی۔ ابھی تو میں نے اس گھر کی خدمت کرنی ہے۔ بیوٹیشن کا کورس مکمل کرنا ہے۔''

''زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' بتول نے غصے سے جھڑکا۔

''میں کون سا ہتھیلی پہ سرسوں جما رہی ہوں۔ ابھی تو ایک دوسرے کو اچھی طرح دیکھنا بھالنا ہے۔ پھر دوسرے معاملات آگے بڑھیں گے۔'' بتول اسی ہفتے لڑکوں کے گھر چلی گئیں۔

گھر واقعی بے حد خوب صورت تھا۔ کھلا کھلا روشن دار۔ الطاف بھی قبول صورت اور نیک نبھاؤ نوجوان لگا' مگر بتول کی نظر برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھے نوجوان پہ بھٹک بھٹک کر پڑتی رہی۔ نوجوان کی عمر لگ بھگ کوئی بائیس سال تھی۔ چہرے پہ معصومانہ تاثرات بھی خوب مسکرانے لگتا تو کبھی گھٹی گھٹی آواز میں رونے لگتا۔ منہ سے رال بہہ رہی تھی۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ ہوش وحواس اور عقل وشعور سے محروم ہے۔

''یہ بچہ کون ہے؟'' بتول سے رہا نہ گیا۔

''یہ میرا چھوٹا بیٹا اکرام ہے۔'' ماں نے اطمینان سے جواب دیا۔ بتول تو ششدر رہ گئی۔

''آپ اس بچے کے لیے میری میمونہ کا ہاتھ مانگ رہی ہیں؟'' لہجہ بھرپور حیرانی لیے تھا۔

''ذہنی معذور بچے کے ہاتھ میں زندگی بھر کے لیے میں اپنی بیٹی کا ہاتھ کیسے تھما سکتی ہوں؟'' بتول قدرے تلخی سے بولی۔

''تو ہم نے بھی اپنے بیٹے الطاف کے لیے وہاں سے لڑکی لینی ہے' جو میرے اکرام کا سسرال بھی کہلائے۔'' خاتون کا لہجہ دوٹوک اور قطعی تھا۔

بتول نے غور سے سامنے کھڑی عورت کا چہرہ دیکھا۔ جس پہ چھائی سختی اس کے الفاظ کی صداقت کا واضح ثبوت تھی۔ بات ختم' نہ کوئی بحث نہ دلیل۔

اس گھر سے نکلتے ہوئے بتول کو لگ رہا تھا کہ ساری زندگی میچ میکنگ کا کام کرتے رہنے کے باوجود بھی وہ ابھی اناڑی ہے' کیونکہ اپنی بیٹیوں کو تو وقت پہ مناسب بر

ڈھونڈ کے نہیں دے رہی تو دوسروں کی بیٹیوں کا خاک رشتہ جوڑ پائے گی۔

صائمہ واقعی بے حد پھرتیلی اور سگھڑ تھی۔ آتے ہی سارے گھر کو ہاتھوں میں لے لیا۔ صفائی کا اتنا جنون کہ سات مرلے کا گھر ہفتے میں ایسا چمک اٹھا کہ کیا منیرہ بیگم خود چمکاتی ہوں گی۔ ہاتھوں میں ذائقہ ایسا لاجواب کہ حسن مذاق میں بھابی کو شیریں آپا کہہ بیٹھتا۔ ہر کام وقت پہ ختم' ہر چیز وقت پہ تیار۔

صائمہ صفائی پسند اور سلیقہ شعار ہونے کے ساتھ ساتھ کافی زندہ دل' ہنس مکھ اور ہلے گلے کی شوقین تھی۔ ہفتے میں ایک بار تو لازمی اپنے گھر میں دوستوں اور کزنز کی پارٹی رکھ لیتی۔ گھر نوع بہ نوع کھانوں کی خوشبوؤں سے مہک اٹھتا۔ قہقہے' ہنسی' رونق۔ تنہائی کی ماری منیرہ بیگم کو گھر کی یہ چہل پہل کافی پسند آتی۔ صائمہ کی بہنیں' کزنز اور فرینڈز سب صائمہ کی ہی ہم مزاج تھیں۔ باتونی' خوش اخلاق اور ہر بات کے اختتام پہ طویل قہقہہ لگانے والی' منیرہ بیگم کو خوب کمپنی دیتیں۔ مامون اور صائمہ خود بھی اکثر و بیشتر صائمہ کے گھر والوں کی طرف مدعو رہتے۔

معین اور شمائلہ نے بھی اپنی طرف آنے کی دعوت دی۔ معین نے گھر بہت بڑا خریدا اور شمائلہ نے اسے خوب اچھی طرح سنوار رکھا تھا۔ بڑے بڑے کمرے وسیع لاونج' طویل ہال' ہر چیز سے جھلکتی امارت و خوش ذوقی۔ صائمہ کی نظریں تو گھر کو دیکھ دیکھ کر سیر ہی نہیں ہو پا رہی تھیں۔ کیا کچھ نہیں تھا ان نظروں میں' رشک' حسرت حسد' ہاں لب تعریف سے تر تھے۔

''اللہ بھابی! اتنا پیارا گھر ہے' بالکل ٹی وی ڈراموں کے جیسا۔'' شمائلہ محض نزاکت سے مسکرا دیتی اور سامنے لان نے تو اس کی قوت گویائی سلب کر دی تھی۔

کورین گھاس کا بچھا مخملیں سبز قالین' نوع بہ نوع خوش بولتا تے ملکی و غیر ملکی پھول' بے شمار پودے' قطار در قطار کیاریاں۔ ایک نظر کا نظارہ آنکھوں کے ساتھ ساتھ دل کو بھی تراوٹ بخشتا۔ شمائلہ اور معین نے نئے نویلے دولہا دلہن کی خاطر میں کوئی کسر نہ چھوڑ رکھی۔ خوب گھمایا پھرایا' شاپنگ کروا کے ہی رخصت کیا۔

''منیرہ آنٹی جو بھی وجہ بتائیں مگر سچ یہ ہے کہ شمائلہ بھابی کا دل اس سات مرلے کے ڈربے میں گھٹ کر رہ گیا ہوگا۔ تبھی تو آج عالی شان گھر میں راج کر رہی

نظم

ایک وادی عشق کی وادی تھی
جہاں پیار کے پنچھی بستے تھے
جب ملتے تھے وہ ہنستے تھے
اور پیار کے سپنے بکتے تھے
جب چاندنی راتیں آتی تھیں
جھیلوں میں پریاں گاتی تھیں
جب رُت بہار کی آتی تھی
وہ پیار کے نغمے گاتے تھے
ایک دوسرے میں گم ہو کر
وہ دنیا بھول جاتے تھے
وہ مل کر خواب بکتے تھے
اور پیار کی کلیاں چلتے تھے
پھر آندھی زور سے ایسے آئی
سپنے ان کے سب ٹوٹ گئے
اب جھیل میں پریاں گاتی نہیں
نہ پنچھی کوئی ہنستا ہے
وہ دونوں بھی بچھڑ گئے
سپنے بھی سارے اجڑ گئے
جو آنکھیں ہر دم ہنستی تھیں
ان آنکھوں میں دکھ بولتے ہیں
وہ رو رو کر اب کہتے ہیں
وہ پیار کی باتیں جھوٹی ہیں
اقرار کی باتیں جھوٹی ہیں

شاعرہ: نزہت جبین ضیاء
انتخاب: ہانیہ خان' سعودیہ

ہیں۔" اسلام آباد سے گھر واپسی تک صرف یہی سوچ اس کے دل اور دماغ کو جکڑے رہی۔
اگلے دن سارا حلقہ احباب سیر و تفریح کی تفصیل جاننے کے لیے آدھمکا' کہاں کہاں گئے' کیا کیا خریدا؟ اب ساری عزیز اور ہم جولیاں اکٹھی ہوں اور ماہر پکوان صائمہ کچھ خاطر مدارات نہ کریں' ایسے بھلا ممکن تھا؟ فوراً بریانی' قورمہ اور کباب بنانے میں جت گئی۔ مدد کرنے کو کافی لیبر موجود تھی۔ لگے ہاتھوں کھیر کمس اور کوفتے بھی بن گئے' آئس کریم بازار سے منگوالی گئی۔
منیرہ بیگم کو بھی شامل طعام ہونے کی دعوت دی گئی مگر انہوں نے اکیلے کھانے کو ترجیح دی۔ بھلا کھایا کیا بس چند نوالے ہی لے سکیں۔
صائمہ کی کزن کے چار سالہ بیٹے نے گملے کے سارے پھولوں کو نوچ نوچ کر برباد کردیا تھا۔ صحن میں ہر طرف پھول کی پتیاں اور پتے بکھرے پڑے تھے۔ منیرہ کے توجہ دلانے پہ ماں نے پرشفقت گھوری سے صاحب زادے کو نوازا مگر وہ اپنے شغل سے باز نہ آیا۔ پھولوں کا حشر نشر دیکھ کرانہیں بہت دکھ ہوا تھا۔ کسی سہیلی کی بچی آنکھ بچا کر حسن کے کمرے میں گھس گئی۔ انک کی بوتل کھول کر سارا کارپٹ نیلو نیل کردیا۔ کتابیں الٹ پلٹ کر رکھ دیں۔ منیرہ بیگم کا سارا تحمل' سارا ضبط مہمانوں کے جاتے ہی غائب ہوگیا۔
"اگر دوبارہ میرے گھر میں ہنسی ٹھٹھول کا مقابلہ منعقد کروانا ہو تو اپنی ان سکھیوں سے کہہ دو اپنے بدتمیز اور لاڈلے بچوں کو کم از کم گھر چھوڑ کے آئیں۔" وہ غصے میں ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولیں۔
"اچھا تو کیا آپ جب کسی کے گھر جاتی تھیں تو بچے گھر پہ چھوڑ کر جاتی تھیں؟" بجائے شرمندہ ہونے کے صائمہ نے تمسخرانہ انداز میں ان سے پوچھا۔
انہوں نے ٹھٹک کر بہو کا چہرہ دیکھا جس کی آنکھوں میں لحاظ تھا نہ لہجے میں تمیز۔ ان کی جہاں دیدہ اور باریک بین نگاہیں صائمہ کو اندر تک دیکھ چکی تھیں۔ صائمہ ایک متوسط گھرانے کی لڑکی تھی۔ گھر میں روپے پیسے کی چہل پہل تو نہ تھی مگر ضروریات زندگی آسانی سے پوری ہو جاتی تھیں۔ گھر میں روپے پیسے کو انتہا کی احتیاط اور کافی سوچ بچار کے بعد ہی خرچ کیا جاتا تھا۔ باپ حساب کتاب کا ماہر تو ماں کفایت شعار تھی۔ سو شوہر کے گھر آکر دیکھا کہ انسانی جذبات کی تسکین روپے پیسے سے بہرحال زیادہ مقدم ہوتی ہے۔
شوہر ماہانہ ہزاروں کمانے والا' سادہ طبیعت' نہ کسی چیز کی ٹوہ نہ غیر ضروری باتوں میں دخل دینے کی عادت۔ اپنی خوش نصیبی پہ خوب خوب رشک کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے جذبہ نمود و ریا کی تقویت کا سامان بھی بہم اکٹھا کیا جاتا۔ ہر ہفتے پارٹی' کھانے پینے پہ ہزاروں روپے خرچ' ہفتے بھر کا سودا ایک دن میں ختم۔ وہ ماں تھیں' بیٹے کی محنت کی کمائی یوں بے دردی سے لٹتا دیکھ کے خوب کھولتیں۔ منہ سے کچھ نہ کہتیں مگر چہرے کے تاثرات سے صائمہ پہ ان کی دلی کیفیت پوری طرح عیاں ہو جاتی۔
اور وہ کون سا ان کی کھولاہٹ کو خاطر میں لانے والی تھی۔ دل و نگاہ میں تو بس شائلہ کے گھر کی تصویر بس گئی تھی۔ چھوٹے سے صحن والے گھر میں ایک دم سے گھٹن ہونے لگی تھی۔ جیسے ہوا کا ایک جھونکا بھی یہاں نہ آتا ہو۔ تنگ و تاریک کوٹھڑی' اونچی دیواروں والے کابک' مامون نے بھی اپنی کیفیت بیان کردی۔
"چھوٹا گھر...... تنگ کمرے؟" وہ حیران ہوا۔
"نیچے چار کمرے اوپر تین' ہر کوئی آرام سے رہ رہا ہے' پھر تنگی کہاں سے ہوگئی؟"
"افوہ! آپ سمجھ نہیں رہے' چار کمروں کے آگے سیدھا برآمدہ صحن اتنا چھوٹا کہ بس چار قدم چل پاؤ' لان تو سرے سے ہے ہی نہیں۔ چند گملوں کے نام پہ سبزہ دکھائی دیتا ہے' نہ ڈائننگ روم' بس برآمدے میں رکھی ٹیبل پہ کھالیا۔ یہ کوئی گھر ہے' نہ خوب صورتی نہ اسٹائل۔" وہ اب کھل کر بولی۔
"لیکن صائمہ! یہ ہمارے مرحوم ابوجی کا بنایا ہوا گھر

ہے اس کی اینٹ اینٹ میں ان کی خون پسینے کی کمائی شامل ہے۔ پرانا تو ہے مگر مجھے اس سے بہت پیار ہے۔'' مامون پیار سے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''لیکن مجھے اس گھر میں بالکل نہیں رہنا' پرانی اینٹوں کے فرش کو میں کب تک رگڑ رگڑ کر چکاتی رہوں۔ ان بوسیدہ دیواروں کی آرائش کرنے کو میرا بالکل جی نہیں چاہتا۔ مجھے کسی اچھے علاقے میں بڑا سا گھر خرید کر دیں...... بس۔'' وہ بچوں کے سے انداز میں مچل اٹھی۔

''لیکن امی جی اس گھر کو کبھی نہیں چھوڑیں گی' وہ علیحدہ گھر لینے کی اجازت بھی نہیں دیں گی۔'' مامون رسانیت سے بولا۔

''تو ان سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولی۔

''ہم دونوں نے وہاں جاکر زندگی بسر کرنی ہے انہیں یہ گھر چھوڑنا بھی نہیں چاہیے' ان کے مرحوم شوہر کا گھر ہے۔'' اس نے اعتماد سے بات مکمل کر کے مامون کو دیکھا جو لب بھینچے اسے گھور رہا تھا۔

❤......◉......❤

''حبیبہ! مجھے سامان کی لسٹ بنا دے' میں جا کر بازار سے لے آؤں۔'' بتول نے تھکی تھکی سی آواز میں حبیبہ کو آواز دی۔

''کوئی لسٹ وسٹ نہیں ہے' بس سیدھے سیدھے کوئی سا بھی فروٹ اور ایک ڈبہ بسکٹ کا لا دیں۔'' حبیبہ نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

''ارے تو کیا مہمانوں کے سامنے دو پلیٹیں رکھے گی؟'' بتول نے اسے گھورا۔

''دو پلیٹیں بھی غنیمت سمجھیں۔ ورنہ میرا تو دل چاہ رہا ہے صرف پانی کے گلاس پہ ٹرخا دوں؟'' حبیبہ تڑخ کر بولی۔

''خوان کے خوان سجا کر رکھے' مگر ہوا کیا' بھوکے ندیدے آئے اور چر کر چلے گئے۔ نہ بات بنی نہ

حاصل وصول۔''

''تو اور کیا اماں تو کب تک مہمانوں کی فضول خاطر داری میں اپنی محنت کی کمائی لٹاتی رہے گی۔'' میمونہ بھی کام چھوڑ کر اس کی چارپائی پہ آ بیٹھی اور ماں کے کندھے دباتے ہوئے دکھی لہجے میں بولی۔

''تو نے گھر کا چولہا جلانے کے لیے بڑی مشقت اٹھائی ہے پاؤں میں تیرے پھر کی جڑی ہے' کبھی وقت پہ گھر کی روٹی نصیب نہ ہوسکی اور چلی ہے لسٹ بنوانے۔'' جیبہ غصے سے بڑبڑاتی اندر چلی گئی۔

''ہاں ناں اماں! تو خود رشتے کرواتی ہے' کوئی ایسا اصول بنا کہ جب لڑکے والے کسی لڑکی کے گھر جھانکیں تو کم از کم کیک یا مٹھائی کا ڈبہ ضرور ساتھ لیں جائیں۔ انہیں بھی تو پتہ چلے کہ وہ کتنا کچھ کھا کر آرہے ہیں۔'' پاؤں دباتے ہوئے میمونہ نے ماں کا چہرہ دیکھا' جہاں برسوں کی مشقت کی کہانی رقم تھی۔

''ارے پگلی! میں کون سا کوئی وزیر ہوں' جو اصول بناتی پھروں' یہ تو معاشرے کی ریت ہے' لڑکے کی ماں' بہو ڈھونڈنے کی خاطر دس گھر جائے گی تو کیا دس گھر کیک لے جائے گی؟'' بتول نے ہنس کر سر جھٹکتے ہوئے کہا' پھر چارپائی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''میں ذرا بازار کا چکر لگا آؤں' تھوڑا بہت کچھ تو ہو' آخر تو اضع کرنی ہے ناں۔''

''اماں! تو خوامخواہ کا خرچہ کررہی ہے۔ میری مان لے تو تیرا ایک دھیلا بھی خرچ نہیں ہوگا۔''

کبریٰ اپنے دو سالہ بیٹے کو اندر سلا کر باہر چلی آئی۔ اسے آج بتول نے خود بلایا تھا کہ جویریہ کو دیکھنے کچھ خواتین آرہی ہیں' تم آکر ان سے ملو۔

''دیکھ کبریٰ! تجھے میں سو واری کہہ چکی ہوں کہ میری جویریہ کے لیے اپنے دیور کا نام مت لے۔'' بتول ایک دم سے غصے میں آکر بولی۔

''کیوں اماں! آخر ارشاد میں کیا برائی ہے؟ بہنیں ہیں' مل کر اکٹھی رہیں گی۔'' کبریٰ ماں کے غصے سے خائف ہوئے بغیر بولی۔

''برائی کیا ہے؟ کوئی ایک برائی ہو تو بتاؤں' نکما' نکھٹو' ہتھ چھٹ' بدزبان اور کہاں میری نازک کومل جویریہ' کوئی جوڑ ہے ان کا؟'' بتول نے کمر پہ دونوں ہاتھ رکھ کے بیٹی کو گھورا۔

''تو تیری اس نازک اور کومل بیٹی کو بھلا کس نے پسند کرلیا ہے۔ جو بھی آتا ہے' کبھی جہیز تو کبھی اس بوسیدہ' کسی بھی وقت گرنے کو تیار گھر کو جواز بنا کر لوٹ کے نہیں آتا۔ ہزاروں کی سلامی' لاکھوں کا جہیز' تو بیوہ عورت کیا کیا کرسکتی ہے۔ پیچھے دو اور بھی بیٹھی ہیں۔'' کبریٰ ترحم بھری نظروں سے ماں کو دیکھتے ہوئے دل گیر انداز میں بولی۔

''کچھ بھی ہو' پیسے بچانے کی خاطر میں جویریہ کو اس کے ساتھ نہیں بیاہ سکتی' ہاں ہوں' آخری دم تک اس کا جوڑ ملانے کی کوشش کروں گی۔'' بتول نے ایک گہری سانس لی اور باہر چل دی۔

❤......☾......❤

آج صبح سے ہی ہنگامہ بپا تھا۔ صائمہ کی برتھ ڈے تھی اور ہر آنے والی کے ہاتھ میں چمکیلا ڈبا تھا۔ ٹیبل اور کرسیاں باہر ہی ارینج کردی گئیں تھیں۔

آج تو سب کی چھب ہی نرالی تھی۔ تیز میک اپ' اسٹائلش ملبوسات' قہقہوں کی جھنکار اور اوپر سے اونچی موسیقی کا شور۔ منیرہ بیگم سے ظہر کی نماز پڑھنا دوبھر ہو رہا تھا۔ جائے نماز لپیٹ کر باہر آئیں تو اس وقت صائمہ کی چھوٹی بہن رادھا تیری چنری پہ تھرک رہی تھی۔ اسی دم عقب سے انہیں کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔

حسن کے کمرے میں کافی تعداد میں بچے موجود تھے۔ بیڈ پہ اچھلتے' کمپیوٹر سے چھیڑ چھاڑ کرتے' ڈریسنگ ٹیبل پہ موجود کریموں اور لوشنز کو برباد کرتے ہوئے' مگر ان کا بی پی اس وقت شوٹ کر گیا جب انہوں نے صائمہ کی دوست کے پانچ سالہ بیٹے کے ہاتھ میں حسن کی ٹرافی دیکھی۔ ٹوٹی ہوئی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ' فوراً آگے بڑھ کر بچے کے منہ پہ تھپڑ دے مارا۔ باقی بچے اسی دم باہر نکل گئے' ڈر

کے مارے نہیں بلکہ ماؤں کو یہ بتانے کہ اولڈ لیڈی ساحل کو مار رہی ہیں۔

"ہائے میں مرگئی میرا ساحل۔" والدہ محترمہ فوراً اندر کو لپکیں۔ سجی سنوری صائمہ سخت خجالت کا شکار ہو رہی تھی۔ اچھی خاصی محفل کا مزہ کرکرا کر کے رکھ دیا تھا۔

دل سے اٹھتی غصے کی لہر کو بدقت دباتے ہوئے ساکت و متفکر مجمع کو چیراپ کیا۔ محفل برخاست ہونے کے بعد تو ساس سے اس بہیمانہ حرکت کی وجہ ضرور پوچھنی تھی۔

"میرے حسن نے دوڑ کے مقابلے میں ٹرافی جیتی تھی۔ پورے دس اسکولوں کو ہرا کے اور اس چھٹانک بھر کے بچے نے پل بھر میں اسے توڑ دیا۔ میرے بچے کی لیاقت کا انعام۔" وہ بولتے بولتے آبدیدہ ہوگئیں۔

"لالچ، حرص، خودغرضی اور فریب قناعت، سے خالی دل کا ساز و سامان ہوتے ہیں۔" صائمہ نے ان کے اخلاق و احساس سے عاری رویے پہ خوب خوب تنقید کی۔ جابر، حاکمانہ پسند، اپنی خوشیوں اور چھوٹی چھوٹی معصوم خواہشوں کا قاتل گردانتے ہوئے میکے چلی گئی۔ نرم خو اور صلح جو مامون نے کئی مرتبہ واپسی کا کہا مگر واپسی کا ہر راستہ علیحدہ گھر سے مشروط تھا۔ وہ بے حد پریشان ہوا تھا۔

"بیٹا! تم ایک اچھا گھر لے سکتے ہو، ماشاء اللہ اچھی نوکری پہ فائز ہو جاؤ بہو کو لے جا کر الگ گھر میں رکھو۔" منیرہ محبت سے مامون کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔ ایک ماہ ہو چکا تھا، صائمہ کو میکے گئے بیٹے کی بے چینی، اضطراب اور بے کلی کو بغور دیکھ رہی تھیں، جانتی تھیں کہ صائمہ میں ان کے بیٹے کی جان ہے، رات گئے تک سگریٹ پھونکتا رہتا۔ خود جا کر صائمہ سے دبے لفظوں میں معذرت کرتے ہوئے اسے ساتھ چلنے کو کہا، مگر اسے تو لگ رہا تھا کہ یہی موقع تو ہے اپنے خواب کی تعبیر پانے کا۔

"امی! آپ اکیلے کیسے رہیں گی؟" مامون انہیں دیکھتے ہوئے روہانسا ہو کر بولا۔

دریچے اداس ہیں

شاخیں بہت اداس، پرندے اداس ہیں
تم کیا گئے کہ گاؤں کے رستے اداس ہیں
تم کیا گئے کہ شہر کی رونق چلی گئی
تم کیا گئے کہ پھول سے چہرے اداس ہیں
تم کیا گئے کہ خواب بھی آنکھوں سے چھن گئے
تم کیا گئے کہ جھیل کنارے اداس ہیں
تم کیا گئے کہ صحن سے وہ چاندنی گئی
تم کیا گئے کہ شام کے لمحے اداس ہیں
تم کیا گئے کہ چاند بھی ہنسنے سے رہ گیا
بچے بہت اداس، کھلونے اداس ہیں
تم کیا گئے خلوص کی بستی اداس ہے
تم کیا گئے کہ دشت کے ٹیلے اداس ہیں
تم کیا گئے کہ ساری کہانی بدل گئی
تم کیا گئے کہ اپنے قبیلے اداس ہیں
تم کیا گئے کہ بام کی زینت نہیں رہی
آنکھیں بہت اداس، دریچے اداس ہیں

شاعر: راشد ترین
انتخاب: اشنہ غفار، کراچی

"میں حسن کی شادی کر دیتی ہوں، بس میرے بچے کا دل اور اس کا گھر آباد رہے، ایک ماں اس کے علاوہ اور کیا چاہ سکتی ہے۔" بھیگے لہجے میں بولتے ہوئے انہوں نے مامون کے سر کو اپنے کندھے سے لگا لیا۔ ان کی آنکھوں سے خاموش آنسو پھوٹ نکلے تھے۔

♥ ...... ◉ ...... ♥

"بتول! تو مجھے اداس اور کافی کمزور لگ رہی ہے؟" انہوں نے چشمے کے اوپر سے بغور بتول کو دیکھا تھا۔

"ہاں آپا! میری بچی جویریہ کی بات کہیں نہیں بن پا رہی۔" بتول نے دکھی انداز میں سر اثبات میں ہلایا۔

"تم پریشان نہ ہو، اللہ اپنا کرم کرے گا، رشتوں میں دیر سویر ہو جاتی ہے۔" انہوں نے دل سے تسلی دی۔

"بس آپا! سمجھ نہیں آ رہی یہ زراندوزی اور حرص کی ہوا

کہاں سے چل پڑی ہے۔ جو بھی آتا ہے ساتھ میں جہیز اور سلامی کی ایک لمبی لسٹ ساتھ ضرور ہوتی ہے لڑکی سے انہیں کوئی غرض نہیں چاہے کتنی شریف' نیک اور سگھڑ کیوں نہ ہو؟'' تاسف بھرے انداز میں بتول کہنے لگی۔

''سچ کہتی ہو۔ وہ زمانے لد گئے جب شرافت' خاندانی رکھ رکھاؤ اور تہذیب ہی سب کچھ ہوتا تھا۔ اب تو روپے پیسے کی چمک نے مادہ پرستوں سے غلط اور صحیح کی پہچان ہی ختم کردی ہے۔'' انہوں نے مکمل اتفاق کیا۔

''میرے حسن کے لئے کوئی شریف' سادی اور مکمل گھریلو لڑکی دیکھو۔ نہ خاندان کی قید نہ تعلیم کی چاہ' بس لڑکی کا دل اس چھوٹے سے گھر میں بس جائے۔'' بولتے بولتے انہوں نے ساتھ بیٹھی بتول کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کر دبایا' گویا اصرار کررہی ہوں۔ بتول نے توجہ سے ان کا چہرہ دیکھا۔

وہ اسے کافی پژمردہ اور بجھی بجھی سی لگیں' لہجے سے جوش اور تفاخر بھرا مان مفقود تھا۔ جو پہلے دو بیٹوں کا پرپوزل لے جاتے وقت محسوس ہوتا تھا۔

''ایک لڑکی ہے تو سہی' یتیم' نہ لمبا چوڑا جہیز نہ اونچا خاندان' ہاں شرافت' شرم وحیا' بزرگوں کا ادب' نہ کپڑے لتے کی چاہ سب سے بڑھ کر میٹرک پاس۔'' بتول نے رک رک کر بولتے ہوئے ان کا چہرہ جانچا۔

''تو بس مجھے اس گنوں والی بچی کے گھر لے چلو' یہی اوصاف تو مجھے مطلوب ہیں۔'' وہ بے صبری سے اس کا ہاتھ تھام کے بولیں۔

♥ ...... ◉ ...... ♥

''امی! آپ کی میرج کنسلٹنٹ دوست کا فون آیا ہے کہ ان کی طبیعت سخت خراب ہے' اس ویک وہ نہیں آسکتیں۔'' حسن نے پردے کا کونا ہٹا کر انہیں پیغام دیا تو وہ چونک پڑیں' پھر چہرے پہ پریشانی چھاگئی۔

''بتول کو ابھی بیمار پڑنا تھا۔''

''امی! آپ جہاں جانا چاہتی ہیں' میں لے چلتا ہوں' بالکل فری ہوں۔'' حسن نے اندر آتے ہوئے انہیں آفر کی۔

''تمہارے لیے لڑکی دیکھنے جانا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''تو اگلے ہفتے چلی جائیں' آپ کی دوست بھی ٹھیک ہوجائیں گی تب تک۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل سے برش اٹھا کر بال سنوارتے ہوئے بولا۔

''نہیں میں ایک ہفتہ دیر نہیں کرسکتی۔ بتول بتارہی تھی کہ بچی بہت نیک اور فرماں بردار ہے' ایسا نہ ہو کہ اس ایک ہفتے میں اس کے والدین کہیں اور رشتہ طے کردیں' ایسی بچیوں کے بہت سے لوگ طلب گار ہوتے ہیں۔'' وہ سمجھانے کے سے انداز میں بولیں۔ حسن ان کی عجلت پسندی پہ مسکرا اٹھا۔

''کم آن امی! اگر اس لڑکی کے نصیب میں آپ کی چھوٹی بہو بننا لکھا ہے تو اسے کوئی اور نہیں لے جاسکتا۔'' وہ پورے یقین سے بولا پھر انہیں آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

گلی کافی تنگ تھی' کار اندر نہ جاسکتی تھی۔ مجبوراً حسن کو مین روڈ پہ ہی منیرہ بیگم کو ڈراپ کرنا پڑا' اسے دوست سے ذرا کام تھا۔

وہ کافی ناقدانہ نظروں سے اردگرد پرانے' کچے پکے اور ٹوٹے پھوٹے گھروں کا جائزہ لیتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ سیوریج کے ناقص نظام کی بدولت گلی میں جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ کئی جگہوں پر کوڑے کے ڈھیر لگے تھے۔

''یہ بتول مجھے کہاں لے آئی ہے۔'' پائنچے اوپر چڑھا کر چلتے ہوئے وہ بڑبڑائی تھیں۔

دائیں طرف کا پانچواں گھر' رک کر انہوں نے گلی کے شروع سے گھروں کی گنتی شروع کی۔ بتول کے بتائے ہوئے ایڈریس کے مطابق وہ درست گھر تک پہنچ چکی تھیں۔ لکڑی کا سبز پالش والا دروازہ' اور سامنے لٹکتا ٹاٹ کا پردہ۔ انہوں نے دروازہ کھٹکٹایا تو نوعمر لڑکی نے دروازہ کھولا۔ ادب سے سلام کرنے کے بعد انہیں بیٹھک میں بٹھایا۔ پھر خود کہیں غائب ہوگئی۔

بیگ میز پہ رکھنے کے بعد انہوں نے سانسیں برابر کیں، عینک کے شیشے صاف کر کے درودیوار کا جائزہ لینے لگیں۔ سفید دیواروں پر طغرے آویزاں تھے۔ کھڑکی پہ نسبتاً سستے بڑے بڑے پھولوں والے پردے، کرسیوں کی گدیوں اور بیک کورز پہ خوب صورت کڑھائی کی گئی تھی۔ میز پوش پہ بھی انسانی ہاتھ کی مہارت نظر آرہی تھی۔

دروازے پہ ہونے والے کھٹکے پر وہ چونک کر سیدھی ہو بیٹھیں۔ دو لڑکیاں اندر آرہی تھیں۔ ایک لڑکی نے سر پہ دوپٹہ اچھی طرح لیا ہوا تھا۔ نظریں نیچی اور ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔

سلام دعا کے بعد رسمی گفتگو چل پڑی، انہوں نے محسوس کیا کہ چائے لانے والی بچی مسلسل خاموش بیٹھی قالین کو گھور رہی تھی۔ ساتھ والی جو اس کی بہن تھی، کندھوں پہ دوپٹا پھیلائے نہایت اعتماد سے ان سے گپ شپ لگا رہی تھی۔

''بیٹا! آپ اپنی والدہ کو بلادیں، آپ تینوں پیاری بچیاں ہیں، مگر یہ معاملات بڑوں کے مابین ہی طے ہوتے ہیں۔'' انہوں نے شائستگی سے انہیں مخاطب کیا۔

''جی آنٹی، میں اماں کو بلاتی ہوں۔'' وہ کہہ کر اٹھی پھر بولی۔

''یہ لیں اماں آگئیں۔ اماں کو کئی روز سے بخار ہورہا ہے۔'' انہوں نے گردن موڑ کر دروازے کی سمت دیکھا۔ دروازہ کھولنے والی لڑکی ماں کو بازو سے تھامے اندر لا رہی تھی۔

''بتول تم؟'' وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ آنکھوں میں بے حد حیرانی تھی۔

''جی آپا! یہ تینوں میری ہی بچیاں ہیں، شریف، نیک اور تابع دار۔'' دھیمے سے بولتے ہوئے بتول سامنے کرسی پہ بیٹھ گئیں۔

''یہ میری جویریہ ہے، میری صابر وشاکر بچی۔'' بتول نے مسکراتی آنکھوں سے جویریہ کی طرف اشارہ کیا جو گھبراہٹ سے اپنی انگلیاں مسل رہی تھی۔

منیرہ کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا بولیں۔ چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد وہ جویریہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ سانولا چہرہ، گہری سیاہ آنکھیں، نرم ہاتھ پیر، سراپے پہ چھائی سراسیمگی اور گھبراہٹ واضح محسوس ہورہی تھی۔

بتول نے آس بھری نظروں سے ان کا چہرہ دیکھا، مگر کچھ بھی اخذ نہ کرسکی، پسند ناپسندیدگی، غصہ، بے زاری، منیرہ نے اسے دیکھا تو اس نے ایک دم سے نظریں چرالیں۔ ایک لمبی سانس کھینچ کر انہوں نے بتول کی جھکی نظریں دیکھیں، پھر نہایت سہولت سے اٹھ کر جویریہ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ محبت سے اس کے یخ ہاتھوں کو تھاما۔ سر پہ پرشفقت بوسہ دے کر ساتھ لپٹالیا۔

شمائلہ اور صائمہ کو پسند کرتے وقت انہیں ناقابل بیان سی خوشی اور فخر محسوس ہوا تھا جیسے بہت بڑی کامیابی نے ان کے پاؤں چوم لیے ہوں۔ جیسے کوئی گوہر نایاب کافی تگ ودو کے بعد ملا ہو۔ خوب صورت، امیر، نازک سراپے کی مالک شمائلہ، فن وہنر کی ماہر، بے حد سگھڑ اور سلیقہ شعار صائمہ، دونوں نے چند برسوں میں ان کی خوشی، ان کا فخر چھین لیا تھا۔

جویریہ کی سادہ ومعصوم صورت کو دیکھتے ہوئے فخر وخوشی کی بجائے ان کے دل میں ایک دم سے سکون اترنا شروع ہوا تھا۔ طمانیت سے لبریز دل دھڑک دھڑک کر گواہی دے رہا تھا کہ جویریہ ان کے ساتھ ان کے سات مرلے کے پرانے گھر میں خوب خوش رہے گی، انہیں خوب خوش رکھے گی، ان کے گھر کی خاموشی وویرانی بس اب چند دنوں کی مہمان تھی۔ بتول ڈبڈبائی آنکھوں سے منیرہ بیگم کو جویریہ کی انگلی میں انگوٹھی پہناتا دیکھ رہی تھی۔ ان کا رواں رواں خدا کے حضور سجدۂ تشکر بجالایا تھا۔

کھویا ہوا وقت

فاطمہ ماریہ

"تم مجھے کتنا یاد کرتے ہو؟" صالحہ ایمان نے جانے کیا سوچ کر پوچھا تو سلمان علوی اس کی جھیل سی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔

"بہت زیادہ....."

"پھر بھی کتنا۔" اس نے اس کی گہری نگاہوں سے گھبرا کر پلکوں کی جھالر گراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔" اس نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ اٹھایا۔ "تم مجھے یاد کرتی ہو صالحہ۔" وہ جانتا تھا اس کا جواب کیا ہوگا مگر پھر بھی وہ اس سے سننا چاہتا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرائی۔

"یاد تو اسے کیا جاتا ہے جو بھولا ہوا ہو تم تو میرے دل کی ہر دھڑکن میں ہو مان تم تو شاید بدل جاؤ مگر میں نہیں میں یہ بھی نہیں کہتی کہ تمہارے بدلنے سے میں مر جاؤں گی کیونکہ یہ کسی کے بس کی بات نہیں مگر زندہ ہو کر بھی زندہ نہیں رہوں گی۔ تمہارا اعتبار تمہاری محبت ہے اور میرا اعتبار میری محبت۔"

"پگلی! میں بھلا کیوں بدلوں گا تم تو میری جان ہو اور جان ہے تو جہان ہے میرا اعتبار میری محبت ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے صالحہ۔" اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا تو وہ اس کی محبت پر سرشار ہوگئی پھر وہ ایک دم گھبرا گئی اور بے اختیار پکار بیٹھی۔

"مان....."

"جی جان مان۔" اس نے اسے اپنے ہونے کا احساس دلایا۔

"مان کب آؤ گے۔" وہ ہجر کے موسم سے گھبرائی تھی۔

"صرف چھ ماہ رہ گئے ہیں پھر میں ہمیشہ کے لیے تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

"اور پھوپو..... کیا وہ.....؟"

"تم بھی ناں بہت پاگل ہو۔ ان کی فکر چھوڑو وہ مجھے بہت پیار کرتی ہیں اور میرا پیار انہیں بھی عزیز ہے زبان کی سخت ہیں مگر دل کی بہت اچھی ہیں۔"

"نہیں سلمان تم نہیں جانتے وہ صرف تمہیں پیار کرتی ہیں صالحہ سے انہیں نفرت ہے۔ اس حد تک کہ وہ ہر حد سے گزر جائیں گی تب بھی انہیں قرار نہیں آئے گا۔" وہ فقط سوچ ہی سکی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"آں..... ہوں....." وہ ایک دم چونکی تھی۔

"کچھ نہیں۔" پھر مسکرا دی سلمان اسے دیکھ کر رہ گیا وہ اس کے اندیشوں سے واقف تھا مگر کیا کرتا.....!

☆......☆......☆

مصباح علوی کا اکلوتا بیٹا سلمان علوی نجانے کب اپنی ماموں زاد صالحہ کا دیوانہ ہوگیا اور اس کی یہ دیوانگی صالحہ سے چھپی ہوئی نہ تھی وہ بھی محبت کے اس وار سے بچ نہ سکی اور اس کی دیوانگی سلمان سے بھی بڑھ گئی تھی۔ آخر بڑوں کے فیصلے سے ان کا نکاح ہوگیا وہ دونوں بہت خوش تھے مگر مصباح علوی یہ نکاح قبول نہیں کر پائی تھیں وہ صالحہ کی ماں سے ہمیشہ سے خار کھاتی رہیں۔ آمنہ علوی ان کی بڑی بھابی تھیں ان کا جرم صرف اتنا تھا کہ انہوں نے مصباح علوی کی شادی اپنے بھائی سے کروائی تھی تب جب وہ ایک مالی کے بیٹے کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں بھاگی تھی اور صبح کی روشنی میں واپس آگئی وہ ایسے کہ رات کو آمنہ علوی کی آنکھ کھل گئی تھی وہ جان گئیں وہ جو کافی دنوں سے خاموش تھی اب عزت کی بات آئی تو خاموش نہ رہ سکیں اور ادھر مصباح نکل تو آئی تھی مگر آگے اسے اعجاز (مالی کا

بیٹا) مخصوص جگہ پر کھڑا نہ ملا وہ ڈرتے ہوئے وہاں آیا ہی نہ تھا اور مصباح ادھر ادھر پریشانی سے اسے تلاش کررہی تھیں اسے وہ تو نہ ملا اپنے بھائی مل گئے وہ اسے گھر تو لے آئے مگر اسے ایک پل کے لیے بھی برداشت نہیں کر پارہے تھے۔ آمنہ نے اپنے گھر والوں کو اس کی نادانی کا بتائے بغیر شادی کے لیے راضی کرلیا' اور ایک ہفتے کے اندر اندر اس کا نکاح نعمان علوی سے ہوگیا' مگر مصباح علوی ان کی نیکی کو خاطر میں لائے بغیر ان کی دشمن ہوگئیں' سلمان علوی کی پیدائش کے دو سال بعد نعمان علوی کا انتقال ہوگیا اور مصباح دوبارہ اپنے بھائیوں کے گھر آ گئی۔ اتنے عرصے میں بھائی بھی اس کی نادانی فراموش کرچکے تھے۔ آمنہ کی شادی کے دس سال بعد جب صالحہ دنیا میں آئی تو سب بہت خوش تھے مگر مصباح نے اپنی نفرت کا نشانہ اس ننھی سی جان کو بنالیا تھا' وہ جب چھوٹی تھی تو ماں سے سوال کرتی تھی کہ پھوپو مجھے پیار کیوں نہیں کرتیں' اور ماں اسے باتوں میں لگالیتی' پھر وہ جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی خود ہی خاموشی سے سمجھوتا کرلیا اور اب وہ اندر ہی اندر ڈری ہوئی تھی......اور یہ ڈر کتنا سچا تھا یہ اسے بہت جلد پتا چلنے والا تھا۔

☆......☆......☆

مصباح علوی ان لوگوں میں سے تھیں جو کسی کی نیکی کو کسی خاطر میں نہیں لاتے اور انتقام کے پیچھے اندھا دھند لگے ہیں۔ وہ نکاح کے وقت صرف اس لیے خاموش رہی تھیں بھائی کی نظروں میں گرانے والی بھابی کی بیٹی کو اب وہ سارے خاندان کی نظروں میں گرانے کا ارادہ کرچکی تھیں' اور پھر ان کے ہاتھ موقع آ گیا بلکہ انہوں نے یہ موقع خود ہی پیدا کیا تھا...... آج سلمان اور صالحہ کی واپسی کی پارٹی تھی' وہ دونوں تعلیم مکمل کرکے واپس آگئے تھے اور اس پارٹی کا مقصد ان کی رخصتی کا دن مقرر کرنا تھا اور اس سے اچھا موقع کوئی نہ تھا۔

فون کی بیل کب سے ہورہی تھی۔

"السلام علیکم!" صالحہ کو ہی فون اٹینڈ کرنا پڑا۔

"وسلام! مجھے صالحہ سے بات کرنی ہے۔" اجنبی آواز پر وہ اچھلی تھی' اس نے تو آج تک کسی مرد کو اپنا نمبر نہیں دیا تھا اس نے گھبرا کے فون پٹخ دیا۔

"کس کا فون تھا مصباح سوچی سمجھی سازش کے ساتھ اس کے پیچھے آ کر بولی تو اسے ان کی آنکھوں میں عجیب سی سرد مہری نظر آئی اور اس کا دل کانپ سا گیا' غلط ہونے کا احساس بڑی شدت سے جاگا تھا۔

"رانگ نمبر تھا۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"تم اتنا گھبرائی ہوئی کیوں ہو۔" انہوں نے کھوجتی ہوئی نگاہوں سے جراح کی۔

"نہیں تو میں کیوں گھبرانے لگی۔" وہ سنبھل کر بولی۔

فون کی دوبارہ بیل نے اسے جی جان سے لرزا دیا

اوراس کے چہرے کا رنگ ایک پل کے لیے بدلا تھا۔ مصباح علوی نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا اور ادھر سے پھر وہی کہا گیا جو مصباح نے اسے سکھایا تھا۔ وہ اندر ہی اندر اپنے پلان پر بہت خوش تھیں...... ''تم کون ہو'' وہ پوچھ رہی تھیں اور صالحہ کوان کی نظریں اپنے آر پار محسوس ہورہی تھیں۔ وہ گناہ گار نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بن گئی تھی۔ پھر مصباح نے جانے اسے کیا کہہ کر فون رکھ دیا......

''کون تھا...... ! کیسے جانتا ہے تمہیں؟'' وہ خون آشام نظروں سے اسے دیکھ کر اونچی آواز میں بولیں اور اس نے گھبرا کران کی طرف دیکھا' گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا اور کسی کے کان میں آواز چلی جاتی تو......؟

''پھوپو پلیز آہستہ بولیں۔ میں نہیں جانتی اسے۔ رانگ نمبر تھا۔'' وہ آہستہ اور ملتجی آواز میں بولی۔

''اچھا میں آہستہ بولوں اور تمہارے کرتوتوں پر پردہ ڈالوں' تمہیں اس گھر کی عزت کا ذرا بھی خیال نہیں' میں نے بھائی جان سے کہا تھا کہ تجھے ہاسٹل نہ بھیجیں مگر انہیں تو تمہارے اوپر اعتبار ہی بہت تھا۔ صالحہ سمجھتے تھے وہ تمہیں' تم اتنی بے حیا ہو کہ تمہیں میرے بیٹے کا بھی خیال نہ آیا' وہ کتنا تمہیں چاہتا ہے۔'' اس شور پر سب لوگ تماشائیوں کی طرح ان کے اردگرد جمع ہوگئے۔ ساجد علوی اور آمنہ علوی ان کی آواز پر کمرے سے باہر آئے۔

''کیا ہوگیا ہے مصباح کیا کردیا میری بچی نے۔'' آمنہ علوی نے آگے بڑھ کران کے چلتے ہاتھ روکے' تب ہی فون کی پھر بیل ہوئی اور ہر طرف خاموشی چھاگئی۔

''سن لوتمہارا عاشق بے تاب ہے۔'' انہوں نے ایک کاٹ دار نگاہ آمنہ علوی پر ڈال کر کہا اور ساجد علوی نے آگے بڑھ کر فون ریسیو کیا۔ صالحہ سفید پڑتے چہرے اور پھٹی ہوئی نگاہوں سے مصباح کو اور فون کو دیکھ رہی تھی' جانے فون پر کیا بات ہوئی تھی۔ ساجد علوی فون پٹخ کر صالحہ کی طرف بڑھے اور اسے لگا وہ ابھی کے ابھی مرجائے گی۔

ساجد علوی نے کچھ بھی پوچھے بغیر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے پھول سے چہرے پر مارا' تھپڑ اتنا اچانک اور بھرپور تھا کہ صالحہ کا نازک وجود پوری جان سے ہل گیا۔ ساجد علوی نے اسے بالوں سے پکڑ کر ایک زوردار دھکا دیا تھا۔ اسی پل سلمان علوی اندر داخل ہوا تھا اگر وہ اسے تھام نہ لیتا تو وہ دیوار میں جا لگتی۔

''کیا ہورہا ہے یہ سب۔'' وہ اس کی حالت پر تڑپ کر بولا۔

''ماں میں نے کچھ نہیں کیا ماں میں نہیں جانتی وہ کون ہے۔'' مصباح نے آگے بڑھ کر اسے سلمان کی گرفت سے آزاد کروایا اور ایک تھپڑ سے اس کی بے ربط چلتی زبان کو بریک لگائے' سب لوگ خاموش تماشائی بنے کھڑے تھے۔ سلمان ناسمجھی کے انداز میں ان کو دیکھ رہا تھا' ماں کے اس طرح مارنے پر وہ تڑپ گیا تھا اور آگے بڑھ کر اسے تھامنے کو تھا جب فون کی بیل ہوئی۔ مصباح اسے بتانے لگیں۔ فون کی بیل اب خاموش ہوچکی تھی۔ سلمان سکتے کی سی کیفیت میں کھڑا تھا۔ صالحہ چہرہ گھٹنوں میں دیئے بیٹھی تھی تبھی بیل ایک دفعہ پھر گونجی۔ سلمان نے فون ریسیو کیا۔

''کون ہو تم؟ کیسے جانتے ہو صالحہ کو۔'' سلمان غصے سے بولا۔ پھر اسے خیال آیا ہوسکتا ہے وہ کوئی اور صالحہ نامی لڑکی ہو اور رانگ نمبر مل رہا ہو۔ اس سوچ کے آتے ہی وہ پرسکون ہوا۔

''تم جانتے ہو وہ کہاں رہتی ہے اور اس کا حسب نسب......''

''جی...... صالحہ ساجد ہاسٹل میں تعلیم کے سلسلے میں قیام پذیر رہی ہے یہاں ہی ہماری ملاقات ہوئی تھی اور وہ کسی گاؤں سے بی لانگ کرتی ہیں یہ ان کی حویلی کا نمبر ہے۔ گھر میں پھوپو چچا ان کی اپنی فیملی وغیرہ رہتے ہیں۔ سب ہی اس سے بہت پیار کرتے ہیں سوائے

اس کی پھوپو کے اور سلمان علوی اس کی ہر بات مانتا ہے' وہ ہماری شادی میں ہماری مدد بھی کرے گا۔" وہ رٹا رٹایا سبق سنا رہا تھا' مگر سلمان کی برداشت جواب دے گئی۔

"شٹ اپ۔" وہ غصے سے چیخا تھا۔

"اس پر کیوں چیخ رہے ہو وہ بھی سچا ہے میں بہت دنوں سے دیکھ رہی ہوں' یہ بہانے بنا کر اس سے ملنے جاتی ہے اس کے ہاسٹل سے آنے سے ایک ہفتہ پہلے جب میں اس سے ملنے گئی ہوں وہ آیا ہوا تھا' اور یہ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ وہ تو میں خاموش رہی کہ کلاس فیلو ہوگا' انسان کو کام پڑ جاتا ہے' اس دن اس کا خط آیا' تب میں خاموش رہی کہ کالج کی طرف سے آیا ہوگا...... پھر ایک دن میں نے اس کی کتاب میں تصویر دیکھی اور آج مسلسل آتا فون کیا کہو گے تم اسے' وہ تصویر اب بھی اس کی کتاب میں ہوگی۔" صالحہ مسلسل جھوٹ بولتی پھوپو کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب غلط ہے میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چلائی تھی۔

"تو میں جھوٹ بولتی ہوں' یہ فون جھوٹ بولتا ہے تمہارے کمرے میں پڑے گفٹ اور تصویریں جھوٹ بولتی ہیں۔ بے حیا تو ایسا کرنے سے مر کیوں نہ گئی۔" انہوں نے اسے بالوں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں......" وہ بے یقین تھی اور شاک کے عالم میں سر ہلا رہی تھی۔ سب خاموش تھے یہاں تک کہ سلمان بھی اس نے سلمان کی طرف دیکھا اسے یقین تھا کچھ بھی ہو جائے سلمان اس پر اعتبار کرے گا' اس کے کمرے کی تلاشی میں گفٹ لڑکے کی تصویریں خطوط وغیرہ ثبوت کے طور پر ملے تھے' جنہیں وہ خود پہلی دفعہ دیکھ رہی تھی' مگر اب بھی اسے سلمان پر اعتبار تھا' مگر وہ تب اندر سے بکھر گئی جب سلمان علوی قرآن پاک ہاتھ میں لیے اس کی طرف آیا' صالحہ اسے گواہ بنا کر کہو کہ یہ سب غلط ہے' تم نے ایسا کچھ نہیں کیا پلیز......"

"تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے مان۔" وہ ٹوٹے لہجے میں بولی تو وہ نظریں چرا گیا۔

"ہے اعتبار اسی لیے تو کہہ رہا ہوں' اس پر ہاتھ رکھ کر کہو تاکہ ان سب کو بھی یقین آ جائے۔" مگر اس کا ہاتھ نہیں اٹھا۔

"مان مجھے کسی اور کے اعتبار کی ضرورت نہیں' مجھے صرف تمہارا اعتبار کافی ہے اور مان جس قرآن کو ہم لوگ پڑھ نہیں سکتے' اس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا میں گناہ سمجھتی ہوں۔" وہ آہستہ مگر مستحکم لہجے میں بولی۔

"تم مجھے فلسفہ مت سناؤ صالحہ پلیز قسم کھاؤ اس کی کہ تم میری صالحہ ہی ہو۔" وہ جھنجلا کر چیخا تھا۔

حویلی کے سب لوگ صحن میں کھڑے تھے' صالحہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

☆......☆......☆

مصباح علوی خوش تھیں بہت خوش مطمئن۔ آگ لگا کر اپنے من کی آگ ٹھنڈی کر لی تھی۔ آمنہ علوی کو بیٹی کی پاک دامنی پر اعتبار تھا تب ہی اس واقعہ کے بعد ایک ماہ زندہ رہیں...... ساجد علوی نے کبھی بھی صالحہ کی طرف نگاہ نہیں اٹھائی تھی۔ سلمان علوی ہزار اذیتیں دیتا مگر وہ کچھ نہ کہتے' لفظوں سے اس کا سینہ چھلنی کرتا مگر وہ خاموش رہتے' خاندان والوں نے صالحہ سے اپنی بچیوں کو دور کر لیا تھا' مگر وہ اس کے بعد خاموش ہو گئی تھی' سلمان کی دی ہوئی ہر اذیت کو وہ مسکرا کر جھیل جاتی اور اس کی ہر اذیت ایک کوڑے سے بھاری تھی' مگر وہ اف نہ کرتی ہاں راتوں کو اٹھ کر اللہ سے دعائیں ضرور کرتی۔ سارے دن کی بھڑاس نکالتی اور اس کے دل کو سکون بھی مل جاتا۔

"اللہ جی بہت درد ہے' اللہ مجھے دوا دے دے میری آتی جاتی سانسیں میرے اندر کو چھید رہی ہیں' میرا سینہ جل رہا ہے' مجھے سکون دے' دے مجھ پر اپنا رحم کر' میری ہستی میں برپا شور تھم جائے' میری برداشت میرے دکھ سے ہار گئی' اللہ جی میں تھک گئی ہوں' میں تقدیر سے نہیں لڑ سکتی' میں اور نہیں سہہ سکتی' مجھے معاف

کردے میں بے بس ہوں ناتواں ہوں میرے گناہوں سے تیری رحمت بہت وسیع ہے مجھے معاف کردے اللہ جی بہت پیار کیا ہے آپ جانتے ہیں میرے پیار کی حفاظت کرنا اسے سکون دے دے میری آزمائش ختم کردے مجھے بے رخی مار نہ دے اللہ جی ان کے دکھ میرے دکھ ہیں یا اللہ ان کو سارے جہان کی خوشیاں دے دے ان کو پہلے کی طرح ہنستا مسکراتا بنادے اللہ جی میرے اللہ ان سے بلائیں ٹال دے ان کی طرف بری نگاہ کرنے والے کو نیست ونابود کردے اللہ جی وہ بہت پیارے ہیں بہت معصوم ہیں اور دنیا بہت ظالم ان کو اپنی امان میں رکھنا اور اللہ جی اللہ جی اللہ جی میں آپ سے مانگ رہی ہوں میں جانتی ہوں آپ صرف ''کن'' کہتے ہیں اور سب کچھ ہوجاتا ہے میں ان کو کچھ نہیں کہہ سکتی وہ اپنا خیال نہیں کرتے اور میں ان کے لیے بہت پریشان ہوتی ہوں اللہ ان کی مشکل ختم کردے دل کا سکون دے دے۔

وہ روتے روتے بے قرار ہوگئی تھی وہ اللہ سے سلمان علوی کے لیے سکون مانگ رہی تھی اپنی آزمائش ختم کردینے کو کہہ رہی تھی کتنی سچائی رقم تھی اس کے لہجے میں اس کے انداز میں مصباح علوی اندر تک دہل گئی تھیں اگلی صبح صالحہ کی آزمائش ختم ہوگئی تھی اللہ نے اسے پرسکون نیند سلا کے غم دنیا سے آزاد کردیا تھا اور مصباح علوی کی آزمائش کا آغاز ہوچکا تھا۔ سلمان علوی اس کے یوں چھوڑ جانے پر تڑپ تڑپ کررہ گیا تھا۔ اتنا کہ اسے سنبھالنا مشکل ہوگیا مگر پھر اس کی بے وفائی یاد آ گئی تو خاموش ہوگیا بہت خاموش۔

خاموش تو مصباح علوی بھی ہوگئی تھیں مگر ان کی خاموشی خوف کی وجہ سے تھی اور خاموش تو ساجد علوی بھی تھے۔ مگر ان کی خاموشی بے بسی کی تھی وہ ان کی پیاری بیٹی تھی خطا کی تھی تو سزا بھی بہت جھیلی تھی اس نے مگر اس کی زندگی میں اسے کسی نے معاف نہیں کیا تھا۔ مگر انہوں نے اس کے مرنے پر اس کی ہر خطا معاف کردی تھی۔ جو اس نے کی ہی نہ تھی۔

☆......☆......☆

''ایکسکیوزمی آپ سلمان ہیں ناں......؟'' وہ آج صالحہ کی وفات کے دس دن بعد گھر سے نکلا تھا بہت بے دلی سے مگر صالحہ کی بے وفائی اسے آج بھی اس سے متنفر کیے ہوئے تھی کاش صالحہ تم صرف مجھے چاہتی اور دیکھتیں کہ سلمان نے صرف تم سے پیار کیا اور شدت سے کیا۔ وہ اس کی سوچوں میں گم تھا جب کسی لڑکی کی آواز پر چونک کر مڑا تھا۔

''جی آپ کون......؟''

''میں ثناء ہوں صالحہ کی روم میٹ آپ کی تصویر دیکھی تھی اس کے پاس وہ کیسی ہے بہت بے وفا نکلی ہاسٹل سے نکلتے ہی بھول گئی اپنی شادی پر بھی نہیں بلایا آپ چپ کیوں ہیں؟ اچھا صالحہ نے بتایا ہی نہیں ہوگا اس پاگل کو آپ کے علاوہ کوئی یاد ہی کب رہتا ہے اور شادی کے بعد تو بالکل ہی بھول گئی ہوگی...... اچھا بتائیں وہ کیسی ہے کیا کرتی ہے آج کل؟ باقی کا حساب کتاب میں اس سے بعد میں کرلوں گی۔'' اس کی زبان کو بمشکل بریک لگے تھے اور سلمان اس کی ایک بات بھی ٹھیک سے سن نہیں پایا تھا اب بھی غائب دماغی کی کیفیت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سلمان بھائی......'' ثناء نے اس کی غیر دماغی نوٹ کرلی تھی اس لیے حیرانی سے اسے پھر پکارا تھا ''کیا بات ہے؟ Are u ok''

''جی میں ٹھیک ہوں آپ کیا کہہ رہی تھیں۔'' وہ سر جھٹک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تو ثناء کو اسے دیکھ کر جو اکسائٹمنٹ ہوئی تھی اب اس کی جگہ پریشانی نے لے لی تھی۔

''صالحہ کیسی ہے؟'' وہ بغور اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''اس کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔'' وہ ایک پل کے لیے بے چین ہوا۔

''واٹ...... کیا کہا آپ نے۔'' ثناء بے یقینی سے تقریباً چیخ پڑی تھی مگر وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا اور کچھ پل یونہی گزر گئے۔

''ہم کہیں بیٹھ کر بات کرسکتے ہیں۔'' وہ شاک کی کیفیت سے نکلتے ہوئے بولی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر قریبی ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''کیا ہوا تھا اسے......؟'' ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر وہ خاموشی سے ایک دوسرے کے بولنے کا انتظار کرنے لگے تو ثناء نے بات کا آغاز کیا۔

''کچھ نہیں......'' وہ مختصر بولا۔

''سلمان بھائی' اسے کیا ہوا تھا' وہ زندہ دل لڑکی اچانک دنیا سے کیسے چلی گئی اور آپ کے ساتھ میں تو اس کی زندگی تھی پھر آپ بتائیں گے کچھ۔'' وہ شاک کے عالم میں بے ربط بولی تھی۔

''اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔'' سلمان اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بولا' ان ہاتھوں سے اسے اذیتیں دی تھیں اس نے مٹھی بھینچ کر ٹیبل پر رکھ لیں۔

''اسے کچھ بھی نہیں ہوا اور وہ دنیا سے چلی گئی میرے ساتھ اس نے چار سال گزارے اور مجھے یاد نہیں پڑتا کہ وہ کبھی بیمار ہوئی ہو اور ان چار سالوں میں اس نے اپنی لمبی زندگی آپ کے ساتھ پلان کی تھی' وہ آپ کا ذکر کرتی بے خودی دور تک چلی جاتی اور میں ہنستی رہتی اور اسے کہتی پاگل ہو تم' بھلا زندگی کا کسے بھروسہ اور وہ ہنسنے لگتی اور کہتی مجھے بھروسہ ہے میں سلمان کے ساتھ بہت لمبی محبت بھری زندگی گزاروں گی۔ اسے صرف پھوپو سے ڈر لگتا تھا مگر کہتی سلمان سب سنبھال لیں گے' اسے اتنا یقین تھا وہ کہتی تھی سلمان کی محبت مجھے کچھ اور سوچنے ہی نہ دے گی اور......''

''پھر وہ کون تھا جس کی جدائی میں وہ مجھے بھی بھول گئی۔ مجھ سے بے وفائی کی اس نے۔'' سلمان نے اس کی بات کاٹ کر دبے دبے غصے میں پوچھا۔

''کیا کہا آپ نے......؟ صالحہ اور بے وفائی اور کس کی جدائی کی بات کررہے ہیں آپ۔'' ثناء بے یقینی والے انداز میں بولی۔ ''نہیں سلمان بھائی کوئی غلط فہمی ہوئی ہے آپ کو۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

''غلط فہمی......؟'' سلمان نے اس کے الفاظ دہرائے۔

''آپ مجھے بتائیں گے کیا بات ہے کیا کنفیوژن ہے۔'' ثناء نے الجھ کر پوچھا تو کچھ پل کی خاموشی کے بعد سلمان سب کچھ بتاتا چلا گیا وہ ثناء کو جانتا تھا صالحہ

الیہ......!!

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کہ جس کو ہمسفر جانیں
جسے پانے کی خواہش میں
ہزاروں درد انجانے
یونہی ہم گود لیتے ہیں
زمانے کے گلے شکوے
کبھی اغیار کی باتیں
کئی جاگی ہوئی راتیں
ہمیں تحفے میں ملتی ہیں
تمنا جس کو پانے کی
زباں پروردگی صورت
ہمیشہ جاری رہتی ہے
وہ جس کا نام سن کر
دل دھڑکنا بھول جاتا ہے
ہم اس خوش بخت کی خاطر
جاں پر کھیل جاتے ہیں
کبھی دکھ جھیل جاتے ہیں
مگر ایسا بھی ہوتا ہے
کہ جس کو ہم سفر جانیں
ہمارے دل کی باتوں سے
وہی لاعلم رہتا ہے

شاعرہ: فاخرہ گل...... اٹلی
انتخاب: حریم زہرا' کراچی

اکثر ثناء کا ذکر کیا کرتی تھی۔ سب کچھ جان کے ثناء مارے حیرت کے گنگ ہوگئی تھی۔

''اتنا سب کچھ ہوگیا اور آپ نے تحقیق تک ہی نہیں کی۔'' وہ حیرت کی زیادتی سے اتنا ہی بول سکی۔

''کیا تحقیق کرتا میں جب اس نے مان ہی لیا اور پھر کبھی اس نے یقین دلانے کی کوشش ہی نہیں کی اور پھر وہ فون' اس شخص نے اس کا پورا بائیو ڈیٹا بتادیا میں تب بھی بے یقین رہا مگر پھر اس نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے سے انکار کیا تو......'' اب سلمان کی عجیب سی کیفیت تھی۔

''معاف کیجیے گا سلمان بھائی آپ نے اسے کچھ بولنے کا موقع دیا...... اور جب آپ کی والدہ نے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تو اس کا یقین کون کرتا؟ آپ یقین کرتے......؟'' وہ افسوس سے نفی میں سر ہلانے لگی۔ ''سب سے زیادہ دکھ اسے آپ کے بے اعتبار ہونے کا ہوا ہوگا' جس نے اسے بولنے کے قابل ہی ناں چھوڑا اور پھر پانچ سال وہ آپ کے ساتھ رہی آپ کو اس کی پاک دامنی پر یقین نہیں آیا...... آج بھی آپ بے یقین ہیں' آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا وہ شخص جو اس دن تو بے چین و بے قرار ہوکر فون کررہا تھا پھر کہاں گیا وہ' اس کا پیار اگر وہ اتنا ہی سچا تھا تو گھر تک کیوں نہ آ گیا وہ' گھر کا پتا جانتا تھا آپ کے پاس اس کی تصویر تھی' پھر آپ نے اسے تلاش کیوں نہ کیا؟ آج کل لوگ بکتے ہیں۔ سلمان بھائی پیسہ ہر کام کروالیتا ہے آپ اپنی والدہ محترمہ کی نفرت کا اندازہ نہیں لگا سکے' وہی چشم دید گواہ تھیں ناں اس گھر میں رہنے والے کسی اور فرد کو اس کے بارے میں کیوں شک نہیں ہوا......؟ سنی سنائی پر یقین کرلیا سب نے اور سب کچھ فراموش کردیا' اس کی محبت اور آپ کی والدہ کی اس سے نفرت...... آہ...... آپ کی بے اعتباری کے بعد ہی وہ مرگئی ہوگی پانچ سال اس نے اسی امید پر گزار دیئے کہ شاید آپ اس سے پوچھ لیں' اس کی سن لیں' مگر آپ نے اس پر زندگی تنگ کردی اور وہ خاموش ہی رہی اور کون نہیں جانتا اسے خاموشی سے سہنے کی عادت تھی' آپ کی بے اعتباری سے جو چوٹ اس کے دل پر پڑی ہوگی' اس سے ہر چوٹ ہیچ ہوگی تب ہی تو اس نے کبھی اف تک نہیں کیا اور آپ...... آپ کو تو اس سے بہت محبت کا دعوا ہے ناں پھر کیوں آپ نے اعتبار کیوں نہ کیا اسے محبت کی سزا دی' کیوں اس کی سانسیں ہی اس کی سزا بنادیں' سلمان بھائی بہت ظلم کیا آپ نے' وہ تو صرف محبت کرنا جانتی تھی اور وہ اس نے کی مگر وہ نہیں جانتی تھی کبھی کبھی نفرت بازی لے جاتی ہے' وہ بہت شدت پسند تھی محبت کے معاملے میں' کوئی کیا کرتا ہے کیا کہتا ہے کیا سوچتا ہے محبت کا جواب محبت سے بھی دیتا ہے یا نہیں' اسے اس بات سے کوئی مطلب نہ تھا اور نہ ہی اس نے آپ کے علاوہ کسی سے محبت کی امید رکھی تھی۔ وہ کہتی تھی سلمان نے مجھے صرف محبت کرنا سکھایا ہے۔ جو میں ہر ایک سے کرتی ہوں' پھوپو سے بھی......'' ثناء سلمان کو زلزلوں کی زد پر چھوڑ کر روتی ہوئی چلی گئی اور سلمان کو اپنے چاروں طرف ثناء کی آواز گونجتی محسوس ہورہی تھی' اس نے بے اختیار اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا مگر آواز مسلسل آرہی تھی' وہ بکھر رہا تھا اور ٹوٹا بکھرا ہی گھر پہنچا' اس کے بکھرے سے انداز کو دیکھ کر مصباح علوی گھبرا گئی تھیں' وہ ان کی طرف آیا اور انہیں دیکھتا ہوا ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ انہیں لگا آج یوم حساب ہے۔

''ماں......'' اس نے تڑپ کے پکارا تھا۔

''ہاں میرا بچہ کیا ہوا بتا مجھے۔'' وہ اس کے انداز پر تڑپ کر بولیں۔

''مجھے صالحہ لادو۔'' وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے بازار میں بکنے والا کوئی کھلونا ہو' مصباح علوی گنگ ہوگئیں۔

''ماں کیوں کیا آپ نے ایسا' جانتی نہیں تھیں وہ میری زندگی ہے' پھر کیوں کیا آپ نے؟'' وہ سمجھا بھی تب جب کچھ نہ بچا تھا۔ سوائے بے بسی کے مصباح کو لگا وہ اب سانس بھی نہیں لے پائے گی۔

''کیا آپ کی نفرت آپ کے بیٹے کی محبت سے زیادہ تھی؟ ہاں زیادہ ہی ہوگی جو آپ کو فتح مل گئی اور مجھے میری محبت مل کے بھی نہیں ملی' مبارک ہو ماما آپ جیت گئیں۔'' وہ شکست خوردہ سا کہہ رہا تھا پھر وہ اٹھا اور ان کی طرف بنا دیکھے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں چلا گیا اور مصباح کو لگا وہ اس جیت میں اپنا بیٹا ہار گئی ہے اور یقیناً ایسا ہی تھا۔

☆......☆......☆

''میں سلمان علوی جس نے صالحہ ایمان سے محبت کی' اپنی تمام تر شدتوں سے مگر مجھے بے اعتباری لے ڈوبی' کیا تھا جو میں اس پر اعتبار کر لیتا؟ کیا ہو جاتا اگر میں اس کی سن لیتا' مگر واہ رے انا...... یہ انا مار گئی' اور وہ مجھ سے صرف مجھ سے محبت کرتی رہی' میری دی ہوئی اذیتوں کے باوجود کاش وہ مجھ سے نفرت کرنے لگتی...... میں اسے بتانا چاہتا تھا کہ میں صرف اس سے محبت کرتا ہوں مگر میری محبت خود غرض بن گئی' وہ محبت ہی کیا جو محبت پر اعتبار نہ کر سکے' کیا گزری ہوگی اس کے دل پر جب بے اعتباروں میں سب سے آگے میں تھا اور اس نے ایک لفظ شکوے کا نہ کہا' ٹھیک کہتی ہے ثناء میری بے اعتباری کی چوٹ ہر چوٹ سے بچ تھی۔ مجھے کسی سے گلہ نہیں' مجھے تو خود سے گلہ ہے کاش میں اسے کچھ کہنے کا موقع دیتا' کاش گیا وقت لوٹ آئے اور وہ مجھے آج تڑپتا دیکھ کر مجھے سمیٹ لے...... پلیز صالحہ لوٹ آؤ' مجھ سے محبت کرتی ہو ناں تو لوٹ آؤ مجھ سے جدائی برداشت نہیں ہوتی' میں بکھر رہا ہوں' پلیز لوٹ آؤ میں تمہیں سب سے چھپا لوں گا' بس ایک بار......'' اس کے رونے اور بلکنے کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

''آج میں تڑپ تڑپ کے رو رہا ہوں' دیکھو تمہارا سلمان رو رو کے تڑپ رہا ہے مجھے تھام لو......'' بے بسی کی انتہا تھی۔ مصباح علوی اس کی آواز پر ساکت بیٹھی سوچ رہی تھیں کہ کیا ملا انہیں نفرت سے۔

''کبھی سکون سے وہ جی سکیں اور نہ انہوں نے جینے دیا' دنیا تو دنیا آخرت بھی خراب کی۔ آمنہ بھابی کی نیکی ہی تھی اگر میں غور کرتی مگر کیا صلہ دیا میں نے ان کو؟ ان کی بیٹی کے دامن میں انگارے بھر کے بیٹے کو بھی خود سے دور کر دیا۔'' وہ سوچ رہی تھیں کہ وہ ابھی تک اپنے حواسوں میں کیسے ہیں' ان کا بیٹا جوان بیٹا بے بسی سے رو رہا تھا مگر وہ اسے حوصلہ نہیں دے سکتی تھیں اور یہ سزا کیا کم تھی کہ ساری زندگی مکمل حواسوں میں رہ کر روتے بیٹے کو دیکھیں سنیں گی مگر اس کو حوصلہ دینے کے لیے ان کے پاس کوئی لفظ نہ ہوگا اور کیا یہ کم سزا ہے کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے ان کا بیٹا نہ ان کو سزا دے اور نہ ان کی طرف دیکھے اور ماں کہہ کے پکارے بھی مگر مانگنے صرف صالحہ کا ساتھ جو وہ دے نہ سکیں۔ کاش کھویا ہوا وقت لوٹ آئے وہ اب رو رو کے فریاد کرتی تھیں۔

سلمان ان کو دیکھتا بھی نہ تھا' وہ اپنی ہی آگ میں جل رہی تھیں' صالحہ کے مرنے کے کچھ عرصے بعد ساجد علوی کا بھی انتقال ہو گیا تھا اب حویلی میں وہ دونوں ہی رہ گئے تھے' چچا کی فیملی شہر شفٹ ہو گئی تھی' حویلی میں نوکر چاکر ہونے کے باوجود سناٹا تھا جو کبھی سلمان کے تڑپ تڑپ کر رونے اور صالحہ کو پکارنے سے ٹوٹتا تو کبھی مصباح علوی کے رو رو کر معافیاں مانگنے سے حقوق اللہ تو معاف ہو جاتے ہیں حقوق العباد تب معاف ہوتے ہیں جب بندہ معاف کر دے' سلمان کی زندگی میں اب ساری عمر کا رونا لکھا گیا تھا' اور مصباح علوی کی زندگی میں بے سکونی اور اپنے من کی آگ میں جلنا کیونکہ کھویا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت دو جہاں بنا کر ہمارے لیے بھیجا۔ اللہ نے ان کے ذریعے اپنا ہر پیغام پہنچایا تاکہ ہم ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی آخرت سنواریں لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امراض روحانی کے ساتھ ساتھ امراضِ جسمانی کا بھی علاج بتایا ہے۔ ہم نے یہ سلسلہ قارئین بہنوں کی رہنمائی کے لیے ہی شروع کیا ہے اور اس میں موجود تمام طب نبوی ﷺ مستند کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ امید ہے آپ ان سے افادیت حاصل کریں گے۔

آج کا سلسلہ ہم نے کھانا کھانے سے متعلق احکامات پر لیا ہے۔ آج کل لوگ کھانا تو خوب کھاتے ہیں لیکن انہیں یہ نہیں پتا کہ ان کے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھانے سے متعلق کیا کہا ہے۔ ان تمام لوگوں کے لیے ہمارا یہ سلسلہ ضرور رہنمائی کرے گا۔

کھانے کے وقت شیطان سے حفاظت۔

جو شخص یہ چاہے کہ کھانے کے وقت شیطان کے شر سے محفوظ رہے اس کو چاہیے کہ بسم اللہ سے کھانا شروع کرے اور کھانا دائیں ہاتھ سے پکڑے اور داہنے ہی ہاتھ سے کھائے اس لیے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔ جس کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا وہ کھانا شیطان کے لیے حلال ہو جاتا ہے۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔

نمک کھانے کے فوائد۔

صاحب جامع کبیر نے حضرت علیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اے علی! کھانا نمک کے ساتھ شروع کرنا چاہیے اس لیے کہ ستر امراض اور بیماریوں سے نمک میں شفا رکھی گئی ہے اور ان میں سے چند یہ ہیں، جنون، جزام، کوڑھ، پیٹ کا درد، دانت کا درد واللہ اعلم۔

مریض کے ساتھ کھانا کھانا۔

اگر اتفاق سے کسی شخص کو مریض کے ساتھ کھانا کھانا پڑ جائے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے:۔

بسمہ اللہ ثقۃ باللہ و تکو کلاً علیہ

ترجمہ:۔ "اللہ کے نام سے اور اسی پر بھروسہ کر کے کھاتا ہوں اس کی برکت سے اس مرض سے یہ شخص محفوظ رہے گا۔"

کھانے میں برکت حاصل کرنا۔

فقیہ ابواللیث نے حضرت حنسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھانے کے بیچ میں سے نہ کھایا کرو کیونکہ بیچ میں برکت نازل ہوتی ہے اس حدیث کو حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

بدہضمی کا مجرب علاج۔

قادری میں لکھا ہے کہ تکیہ لگا کر کھانا کھانے سے اور کھڑے ہو کر یا سواری میں بیٹھ کر کھانے سے بدہضمی ہو جاتی ہے اور اس کے خلاف عمل سے کھانا ہضم ہوتا ہے اور تکبر بھی دور ہوتا ہے۔

فقر و فاقہ سے حفاظت۔

صاحب مطالب المومنین نے حضرت علیؓ سے روایت درج کی ہے کہ جس کسی شخص کو غسل کی حاجت ہو تو اس کو چاہیے کہ بغیر کلی کیے کھانا نہ کھائے کیونکہ ایسا کرنے سے فقر و محتاجی کا اندیشہ ہے واللہ اعلم۔

......☆☆☆......

انجیر اور بواسیر۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجیر کے فوائد کے سلسلے میں دو اہم ارشادات فرمائے ہیں۔

یہ بواسیر کو ختم کر دیتی ہے۔ جوڑوں کے درد میں مفید ہے۔ جن لوگوں کو بواسیر کی تکلیف ہو ان کو صبح نہار منہ شہد کے شربت کے ساتھ پانچ سے چھ دانے خشک انجیر استعمال کرنی چاہیے اور جنہیں تکلیف کم اور بدہضمی زیادہ ہو ان کو کھانے

سے آدھا گھنٹہ پہلے انجیر کھانے سے فائدہ حاصل ہوگا۔

جو کے فوائد۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کے فوائد میں دو اہم باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔
مریض کے دل سے بوجھ کو اتار دیتا ہے۔ فکر اور غم سے نجات دیتا ہے۔
جو کھانے سے جو خون پیدا ہوتا ہے وہ معتدل صالح اور کم گاڑھا ہوتا ہے۔ جو کو اس کے وزن سے پندرہ گنا پانی میں اتنی دیر ہلکی آگ پر پکایا جائے کہ تیسرا حصہ اڑ جائے یہ پانی جسم کی تقریباً ایک سو بیماریوں میں مفید ہے۔ یہ جسم کی گرمی اور تپش کو کم کرتا ہے بدن کو مضبوط کرتا ہے چونکہ یہ جلد ہضم ہو جاتا ہے اس لیے کمزور اور بدہضمی کے مریضوں کے لیے غذا اور دوا ہے۔ اس کا گرم پانی پینے سے گلے کی سوزش میں کمی آتی ہے۔ اس کا حریرہ قابض دواؤں کے ساتھ دست روکتا ہے۔ جو کا آٹا گوندھ کر اس میں چھاچھ ملا کر پینے سے صفراوی قے' پیاس کی شدت اور معدہ کی سوزش میں فائدہ ہوتا ہے۔ جو کا آٹا سرکہ میں گوندھ کر ہر قسم کی خارش میں لگانا مفید ہے۔ سر کی پھپھوندی کو دور کرتا ہے۔ جو کے آٹے کو شہد کے پانی میں گوندھ کر لیپ کریں تو بلغمی اورام تحلیل ہوتے ہیں۔ سفر جل (بہی) کا چھلکا اتار کر اسے جو اور سرکہ کے ساتھ پیس کر جوڑوں کے درد اور اعصابی دردوں پر لگانا فائدہ مند ہے۔ جو اور گیہوں کی بھوسی کو پانی میں ابال کر اس پانی سے کلیاں کریں تو دانت کا درد جاتا رہتا ہے۔

سرکہ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سرکہ ایک بہترین سالن ہے۔ وہ گھر کبھی غریب نہیں ہوگا جس میں سرکہ موجود ہو۔"
سرکہ گنے کے رس' چقندر' جامن' انگور' منقہ' میوہ' تاڑی' گندم' جو' کھانڈ کی راب اور دوسرے پھلوں سے تیار ہوتا ہے۔ یہ بنیادی طور پر کسی بھی شکر یا نشاستہ میں خمیر اٹھانے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ انسان کب سے سرکہ بنا رہا ہے مگر زمانہ قدیم سے اس کا ذکر کتابوں میں موجود ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں اسے غذا اور دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔
سرکہ کے کیمیاوی عمل کا باعث جراثیم ہیں' اس کا مطلب ہے کہ جراثیم کی ایک ایسی قسم بھی موجود ہے جو بیماریاں پیدا کرنے کے بجائے ہمارے لیے مفید کام کرتے ہیں ان کو دوست جراثیم کہتے ہیں۔
سرکہ بنانے میں عام طور پر ایسے پھل استعمال ہوتے ہیں جو گل سڑ گئے ہوں اور کوئی انہیں خریدنے پر تیار نہ ہو اس طرح پھلوں کی صنعت سے متعلق کارخانے اپنے یہاں کا خراب مال ضائع کرنے کے بجائے اسے منافعت میں تبدیل کر لیتے ہیں۔
آج کل تین قسم کا سرکہ بازار میں ملتا ہے ایک وہ جو پھلوں وغیرہ سے قدرتی طور پر بنتا ہے' دوسرا جو کے مالٹ سے اور تیسرا تیزاب سے مصنوعی طور پر تیار ہوتا ہے۔

بیر۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیر کو لذیز پھل قرار دینے اور اسے جنت کا میوہ ہونے کی حیثیت سے اہمیت عطا فرمانے کے بعد اس کے پتوں کو صفائی کے لیے منفرد قرار دیا۔

فوائد:

بیر کا رس نکال کر اسے کھانڈ کے ساتھ پکا کر جو شربت بنایا جاتا ہے وہ پیاس کو تسکین دیتا ہے اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ بیر کھانے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں۔ اس کا جوشاندہ پینے سے بڑھی ہوئی تلی کم ہو جاتی ہے' آنتوں کی خراش اور جلن کو دور کرتا ہے جسم کو عمدہ غذا مہیا کر کے گری ہوئی طبیعت کو بحال کرتا ہے۔ بھوک بڑھاتا ہے' اس کے مضر اثرات کو دور کرنے کے لیے اسے شہد کے ساتھ ملا کر کھایا جائے تو فائدہ مند ہے۔ خون صاف کرتا ہے اور ہاضمہ کرنے کے لیے اسے شہد کے ساتھ ملا کر کھایا جائے تو فائدہ مند ہے' اس کی کونپلوں کو پیس کر دہی میں ملا کر جلے ہوئے زخم پر لگانا فائدہ مند ہے۔

(جاری ہے)

آپ کی الجھن

ڈاکٹر تنویر [illegible]

تنویر احمد صاحب ایک آرگنائزیشنل فزیولوجسٹ ہیں ان کا نیشنل، ملٹی نیشنل، انٹرنیشنل کنسلٹنگ فرم، گورنمنٹ اور نان گورنمنٹ کے ساتھ کام کرنے کا 20 سال کا تجربہ ہے۔ انہیں تعلیمی، سماجی، تحقیقاتی اور مینجمنٹ کے شعبوں میں تنویر صاحبہ اپنے سماجی حلقہ احباب میں ان لوگوں کی جو کہ تعلیمی، سماجی، گھریلو، پیشہ ورانہ اور جذباتی مسائل کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں ان کی کاؤنسلنگ کرتی ہیں۔ انہوں نے آرگنائزیشنل فزیولوجی کا شعبہ اس لیے منتخب کیا تا کہ اداروں کو انسانی نفسیات کے بارے میں آگاہ کیا جاسکے اور اس طرح وہاں کام کرنے والوں کی کارکردگی کو بڑھایا جاسکے۔ یہ بطور استاد مختلف مقامی یونیورسٹیز میں پڑھاتی ہیں' انہوں نے بطور سماجی ماہر ترقیاتی پروجیکٹس میں بھی کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ خصوصی تربیتی ورک شاپس بھی کرواتی ہیں۔

اریبہ ملک......لاہور

سوال:۔ میں اپنے تعلیم کیریئر کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پارہی کہ میں اپنی خواہش پہ انٹر میں پری میڈیکل پڑھوں یا اپنے بڑے بھائی کی خواہش پر پری انجینئرنگ میں داخلہ لوں؟

جواب:۔آپ کا سوال آپ کی کیریئر پلاننگ اور رہنمائی سے متعلق ہے اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس کام کے لیے پیدا کیا ہے اور آپ کے اندر کون سی منفرد صلاحیتیں رکھ دی ہیں اس کو ہم طبعی رجحان یا ایپٹی ٹیوڈ کہتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں ابھی تک باقاعدہ کیریئر پلاننگ کا کوئی نظام موجود نہیں ہے اس نظام کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے معاشرتی رویوں اور سوچ کی اصلاح کرنا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے والدین کو اپنی سوچ اور رویہ تبدیل کرنا ہوگا کہ بچے کوان کی ذاتی جائیداد کا حصہ نہیں ہیں بلکہ اللہ نے امانتاً انہیں آپ کو سونپا ہے لہٰذا والدین اپنی ناآسودہ خواہشات کی تکمیل اپنے بچوں کے ذریعے کرنے کے بجائے بچوں کو اپنی خداداد منفرد صلاحیتوں کے مطابق ان کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے دیں۔

اس حوالے سے میں آپ کو یہاں یہ مشورہ دوں گی کہ آپ اپنے اندر کی صلاحیتوں کو شناخت کیجیے اور پھر فیصلہ کریں کہ آپ کو اپنا تعلیمی مستقبل کس شعبے میں بنانا ہے کیونکہ اگر آپ دوسروں کی خواہشات کے مطابق تعلیمی میدان کا انتخاب کریں گی تو نہ تو اس تعلیم میں آپ کا دل لگے گا نہ ہی بہت اچھی کارکردگی کا اظہار کرسکیں گی۔ آپ اپنے آپ سے سوال کریں کہ آپ کیا کرنا چاہتی ہیں پھر اس کے مطابق فیصلہ کریں۔

ملیحہ طارق......سرگودھا

سوال:۔ میں بی ایس کی طالبہ ہوں' میں یونیورسٹی میں ایک لڑکے کو پسند کرتی ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں جبکہ میرے والدین اس لڑکے کو میرے قابل نہیں سمجھتے اور دوسری جگہ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ آج کل میں بہت پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

جواب:۔ اخلاقی قدروں کے حامل والدین جب اپنی بیٹیوں کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دیتے ہیں تو ان کو یہ اعتماد ہوتا ہے کہ ہماری بیٹیاں ہمارے اعتماد پر پورا اتریں گی جب بچیاں اس اعتماد کو قائم کرنے سے پہلے ہی والدین کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتی ہیں تو ان کے تحفظات اپنی بچیوں کے لیے اور زیادہ ہوجاتے ہیں اور اس طرح وہ بچیوں کی جائز اور مناسب باتوں کو بھی ماننے سے انکار کردیتے ہیں۔

آپ نے بھی اپنے والدین کے اعتماد کو مضبوطی دینے کے بجائے اپنی زندگی کے اہم فیصلے اپنے ہاتھ میں لے لیے ہیں۔ ایک انسان اس وقت اپنے فیصلے کرنے کا اہل ہوتا ہے جب کہ وہ اپنی حالت خاص طور پر معاشی اس سطح پر لے جائے جہاں وہ دوسروں پر انحصار نہ کررہا ہو۔ آپ ابھی تعلیم حاصل کررہی ہیں اور آپ کے والدین آپ کی معاشی اور سماجی ذمہ داریوں کو پورا کررہے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ

یہ اہم فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اس معاشرے میں با اختیار ہوکر رہنے کا فن سیکھ لیں پھر آپ کے فیصلے زیادہ بہتر ہوں گے فی الحال آپ اپنے والدین کی باتوں پر توجہ دیں اور ان کو اعتماد میں لینے کی کوشش کریں۔

مسز غفار.....کراچی

سوال:۔ میری بچی تیرہ سال کی ہے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضد کرتی ہے' ضد پوری نہ ہو تو بدتمیزی کرنے لگتی ہے۔

جواب:۔ بچیوں کی گیارہ سال سے لے کر انیس سال تک کی عمر ان کی تربیت اور حفاظت کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ اس عمر میں تمام ماؤں کو بہت بردباری اور سمجھ داری کے ساتھ بچیوں کی تربیت کرنی چاہیے۔ اس عمر میں بچیوں کے اندر کام کرنے کی صلاحیت' تجسس اور توانائی ہوتی ہے اگر آپ ان تمام چیزوں کو درست سمت مہیا نہیں کریں گی تو آپ کی بچیوں کو بگڑنے کے امکانات زیادہ ہوجائیں گے۔ سب سے پہلے آپ اپنے آپ سے یہ سوال کریں کہ کیا آپ اپنے بڑوں کی' اپنے سسرال والوں اور اپنے شوہر کی عزت کرتی ہیں کیونکہ اس عمر میں بچیاں وہی کچھ کرتی ہیں جو کہ وہ اپنی ماں کو کرتا دیکھتی ہیں۔ آپ اپنے شوہر کے ساتھ بات بات پر ضد تو نہیں کرتیں اگر آپ خود بڑوں کی عزت کرتی ہیں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ضد نہیں کرتیں' اپنی بات منوانے کے لیے تو پھر آپ کو یہ تجزیہ کرنا ہوگا کہ کیا آپ نے اپنی بچی کو مناسب سرگرمیاں مہیا کر رکھی ہیں یا آپ کی بچی کے پاس بہت سا فارغ وقت ہے جس میں وہ فضول کاموں یا باتوں پر متوجہ رہتی ہے۔ آپ اپنی بچی کو صحت مندانہ کاموں کی عادت ڈالیں مثال کے طور پر اس سے آپ چھوٹے چھوٹے کام کروائیں اس کے ساتھ مل کر اچھی کتابیں پڑھیں یا قرآن ترجمہ کے ساتھ پڑھیں اور اس سے بات چیت کریں تو بتدریج آپ اپنی بچی کی ضد اور بدتمیزی پر قابو پالیں گی۔

مسز ضیاء الحق.....کراچی

سوال:۔ میرا چھ سال کا بیٹا بہت ضدی ہے، خاص طور پر اسکول جاتے وقت چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضد کرنے لگتا ہے۔ آپ بتائیں کہ ہم اس کی ضد کیسے ختم کرسکتے ہیں؟

جواب:۔ بچوں کے ضد کرنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ اگر والدین بچوں کی ضد پہلی بار پوری کردیتے ہیں تو بچے یہ سیکھ جاتے ہیں کہ ضد کرنے سے کام بن جاتا ہے اور اس طرح وہ آئندہ بھی ضد کے ذریعے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کے کیس میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بچے کی نیند پوری نہ ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ اسکول جاتے وقت ضد کرتا ہے۔ لہٰذا آپ کوشش کریں اپنے بیٹے کو رات جلدی سلانے کی اور اس کے ناشتے کا خیال رکھیں بلا ضرورت اس کی ضد کو پورا کرنے سے اجتناب کریں۔

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔
اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔
ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
akphijab@gmail.com

کوپن آپ کی الجھن .... برائے ماہِ دسمبر ۲۰۱۵ء

بہنیں اپنا مکمل نام و پتا بھی لکھیں۔ جو بہنیں کوپن کے ساتھ اپنے سوال ارسال کریں گی وہی شامل اشاعت کیے جائیں گے۔ بغیر کوپن کے کوئی بھی سوال قابل قبول نہیں ہوگا۔

مکمل نام................................ شہر کا نام................................

بزمِ سخن

سمیرا عثمان

اقصیٰ زرگر، سنیاں زرگر...... جوڑہ
کچھ یوں ہوا کہ جب بھی وفا کی ضرورت پڑی مجھے
ہر شخص اتفاق سے مصروف ہوگیا

حمیرا قریشی...... لاہور
موت سے پہلے ہی چھن جاتی ہیں سانسیں
حادثے زیست میں ایسے بھی ہوا کرتے ہیں

عائشہ پرویز...... کراچی
نہ روک قلم مجھے درد لکھنے سے
آج تو درد روئے گا یا پھر درد دینے والا

ثوبیہ بلال شیخ...... ظاہر پیر
زندگی جو اداس ہے روح کی کوئی پیاس ہے
تھکا تھکا سا جسم ہے ٹوٹی ہوئی ہر آس ہے
بکھرے بکھرے خواب کا لہو لہو آنکھ میں
زخمی زخمی دل ہے جو کیا کسی کو احساس ہے

ام حمنہ...... کوٹ مومن
اب بہت دیر ہوگئی ہے میر
مشورہ چھوڑیے دعا کیجیے

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین
پہلے وہ اضطراب تجھے کس طرح بھلائیں
اب یہ عذاب کیسے طبیعت بحال ہو
پھر تُو نے چھیڑ دی ہے گئی ساعتوں کی بات
وہ گفتگو نہ کر کہ تجھے بھی ملال ہو

نصرت بانو...... سیالکوٹ
رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لیے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ جانے کے لیے آ
کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو ہم سے خفا ہے تو زمانے کے لیے آ

مسرت فاطمہ...... فیصل آباد
وہ میری ہر بات سے اختلاف رکھتا تھا
چھپ چھپ کے مگر میرا طواف کرتا تھا
کہیں کوئی اور میرے قریب نہ ہو جائے
اس لیے وہ سب کو میرے خلاف رکھتا تھا

انا احب...... گجرات
نفرتوں کی حدیں ڈھیر ہوجائیں گی
اب نہ آنا پلٹ کر میرے شہر میں
میں نے سوچا بھی نہ تھا کبھی یہ انا
ہوگی رسوا محبت میرے شہر میں

دعائے سحر...... فیصل آباد
ہجر کی شب میں قید کرے یا صبح وصال میں رکھے
اچھا مولا تیری مرضی تُو جس حال میں رکھے
کھیل یہ کیسا کھیل رہی ہے دل سے تیری محبت
اک پل کی سرشاری دے اور دنوں ملال میں رکھے

مریم نواز...... حافظ آباد
میری ان خاموش نگاہوں کو یوں حسرت سے نہ دیکھ
میں رو پڑا تو دلوں کے طبق ہلا دوں گا
اسی طرح خاموش رہا تو اک دن رفیق
میں پورے شہر میں تنہائیاں بچھا دوں گا

سعدیہ وسیم...... سیالکوٹ
میری اک دھڑکن میں اک دھڑکن ہے تیری
اس دھڑکن کی قسم تُو زندگی ہے میری
میری سانسوں میں اک سانس ہے تیری
وہ سانس جو رک جائے تو موت ہے میری

انعم فاروق...... قائد آباد
زندگی چین سے گزر جائے
وہ اگر ذہن سے اتر جائے

کہکشاں جواد...... پنڈ دادخان
حل نکالا ہے یہ اداسی کا
اب مکمل اداس رہتا ہوں
اس سے مل کر بھی کچھ نہیں کہتا
میں بھی کیا بدحواس رہتا ہوں

سیدہ جیا عباس...... تلہ گنگ' مرالی

مت پوچھ کہ کس طرح چل رہی ہے زندگی
اس دور سے گزر رہے ہیں جو گزرتا ہی نہیں ہے

ارم کمال...... فیصل آباد

میرے دشمنوں کی نظر میں بھی میرا قد بڑا ہی رہا سوا
میری ماں کی پیاری دعاؤں نے مجھے ذلتوں سے بچالیا
مجھے پہلے پہلے جو دیکھ کر تیرا حال تھا مجھے یاد ہے
کبھی جل گئیں تیری روٹیاں' کبھی ہاتھ تُو نے جلا لیا

نیلم شرافت...... جتوئی

سب کچھ مل جاتا ہے اس دنیا میں فقط
وہ شخص نہیں ملتا جس سے محبت ہو

عروسہ شہوار رفیع...... کالا گوجراں' جہلم

اک دیا ایسا بجھا ہے مجھ میں
نوحہ گر اب کے ہوا ہے مجھ میں
عکس در عکس بکھرنا ہے مجھے
جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں

فاطمہ بھٹی...... وہاڑی

اک لفظ افسانہ سنایا پھر چپ ہو بیٹھے
ابتدا یہ کہ اسے پایا' انتہا یہ کہ خود کو کھو بیٹھے

فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال

یہ سانپوں کی بستی ہے ذرا دیکھ کے چل دشی
یہاں کا ہر شخص بڑے پیار سے ڈستا ہے

مریم بھٹی...... وہاڑی

میرے ہم سفر کا یہ حکم تھا میں کلام اس سے کم کروں
مجھے ایسی چپ لگی کہ میرے چپ نے اسے رُلا دیا

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

لگا کر آگ شہر کو بادشاہ نے کہا
اٹھا ہے دل میں تماشے کا آج شوق بہت
جھکا کر سر سبھی بادشاہ پرست بولے حضور
شوق سلامت رہے شہر اور بہت

رخ کومل شہزادی...... سرگودھا

جب ہار نے رختِ سفر باندھا کب ضبط کا یار اس دن تھا
ہر درد نے دل کو سہلایا' کیا حال ہمارا اس دن تھا
جب خواب ہوئیں اس کی آنکھیں جب دھندلا ہوا اس کا چہرہ
ہر اشک ستارہ اس دن تھا' ہر زخم انگارہ اس دن تھا

فاطمہ نواز' سعدیہ نواز رائے...... گاؤں کھدے

جو تار سے نکلی ہے وہ دھن سب نے سنی ہے
جو ساز پہ گزری ہے وہ کس دل کو پتا ہے
ہم پھول ہیں اوروں کے لیے لائے ہیں خوش بو
اپنے لیے لے دے کے بس اک داغ ملا ہے

طیبہ سعدیہ عطاریہ...... نامعلوم

سزا یہ ملی کہ آنکھوں سے چھین لی نیندیں اس نے
جرم یہ تھا کہ اس کے ساتھ جینے کا خواب دیکھا تھا

سباس گل...... رحیم یار خان

تم مقدر میں کہیں لکھے ہو
اسی امید پر تو زندہ ہوں

زین الدین شانی...... کراچی

دل کی خاموشی سے سانسوں کے ٹھہر جانے تک
یاد آئے گا مجھے وہ شخص میرے مر جانے تک

کوپن بزم سخن .... برائے ماہِ دسمبر ۲۰۱۵ء

بہنیں اپنا مکمل نام و پتا بھی لکھا کریں تاکہ انعام کی بروقت ترسیل میں آسانی رہے۔ جو بہنیں کوپن کے ساتھ اپنا انتخاب شاعر کے نام کے ساتھ ارسال کریں گی وہ شامل اشاعت ہوگا اور بہترین انتخاب پر ایک ماہ کا حجاب ارسال کیا جائے گا۔ بغیر کوپن کے کوئی بھی انتخاب قابل قبول نہیں ہوگا۔ تمام تر اختیارات ادارے کے پاس محفوظ ہیں۔ انچارج

مکمل نام............................ شہر کا نام............................

کچن کارنر

زہرہ جبیں

چکن کوک ٹیل سوپ

اشیاء:۔

چکن	آدھا کلو
ٹماٹر	ایک عدد
شلغم	ایک عدد
لہسن	چھ جوئے
ملائی	تین کھانے کے چمچ
ادرک	ایک ٹکڑا
نمک	آدھا چائے کا چمچ
سیلری	تھوڑی سی
گاجر	ایک عدد
پیاز	دو عدد
میدہ	تین چائے کے چمچ
گھی	آدھا کپ
دار چینی	ایک ٹکڑا
سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

چکن پیس کو دو کلو پانی میں آگ پر رکھ دیں' اس میں ایک عدد پیاز' ٹماٹر' ادرک' لہسن' نمک' مرچ اور دار چینی کا ٹکڑا ڈال کر پکائیں۔ پکتے ہوئے سوپ میں شلغم چھیل کر دو ٹکڑے کرلیں اور گاجر کے بھی دو ٹکڑے کرکے ڈال دیں۔ دو گھنٹہ کے بعد چکن کو نکال کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں اور سوپ کو چھان کر الگ دیگچی میں ڈال دیں۔ ایک فرائی پین میں پیاز کو براؤن کریں اور اسے سوپ میں ڈال دیں پھر میدہ اسی فرائی پین میں بھون کر سوپ میں تھوڑا تھوڑا ڈال کر ملائیں اور اس سوپ کو دوبارہ آگ پر رکھ دیں اور سیلری بھی ملا دیں۔ پکتے ہوئے آمیزے میں ملائی پھینٹ کر ڈال دیں اور اپنی پسند سے سوپ کو گاڑھا کرکے پیش کریں۔

بیگم فرحت زبیر...... ناظم آباد کراچی

گوبھی مٹر

اشیاء:۔

پھول گوبھی	750 گرام
	(چھوٹے چھوٹے کاٹ لیں)
مٹر	250 گرام
ادرک	آدھے انچ کا ٹکڑا
	(باریک قاشیں کاٹ لیں)
نمک	حسب ذائقہ
گرم مسالا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ	دو عدد (باریک کاٹ لیں)
ہرا دھنیا	پانچ گرام (باریک کاٹ لیں)
مکھن	ایک ٹکیہ

ترکیب:۔

ایک نان اسٹک پین میں مکھن کو پگھلائیں' زیرہ اور کٹا ہوا ادرک ڈال کر کچھ دیر فرائی کریں پھر ہری مرچ' گوبھی کے ٹکڑے' مٹر دانے اور نمک ڈال کر اچھی طرح بھونیں پھر پین کو ڈھک دیں اور دس منٹ تک گوبھی اور مٹر کے گلنے تک پکائیں۔ ہرے دھنیا اور پسے ہوئے گرم مسالے سے گارنش کرکے گرم روٹیوں کے ساتھ سرو کریں۔

حمیرا طاہر...... گوجرانوالہ

ویجی ٹیبل فرائٹرز

اشیاء:۔

بیسن	ایک کپ
میدہ	آدھا کپ
لال مرچ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچ
بیکنگ سوڈا	آدھا چائے کا چمچ
ٹھنڈا پانی	دو کپ
ٹارٹرک ایسڈ	تہائی چائے کا چمچ
لیموں کا جوس	دو کھانے کے چمچ

نمک — حسب ذائقہ
تیل — فرائی کرنے کے لیے
زیرہ پاؤڈر — ایک چائے کا چمچ
آلو (سلائسز کٹے ہوئے) — ایک کپ
دھنیا پاؤڈر — ایک چائے کا چمچ
پھول گوبھی کے ٹکڑے — ایک کپ
ہلدی پاؤڈر — ایک چائے کا چمچ
شملہ مرچ (بیج نکال کر چوپ کرلیں) — ایک کپ

ترکیب:۔
میدہ، بیکنگ سوڈا، ٹارٹرک ایسڈ، نمک، لال مرچ، زیرہ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر مکس کرلیں۔ تھوڑا تھوڑا پانی ملا کر پیسٹ بنالیں، اس میں لیموں کا رس ملا کر بیٹر تیار کرلیں اور ایک طرف رکھ دیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ سبزیوں کو بیٹر میں ڈپ کرکے تیل میں فرائی کرلیں۔ گولڈن ہوجائے تو ٹشو پیپر پر نکال کر اضافی تیل نتھار لیں۔ تمام پکوڑے اسی طرح تیار کرلیں اور چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

ماریہ وسیم......اللہ والا ٹاؤن، کراچی

وائٹ سوس کٹلس

اشیاء:۔
آلو (ابال کر میش کرلیں) — ایک کلو
نمک — حسب ذائقہ
مٹر (ہلکا سا اُبال لیں) — ایک پاؤ
گاجر (کش کرنے کے بعد ابال لیں) — ایک پاؤ
ہرا دھنیا — حسب ضرورت
انڈے (سخت ابال کرکے میش کرلیں) — دو عدد
سبز مرچ — حسب ضرورت
بریڈ کرمز — حسب ضرورت
سرخ مرچ پاؤڈر — ایک کھانے کا چمچ
انڈے (پھینٹے ہوئے) — دو عدد

اشیا (برائے وائٹ سوس)
میدہ — دو کھانے کے چمچ
نمک، کالی مرچ پاؤڈر — حسب ذائقہ
تیل — ایک کھانے کا چمچ

ترکیب (برائے وائٹ سوس):۔
میدہ میں کالی مرچ، نمک اور پانی مکس کرکے پتلا سا گھول لیں، تیل کو فرائی پین میں گرم کریں۔ اس میں یہ آمیزہ ڈال دیں، دو منٹ چمچہ چلائیں اور اتار لیں، وائٹ سوس تیار ہے۔

ترکیب (برائے کٹلس):۔
فرائی پین میں تھوڑا سا تیل ڈال کر گرم کریں، اس میں مٹر، گاجر، انڈے ڈال کر ہلکا سا چمچہ چلائیں۔ نمک اور کالی مرچ ڈالیں، ہرا دھنیا، ہری مرچ کاٹ کر شامل کریں فلنگ تیار ہے۔ میش کیے ہوئے آلوؤں میں وائٹ سوس شامل کرکے اچھی طرح مکس کریں۔ آلوؤں کو ہتھیلی پر رکھ کر اس میں فلنگ ڈالیں آلو کو فولڈ کرکے کباب کی شکل دیں۔ تیل گرم کریں اور کبابوں کو پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈپ کریں، اس کے بعد بریڈ کرمز میں ڈپ کرکے گولڈن فرائی کریں، تیار ہوجائے تو ٹماٹر کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

فضا سعدیہ، عائشہ......کراچی

چائنیز رول

اشیا:۔
آلو (ابلے ہوئے) — آدھا کلو
ڈبل روٹی کے سلائس (اطراف سے کنارے کاٹ لیں) — چھ عدد
انڈا — ایک عدد
چائنیز نمک — ایک چائے کا چمچ
سویا سوس — ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ — آدھا چائے کا چمچ
نمک — حسب ذائقہ
بریڈ کرمز — حسب ضرورت

ترکیب:۔

آلوؤں کو ابال کر اچھی طرح میش کرلیں اب اس میں بریڈ کے سلائس بھی چورا کر کے ڈال دیں اور پھر نمک چائنیز نمک سویا سوس کالی مرچ انڈا ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں تاکہ آمیزہ یکجان ہوجائے پھر اس کو انڈا اور بریڈ کرمبز لگا کر فرائی کرلیں۔انڈا اور کرمبز لگانے سے پہلے آمیزے کو رول کی شیپ دے دیں پانچ منٹ میں تیار ہیں اور کھانے میں بے حد مزے دار ہیں۔

حنا وہاب......کراچی

سوہن حلوہ

اشیا:۔

دودھ	چھ کلو
میدہ	ایک کلو
چینی	ڈھائی کلو
سمنک	ایک پاؤ
کیوڑہ	ایک چھٹانک
گھی	آدھا کلو
پستہ	ایک چھٹانک
بادام	ایک چھٹانک

ترکیب:۔

پستے اور بادام ہوائیاں کترلیں سمنک کو کڑھائی میں ڈال کر آدھا کلو دودھ ڈال دیں اور چمچ سے خوب اچھی طرح ملائیں۔اب ایک کلو دودھ میں میدہ ملا کر سمنک ملے دودھ میں ملا کر بقیہ دودھ تھوڑا تھوڑا کر کے ملا کر مزید پتلا کرلیں اور ہلکی آنچ پر پکانا شروع کردیں اور آہستہ آہستہ بقیہ تمام دودھ بھی ڈالتی جائیں چمچہ چلاتی رہیں اب آنچ تیز کردیں اور اسے پکنے دیں جب یہ پک پک کر خشک ہونے لگے تو آنچ ہلکی کردیں جب یہ بالکل کھوئے کی طرح ہوجائے تو چینی ملا کر اسے یک جان کرلیں اب تھوڑا تھوڑا گھی ڈال کر اسے بھونتے جائیں جب ذرا سوندھی سوندھی خوشبو آنے لگے تو ایک طشتری میں بقیہ گھی ڈال کر تمام آمیزہ بچھا دیں اور پرسے بادام اور پستے کی ہوائیں چھڑک کر چھری سے اپنی پسندیدہ شکل کی ٹکیاں کاٹ لیں جب یہ ٹھنڈا ہو کر جم جائے اور ذرا سخت ہوجائے تو اسے مومی کاغذ میں رکھ کر ڈبے میں محفوظ کرلیں۔

لاریب راشد......ملتان

گاجر کا زردہ

اجزاء:۔

چاول	آدھا کلو (ابلے ہوئے)
گاجر	تین عدد (کش کی ہوئی)
چینی	آدھا کلو
دودھ	آدھی پیالی
کھویا	ایک پیالی
پستے	آدھی پیالی
ناریل	حسب پسند (کش کیا ہوا)
گھی	آدھی پیالی

ترکیب:۔

گاجر کو فرائنگ پین میں پھیلا کر رکھیں اور درمیانی آنچ پر پکاتے ہوئے اس کا پانی خشک کرلیں۔ چاول، گاجر اور چینی کو دو حصوں میں تقسیم کریں۔ پھر ایک پین میں دو سے تین کھانے کے چمچ گھی کے ڈالیں اب اس میں ایک تہہ چاول ایک گاجر اور چینی کے اوپر دو کھانے کے چمچ دودھ ڈالیں اور پھر اسی عمل کو دوبارہ دہرائیں۔ پین کو توے پر رکھ کر شروع میں تین سے چار منٹ آنچ درمیانی رکھیں اور پھر ہلکی آنچ پر دس سے بارہ منٹ دم پر رکھ دیں۔ چولہے سے اتار کر اس میں حسب ضرورت گھی ڈال کر پانچ منٹ ڈھک کر رکھیں۔ اچھی طرح ملا کر ڈش میں نکالیں اور ناریل پستے اور کھویا چھڑک دیں۔ گرما گرم گاجر کا زردہ تیار ہے۔

یمنی رباب......کراچی

لوکی کا حلوہ

اجزاء:۔

لوکی یا کدو (چھلکا اتار کر باریک کدوکش کرلیں	ڈیڑھ کلو
پھیکا کھویا	دو پیالی

چینی تین پیالی
بادام دس عدد
پستہ دس عدد
(دونوں چیزوں کو گرم پانی میں ڈال کر کچھ دیر کے لیے بھگودیں اور جب نرم پڑ جائیں تو چھلکا اتار لیں اور تیز چھری کی مدد سے لمبائی کے رخ باریک باریک کاٹ لیں)۔
ناریل کی گری (پسی ہوئی) ایک پیالی
کوکنگ آئل یا گھی چار کھانے کے چمچ

تیاری کا طریقہ:۔
سب سے پہلے لوکی کو دھو کر اچھی طرح کدوکش کر لیں اور اس کے بعد دو سے تین منٹ کے لیے گرم پانی میں ڈال کر نکال لیں۔ ایک چھلنی میں رکھ دیں تاکہ کدوکش کی ہوئی لوکی تقریباً خشک ہوجائے اب ایک کھلے منہ کی دیچی یا کڑاہی میں گھی یا کوکنگ آئل ڈال کر چولہے پر چڑھا دیں جب اچھی طرح گرم ہوجائے تو الائچی ڈال کر کڑکڑائیں اور پھر چینی ڈال دیں۔ جب آپ کو ایسا دکھائی دے کہ چینی کا شیرہ بننے والا ہے تو اس میں لوکی اور کھویا شامل کر دیں اور چمچ کے ساتھ اچھی طرح مکس کر دیں تاکہ حلوے میں میٹھا کہیں کم اور کہیں زیادہ محسوس نہ ہو۔ اب اس میٹریل کو کچھ دیر کے لیے اچھی طرح بھونیں اور بھنائی کے دوران باری باری اوپر بتائے گئے میوہ جات بھی شامل کرتی جائیں۔ جب خوشبو اٹھنے لگے تو کڑاہی کو کچھ دیر کے لیے ڈھانپ کر دم پر رکھ دیں لیکن خیال رہے کہ آنچ دھیمی ہونی چاہیے تاکہ حلوہ نیچے نہ لگنے پائے۔ جب حلوہ خشک ہوجائے تو اتار کر ٹھنڈا کر لیں اور سرونگ ڈش میں ذراسی چکنائی لگا کر اس میں پھیلا دیں۔ گارنشنگ کے لیے حلوے کے اوپر کٹا ہوا بادام اور پستہ چھڑک دیں۔ ساتھ ساتھ تھوڑی سی پسی ہوئی ناریل بھی چھڑک دیں اور چاندی کے ورق لگا کر پیش کریں۔ خوش ذائقہ لوکی کا حلوہ تیار ہے۔ جدید طبی تحقیق کے مطابق کدو ایک انتہائی صحت بخش سبزی ہے جبکہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے بے حد پسند فرماتے تھے لیکن اکثر اوقات بچے اور کچھ بڑے بھی کدو کو زیادہ شوق سے نہیں کھاتے ایسے میں اس کا حلوہ بنا کر اس کے قدرتی فوائد سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔

مہوش لیاقت..... سرگودھا

جے پوری بریانی

اجزاء

بکرے کا گوشت	۷۵۰ گرام
تلی پیاز	ایک کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	۲ کھانے کے چمچ
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	۳ سے ۴ کپ
سفید الائچی	۴ عدد
ثابت مکس گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
دہی	ایک کپ
کیوڑا	ایک کھانے کا چمچ
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
زعفران	چوتھائی چائے کا چمچ
اُبلے چاول	۶۰۰ گرام
پسی جاوتری	چوتھائی چائے کا چمچ
پسی جائفل	چوتھائی چائے کا چمچ
پسی سفید الائچی	چوتھائی چائے کا چمچ
پسے بادام	۱۲ عدد

ترکیب:۔
سب سے پہلے چاولوں کو نمک کے ساتھ اُبال لیں۔ اب تیل گرم کر کے اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، ثابت مکس گرم مصالحہ، بکرے کا گوشت اور تلی پیاز ڈال کر پکائیں یہاں تک کہ گوشت گل جائے۔ پھر اس میں دہی، پسے بادام، پسی سفید الائچی ڈال کر اتنا پکائیں کہ وہ تیار ہوجائے۔ اس کے بعد اُبلے چاولوں کو گوشت کے مکسچر کے اوپر ڈال دیں۔ اب اس میں ایک کھانے کا چمچہ کیوڑا، ایک چٹکی زردے کا رنگ اور زعفران ڈال کر ڈھک دیں اور ۱۵ سے ۲۰ منٹ کے لیے دم پر چھوڑ دیں۔

سحرش ناز..... اسلام آباد

آرائش حسن

ز مدیقہ احمد

موسم سرما میں جلد کی حفاظت

سردیوں کی آمد آمد ہے‘ خشک اور ٹھنڈی ہوا سردیوں کی آمد کا بھرپور احساس دلاتی ہے اور ہماری جلد پر بھی اس کے اثرات نظر آنے لگتے ہیں۔ صبح اور شام کے اوقات میں ہلکی سردی اور ٹھنڈ کا احساس ہوتا ہے اور جیسے جیسے دن بڑھتا جاتا ہے گرمی کی شدت محسوس ہونے لگتی ہے۔ کبھی ہماری جلد خشکی کا احساس دلاتی ہے تو کبھی نم ہوجاتی ہے۔ ان علامات کے ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں‘ پاؤں اور چہرے کی حفاظت کے لیے اپنی تیاریاں شروع کردیں اور اپنے چہرے کے ساتھ ہاتھوں اور پیروں کی طرف بھی خاص توجہ دیں اور ان کی دیکھ بھال کریں۔

ہونٹوں کی موئسچرائزنگ

سردیوں میں آپ کے ہونٹ آپ کی خصوصی توجہ کے طالب ہوتے ہیں۔ خاص کر اس لیے بھی کہ یہ آپ کے جسم کا وہ حصہ ہوتا ہے جس میں مسام نہیں ہوتے اسی لیے ان کو دن میں کئی بار موئسچرائز کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان کو نمی سے بھرپور رکھنے کے لیے ذیل میں بام کی ترکیب دی جارہی ہے جس کے زیادہ تر اجزا آپ کے کچن میں موجود ہیں۔

جوجوبا تیل	پانچ ٹیبل اسپون
بادام کا تیل	پانچ ٹیبل اسپون
شہد کے چھتے کا موم	20 گرام
لیموں کا تیل	دو ملی لیٹر
کوکوا بٹر	دو گرام
شہد	پانچ گرام

کسی برتن میں موم کو 70 سینٹی گریڈ درجہ حرارت پر پگھلائیں‘ مگر خیال رہے کہ اس میں سے دھواں نہ نکلے۔ موم پگھل جائے تو اس میں کوکوا بٹر اور شہد مکس کرلیں اور اسے ٹھنڈا ہونے کے لیے چھوڑ دیں اس دوران لکڑی کے چمچے سے اسے مسلسل ہلاتی رہیں۔ اب اس میں جوجوبا آئل اور بادام کا تیل ملائیں اور پھر سے ہلائیں جب یہ ٹھنڈا ہوجائے تو اس میں ضروری لیموں کا رس شامل کرلیں۔ یہ تیل ہونٹوں کی سیاہی کو دور کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اسے کسی ہوا بند چھوٹے سے جار میں محفوظ کرلیں اور پوری سردی استعمال کریں۔

شکن سے پاک آنکھیں

آنکھیں چہرے کی وہ جگہ ہے جہاں جلد کے خشک ہونے کی سب سے پہلی نشانی باریک لکیروں کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ کی عمر بہت زیادہ ہوگئی ہے اس کا مطلب ہوتا ہے کہ آپ کی جلد حساس ہے اور اسے لاڈ و پیار کرنے کی ضرورت ہے۔ شہد‘ زیتون کا تیل اور بادام کا تیل آدھا آدھا چمچ لے کر ان کو اچھی طرح مکس کرلیں اور اس کے ذریعے آنکھوں کے آس پاس کی جلد کا مساج کریں۔ مساج کا عمل ہمیشہ نیچے سے اوپر کی طرف ہونا چاہیے‘ یہ عمل کرنے کے دس منٹ کے بعد کاٹن رول پیڈ کے ذریعے ان کی صفائی کریں مگر اس سے قبل کاٹن رول کو ٹھنڈے دودھ میں ضرور بھگولیں۔ اب ایک عدد انڈے کی سفیدی کو پھینٹیں اور آنکھوں کے اردگرد لگائیں اور تب تک لگا رہنے دیں جب تک کہ سفیدی اچھی طرح خشک نہ ہوجائے۔ اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے مطلوبہ جگہ کو صاف کرلیں۔

اب آپ سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے کیل کانٹوں سے لیس ہوگئی ہیں۔ بالکل بھی ڈرنے والی کوئی بات نہیں ہے‘ انجوائے کریں سرد موسم سے بھرپور انداز میں۔

ہاتھوں کی دیکھ بھال

سرد موسم صرف چہرے کی ہی نہیں بلکہ ہاتھوں اور پیروں کو بھی متاثر کرتا ہے اس موسم میں ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کی جلد پھٹ جاتی ہے‘ جس کے باعث ہاتھ اور پاؤں بہت بدنما لگتے ہیں‘ ہاتھوں میں بھی ہماری کھال کے مردہ خلیات چھلکوں کی صورت میں اترنے لگتے ہیں۔

بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی جھانوے کی مدد سے رگڑ کر یہ چھلکے علیحدہ کیے جائیں جلد کو پرانے اور مردہ خلیات کے مضر اثرات سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں

فوری طور پر جلد سے ہٹادیا جائے۔ سردیوں میں ہمارے ہاتھوں کی جلد ذرا زیادہ توجہ چاہتی ہے اس لیے اگر آپ ایسا کام کررہی ہیں جس میں ہاتھ بار بار گیلے ہوں گے جیسے کپڑے یا برتن دھونا تو آپ ہاتھوں میں پلاسٹک کے دستانے پہن لیں اور اگر دستانے پہن کر کام کرنے میں مشکل ہو یا الجھن ہو تو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے قبل ہاتھوں میں ایسا لوشن یا کریم لگالیں جس میں چکنائی کم ہو اور جو اس مقصد کے لیے بنائی گئی ہو' کام کاج ختم کرنے کے بعد "لینولین" پر مشتمل کریم سے ہاتھوں پر مساج کریں۔

گھریلو نسخوں میں ہاتھوں پر مکھن لگا کر ہاتھوں کے حسن کو مزید نکھارا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ لیموں کا رس اور عرق گلاب ملا کر لگانے سے ہاتھ ملائم ہوجاتے ہیں۔ رات کو سونے سے قبل ناریل کے تیل میں موم ملا کر ہاتھوں پر لگائیں' صبح ہاتھ نیم گرم پانی سے دھوڈالیں۔ چند دنوں میں فرق نظر آنے لگے گا۔ دودھ اور عرق گلاب ملا کر ہاتھوں پر ملیں ایک گھنٹہ بعد دھولیں' ہاتھ نرم اور ملائم ہوجائیں گے اور صاف ستھرے بھی ہوجائیں گے۔ موسم سرما میں شہد' گلیسرین اور لیموں کا رس ملا کر ہاتھوں پر لگانے سے بھی ہاتھ صاف ہوجاتے ہیں۔ ہاتھوں کو نرم اور ملائم کرنے کے لیے لیموں کا رس یا سرکہ ملیں۔ عرق لیموں میں عرق کی مقدار کے برابر گلیسرین ملائیں اور اس میں ایک چھوٹا چمچہ بورک ایسڈ ڈال کر تینوں کو یکجا کریں اور ایک شیشی میں بھر کر رکھ لیں۔ ہاتھ دھونے کے بعد دن میں تین چار بار اس کا استعمال کریں' ہاتھ نرم اور رنگت صاف ہوگی۔ رات سوتے وقت روغنِ بادام کی مالش کریں اس کے علاوہ مہینے میں ایک مرتبہ مینی کیور کریں۔

موسم سرما میں بالوں کی حفاظت

موسم سرما کی آمد کا آپ کو اس طرح بھی پتا چل سکتا ہے کہ جب آپ اپنے بالوں کو ہاتھ لگائیں گی تو آپ کو ایسا محسوس ہوگا جیسے آپ کے بال دھول اور گرد وغبار سے اٹے ہوئے ہیں۔ اس موسم میں بال ناریل کے ریشے کی طرح اکڑنے لگتے ہیں اور آپ کا سر کسی پیاسی اور خشک زمین کی طرح نظر آنے لگتی ہے۔ اس کی وجہ سے سر میں کھجلی بھی ہونے لگتی ہے اور بالوں کے دیگر مسائل بھی پیدا ہوجاتے ہیں۔

یہ سب تب ہوگا جب آپ سرد موسم میں بالوں کی مناسب دیکھ بھال نہیں کریں گی۔ اس موسم میں بالوں پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور وجہ یہ ہے کہ سرد موسم میں ہوا میں نمی کا تناسب کم ہوتا ہے اور بال اور سر بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ نتیجہ میں بال کھردرے اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتے ہیں اور اسی تناسب سے سر کی جلد بھی متاثر ہوتی ہے۔

یہ آپ پر ہے کہ آپ بالوں میں نمی کی کمی نہ ہونے دیں اور اگر آپ موسم سرما سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہیں تو پھر اپنے بالوں پر خصوصی توجہ دیں۔ اس حوالے سے سب سے اچھی بات یہ ہوگی کہ گھریلو نسخہ جات کو اپنایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ ان میں چونکہ ساری قدرتی اشیا شامل ہوتی ہیں اس لیے ان کا کوئی سائیڈ ایفیکٹس نہیں ہوتا ہے اور بازار پروڈکٹس کے مقابلے میں زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں ان پر اخراجات بھی بہت کم آتے ہیں مختصر یہ کہ ہر لحاظ سے قابل عمل ہیں۔

ایووکیڈ' مایو کنڈیشنز

اجزاء:

انڈے (سفیدی پھینک دیں) — دو عدد

مایونیس — ایک چھوٹا جار اور آدھا ایووکیڈو

طریقہ

ایک بڑے پیالے میں ایووکیڈ کو کچلیں اور اس میں انڈے کی زردی شامل کریں۔ اس کے بعد اس میں مایونیس بھی ملائیں اور سب کو اچھی طرح مکس کریں۔ اس کنڈیشنز کو بالوں میں جڑوں سے شروع کرکے بالوں کی نوک تک لگائیں۔ لگانے کے بعد پلاسٹک ریپ کی مدد سے سر کو ڈھانپ لیں اس کے بعد اسٹیم کیا ہوا تولیہ رکھیں۔ 25 منٹ کے بعد سادہ پانی سے سر کو دھوئیں۔

(جاری ہے)

عالم میں انتخاب

نزہت جبیں ضیاء

غزل

شام غم جب بکھر گئی ہو گی
جانے کس کس کے گھر گئی ہو گی
اتنی لرزاں نہ تھی چراغ کی لو اپنے سائے سے ڈر گئی ہو گی
چاندنی ایک شب کی مہمان تھی صبح ہوتے ہی مر گئی ہو گی
دیر تک وہ خفا رہے مجھ سے! دور تک یہ خبر گئی ہو گی
اک دریا کے رخ بدلتے ہی اک ندی پھر اتر گئی ہو گی
جس طرف وہ سفر پہ نکلا تھا ساری رونق ادھر گئی ہو گی
رات سورج کو ڈھونڈنے کیلئے تا بہ حد سحر گئی ہو گی
میری یادوں کی دھوپ چھاؤں میں اس کی صورت نکھر گئی ہو گی
تیری پل بھر کی دوستی محسن اس کو بدنام کر گئی ہو گی

شاعر: سید محسن نقوی

انتخاب: نشاط کامران، کراچی

نظم

سفر تنہا نہیں کرتے سنو ایسا نہیں کرتے
جسے شفاف رکھنا ہو اسے میلا نہیں کرتے
تری آنکھیں اجازت دیں تو ہم کیا کیا نہیں کرتے
بہت اجڑے ہوئے گھر پر
بہت سوچا نہیں کرتے
سفر جس کا مقدر ہو
اسے روکا نہیں کرتے
جو مل کر خود سے کھو جائے
اسے رسوا نہیں کرتے
چلو تم راز ہو اپنا......
تمہیں افشا نہیں کرتے
یہ اونچے پیڑ کیسے ہیں؟
کہیں سایہ نہیں کرتے
جو ڈھن ہو کر گزرنے کی
تو پھر سوچا نہیں کرتے
کبھی ہنسنے سے ڈرتے ہیں
کبھی رویا نہیں کرتے
تری آنکھوں کو پڑھتے ہیں
تجھے دیکھا نہیں کرتے
سحر سے پوچھ لو محسن
کہ ہم سویا نہیں کرتے

شاعر: محسن نقوی

انتخاب: عینی طارق، اسلام آباد

غزل

جستجو جس کی تھی اس کو تو نہ پایا ہم نے
اس بہانے سے مگر دیکھ لی دنیا ہم نے
سب کا احوال وہی ہے جو ہمارا ہے آج
یہ الگ بات کہ شکوہ کیا تنہا ہم نے
خود پشیماں ہوئے اسے شرمندہ نہ کیا
عشق کی وضع کو کیا خوب نبھایا ہم نے
عمر بھر سچ ہی کہا سچ کے سوا کچھ نہ کہا
اجر کیا اس کا ملے گا یہ نہ سوچا ہم نے
کون سا قہر یہ آنکھوں پہ ہوا ہے نازل
ایک مدت سے کوئی خواب نہ دیکھا ہم نے

کلام: شہریار

انتخاب: طوبہ بتول، کراچی

غزل

یوں اکیلے میں اسے عہد وفا یاد آئے
جیسے بندے کو مصیبت میں خدا یاد آئے
جیسے بھٹکے ہوئے پنچھی کو نشیمن اپنا
جیسے اپنوں کو بچھڑنے پہ دعا یاد آئے
جیسے ڈھلتی ہوئی شاموں کو سویرا کوئی
جیسے پنجرے میں پرندے کو فضا یاد آئے
جیسے بوڑھے کو خیالات میں بچپن اپنا
جیسے بچے کو شرارت میں سزا یاد آئے
جیسے اجڑی ہوئی بستی کو زمانہ اپنا

جیسے طوفان کے ٹھہرنے پہ دیا یاد آئے

شاعر:ن م راشد

انتخاب: ملیحہ طارق اسلام آباد

غزل

ہر چند سہارا ہے تیرے پیار کا دل کو
رہتا ہے مگر ایک عجب خوف سا دل کو
وہ خواب کہ دیکھا نہ کبھی لے اڑا نیندیں
وہ درد کہ اٹھا نہ کبھی، کھا گیا دل کو
یہاں سانس کا لینا بھی گزر جانا ہے جی سے
یہاں معرکۂ عشق بھی اک کھیل تھا دل کو
وہ آئیں تو حیراں وہ جائیں تو پریشاں
یارب کوئی سمجھائے یہ کیا ہوگیا دل کو

کلام: شہرت بخاری

انتخاب: عروج' کراچی

نظم

سوادِ زندگانی میں اک ایسی شام آتی ہے
کہ جس کے سرمئی آنچل میں
کوئی پھول ہوتا ہے
نہ ہاتھوں میں کوئی تارہ
جو آ کر بازوؤں میں تھام لے
پھر بھی رگ و پے میں کوئی آہٹ نہیں ہوتی
کسی کی یاد آتی ہے
نہ کوئی بھول پاتا ہے
نہ کوئی غم سلگتا ہے
نہ کوئی زخم سلگتا
نہ گلے ملتا ہے کوئی خواب
نہ کوئی تمنا ہاتھ ملتی ہے
سوادِ زندگانی میں
اک ایسی شام آتی ہے
جو خالی ہاتھ آتی ہے
جو خالی ہاتھ آتی ہے......!!!

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: جویریہ ضیاء کراچی

غزل

کچھ دن تو بسو میری آنکھوں میں
پھر خواب اگر ہو جاؤ تو کیا
کوئی رنگ تو دو مرے چہرے کو
پھر زخم اگر مہکاؤ تو کیا
جب ہم ہی نہ مہکے پھر صاحب
تم بادِ صبا کہلاؤ تو کیا
اک آئینہ تھا سو ٹوٹ گیا
اب خود سے شرماؤ تو کیا
تم آس بندھانے والے تھے
اب تم بھی ہمیں ٹھکراؤ تو کیا
دنیا بھی وہی اور تم بھی وہی
پھر تم سے آس لگاؤ تو کیا
میں تنہا تھا میں تنہا ہوں
تم آؤ تو کیا' نہ آؤ تو کیا
جب دیکھنے والا کوئی نہیں
بجھ جاؤ تو کیا' گہناؤ تو کیا
اک وہم ہے یہ دنیا میں
کچھ کھوؤ تو کیا اور پاؤ تو کیا
ہے یوں بھی زیاں اور یوں بھی زیاں
جی جاؤ تو کیا' مر جاؤ تو کیا

کلام: عبید اللہ علیم

انتخاب: اقصیٰ' چکوال

غزل

اک پل میں اک صدی کا مزا ہم سے پوچھیے
دو دن کی زندگی کا مزا ہم سے پوچھیے
بھولے ہیں رفتہ رفتہ انہیں مدتوں میں
ہم قسطوں میں خودکشی کا مزا ہم سے پوچھیے
آغازِ عاشقی کا مزا آپ جانیے
انجامِ عاشقی کا مزا ہم سے پوچھیے

کلام: خمار بارہ بنکوی

انتخاب: ظل ہما، کراچی

غزل

ہمارے خواب سے بہتر خیال بنتا ہے
عجیب شخص ہے پانی سے جال بنتا ہے
وہ لفظ لفظ میں بنتا ہے معجزوں کا وجود
کہانیاں بھی جو دیکھو کمال بنتا ہے
عدو کے وار سے بچنا محال ہے اس کا
جو اپنے ہاتھ سے کاغذ کی ڈھال بنتا ہے
وہ کل کے آنے کی مطلق خبر نہیں رکھتا
جو جی کے ماضی میں باتوں سے حال بنتا ہے
لبوں پر آہنی تالے لگالیے اس نے
جو اپنی سوچوں میں لاکھوں سوال بنتا ہے
عروج اس کی نگاہوں میں کب محبت کا
محبتوں کا وہ ہر پل زوال بنتا ہے
ادھڑتا جاتا ہے دل کا غلاف اس کا بھی
جبھی تو سینے سے اس کو نکال بنتا ہے

کلام: فاخرہ بتول

انتخاب: حنا اشرف، کوٹ ادو

غزل

آپ کی یاد آتی رہی رات بھر
چاندنی دل دکھاتی رہی رات بھر
گاہ جلتی ہوئی، گاہ بجھتی ہوئی
شمع غم جھلملاتی رہی رات بھر
کوئی خوشبو بدلتی رہی پیرہن
کوئی تصویر گاتی رہی رات بھر
پھر صبا سایۂ شاخ گل کے تلے
کوئی قصہ سناتی رہی رات بھر
جو نہ آیا اسے کوئی زنجیر در
ہر صدا پر بلاتی رہی رات بھر
ایک امید سے دل بہلتا رہا
اک تمنا ستاتی رہی رات بھر

کلام: فیض احمد فیض

انتخاب: صدف آصف، کراچی

غزل

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی وعدہ یعنی نباہ کا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیش تر، وہ کرم کہ تھے مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے، وہ شکایتیں، وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو، تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیانِ شوق کا برملا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ہوئے اتفاق سے گر بہم، تو وفا جتانے کو دم بہ دم
گلہ ملامتِ اقربا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی ایسی بات اگر ہوئی کہ تمہارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی، کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اِک آپ نے وعدہ تھا
سو نبھانے کا تو ذکر کیا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی مرے دل سے صاف اتر گئی
تو کہا کہ جانے مری بلا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ بگڑنا وصل کی رات کا، وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ گنتے تھے آشنا، جسے آپ کہتے تھے با وفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کلام: حکیم مومن خان مومن

انتخاب: مسز طلعت سلیم، کراچی

غزل

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
یا رب، زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے؟

لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں
حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟
لعل و زمرّد و زر و گوہر نہیں ہوں میں
رکھتے ہوتم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ؟
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
کرتے ہو مجھ کو منعِ قدم بوس کس لیے؟
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں؟
غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں
کلام:مرزاغالب
انتخاب:فرخندہ،خانیوال

غزل
جن کے ہونٹوں پہ ہنسی پاؤں میں چھالے ہوں گے
ہاں وہی لوگ تمہیں ڈھونڈنے والے ہوں گے
مے برستی ہے فضاؤں پہ نشہ طاری ہے
ہم بڑے ناز سے آئے تھے تری محفل میں
کیا خبر تھی لبِ اظہار پہ تالے ہوں گے
ان سے مفہومِ غمِ زیست ادا ہو شاید
اشک جو دامنِ مژگاں نے سنبھالے ہوں گے
کلام:پرواز جالندھری
انتخاب:عائشہ سلیم،کراچی

غزل
بڑا ویران موسم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
ہر اک جانب تیرا غم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
ہمارا دل کسی گہری جدائی کے بھنور میں ہے
ہماری آنکھ بھی نم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
مرے ہم راہ اگرچہ دور تک لوگوں کی رونق ہے
مگر جیسے کوئی کم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
تمہیں تو علم ہے میرے دلِ وحشی کے زخموں کو
تمہارا وصل مرہم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
اندھیری رات کی گہری خموشی اور تنہا دل
دیئے کی لو بھی مدھم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
تمہارے روٹھ جانے سے ہم کو ایسا لگتا ہے
مقدر ہم سے برہم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
ہواؤں اور پھولوں کی نئی خوشبو بتاتی ہے
ترے آنے کا موسم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
کلام:عدیم ہاشمی
انتخاب:نزہت ضیاء،کراچی

غزل
پلٹ کر پھر کبھی اس نے پکارا ہی نہیں ہے
وہ جس کی یاد سے دل کو کنارا ہی نہیں ہے
محبت کھیل ایسا تو نہیں ہم لوٹ جائیں
کہ اس میں جیت بھی ہوگی خسارا ہی نہیں ہے
کبھی وہ جگنوؤں کو مٹھیوں میں قید کرنا
مگر اب تو ہمیں یہ سب گوارا ہی نہیں ہے
اب اس کے خال وخد کا ذکر کیا کرتے کسی سے
کہ ہم پر آج تک وہ آشکارا ہی نہیں ہے
یہ خواہش تھی کہ ہم کچھ دور تک تو ساتھ چلتے
ستاروں کا مگر کوئی اشارا ہی نہیں ہے
بہت سے زخم کھائے دل نے آخر طے کیا ہے
تمہارے شہر میں اپنا گزارا ہی نہیں ہے
کلام:نوشی گیلانی
ہالہ سلیم،کراچی

نوٹ
تمام قارئین بہنوں نوٹ فرمالیں کہ اس سلسلے میں صرف مشہور شعرائے کرام کا کلام ان کے نام کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ جس انتخاب پر شاعر کا نام نہیں ہوگا وہ شامل اشاعت نہیں کیا جائے گا۔انچارج

شوخیٔ تحریر

طلعت نظامی

نعت رسول مقبول ﷺ

سکون دل و جان ہے اسم محمد ﷺ
آسودگی کا سامان ہے اسم محمد ﷺ
ٹل جاتی ہیں سبھی بلائیں خود بخود
مشکل میں پکارا جب بھی اسم محمد ﷺ
ٹوٹے ہوئے دلوں کو ملے تقویت جس سے
ایسی یہ دوا ہے سنو اسم محمد ﷺ
مجھ پر نہیں ان کی رحمتوں کا شمار کوئی
ورد زبان ہے مسلسل اسم محمد ﷺ
ہے دعا یہ میری تجھ سے میرے الٰہی
مجھ کو کر عطا فیض اسم محمد ﷺ

سامعہ ملک پرویز...... خان پور ہزارہ

معلومات قرآن پاک

قرآن مجید میں کل پارے...... 30
قرآن مجید میں کل منزلیں...... 7
قرآن مجید میں کل سورتیں...... 114
قرآن مجید میں کل آیات...... 6666
قرآن مجید میں کل رکوع...... 558
قرآن مجید میں کل کلمات...... 86,430
قرآن مجید میں کل حروف...... 3,206,270
قرآن مجید میں کل سجدے...... 14
قرآن مجید میں کل آیات وعدہ...... 1000
قرآن مجید میں آیات امر...... 1000
قرآن مجید میں آیات نہی...... 1000
قرآن مجید میں آیات قصص...... 1000
قرآن مجید میں آیات امثال...... 1000
قرآن مجید میں آیات حلال وحرام...... 500
قرآن مجید میں آیات تسبیح...... 100
قرآن مجید میں آیات متفرقہ...... 66

صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد سندھ

اولاد کی تربیت

❖ اپنی اولاد کو بے جا پیار نہ دو مبادا کہ ان کے دل سے تمہارا ڈر ختم ہو جائے۔
❖ اپنی اولاد پر زیادہ سختی نہ کرو کہ تم سے بدظن ہو جائیں۔
❖ اپنی اولاد کو نازیبا کلمات سے مت نوازو کہ وہ تمہاری عزت کرنا بھول جائیں۔

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ ڈسکہ

لمحہ فکریہ

زندگی ملی تھی اپنے ربّ کی عبادت کرنے کے لیے
مگر وقت بیت رہا ہے کاغذ کے ٹکڑے کمانے میں
جبکہ
نہ کفن میں جیب ہے نہ قبر میں الماری
اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ
موت کا فرشتہ تو رشوت بھی نہیں لیتا

ایس انمول...... بھابڑہ شریف

حضرت علیؓ نے فرمایا

جو بندہ جس سے محبت کرتا ہے اتنی نفرت بھی کرسکتا ہے کیونکہ ایک خوب صورت شیشہ جب ٹوٹتا ہے تو خوفناک ہتھیار بن جاتا ہے۔
اگر کسی انسان کے دل میں اپنا مقام دیکھنا چاہو تو اس کو غصے میں دیکھو اپنے لیے اس کے الفاظ سن لو اپنا مقام جان جاؤ گے۔

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

جنت کی خواہش

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص جنت کا مشتاق ہے مگر جنت صرف چار قسم کے لوگوں کی خواہش کرتی ہے۔
جس نے رمضان کے روزے رکھے۔
جس نے تلاوت قرآن پاک کی۔

جس نے بھوکے کو کھانا کھلایا۔
جس نے ننگے کو کپڑا پہنایا۔
سنیاں زرگر/قصی زرگر...... جوڑہ

اقوال زریں

❖ اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا۔
❖ کسی کا راز تلاش مت کرو اگر معلوم ہو جائے تو اسے پھیلاؤ نہیں۔
❖ کوئی بھی مصیبت پڑنے پر موت کی تمنا نہ کرو۔
❖ انسان کے سب سے بڑے دشمن اس کے بُرے دوست ہیں۔

رخ کومل شہزادی...... سرگودھا

بچپن اور آج

امی کی گود...... ابو کے کندھے
نہ جاب کی سوچ...... نہ لائف کے پنگے
نہ شادی کی سوچ...... نہ فیوچر کے سپنے
وہ اسکول کے دوست...... وہ کپڑے ہمارے گندے
وہ گھومنا پھرنا...... وہ خوب ساری تفریح کرنا
وہ ہر عید پر کہنا...... ابو ہمارے نئے کپڑے؟
لیکن......!
اب کل کی فکر ہے اور......
ادھورے ہیں سپنے...... مڑ کے دیکھو تو بہت دور ہیں اپنے
منزلوں کو ڈھونڈتے ہوئے...... کہاں کھو گئے ہم
یار کیوں اتنی جلدی بڑے ہو گئے ہم؟

حمیرا اکرم...... منڈی بہاؤالدین

ماں کے نام

تین سال کی عمر میں ہم کہتے ہیں "ماما، ماما......"
10 سال کی عمر میں "ماما کہاں ہیں آپ؟"
16 سال کی عمر میں "اُف! امی میری اتنی فکر نہ کیا کریں"
20 سال کی عمر میں "مجھے اب اس گھر میں نہیں رہنا"
25 سال کی عمر میں "امی ایک تو آپ بولتی بہت ہیں"
35 سال کی عمر میں "میں اپنی ماں کو کھونا نہیں چاہتا"
اور 50 سال کی عمر میں "میں اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہوں بس کوئی میری ماں کو واپس لا دے"
ماں صرف ایک ہوتی ہے اس لیے اس کی محبت کو سراہیں اور اس کی قدر کریں۔

تسلیم شہزادی...... کمالیہ اسلام پورہ

سات ہلاک کرنے والے گناہ

شرک...... جادو...... قتل نفس...... سود خوری...... یتیم کا مال کھانا...... میدان جہاد سے پیٹھ پھیرنا...... پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا (جن کو برائی کا دھیان تک نہیں) بخاری مسلم۔

مشا علی خان...... قمر مشانی

درد الفاظ کی صورت میں

میں آسمان سے گلہ کروں یا زمین سے شکایت؟
آسمان سے گلہ کیا تو وہ روٹھ جائے گا اور میں دھوپ میں جل جاؤں گی، تپش پہلے ہی حدوں کو چھو رہی ہے۔
اور اگر زمین سے شکایت کی تو پاؤں تلے سے نکل جائے گی، اس لیے چپ میں ہی عافیت ہے جو ایک دن مجھے فنا کر دے گی۔

عائشہ نور عاشا...... گجرات

محسن نقوی

اصول محبت میں تم خود بے وفا ہو محسن
وہ جو بچھڑے تو تم مر کیوں نہیں گئے؟

سید وصی شاہ

مرنا تو اوپر والے کے حکم سے وصی
اصولِ محبت میں اک نام انتظار بھی ہے

اور آخر میں فراز کہتے ہیں

انتظار تو ان کا کیا جاتا ہے جنہیں واپس آنا ہو فراز
جو خود غرض ہو ان کے لیے مرا نہیں کرتے

امرینہ خان امبر...... حاصل پور

سنہری باتیں

❊ اگر کسی کو خوشی نہیں دے سکتے تو اسے دکھ بھی مت دو۔
❊ اگر کسی سے محبت کرتے ہو تو اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھو کیونکہ گزرتے وقت کے ساتھ یادیں سنہری بنتی ہیں اور محبت بڑھتی جاتی ہے۔
❊ اگر کسی کے لبوں پر تمہاری وجہ سے مسکراہٹ آجائے تو تم خوش قسمت ہو۔

پری..... طور جہلم

چار چیزیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے چار چیزیں دی گئیں پس بے شک اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی۔
شکر گزار دل.....!
ذکر کرنے والی زبان.....!
مصیبتوں پر صبر کرنے والا جسم.....!
ایسی عورت جو اپنے جسم اور شوہر کے مال سے زیادتی نہیں کرتی۔

ارم غزل جنت..... منڈی بہاؤالدین

انمول موتی

❊ رشتے چاہے کتنے بھی برے ہوجائیں لیکن کبھی بھی انہیں مت توڑنا کیونکہ پانی چاہے کتنا بھی گندہ ہو پیاس نہیں تو آگ ضرور بجھاتا ہے۔
❊ لباس کی سادگی ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔
❊ دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کے فیصلوں کو رد نہیں کرسکتی۔
❊ نیکی کے سوا کوئی چیز عمر کو نہیں بڑھا سکتی۔
❊ صدقے کے سوا کوئی چیز مصیبت کو نہیں ٹال سکتی۔
❊ زکوۃ کے سوا کوئی چیز دولت اور مال کو پاک نہیں کرسکتی۔
❊ اللہ کے خوف سے تنہائی میں رونے کے سوا کوئی بھی چیز اللہ کی ناراضگی کو نہیں مٹا سکتی۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

محبت جواب محبت

+ دیکھو تو محبت کچھ بھی نہیں، سوچو تو محبت سب کچھ ہے۔
+ محبت وہ اندھیر نگری ہے جس میں سب کچھ کھو جاتا ہے۔
+ محبت وہ دیپ ہے جس سے دور ہر اندھیرا ہو جاتا ہے۔
+ محبت وہ پل ہے، جو آگ سے گزرتا ہے۔
+ محبت وہ دریا ہے جو آگ کو بجھاتا ہے۔
+ دیکھو تو محبت کچھ بھی نہیں، سوچو تو محبت سب کچھ ہے۔
+ محبت میں انسان اکثر بے موت مرتا ہے۔
+ محبت ہو تو انسان موت سے بھی لڑتا ہے۔
+ محبت کے ہر لمحے میں عذاب اترتا ہے۔
+ محبت ہو تو پھر کوئی کہاں عذابوں سے ڈرتا ہے۔
+ دیکھو تو محبت کچھ بھی نہیں، سوچو تو محبت سب کچھ ہے۔
+ محبت میں انسان ہر دکھ سے روشناس ہوتا ہے۔
+ محبت کے بغیر ہر وقت سکھ کا احساس ہوتا ہے۔
+ محبت دل کا درد ہے، محبت جاں کا روگ ہے۔
+ محبت دل کی دوا ہے کس نے کہا یہ جوگ ہے؟
+ دیکھو تو محبت کچھ بھی نہیں، سوچو تو محبت سب کچھ ہے۔
+ محبت فراق کے راستوں کی مسافر ہے۔
+ محبت وصل کے لمحوں سے بھی تو متاثر ہے۔
+ محبت وہ زندگی ہے جو خوشیوں پر مامور ہے۔

دیا احمد.....

فرق

ایک مرتبہ کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ "بھائی اور دوست میں کیا فرق ہے؟"
حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "بھائی سونا اور دوست

ہیرا ہے" تو اس نے شخص پوچھا۔
"سونے اور ہیرے میں کیا فرق ہے؟"
آپ ﷺ نے جواب دیا" سونا ٹوٹ کر دوبارہ بن جاتا ہے جب کہ ہیرا ٹوٹ کر دوبارہ نہیں بنتا۔"

آنسہ شبیر...... ڈوگہ گجرات

واصف علی واصف

○ وہ چیز جو بے سوال کردے وہ لاجواب ہوتی ہے۔
○ عقیدت کامل ہو تو پیر کامل ہوتا ہے۔
○ دیکھنے والے کا شوق ہی حسن کو رعنائی بخشتا ہے۔
○ جس آدمی کے آنے سے خوشی نہیں اس کے جانے کا غم کیا ہوگا۔
○ اگر محنت میں لطف نہیں تو نتیجے کا انتظار تکلف ہے۔
○ وحدت الوجود علم نہیں' مشاہدہ ہے۔
○ ہر چہرہ' ایک ہی چہرہ ہے۔
○ بہتر ہے کہ گناہ نہ کرو اور اپنے کسی گناہ پر ہرگز کسی انسان کو گواہ نہ بناؤ۔

آمنہ ولید...... ٹاؤن شپ لاہور

دعا

کبھی دھوپ دے کبھی بدلیاں
دل وجاں سے دونوں قبول ہیں
مگر اس محل میں نہ قید کر
جہاں زندگی کی ہوا نہ ہو
تیرے اختیار میں ہے کیا نہیں
مجھے اس طرح سے نواز دے
یوں دعائیں میری قبول ہو
میرے لب پر کوئی دعا نہ ہو
آمین......!

مہناز اختر...... شاہ نکڈر

زندگی

○ زندگی ایک عظیم سفر ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کسی نقشے پر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ ہم سب کو اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے سیدھا راستہ خود تلاش کرنا ہوتا ہے۔

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

بندھن

یہ میں کیا سن رہی ہوں' ایسا کیا تھا اس میں جو تمہیں اس کے علاوہ کوئی نظر نہیں آیا۔ کسی دوسری کے بارے میں نہ سہی میرے بارے میں ہی سوچ لیتے۔ اقراء' تہذیب' قندیل اور پائل سب تو تمہارے آگے ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں اور تمہارے دل کو لگی ہے تو صرف وہی۔
کم از کم ایک اور کو بھی چن لیتے جتنے آج مشہور ہو اس سے زیادہ ہی ہوجاتے تمہاری تو شہرت کے چرچے ہر جگہ' ہر پل اور ہر گھڑی ہوتے ہیں۔
"کیا کہا......؟"
ہاں! یہ بھی اچھا سوچا ہے تم نے' بھئی کون سا تم پہلے کم مشہور ہو لیکن میرا مشورہ تو یہی ہے ایک اور بار بھی سوچ لو۔ کوئی نہ بھی پسند آئے تو کوئی بات نہیں' میں ہوں نا......
سچ بتاؤں جب تمہاری اس حجاب کے بارے میں سنا مجھے تو پتنگے ہی لگ گئے تھے یعنی تم نے مجھے بھی ریجیکٹ کردیا۔
سوچا تمہارے لیے دل کے دروازے کبھی نہیں کھولوں گی لیکن تم تو ہتھوڑی لے کر میرے پیچھے ہی لگ گئے تھے اس ڈر سے کھول ہی دیا کہ کہیں دل ہی نہ توڑ دو۔
سو بن جاتے ہیں پہلے کی طرح دوست' اب تو تمہاری ہمسفر حجاب کو بھی قبول کرنا پڑے گا' ویسا ایک بات تو بتاؤ۔
"کب نکال رہے ہو میرے نام کا ایک اور پرچہ"

حرا صادق...... ہیر کھائی کوٹلی

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے رب ذوالجلال کے بابرکت نام سے جو تمام جہانوں کا واحد خالق ومالک ہے اور بے شمار حمد وثنا بھی۔ ادارہ آپ احباب کا تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ آپ سب نے اپنی قیمتی آرا اور انمول دعاؤں سے ہمیں نوازا جس کے لیے اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ امید کرتی ہوں کہ آئندہ بھی آپ سب کا تعاون ادارے کو اس ہی طرح حاصل رہیں گا اور آپ سب اپنی قیمتی رائے سے گاہے بگاہے نوازتے رہیں گے۔

نگہت عبداللہ...... کراچی۔ السلام علیکم آسمان ادب پر ایک نئے ستارے کا اضافہ حجاب جسے آنچل کی ہمجولی کہا جارہا ہے آپ سب کی طرح میرے لیے بھی یہ خوش آئند بات ہے کیونکہ قدرت نے پاکستان کی مٹی ہر شعبہ میں بڑی زرخیز رکھی ہے یہ نیا ستارہ حجاب انہی زرخیز ذہنوں کے لیے پلیٹ فارم ثابت ہوگا میری دعاؤں کے ساتھ میرا تعاون بھی ان شاءاللہ حجاب کے ساتھ رہے گا۔ محترم مشتاق احمد قریشی صاحب اور طاہر احمد قریشی صاحب کو مبارک باد پیش کرتی ہوں جنہوں نے ماہنامہ آنچل کا معیار برقرار رکھتے ہوئے حجاب کا اجرا کر کے مصنفین اور قارئین میں خوشی کی لہر دوڑادی ہے۔ اللہ اس ادارے کی محنت کو کامیاب کرے اور ہر گھر میں یہ نیا ستارہ حجاب چمکتا دمکتا نظر آئے آمین۔

اقبال بانو...... بوریوال۔ محترم طاہر بھائی السلام علیکم امید کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔ مجھے ماہنامہ آنچل سے معلوم ہوا کہ آپ نئے ڈائجسٹ ماہنامہ ''حجاب'' نکال رہے ہیں۔ بے حد مبارک ہو میری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو کامیاب فرمائے اور حجاب بہت سی کامیابی سمیٹے آمین۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا پہلا شمارہ ہی بھرپور ہوگا ان شاءاللہ۔ ایک افسانہ حجاب کے پہلے شمارے کے لیے بطور تحفہ حاضر ہے امید ہے پسند آئے گا اور پہلے شمارے میں جگہ پائے گا شکریہ۔

☆ اقبال آپا حجاب کے لیے آپ کے تحفۂ خاص کے لیے بہت بہت جزاک اللہ اور اس تحفہ کو پہلے شمارے کی زینت بہت فخر سے بنا رہے ہیں۔

رخ چوہدری...... السلام علیکم۔ حجاب کے اجرا پر بہت خوشی ہوئی ہے آپ کو اور آنچل کے پورے ادارے کو بہت بہت مبارک ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے جس طرح آنچل پورے ملک میں پسند کیا اور پڑھا جاتا ہے جس طرح آنچل مقبول پرچہ ہے اسی طرح حجاب بھی کامیاب ہو آمین۔ حجاب بہت خوب صورت نام ہے۔ امید ہے آپ اپنے روایتی انداز کو بہتر رکھیں گے اور آنچل کی طرح سب رائٹرز حجاب کو بھی اپنی تحریروں سے سجائیں گی۔ طاہر بھائی آپ کے لیے پورے ادارے کے لیے بے شمار دعائیں۔ اللہ حافظ۔

راحت وفا...... ملتان۔ آنچل اور حجاب ایک خصوصیت کے دو نام ہیں دونوں میں قدر مشترک صرف ایک چیز ہے خواتین اور خواتین کی حرمت، تقدس و پاکیزگی اور ذوق کا اہتمام کرنے والوں کو میری جانب سے ڈھیروں مبارک باد۔ اس دلی تمنا اور دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک اس نیک کوشش اور کاوش کو لازوال ترقی اور یقینی کامیابی عطا فرمائے، آمین مجھے قوی امید ہے کہ حجاب لکھنے اور پڑھنے والوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کرے گا اور نہ صرف خواتین بلکہ ہر طبقہ ہائے فکر میں شہرت حاصل کرے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ آنچل کی روایت کو برقرار بھی رکھے گا ان شاءاللہ العزیز۔ اس وقت مہنگائی اور مقابلے کا دور ہے اس میں مشتاق احمد قریشی صاحب، طاہر احمد قریشی صاحب قیصر بجیا سمیت تمام اراکین نے بڑے حوصلے اور عزم کے ساتھ حجاب کے اجرا کی کوشش کی ہے میں سمجھتی ہوں کہ حجاب کا اجرا خاص کرنئی لکھنے والی بہنوں کا شاندار پلیٹ فارم ثابت ہوگا۔ میں بطور رائٹر آج بھی صرف آنچل کی وجہ سے ہوں اور میرے لیے یہ اعزاز اور فخر کی بات ہوگی کہ میں حجاب کے لیے بھی لکھوں گی۔ مجھے بہت خوشی محسوس ہورہی ہے کہ حجاب ایک ایسا رسالہ ہوگا جس میں صاف ستھرا ادب اور تفریح ہوں گے میں ہمیشہ حجاب کے لیے بھی

اپنی کاوشات اور خدمات پیش کرتی رہوں گی میرا دعویٰ ہے کہ حجاب بھی آنچل کی طرح ہر گھر کی پسند اور ضرورت بن جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

☆ رخ بہن ہم آپ کی تحریر کے منتظر رہیں گے۔

عفت سحر طاہر...... سب سے پہلے حجاب ڈائجسٹ کے اجرا کی بہت مبارک باد، اللہ اسے بام عروج تک پہنچائے (آمین)۔ آنچل ڈائجسٹ وہ ادارہ ہے جو نئے لکھنے والوں کی سب سے زیادہ حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ مجھے سب سے پہلے اسی ادارے نے نام اور پہچان دی۔ دوسرے اداروں میں، میں نے بہت بعد میں لکھنا شروع کیا مگر آج بھی زیادہ لوگ مجھے "محبت دل پہ دستک" کے حوالے سے جانتے ہیں جس پر مجھے بھی خوشی محسوس ہوتی ہے (اور سب کے بے حد اصرار پر میں اس کا دوسرا حصہ لکھنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہی ہوں) بہت سے قارئین نہیں جانتے ہوں گے کہ آنچل کے ادارے سے "ارم ڈائجسٹ" بھی شائع ہوا تو اس میں بھی میں نے لکھا اور پھر شادی کے بعد گھر اور بچوں کی ذمہ داریوں نے اتنا کٹھن چکر بنا دیا کہ لکھنا بہت کم ہو گیا اور شاید ایک لحاظ سے اچھا بھی ہوا نئے لکھنے والوں نے ہماری جگہ بہت اچھی طرح سنبھالی اور ادارہ دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آنچل کی طرح حجاب ڈائجسٹ بھی بہت ترقی کرے گا اور اسے اچھا لکھنے والوں کا ساتھ ملے گا۔ طاہر بھائی! آپ کا بہت شکریہ، آپ ہر اہم موقع پر ہم جیسے پرانے رائٹرز کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ادارے کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی دے اور حاسدین کی نظر سے بچائے (آمین)۔ مشتاق انکل اور قیصر آپا کی خدمت میں درجہ بدرجہ سلام اور جواب بھی میری تحریروں کا انتظار کرتے ہیں ان کے لیے بہت سا پیار۔

☆ بہن عفت آنچل اور اب حجاب کے قارئین اب بھی بے تابی سے آپ کی تحریر پڑھنے کے لیے منتظر ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ آپ جلد ہی دونوں میں کچھ نہ کچھ لکھ کر جلد ہی ارسال کریں گی۔

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ ماہنامہ آنچل ادب کی دنیا میں اپنی ایک منفرد پہچان کے ساتھ پچھلے کئی سالوں سے اپنے قارئین کے دلوں پر راج کر رہا ہے۔ صاف ستھرے تفریحی ادب کے ساتھ ادارہ آنچل نے ہمیشہ بہنوں کی ذہنی نشوونما اور عملی زندگی کے کردار کو بہتر سے بہترین بنانے میں مثالی کردار ادا کیا ہے۔ اپنی انہی قابل تحسین روایات کو برقرار رکھنے کے لیے قاری بہنوں کی فرمائش اور بے حد اصرار پر ادارہ ہذا نے آنچل کے ساتھ ایک اور معیاری ڈائجسٹ کا اجرا "ماہنامہ حجاب" کے نام سے کیا ہے۔ وہ قاری اور لکھاری بہنیں جن کو ادارہ سے اپنی تحریریں طویل عرصے تک شائع نہ ہونے کی شکایت رہتی تھی اب یقیناً اس نئے ڈائجسٹ کے اجرا سے ان کی شکایات اور مایوسی بہت حد تک ختم ہو جائے گی۔ میں امید کرتی ہوں کہ ماہنامہ آنچل کی طرح ادارہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز اپنی سابقہ روایات برقرار رکھتے ہوئے نا صرف اپنی قاری اور لکھاری بہنوں کے لیے ایک خوش گوار معیاری اضافہ ہوگا بلکہ ادب کی صفوں میں بھی اس نئے جریدے کو توصیلی پیرائی ضرور حاصل ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ میں ماہنامہ حجاب کے اجرا کی بہترین کوشش پر انکل مشتاق احمد قریشی، مدیرہ قیصر آرا مدیر طاہر قریشی اور تمام اسٹاف کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتی ہوں خدا کرے ماہنامہ آنچل کی طرح ماہنامہ حجاب بھی ادب کی دنیا میں اپنی منفرد پہچان کے ساتھ دن دوگنی رات چوگنی ترقی حاصل کرے، آمین۔

نادیہ فاطمہ رضوی...... کراچی۔ حجاب کے بارے میں معلوم ہوا تو بہت خوشی ہوئی آنچل پڑھنے کے بعد میں سوچتی تھی کہ اف اب پورا ایک ماہ انتظار کرنا پڑے گا مگر اب ایک ماہ میں ہمیں دو، دو آنچل ملیں گے اسی بات کی مجھے بے حد خوشی ہے۔ میں آنچل کی پوری ٹیم کو حجاب کی اشاعت پر مبارک باد دیتی ہوں مجھے امید ہے کہ آنچل کی سہیلی اور ہمجولی آنچل والی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے نئی لکھنے والوں کی بھرپور حوصلہ افزائی کرے گا۔ آنچل کی طرح یقیناً حجاب بھی ہماری امیدوں پر پورا اترے گا اور اس کی کہانیاں بھی ہماری پسند اور توقع کے مطابق ہوں گی ساری دعائیں حجاب کے ساتھ ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ حجاب کو عروج کی منزل عطا کرے اسے کامیابی سے ہم کنار کرے آمین اور پیاری بہنوں حجاب کو آپ کے ساتھ آپ کے تعاون کی ضرورت ہے ہم سب مل کر آنچل کی ہمجولی کو آنچل کے مقام پر لائیں اور اسے بھی آنچل کی طرح کامیابی کی منزل طے کرائیں گے۔

انیقہ محمد بیگ...... حجاب کیلئے بہت سی دعائیں اللہ پاک آنچل کی طرح حجاب کو بھی لوگوں کے دلوں میں بسا دیں اور ان شاء اللہ میں بھی بہت جلد حجاب کا حصہ بنوں گی۔ اسٹاف ممبر کو مبارک باد۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی السلام علیکم، حجاب ڈائجسٹ کے اجرا پر دلی خوشی ہوئی۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے گھر میں ڈائجسٹوں کو دیکھا۔ ان میں آنچل ڈائجسٹ سرفہرست رہا ہے۔ پہلے چھپ کر پڑھا، پھر کھلم کھلا اور آخر میں الحمدللہ اس ادارے کا مستقل حصہ بن گئی ہوں۔ بے حد خوشی ہے کہ اب ایک اور ڈائجسٹ پڑھنے کو ملے گا جو کہ مکمل فیملی میگزین ہوگا اور اس میں ہر وہ ٹاپک ملے گا جس کی آج کی خواتین کو ضرورت ہے۔ میری دلی دعائیں حجاب کے لیے ہیں۔ اللہ پاک حجاب کو بھی وہی کامیابیاں اور کامرانیاں عطا کرے جو کہ آنچل کو ملی ہیں۔ یہ بھی آپس میں محبت بانٹنے اور ہم اس کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ جڑے رہیں۔

تمہارے واسطے دل کا رباب لائی ہوں
سجا کے آنکھوں میں ڈھیروں میں خواب لائی ہوں
خدا کرے تو روشن رہے قیامت تک
دعائیں تمہارے لیے بے حساب لائی ہوں

مسز نگہت غفار...... کراچی۔ آج میں آپ سب کی توجہ ادب کی دنیا میں قدم رکھنے والے اس ننھے بچے کی طرف کرا رہی ہوں جس کا نام ہے حجاب دیکھیں کتنا دل فریب اور پاکیزہ نام ہے اس بچے کا سلسلہ مقدس خوب صورت سے جھلمل کرتے آنچل سے جڑا ہے آنچل جس کے نام سے ایک تقدس اور احترام کا خیال دل میں آتا ہے اس اوڑھنی آنچل کو جب سے جانتی ہوں جب بھرپور شباب پر تھا یوں سمجھ لیجیے کہ سن اسی سے میں اس خوب صورت رسالے اور اس کی فیملی سے شناسا ہوں جب ماشاء اللہ کبھی کبھی لگاتار دو دو تین تین ماہ سے میرے افسانے شامل اشاعت ہوتے جب زیب النساء باجی کا دور تھا اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے پھر ہوا یوں کہ میں نے شادی کے بعد اپنی بے حد الجھی ہوئی صبر آزما زندگی کا سفر شروع کیا جو مختلف حادثات اور واقعات پر مشتمل رہا جس کی وجہ سے میں جنون کی حد تک لکھنے والی دس سال کے لیے لکھنے کے شوق کو خیر باد کہا پھر اس میدان میں قدم رکھا مگر اس عرصے میں اپنے آنچل سے وقفے وقفے سے رابطے میں رہی پرخلوص ملنسار اور محبتیں لٹانے والی مدیرائیں ملتی رہیں اور ایک نام ان میں سب سے اہم ہے طاہر احمد قریشی بے حد فرماں بردار عزت کرنے والے میٹھی اور سلجھی ہوئی زبان میں گفتگو کرنے میں تو ان کو بیٹا ہی کہہ کر بلاتی ہوں۔ باقی اسٹاف بھی بہت اچھا ہے۔ جب ہم لوگ اتنے عرصے سے آنچل سے منسلک رہیں تو بھلا اب حجاب سے کیسے غفلت کرسکتے ہیں یہ ایک چھوٹا سا پودا جس کو ایک مضبوط قد آور درخت میں بدل دیں گے ان شاء اللہ ہر قدم اور ہر منزل پر اس کا ساتھ دیں گے جب اور رسائل سے ہم منسلک ہیں تو اس سے بے پروائی نہیں کریں گے اس میں بھی ضرور لکھیں گے۔ اپنے اس حجاب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ ان شاء اللہ ہمارا حجاب اپنے نام کی خوب صورتی، عظمت تقدس اور احترام کو برقرار رکھے گا اللہ سے دعا ہے کہ پیاری سی مدیرہ بہن، پیارے سے بیٹے طاہر اور دیگر عملے کو تمام بہنوں کو جو حجاب سے وابستہ ہیں ان سب کو اللہ پاک اپنی رحمت اور عنایتوں کے حصار میں رکھے۔ حجاب کو ادب کی اس دنیا میں قد آور مضبوط اور محافظ کا روپ عطا فرمائے آمین۔ آپ سب سے التماس ہے کہ اس پیارے سے حجاب کے لیے کچھ کرسکتے ہیں تو پلیز دیر نہیں کیجیے اس کے ہر شعبے کو عروج حاصل ہو آمین۔

ادب کے آسمان پر تم چمکو مثل آفتاب
ہو جہاں میں نصیب تم کو عروج ایسا

فاخرہ گل...... اٹلی۔ السلام علیکم، جس وقت میں یہ سطور تحریر کررہی ہوں اس وقت حجاب خود حجاب میں ہے اس میں کون سے سلسلے خاص ہیں، کن خوب صورت تحریروں سے مزین ہے ملک کی کن بہترین لکھاریوں کے قلم کے حصے میں یہ اعزاز آیا ہے کہ وہ حجاب کے افتتاحی پرچے میں اپنی منفرد کہانیوں سے شمولیت اختیار کریں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نئے پرچے میں منفرد اور انوکھا کیا ہے؟ ابھی اس تمام سسپنس سے پردہ اٹھنا تو باقی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح کسی بھی گھر کا

اخلاق، تعلیم وتربیت اور رہن سہن دیکھنے کے لیے کسی ایک فرد سے ملاقات کرلینا بہتر سمجھا جاتا ہے اور جس طرح کسی بھی پودے کے صرف ایک ہی پھول کو دیکھنے یا سونگھنے کے بعد اس پودے کے متعلق ایک ٹھوس رائے قائم کرلی جاتی ہے بالکل اسی طرح قارئین کے لیے نئے افق یا آنچل سے وابستہ ہونے کے بعد یہ امید کرلینا بالکل غلط نہیں ہوگا کہ حجاب بھی اپنی طرز کا ایک ایسا خوب صورت ماہنامہ ہوگا۔ جس کا معیار یقینی طور پر نیا ہونے کے باوجود بھی اپنے سے کئی برس پرانے رسائل سے ہرگز کم نہیں ہوگا اور اس میں چھپنے والی ہر تحریر کے انتخاب کے وقت ادارہ وہ معیار اپنائے کہ کوئی بھی قاری ایک دفعہ پڑھنے کے بعد دوبارہ اسی اعلیٰ و بہترین معیاری تحریر کی تلاش میں اس مرکز پر پہنچ جائے اور میں یہ بھی امید کرتی ہوں کہ اگر رائٹر کہانی کی سچویشن کے بہاؤ میں الفاظ کے چناؤ اور جذبات کے اظہار میں قلم کا توازن برقرار نہ بھی رکھ پائے تو ایڈیٹر اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے قلم کا توازن سنبھالنے میں اس طرح معاون ثابت ہوں کہ لفظوں کی حرمت بھی بحال رہے اور قلم پر بھی حرف نہ آئے۔ میری بہت سی نیک خواہشات اور دلی دعائیں ماہنامہ حجاب کی پوری ٹیم اور ادارے کے ساتھ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس نئے پرچے کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے اور آنچل کی طرح حجاب بھی قارئین کے دلوں میں اپنی ایک الگ جگہ بنالے۔ آپ سب جس طرح جان فشانی کے ساتھ محنت کرتے ہوئے ایک نئے ماہنامے کو متعارف کرارہے ہیں بلاشبہ آپ سبھی لوگ بے حد مبارک باد کے مستحق ہیں۔ پڑھنے والوں کو بھی بہت مبارک باد کہ ہر ماہ دستیاب ادبی مواد میں اب ان کے لیے ایک نیا اضافہ ہوگیا ہے۔ اللہ اس ماہنامے کا لکھاریوں اور قارئین کے ساتھ ہمیشہ کا ساتھ بنائے رکھے، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

عالیہ حرا...... کراچی۔ جناب طاہر صاحب، السلام علیکم! نئے افق پبلی کیشنز کی ایک اور کاوش "حجاب" یقیناً اپنے نام کی طرح منفرد، لازوال، مکمل اور جامع ماہنامہ ہوگا۔ آنچل کا پاکیزہ عکس اسے مزید خوب صورتی عطا کرے گا۔ اپنے پڑھنے والوں کو نئی روشنی، نئی امنگ دے گا اس لیے رائٹرز کو بھی سوچ سمجھ کر موضوعات کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اس کے اجرا کی خبر مجھے خاصی تاخیر سے ملی (جاب کی مصروفیات نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے) ورنہ اس کے پہلے شمارے میں ضرور اپنی کہانی کے ساتھ حاضر ہوتی۔ خیر دیر آید درست آید کہ مصداق پہلا شمارا ہاتھوں میں آنے دیں پھر دیں گے دعا دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی۔ خدا آپ سب کی کامیابیوں کا یہ سفر جاری وساری رکھیں۔ آمین

سباس گل...... رحیم یار خان

نہ کوئی اس کا جواب ہوگا
سب کا عالی جناب ہوگا
تجھی کی آنکھوں کا خواب ہوگا
عروج پر یوں "حجاب" ہوگا، ان شاء اللہ

نئے افق گروپ آف پبلیکیشنز کو آنچل کے بعد "حجاب" کا اجرا بہت بہت مبارک ہو۔ انکل مشتاق احمد قریشی، محترم طاہر احمد قریشی، عمران احمد قریشی، آنٹی قیصر آرا اور "حجاب" کی پوری ٹیم کے لیے بہت سی دعائیں اور نیک تمنائیں، اللہ پاک حجاب کو بے پناہ مقبولیت اور کامیابیوں سے نوازیں، آمین۔

ڈاکٹر ھما جھانگیر...... اسلام آباد۔ ماہنامہ حجاب کے اجرا پر میں تمام ٹیم کو مبارک باد دیتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ یہ ماہنامہ اپنے پہلے شمارے سے ہی اپنے قارئین کے دل میں جگہ بنالے گا۔ ماہنامہ حجاب ہماری تمام توقعات پر پورا اترے گا۔ ماہنامہ حجاب ایک ایسا ڈائجسٹ ہے جو تمام نئے اور پرانے رائٹرز کے لیے یکساں پلیٹ فارم مہیا کرے گا تاکہ ہر طرح کا معیاری ادب لکھنے والا یہاں اپنے فن کا مظاہرہ کرسکے۔ اس ماہنامے میں جدت اور رنگینی ہے۔ زندگی کا ہر پہلو اس میں بہت خوب صورتی سے اجاگر کیا گیا ہے۔ میری تمام نیک تمنائیں اس کے ساتھ شامل ہیں۔ اللہ پاک آپ سب کو کامیابی سے ہم کنار کرے آمین۔

ریحانہ آفتاب عمران...... کراچی۔ جون 2001ء کی وہ گرم چلچلاتی دوپہر آج بھی حافظے میں مقید ہے۔ جب ماہنامہ آنچل میں میری پہلی تحریر شائع ہوئی تھی اور تپتا مہینہ شبنم کی سی ٹھنڈک میں بدل گیا۔ گو کہ اسی ماہ ایک اور پرچے

میں میری تحریر شائع ہوئی مگر میری تحریر سے سجا جو شمارہ میرے ہاتھ میں سب سے پہلے آیا وہ آنچل تھا۔ پھر ایک سلسلہ چل نکلا میری تحریر کی خوبیوں اور خامیوں کو جس طرح فرحت آرا آپی اور قاری نے سراہا وہ بھی قابل ذکر ہے تحریر نکھرتی چلی گئی۔ طویل غیر حاضری کے بعد جب قلم سے رشتہ دوبارہ استوار کیا تو پہلا خیال آنچل کا آیا کیونکہ آنچل نے ہمیشہ کسی بھید بھاؤ کے نئے لکھنے والوں کو ہمیشہ موقع دیا ان کی پزیرائی کی جس کی زندہ مثال میں خود ہوں۔ میں نے اسکولنگ سے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا آج سے پندرہ سال پیچھے ماضی کے جھروکوں میں جھانکیں تو یہ وہ دور تھا جب گھروں میں ڈائجسٹ کا داخلہ بند تھا۔ والدین کا یہ خیال تھا عشق ومحبت کی کہانیاں پڑھ کر لڑکیاں خراب ہوجاتی ہیں۔ لیکن آج مجھے یہ لکھنے میں کوئی عار نہیں کہ میری تربیت میں جتنا میری ماں کا ہاتھ ہے اتنا ہی ڈائجسٹ کا جس کی کہانیوں کو پڑھ کر نہ صرف اچھے برے، صحیح غلط کی تمیز آئی بلکہ ایسی باتیں جو ہماری سو کالڈ سوسائٹی کے باعث مائیں اپنی اولاد سے ڈسکس نہیں کرسکتیں۔ ان سے بھی واقفیت ہوئی۔ خوب صورت اور سبق آموز تحریر روشنی کی کرن بن کر آپ کی تاریک راہوں کو روشن کرنے کا باعث بنتی ہے۔ تلخ حقائق، حقیقی چہروں سے روشناس کراتی ہیں۔ کئی سال بحیثیت ایک قاری پرچوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر صاحب ہوش اس بات کو تسلیم کرے گا کہ کئی نامور پرچوں میں کہانی کا وہ معیار نہیں رہا ایک ہی پرچے میں سطحی اور دوسری اعلیٰ وارفع تحریر پڑھ کر طبیعت مکدر ہوجاتی ہے۔ مگر آنچل نے معیار برقرار رکھا ہے اور اب آنچل گروپ نے کامیابی کی جانب ایک اور قدم بڑھایا ہے۔ ماہنامہ حجاب سب سے پہلے تو اتنا خوب صورت اور باوقار نام ایک ادبی پرچے کے ماتھے کی زینت بنانے پہ خراج تحسین، آنچل جس طرح ہمارے دلوں میں جگہ بنا چکا ہے ایسی ہی امید حجاب سے وابستہ ہے کہ حجاب اپنی انفرادیت کے باعث ایک مثالی پرچہ بنے گا، ان شاء اللہ۔ سر طاہر قریشی نے جب حجاب کے لیے اپنے تاثرات لکھنے کی دعوت دی تو کئی لمحوں تک سوچ میں پڑگئی کہ مجھ ناچیز کو انہوں نے اتنی عزت دی۔ طاہر سر یا آپ کا مان ہی مجھ سے یہ سب لکھوا رہا ہے۔ لفظ لکھنے والے ہیں جانتے ہیں کہ اپنے احساسات وجذبات کو قلم طراز کرنا کتنا کٹھن ہے۔ ادبی پرچے میں ایک اور خوب صورت اضافہ ماہنامہ حجاب کی صورت میں ہورہا ہے امید کامل ہے کہ مقبولیت کے سفر میں اللہ اسے آنچل کی صف میں لاکھڑا کرے۔ اس کے منتظمین اور روح رواں نے جس امید پر بہنوں کے چہروں پہ حجاب ڈالنے کی کوشش کی ہے اللہ انہیں کامیاب کرے، آمین۔ میری دعائیں نیک خواہشات حجاب کے ساتھ ہیں آنچل وحجاب کے لیے

تیرے سوا بھی کئی خوش نظر تھے مگر
جو تجھ کو دیکھ چکا ہو، وہ اور کیا

سلمیٰ فہیم گل...... لاہور۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ طاہر بھائی نے کہا کہ حجاب کے بارے میں کچھ لکھیں کوئی دعا، کوئی نیک خیالات کا اظہار کردیں اس وقت تو میں نے فوراً ہی بھرلی۔ مگر جونہی قلم اٹھایا لفظ کہیں گم ہوگئے بہت سوچ بچار کے بعد جو ذہن میں آتا جارہا ہے صفحہ قرطاس پر بکھیرتی جارہی ہوں۔ آنچل سے رشتہ بہت پرانا ہے بہت سالوں سے اسے پڑھ رہی ہوں بہت گہرا تعلق وابستہ ہے اس سے پڑھتی تھی تو دل کرتا تھا اس میں لکھوں بھی پھر ڈرتے ڈرتے اس کے سلسلوں میں لکھنا شروع کیا فرحت آرا بجو (مرحومہ) اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے انہوں نے بہت حوصلہ افزائی کی اور مجھے چھوٹی موٹی ہی سہی مگر رائٹر کا خطاب مل گیا۔ حجاب بھی اس کا پرتو ہے۔ بہت دنوں سے پڑھ رہی تھی حجاب کے بارے میں فائنلی آنچل کی ہم جولی ہاتھوں میں آنے والی ہے۔ بہت شدت سے انتظار تھا (آفٹر آل ہماری بھی تحریریں پینڈنگ میں پڑی ہیں) مجھے پورا یقین ہے جس طرح آنچل عروج کی بلندیوں کو چھورہا ہے اسی طرح ان شاء اللہ حجاب بھی دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے گا۔ بہت سی کلوز فرینڈز ہیں جو آنچل کے علاوہ دوسرے پرچوں کو معیاری گردانتے تھے جب سے آنچل پڑھا ہے تب سے اس کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتی ہیں بہت خوشی ہوتی ہیں جب آنچل کی کامیابی دیکھتی ہوں اور دعا گو ہوں کہ جس طرح آنچل ایک معیاری پرچا ہے اسی طرح حجاب بھی اپنے بہترین معیار کی بدولت عروج کی بلندیوں کو چھونے لگے اور دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے میری نیک تمنائیں اور بے شمار دعائیں حجاب کے ساتھ ہیں یہ ہمارا اپنا پرچہ ہے اور اپنی چیز ہر کسی کو عزیز ہوتی ہے میری بھرپور کوشش ہوگی کہ میں بھی کاغذ قلم سے ناتا جوڑ کر حجاب کے لیے اس کے معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ لکھ سکوں، فی الوقت تو اس کی کامیابیوں اور کامرانیوں کے لیے دعا گو ہوں اور اس کو ترتیب دینے والی ٹیم کے لیے دعا گو ہوں کہ وہ اسے بااحسن طریقے

سے ہمارے ہاتھوں تک پہنچادیں اوراس کی کامیابی یقینی ہوسکے اللہ تعالیٰ آنچل کی طرح حجاب کو بھی دوسروں کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے اوراسے کامیابیوں اور کامرانیوں سے نوازے آمین ثم آمین۔

سویرا فلک...... کراچی۔ السلام علیکم! گوکہ رواں سال میں ایک نئے ماہنامے کے اجرا کی خبریں سننے میں آئیں اور جوحسب توقع نقارخانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوئی۔ لیکن ماہنامہ حجاب جس پلیٹ فارم سے آرہا ہے اس کی معیاری ہونے میں کسی شک وشبہات کی گنجائش نہیں اللہ حجاب کو کامرانیوں کی نئی منزلوں سے ہم کنار کرے آمین

صائمہ قریشی۔ آکسفورڈ یوکے۔ السلام علیکم سب سے پہلے ''حجاب'' کے لیے مبارک باد۔ جب سے حجاب کے اجرا کا سنا ہے بے چینی سے انتظار ہورہا ہے۔ گن گن کردن گزارے جارہے ہیں۔ آج کل جیسے جیسے لکھنے والوں میں اضافہ ہورہا ہے ویسے ہی ذرائع بھی مہیا کیے جارہے ہیں، جیسے آنچل نے بہت سی رائٹرز کو تراش کر ایک کامیاب لکھاری بنایا ہے۔ جن میں ایک نام صائمہ قریشی کا بھی ہے۔ آج میری کامیابی کا سہرا آنچل کے سر ہے جنہوں نے ہمیشہ میری رہنمائی کی۔ اسی طرح آج حجاب سے بھی نئی لکھنے والوں کی بہت سی توقعات وابستہ ہورہی ہیں اور امید ہے کہ آنچل کی طرح حجاب بھی نئی رائٹرز کو موقع دے کر ادب کی دنیا میں ان کے ساتھ ساتھ اپنا بھی سر بلند کرے گا۔ بہت ساری نیک خواہشات اور دعائیں حجاب کے نام۔ اللہ کرے آنچل کی طرح حجاب بھی ہمیشہ جگمگاتا رہے آمین۔

نازیہ جمال...... تونسہ شریف۔ بچپن میں سکھیوں کے ساتھ کوکلا چھپا کی، اور پہل دوج کھیلنے میں خوب مست ہوئی کہ صحن کے ایک کونے سے کھرکتی آئی۔ اوہ ہوں سات سال کی جوان جہاں لڑکی ہوا اپنا آنچل سنبھالو دیکھو کیسے مٹی میں رل رہا ہے۔ اسے سر سے سرکنے مت دو۔ یہ آواز میری ماں کی ہوتی پھر ماں کے ساتھ دادی، استانی ہر عمر کے بڑے سے تقریباً ایسے ہی الفاظ سنے، وقت گزرتا گیا سر کا بڑوں نے لہجے کا لباس تو نہیں بدلا مگر لفظوں کے ہیر پھیر سے ایک نئی حقیقت سمجھائی۔ اب تم حجاب لو اسے اپنا حفاظتی حصار سمجھو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آنچل اور حجاب سے لگاؤ محبت اور ان کے وقار کا خیال میرے شعور میں راسخ ہوتا گیا یہی وجہ ہے کہ جب مجھے احساس ہوا کہ میں بھی تھوڑا بہت لفظوں کو نکھارنے کا ہنر جانتی ہوں تو بہت اعتماد سے آنچل کے لیے قلم اٹھالیا امید سے بڑھ کر پذیرائی اور محبت ملی آنچل کی سنگی بیلی اور چھوٹی بہن حجاب کی آمد کا چرچا کچھ عرصے سے سن رہے تھے۔ شکرانتظار ختم۔ اللہ سے دعا ہے کہ آنچل کی طرح حجاب بھی کامیابی کے بام عروج تک پہنچے آمین۔

حیا بخاری...... ڈیرہ غازی خان۔ میرا ماننا ہے کہ انتہا تک آتے ہی ابتدا ہمیں جکڑ لیتی ہے اور بہترین انسان وہی ہوتے ہیں جو اپنی اگلی ابتدا کو بہترین بنادیں۔ زندگی میں کہیں نہ کہیں وہ مقام آتا ہے جب ہمیں کچھ نئی راہیں چننا پڑتی ہیں۔ نئی منزلوں کا ارادہ کرنا پڑتا ہے۔ نئی کامیابیوں کی طرف قدم بڑھانا پڑتا ہے اور اگر اس میں اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہوں، آپ کی ان منزلوں، کامیابیوں اور راہوں کے ہمنوا تب اگر آپ ان کی رہنمائی کردں۔ اصلاح کرو اور بہترین تر ان تک لانے کا ارادہ کرو تو اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں اور آج بالکل اسی طرح آنچل نے ادب کی دنیا میں اپنی اہمیت اور پہچان نہ صرف بنائی بلکہ روز بروز اس کو مزید گہرے رنگ دیے علم کے تجربے کے اور اپنے قارئین کو بہترین پہنچانے کے لیے اور کامیاب بھی رہا اور اب جب یہ ادارہ ایک اور قدم بڑھانے لگا ہے ایک اور منزل کی طرف راہ پکڑ رہا ہے تو نہ صرف مصنفین بلکہ قارئین بھی اس کے ساتھ ہیں اور دل من کی دعا ہے کہ اللہ پاک اسے لوگوں تک صحیح اور معیاری ادب پہنچانے کا ذریعہ بنائے۔ امید ہے کہ یہ پرچا نہ صرف تفریحی بلکہ اصلاحی اشاعت کی بھی بہترین تاریخ رقم کرے گا۔ دلی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ آنچل کی ٹیم اور مصنفین اور قارئین کو مبارک باد۔

تمثیلہ زاھد...... کراچی۔ السلام علیکم، طاہر بھائی یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آنچل کی سہیلی حجاب آرہی ہے۔ نومبر میں اس کے آنے کا شدت سے انتظار ہے۔ پڑھ کر ضرور رائے دوں گی۔ حجاب کے لیے میری طرف سے بہت سی بیسٹ وشز مجھے امید ہے کہ اللہ آپ کے باقی شماروں کی طرح اس کو بھی مقبولیت دے گا اور سب ہی پڑھنے والوں کے انتظار کی شدت سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حجاب اپنے آنے سے پہلے ہی لوگوں میں مقبول ہورہا ہے۔ ان شاء اللہ اسے ایک مقام لوگوں میں حاصل ہوگا۔

غزالہ جلیل رانو...... اوکاڑہ۔ السلام علیکم، آنچل کے بعد حجاب ڈائجسٹ کا اجرا ایک اچھا قدم ہے کیوں کہ ڈائجسٹ کم ہیں اور لکھاری زیادہ۔ لکھاریوں کے لئے اچھی خوش خبری ہے امید کرتی ہوں آنچل کی طرح پہلے پرچے سے ہی کامیابی کی منازل طے کرے گا۔ میرا مشورہ آپ کے لیے یہ ہے کہ کسی بھی ڈائجسٹ کو کامیاب اچھی تحریریں بناتی ہیں اور سب رائٹر کو یکساں جگہ دی جائے۔ کسی بھی ایک رائٹر کو سلسلے وار ناول کے لیے مخصوص نہ کیا جائے۔ بات نئی یا پرانی رائٹر کی نہیں معیار پرکھا جائے۔ ایک مصنف کا ناول شائع کیا ہے تو دوبارہ اس کا ناول نہیں لگایا جائے کسی اور مصنفہ کو موقع دیا جائے۔ ہوسکے تو میری بات پہ غور کیجئے گا۔

سحرش فاطمہ اور بشریٰ خان...... کراچی۔ السلام علیکم سب سے پہلے پورے ادارے کو حجاب کی اشاعت پر دلی مبارکباد۔ بہت خوشی ہوئی ایک نئے عزم اور امید کی کرن آنچل ہمیشہ سے نئے لکھاریوں کو اپنے ادارے میں شامل رکھتا ہے اور اب جب کہ خود ایک نئے جریدے کے ساتھ موجود ہے۔ آنچل سے ہمارا رشتہ بہت پرانا ہے اور ہمیشہ مثبت رویہ اختیار کیا ہے۔ طاہر بھائی ہوں یا قیصر آپی دونوں نے ہی ہمہ وقت ساتھ دیا آگے بڑھایا نئے لکھاریوں کو موقع دیا۔ امید ہے کہ ہم نئے لکھاریوں کا ساتھ آنچل اور حجاب کے ساتھ بندھا رہے گا۔ بہت نیک خواہشات کے ساتھ اشاعت کا بے صبری سے انتظار ہے۔ ساتھ میں اپنی تحریروں کو بھی حجاب کے صفحوں پر دیکھنے کے لئے پرامید ہوں۔ اللہ سے یہی دعا ہے کہ وہ طاہر بھائی قیصر آپی آنچل اور حجاب کو اور پھیلائے۔ جو محنت آپ لوگ کررہے ہیں اللہ اس کا پھل بہت اچھا دے اور جو نئی لکھاری بہنیں آنچل و حجاب میں شامل ہونے کے لئے کوشاں ہیں ان سب کو خوش آمدید اور ساتھ میں نیک خواہشات۔

صدف آصف...... کراچی۔ ڈائجسٹ میں چھپنے والی کہانیاں وغیرہ انسانی زندگی اور سماج کا آئینہ دار کہلاتے ہیں۔ خواتین کے لیے شائع شدہ ڈائجسٹ کی مقبولیت کی سب سے اہم وجہ یہی رہی ہے کہ انہوں نے عصری آگہی اور انسانی زندگی کے مسائل کی نہ صرف نشاندہی کی، بلکہ ان کا حل بھی پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح یہ صرف زندگی کے عکاس ہی نہیں بلکہ ترجمان بن کر ادبی افق پر ابھرے۔ ''آنچل'' کے بعد ''حجاب'' بھی اس دوڑ میں شامل ہونے جارہا ہے۔ حجاب کے پہلے شمارہ کے منظر عام پر آنے کا بہت دنوں سے انتظار تھا۔ اب یہ انتظار ختم ہوگیا ہے۔ ہماری بہت ساری نیک تمنائیں اور اچھی دعائیں اس ادارے اور ان سے وابستہ ہر ایک شخص کے لیے ہیں جن کی ان تھک محنت کے بعد ایک اچھی کاوش کی شکل میں قاری کے ہاتھ میں آتا ہے، یہ ادارہ اتنے سالوں سے جس طرح اپنے قارئین کی خدمات میں لگا ہوا ہے اس کو اگر سراہا نہ جائے تو یہ یقیناً ان کی حق تلفی ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ آنچل کی طرح حجاب بھی کامیابی کی منزل طے کرتے ہوئے پڑھنے والوں کی نگاہ میں اپنا اعلیٰ مقام بنائے گا۔ شکریہ۔

رشک حبیبہ...... نارتھ کراچی۔ تمام مدیران اور ٹیم ممبران کو بہت بہت مبارک باد۔ حجاب کا تازہ شمارہ منظر عام پر آنے والا ہے اللہ پاک آپ سب کا سفر خوب سے خوب تر کرے۔ تاکہ پڑھنے والوں کو ایک اچھا مفید رسالہ میسر آسکے میری تمام تر نیک تمنائیں نوزائیدہ حجاب کے ہمراہ ہیں۔ حجاب کے حوالے سے خوش رنگ توقعات منظوم کلام کی صورت حجاب کے اولین شمارے کی نذر کرنا چاہوں گی۔

نادیہ احمد...... دبئی۔ السلام علیکم سب سے پہلے ادارہ ماہنامہ آنچل، نئے افق اور ان کی ٹیم کو میری طرف سے بے تحاشہ مبارک باد کہ کام ہی داد و تحسین کے لائق ہے جو اس ماہ یعنی نومبر 2015 کو ہمیں اس ادارے کی طرف سے ایک نیا شمارہ ماہنامہ حجاب پڑھنے کو ملے گا۔ میں امید کرتی ہوں جس طرح ماہنامہ آنچل نے ہمارے دلوں کو اپنا اسیر کیا ہے آنے والے دنوں میں ماہنامہ حجاب بھی ہمارا ساتھی بن جائے گا۔ میری نیک خواہشات ہمیشہ ادارے کے ساتھ ہیں اور میری اللہ رب العزت سے دعا ہے یہ دن دوگنی ترقی کرے۔ آمین۔

نظیر فاطمہ...... لاہور۔ السلام علیکم! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ اللہ پاک آپ سب کو ہمیشہ اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھیں۔ آنچل کے اپریل ۲۰۱۵ کے شمارے کی ''سرگوشیاں'' سے جب یہ بات میرے علم میں آئی کہ نئے افق پبلیکیشنز کے زیر اہتمام ''حجاب'' کے نام سے ایک نیا ماہنامہ منظر عام پر آرہا ہے تو مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اب ''آنچل''

کے ساتھ ساتھ "حجاب" بھی نسل نو خصوصاً بچیوں کی تربیت میں اپنا مثبت کردار ادا کرے گا۔ موجودہ دور میں جب پڑھنے کا رجحان خطرناک حد تک کم ہو رہا ہے ایک نئے رسالے کے اجرا کا فیصلہ قابل تحسین ہے۔ یقیناً نئے افق پبلی کیشنز کے باہمت لوگ ہی ایسا فیصلہ کر کے اسے حقیقت کی شکل دے سکتے ہیں۔ "حجاب" کی ٹیم کو دعائیں کہ آخر انہی کی ان تھک محنت کے نتیجے میں یہ نومبر میں قارئین تک پہنچے گا۔ "حجاب" سے میری بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں کہ اسے ایسی تحاریر سے سجایا جائے گا جو تفریح کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اصلاح میں معاون و مددگار ثابت ہوں گی اور یہی تحریریں معاشرے میں مثبت تبدیلیوں کی راہ ہموار کریں گی۔ ان رسالوں کو چونکہ زیادہ تر خواتین پڑھتی ہیں اس لیے اگر یہ خواتین میں شعور اور مثبت انداز فکر کو پروان چڑھادیں تو خواتین اپنے ملک اور معاشرے کی ترقی اور کامیابی میں اہم کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائیں گی۔ میں یہ بھی امید کرتی ہوں کہ ماہنامہ "حجاب" نئی لکھاری بہنوں کے لیے ایک بہترین پلیٹ فارم ثابت ہوگا اور ان کو آگے بڑھنے میں مدد دے گا۔ میں ایک تجویز بھی پیش کرنا چاہوں گی کہ ماہنامہ "حجاب" میں ایسا سلسلہ شروع کیا جائے جو خواتین کو مختلف ہنر سیکھنے کی طرف راغب کر دے کہ خواتین اپنے فارغ وقت کو بہتر طریقے سے استعمال کرسکیں۔ ماہنامہ "حجاب" ان شاء اللہ نومبر میں میرے ہاتھ میں آئے گا تو ہی یہ حقیقت معلوم ہو سکے گی کہ یہ میری امیدوں پر کتنا پورا اترا ہے (ان شاء اللہ سو فی صد پورا اترے گا)۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ اب اجازت دیجیے۔

☆نظیر فاطمہ آپ کی تجویز نوٹ کرلی ہے اور جلد ہی آپ سے اس سلسلے میں رابطہ کریں گے۔

غزل زیدی...... حیدر آباد۔ اسلام علیکم، حجاب املا کے اعتبار سے چار حرفوں کے ملاپ کا نام ہے لیکن معنی کے اعتبار سے سات سمندروں کی گہرائی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ حجاب نگاہوں سے عیاں ہو تو حیا بن جائے، لفظوں میں بیاں ہو تو وفا بن جائے اور لہجوں میں بیاں ہو تو ادا بن جائے۔ وہ حجاب ہی تھا جو آدم اور حوا کے مابین تھا اور وہ بھی حجاب ہی تھا جس کی تاب کلیم اللہ نہ لا سکے تھے تو گویا حجاب ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ حال ہی میں اطلاع ملی کہ نئے افق کے سنگ آنچل کے سائے تلے بھی ایک حجاب ہے جو شمسی مہینے، نومبر کی دس تاریخ کو منظر عام پر آنے والا ہے۔ اس خبر نے دل کو بے طرح خوشی دی اور ول سوچ کر شکر خداوندی بجا لایا کہ اردو کی ترقی و ترویج کا کام بہت تیزی سے پھل پھول رہا ہے اور یہ بھی کہ میں اور میرے جیسے نو آموز قلم کاروں کو اپنے قلم کے جوہر دکھانے کا سنہری موقع میسر آئے گا۔ ایک اور در ہے جو وا کر دیا گیا ہے جہاں سے شعور و حکمت کے فن پارے اپنے فن سے نہ صرف دلوں کو بہلائیں گے بلکہ معمولات زندگی میں رہنما کا کردار ادا کریں گے۔ آنچل کی تمام فیملی (ادارہ، رائٹرز، قارئین) آنچل کے اس نئے سنگ میل پر مبارکباد کی مستحق ہے کہ بلاشبہ

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ملتے ہی گئے اور کارواں بنتا گیا

اس شعر کے مصداق پہلا قدم شرط ہے اس کے بعد ان تھک محنت اور مستقل مزاجی کامیابیوں کے ان گنت در وا کر دیتی ہے۔ یقیناً ایک اور نئے ماہنامے کا اجرا آنچل کی لازوال کاوشوں کا ثمر ہے اور آنے والی کامیابیوں کا ضامن بھی اللہ پاک آنچل کو بے حساب کامیابیوں سے نوازے آمین۔

ندا حسنین...... کراچی۔ میں سب سے پہلے تو حجاب کے ادارے میں سلام عرض کرنا چاہوں گی اور پھر ماہنامہ حجاب کے پہلے پرچے کے شائع ہونے پہ تہہ دل سے مبارک باد دینا چاہوں گی۔ بلاشبہ حجاب آنچل کا ہی دوسرا روپ ہوگا اور امید کرتی ہوں کہ ادارہ یہاں بھی بہترین کہانیوں کا انتخاب کرے گا جو قارئین کے دلوں کو چھو کر ان پہ راج کریں۔ آنچل کی طرح حجاب کے ساتھ بھی ہمارا تعلق اچھا رہے گا۔ دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ آنچل و حجاب دونوں کو بے شمار کامیابیاں عطا کرے اور قارئین تک بہترین کہانیاں پہنچانے کا ذریعہ بنائے آمین۔

حنا اشرف...... کوٹ ادو۔ السلام علیکم امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے سب سے پہلے تو میں ماہنامہ آنچل ڈائجسٹ کی ٹیم کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جو آنچل کے بعد ہمیں حجاب ڈائجسٹ سے متعارف کرا رہے ہیں۔ کافی عرصے سے بے صبری سے آنچل کی سہیلی ہم جولی حجاب کا انتظار ہو رہا تھا نام بہت خوب صورت سلیکٹ کیا گیا ہے آنچل کے ساتھ حجاب

بی پیارا لگتا ہے ان شاء اللہ یہ بھی آنچل کی طرح دلکش وحسین ہوگا لاجواب و بے مثال تحریریں، نئی رائٹرز بہنوں کے لیے خوب صورت پلیٹ فارم، دل کو چھو لینے والے اسلامی اور دیگر سلسلے، پرمزاح محفلیں اچھے اصلاحی اور سبق آموز سلسلے وار و مکمل ناولز، ناولٹ اور افسانے اب تھوڑی سی میری فرمائش بھی نوٹ کرلیں حجاب ہمارا اپنا ڈائجسٹ ہے فرمائش کرنا تو حق بنتا ہے جی ٹائٹل ہر دفعہ کی طرح بہت پیارا ہونا چاہیے۔ حجاب کی مناسبت سے صفحات بھی کچھ زیادہ ہوں سلسلے وار ناولز زیادہ طویل نہ ہوں انتظار کرنا بہت مشکل لگتا ہے، رائٹرز کے یا ان کی تحریروں کے حوالے سے کوئی مستقل سلسلہ بھی شروع کیا جائے اور رائٹرز کو ان کی تحریر کے سلیکٹ یا ریجیکٹ ہوئی اسٹوریز کی لسٹ علیحدہ سے ہر ماہ دی جائے تو ٹھیک رہے گا۔ باقی فرمائش پھر کبھی صحیح۔ مبارک باد قبول کریں حجاب ڈائجسٹ اور اس کی ٹیم کے لیے ڈھیر ساری دعائیں نیک تمناؤں کے ساتھ اللہ پاک آپ سب کو ڈھیر ساری خوشیاں اور کامیابیاں عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

سمیرا غزل صدیقی...... کراچی۔ محترم جناب طاہر بھائی السلام علیکم! ذوق آگہی کی دنیا میں ماہنامہ ”حجاب“ کی آمد بلاشبہ کسی سرمائے سے کم نہیں ہے مجھے امید ہے کہ نئے شمارے کا اجرا، تمام لکھنے والی نئی بہنوں کے لیے ایک مشعل راہ ہوگا میری دعا ہے کہ آنچل کی طرح حجاب بھی کامیابی و کامرانی سے ہم کنار رہے، آمین۔ جس طرح وقت کی دوڑ میں انسان ادب وذوق سے دور ہوتا جارہا ہے ایسے وقت میں کسی ایسے مکمل ادب پہ مشتمل شمارے کی ضرورت ہے، جو نئی نوجوان نسل کی اصلاح کرسکے ان کے ادب وآگہی میں اضافہ کرسکے اللہ تبارک وتعالیٰ حجاب کو ایسا ہی شمارہ بنائے آمین۔ آپ کو اور آپ کی ٹیم کو اس نئے شمارے کے اجرا پر بہت بہت دلی مبارک باد قبول ہو۔

رابعہ عمران چوھدری...... رحیم یار خان۔ حجاب کے نئے شمارے کا جتنا انتظار مجھے ہے شاید ہی کسی کو ہو کیونکہ آج سے دس سال پہلے جب آنچل پڑھنا اور اس میں لکھنا شروع کیا تو بارہا یہ مشورہ دیا کہ ہمیں آنچل کے ساتھ کا ایک اور میگزین بھی چاہیے مگر وہ بات ٹھیک ہے ناں کہ جس کام نے جس وقت پر ہونا ہوتا ہے تب ہی پایہ تکمیل تک پہنچا ہے۔ اللہ پاک آنچل کی ٹیم کو اور حجاب کو ترقیوں کامیابیوں سے ہم کنار کرے آمین۔ اچھے قارئین کا ساتھ رہا اس لیے آنچل بھی بہت مقبول ہے اور حجاب بھی آسمان کی بلندیوں کو چھولے گا میں بھی حجاب کے لیے لکھنا شروع کررہی ہوں جلد از جلد بھیجنے کی کوشش کروں گی تاکہ میرا نام بھی حجاب کے جگمگاتے ستاروں میں اپنی روشنیاں بکھیرے، شکریہ۔

آمنہ نور...... آنچل میگزین کی پوری ٹیم اور ریڈرز کو میری طرف سے ڈھیروں مبارک باد۔ دعا ہے کہ یہ میگزین بھی آنچل اور نئے افق کی طرح ترقی کرے اور نئے رائٹرز کے لیے دروازے کھولے۔ تاکہ نئے ناموں کو پڑھنے کا چانس ملے نیک تمناؤں کے ساتھ۔

نازیہ عباسی...... ٹھٹھہ۔ السلام علیکم! آنچل کے ادارے کی طرف سے ایک اور خوب صورت رسالے کا اجرا بہت اچھی بات ہے جس کے لیے میری طرف سے آنچل کے پورے اسٹاف کو کامیابی کا ایک اور سفر طے کرنے پر ڈھیر ساری مبارک باد اللہ آپ کے ادارے کی کامیابیوں کا سفر یونہی جاری رکھے۔ ہمیں امید ہے کہ جس طرح آنچل ہم سب کا پسندیدہ رسالہ ہے اسی طرح حجاب بھی ہمارے پسندیدہ رسالوں میں شامل ہوگا اور ہمیں حجاب میں بھی نیو تو اولڈ رائٹرز کے اچھے اچھے ناولز پڑھنے کا موقع ملے گا۔

عرشیہ ھاشمی...... آزاد کشمیر۔ السلام علیکم......! امید ہے آپ سب ایمان اور صحت کی بہترین حالت میں ہوں گے۔ سب سے پہلے تو ماہنامہ ”حجاب“ کے اجرا پر بہت سی مبارک باد۔ بہت خوشی ہوئی کہ آنچل کی ایک نئی سہیلی بھی اب سے ہر ماہ ہمارے لیے بہترین تحاریر لے کر آیا کرے گی۔ بہت عرصے سے حجاب کا انتظار تھا۔ اس وقت سے جب نام کی سلیکشن کی جارہی تھی۔ اللہ اللہ کرکے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ ہم پورے جوش وخروش کے ساتھ ”حجاب ڈائجسٹ“ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ حجاب یقیناً ادبی جرائد کی دنیا میں ایک خوش آئند اضافہ ہے۔ نہ صرف قارئین کے لیے بلکہ مصنفین کے لیے بھی ایک نیا پلیٹ فارم ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ڈائجسٹ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور دلوں کو رب سے جوڑنے کا سبب بنا، آمین۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدر آباد، سندھ اللہ سے دعا ہے کہ وہ حجاب کو بہت ترقی اور کامیابی دے۔ جس طرح آنچل سے محبت ہے اسی طرح حجاب سے بھی ہے۔ حجاب میں عمیرہ احمد کو ضرور انوائٹ کیجیے گا اور نئے رائٹرز کو بھی موقع دیجیے گا۔ اللہ سب کا حامی و ناصر ہو۔

نظم

گل پوش کتابوں میں نیا پھول کھلا ہے
خوش رنگ فضاؤں میں نیا رنگ ملا ہے
اک عظم نئے خواب کا آنکھوں میں اٹھا ہے
اک حشر نو امید کے سانسوں میں بپا ہے
یہ بزم دل آویز ہے بزم سخن آراء
محبوس تھا عالم کہ معطر ہوا سارا
کچھ عشق و محبت کے بھی قصے ہیں یہاں پر
کچھ درد و غم زیست کے حصے ہیں یہاں پر
کچھ دوستیں ہمجولیاں لفظوں میں ملیں گی
کلیاں نئے رشتوں کی پھر اک بار کھلیں گی
الغرض یہاں نور محبت کا گزر ہو
خوش رنگ وخوش آئند یہاں سب کا سفر ہو

راؤ تہذیب حسین تہذیب...... رحیم یار خان

ٹھہر سکے کوئی اس کے آگے
کہاں یہ طاقت احباب میں ہے
ہے سر پہ اس کے وفا کا آنچل
ادب کی خوشبو "حجاب" میں ہے

اس دعا پر اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا خاص فضل و کرم فرماتا رہے اور ہمارے ملک کو مثبت ترقی و بلندی کی جانب گامزن فرمادے آمین۔

ریاض آرزو میرانی...... سکھر السلام علیکم، ماہنامہ حجاب کا اجرا ادب کی دنیا میں ایک خوش گوار اضافہ ہے، ہمیں امید ہے کہ یہ ماہنامہ بہنوں کی دلچسپی کا محور بنے گا، یہ ڈائجسٹ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی منازل طے کرے گا۔ برائے مہربانی اس کی ترسیل ملک بھر میں کرنا مت بھولیے گا باقی تبصرہ اور مشورہ ڈائجسٹ پڑھنے کے بعد، زندگی باقی رہی تو پھر ملیں گے۔

عنبرین اختر...... السلام علیکم آنچل کے توسط سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نئے رسالے حجاب کا اجرا کر رہے ہیں حجاب ایک اچھی کاوش ہے ہم امید کرتے ہیں کہ یہ ڈائجسٹ نئی امنگوں اور نئی جہتوں کا آئینہ دار ہوگا اس کے ساتھ ساتھ ادب کی وہ راہیں کھلیں گی جن کی نقاب کشائی ابھی باقی تھی۔ حجاب نام اپنے اندر گہرائیاں سمیٹے ہوئے ہے لہٰذا ہم امید کرتے ہیں کہ یہ رسالہ کامیابیوں اور کامرانیوں کا لبادہ اوڑھ کر ہمارے سامنے آئے گا۔ خواتین جو عصمت و حیا کا پیکر ہیں ان کی زندگی کے بہت سے مخفی پہلوؤں کی نشاندہی کرے گا اور اس میں شامل ہونے والی کہانیاں مخفی احساسات کو اجاگر کریں گی۔ حجاب میں شامل کہانیوں میں زندگی کے نشیب و فراز اور نئے پہلوؤں کی عکاسی ہوگی بہت سی نیک تمنائیں اور نیک دعائیں اس رسالے کے لیے مختص کرتے ہیں۔

صباء خان...... ڈی جی خان "آنچل تو پسند ہی تھا، اب آرہا ہے حجاب دلوں کو قید کرنے" یہ سن کر ہی بہت

اچھا لگا کہ اب ایک اور ڈائجسٹ پڑھنے کو ملے گا۔ میں آنچل کی مستقل قاری اور تبصرہ نگار کے طور پر تو خوش تھی، امید کرتی ہوں کہ حجاب میں بھی خوش آمدید کہا جائے گا۔ حجاب کے لیے میری نیک خواہشات قبول فرمائیں۔

ایمان علی...... سکھر سندھ۔ کئی ماہ سے ادارہ آنچل کی جانب سے نئے جریدے کے اجرا کا غلغلہ مچا ہوا ہے تب سے مابدولت سراپا بے قراری اور چشم براہ کے حصار میں سموئے ہوئی ہیں شدت چاہ کا وہ عالم ہے کہ دیدہ و دل فرش راہ بنے سانس روکے کھڑے رہتے ہیں۔ بے شک بھاگتے دوڑتے ماہ و سال کے بدلتے عکس و روپ کے پیرہن میں آنچل ادارے نے اپنے سحر بکھیرتا نکھار مختلف جرائد کے میدان اندر ہر سو ہر موڑ پر قائم و دائم بنائے رکھا۔ یہ اس کے ساتھ جڑی ارباب بصیرت اور ارباب قلم ساتھیوں کی ہی ہم نوائی اور اپنا پن تھا کہ ترقی کی منزلوں نے اپنا رستہ عروج سے آج تک آب و تاب سے چمکائے اور جگمگائے رکھا ہوا ہے۔ اور قلم کی کاری گری اور ہنر مندی سے واقفیت اور شناسائی چاہے وہ مصنفین کا قلم کی شعاعیں بکھیرتا ہجوم ہو یا قارئین کی حرد کی بوند بوند سے اپنا من سیراب بھیر سب نے ایک دوسرے سے سوچ کا وابستگی کا، احساس کا، ناطے جوڑنے کا سنوارتے لمحوں معاشرے کی گرد چلتی زندگی کی لڑی میں پروتی کہانیوں کی کتاب سے اپنی زندگی بنانے اور رشتے برتنے کا سلیقہ سیکھا اور اس کا دیپ اس راہ پر بھی روشن ہے کہ حجاب کی صورت نیا ابھرتا چاند اپنے اندر ادب بھرائے زندگی کی کرنوں سے ہر دل میں اجالا بکھیرے گا اور اپنی کاوشوں سے ذہنی دل آویز نقش ثبت کرے گا۔ جو برسوں پڑھنے والوں کے دل میں خوب صورت یاد کی مانند مقید رہیں کہ ادارے کو حجاب کی نوید کی آمدی ساعتیں دل و جاں سے مبارک ہو۔

صائمہ نور...... ملتان۔ ”دیکھو دیکھو کون آیا...... حجاب آیا حجاب آیا“ السلام علیکم! میری طرف سے تمام حجاب کی ٹیم کو دل کی گہرائیوں سے ”حجاب“ کی اشاعت پر مبارک باد قبول ہو۔ میں بے حد خوش ہوں کہ بہنوں کے لئے نئے پرچے (حجاب) کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ پہلے پرچے سے اس کے ساتھ منسلک ہو جاؤں اور ہر ماہ میں لیٹر، افسانے، لکھتی جاؤں۔ اُمید کرتی ہوں کہ ماہنامہ حجاب، نئے اُفق اور آنچل کی طرح بلندیوں کو چھوئے گا اور اس کے چرچے، ہر شہر اور ہر ملک میں ہوں گے (ان شاء اللہ)، ادب کی دُنیا میں اپنا کردار ادا کرے گا اور نئے لکھاریوں کو متعارف بھی کروائے گا، بہنوں کے لئے بہترین پلیٹ فارم ثابت ہوگا، میں اندرون اور بیرون ملکوں میں بسنے والی بہنوں سے التماس کروں گی کہ ”حجاب“ آپ کا ہے اور آپ نے ہی اپنی تحریروں سے اسے ترقی کی بلندیوں تک پہنچانا ہے، ایک خاندان کے فرد کی طرح اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس میں ہر ماہ باقاعدگی سے لکھوں گی، میری تمام تر محبتیں، چاہتیں، نیک تمنائیں، حجاب کے ساتھ ہیں، جب میں، اس دُنیا سے رخصت ہوں تو حجاب ترقی کی بلندیوں کو چھو رہا ہو اور اللہ کرے یہ دن جلد از جلد آئے۔ اُمید ہے اس کے ایڈیٹر اور تمام ٹیم اپنی جدوجہد اور ان تھک محنتوں سے حجاب کو ادب کی دُنیا میں صف اول میں کھڑا کریں گے، میری نگاہیں اسے ترقی کی تمام منزلیں طے کرتے ہوئے دیکھ رہی ہیں۔ حجاب کے پہلے پرچے کے لئے میرے یہ چند الفاظ آپ سب کی نذر اور ایک افسانہ بھی حاضر خدمت ہے۔ اُمید ہے حجاب کے صفحات کی زینت ضرور بہ ضرور بنے گا۔ حجاب کی اشاعت پر ڈھیروں دعائیں اور بہت بہت مبارک باد کے پھول قبول ہوں، مٹھائی اکیلے اکیلے نہیں کھا جانی، اس ننھی سی جان کو بھی یاد ضرور رکھنا، اب اپنی بہن کو اجازت دیں، باقی کی ملاقات حجاب کے تبصرے کے ساتھ ہوگی (ان شاء اللہ)

صباحت رفیق...... لوھیانوالہ، گوجرانوالہ۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تو تمام آنچل اسٹاف کو میری طرف سے سلام۔ اُمید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ جیسا کہ آنچل نام پڑھ کے ہی ذہن کی اسکرین پہ رنگ برنگے لہراتے آنچل دکھائی دینے لگ جاتے ہیں اسی طرح حجاب کا نام پڑھ کے ہی ذہن کی اسکرین پہ ایک پاکیزہ احساس جاگتا ہے اس لیے جب سے سُنا تھا کہ حجاب آ رہا ہے، بہت بے صبری سے انتظار تھا اور اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں ان شاء اللہ جلد ہی حجاب کا پہلا شمارہ ہمارے ہاتھوں میں ہوگا اور اُمید ہے کہ حجاب میں شرکت کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ آخر میں دُعا ہے کہ حجاب بھی دن دُگنی رات چگنی ترقی کرے آمین۔

ماھم علی خان...... اٹک۔ السلام علیکم...... نیو حجاب کو دل سے ویلکم...... امید بلکہ یقین ہے آنچل کی طرح یہ بھی بہت اچھا رسالہ ہوگا۔ پہلے شمارے کا شدت سے انتظار ہے۔ ویسے آپ لوگوں نے نام بہت اچھا رکھا ہے۔ نیا ڈائجسٹ

ہے تو امید کرتے ہیں نئے لکھنے والوں کو جگہ بھی دی جائے گی۔ ۹ نومبر کا خوب صورت سا دن ہوگا جب یہ خوب صورت سا رسالہ ہمارے ہاتھوں میں ہوگا۔ ابھی تک کے لئے اتنا ہی مکمل تبصرہ تو دیکھنے اور پڑھنے کے بعد ہی کریں گیں۔ ان شاء اللہ، پھر شرکت کروں گی اپنی ایک عدد کاوش کے ساتھ۔ امید ہے آپ جگہ دیں گے۔ آنچل اور حجاب دونوں کی ترقی کے لئے ڈھیروں دعائیں۔

ثنا سیٹھی...... چیچہ وطنی۔ السلام علیکم قارئین سب سے پہلے تو میری طرف سے اس پھولوں کی مالا میں ایک اور پھول کے اضافے کے لیے تمام ادارے کے ممبرز کو اور تمام لکھاری بہنوں اور وہ بہنیں جو آنچل کی قاری ہیں ان سب کو بہت دلی مبارک باد قبول ہو جب ہمیں پتا چلا کہ ماہنامہ حجاب جلد آ رہا ہے تو ہماری تو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی بس پھر کیا تھا نومبر کا انتظار کرنے لگے۔ خیر سے نومبر بھی آ جائے گا جیسا کہ نام سے ہی پاکیزہ خیال آتا ہے امید ہے کہ اس میں لکھی ہوئی تحریریں بھی اپنے نام کی طرح پاکیزہ اور خوب صورت ہوں گی اس سے بہت ساری بہنوں کو لکھنے کے بہترین مواقع بھی ملیں گے کیونکہ بلاشبہ یہ ایک بہترین ادارہ ہے۔ جس میں نئی لکھاریوں کو پورا موقع دیا جاتا ہے اپنے ہنر آزمائی کا اور آخر میں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ اس کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے اور آنچل کی طرح یہ بھی بہنوں میں بہت مقبول ہو آمین۔

ہر سفر پر ہوں فرشتوں کے لشکر ساتھ تمہارے
ہر منزل پر حفاظت تمہاری خدا کرے

سیدہ کاظمی...... ایسے دور میں جب آگے بڑھنے کی دھن میں لوگ معیار کو پیچھے چھوڑتے جا رہے ہیں طاہر بھائی کا یہ اقدام لائق تحسین اور قابل ذکر ہے اور گزرتے دن کے ساتھ دنیا کی نہج کو دیکھتے ہوئے شدید ترین ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اپنی نئی نسل کو صاف ستھرا ادب مہیا کیا جائے جو نہ صرف لسانی و ذہنی بلکہ کرداری بہتر تشکیل میں بھی معاون و مددگار ہو۔ ایک معیاری اصلاحی اور تفریحی رسالہ اس معاملے میں احسان طریقے سے مدد کر سکتے ہیں۔ طاہر بھائی خدائے بزرگ و برتر آپ کی اس کاوش کو قبول فرما کر آپ کے معاونین کو اس قابل ہونے میں مدد فرمائے کہ آنچل کے بعد حجاب بھی اسی طرح تمام قارئین کے دلوں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو جائے آمین ثم آمین، نئی رائٹرز کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کا اس سے موثر ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا اور آنچل کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے ہمیشہ نئے آنے والوں کو آگے بڑھنے کا موقع دینے کے ساتھ ساتھ ان کی ہر ممکن رہنمائی بھی کی ہے اس حوالے سے محترم طاہر بھائی اور قیصر آرا بہن کی خدمت ناقابل فراموش ہیں۔ خدا کرے زور قلم اور زیادہ ہو کہ آنے والوں کو نئے راستوں کی پہچان کروانے والے یہ محسن لوگ ادب کی خدمت کرتے رہیں اور نئی دنیا کے تقاضوں کو نظر میں رکھتے ہر نئے آنے والے کی پذیرائی کرتے رہیں ایسے دور میں جب آگے بڑھنے کی دھن میں لوگ معیار کو پیچھے چھوڑتے جا رہے ہیں طاہر بھائی کا یہ اقدام لائق تحسین اور قابل ذکر ہے ہر گزرتے دن کے ساتھ دنیا کی نہج کو دیکھتے ہوئے شدید ترین ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اپنی نئی نسل کو صاف ستھرا ادب مہیا کیا جائے جو نہ صرف لسانی و ذہنی بلکہ کردار کی بہتر تشکیل میں بھی معاون و مددگار ہو ایک معیاری اصلاحی اور تفریحی رسالا اس معاملے میں احسن طریقے سے مدد کر سکتا ہے۔

فہمیدہ انجم (فیم انجم)...... السلام علیکم انتظار تھا جس کا وہ شمارہ آ گیا جی آنچل کی ہم جولی آنچل کی سہیلی کا پہلا شمارہ آ گیا کافی ٹائم سے شدت سے انتظار تھا کے کوئی ایسا سلسلہ ہو کے ہم آنچل رائٹرز کو زیادہ سے زیادہ پڑھ سکیں بالآخر حجاب کا پہلا شمارہ آ گیا امید اور دعا ہے کے آنچل اپنی ہم جولی اپنی سہیلی کی طرح حجاب بھی اردو ادب کے لیے اچھا اضافہ ثابت ہوگا ان شاء اللہ۔ اللہ پاک آنچل اور حجاب دونوں سہیلیوں کو بہت سی ترقیاں اور کامیابیاں دے آمین۔

آج کی محفل کا اختتام اس دعا کے ساتھ کر رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی خاص حفظ و امان میں رکھیں اور ہمارے ملک کو بے مثالی ترقی کی راہ پر گامزن فرمائیں آمین۔

پہلی ترجیح پاکستانی ڈرامے اور فلمیں ہیں، ماہرہ خان

چھوٹی اسکرین سے بڑی اسکرین پر تیزی سے چھا جانے والی اداکارہ ماہرہ خان نے کہا ہے کہ بھارتی فلموں اور ٹی وی ڈراموں سے زیادہ ترجیح پاکستانی فلموں اور ڈراموں کو دوں گی کیونکہ اب ہمارے یہاں معیاری فلمیں بننا شروع ہوگئی ہیں اس کا ثبوت عوام کی جانب

سے کی جانے والی پزیرائی ہے جو فلموں کی پسندیدگی سے مل رہی ہے۔ ماہرہ خان کا کہنا ہے کہ مجھے تو خود اس بات کا علم نہیں تھا میری فلموں کو اتنا اچھا رسپانس ملے گا۔ فلم منٹو میں میرے کردار کو بہت زیادہ پسند کیا گیا۔ اس بات کا اندازہ مجھے میرے پاس آنے والے خطوط، ٹیلی فونز کالز اور ای میلز سے ہوا۔ انہوں نے کہا کہ فلم بول کے بعد مجھے لگا کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی اور ڈرامہ ہمسفر میں جس قدر پزیرائی ہوئی میں اس کا تصور تک نہیں کرسکتی۔ ملک اور بیرون ملک عزت افزائی ہوئی اور بھارت میں تو ہمسفر نے پسندیدگی کا نیا ریکارڈ قائم کرلیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ملکی فلموں میں کام کرنا اعزاز سمجھتی ہوں اسی لیے زیادہ سے زیادہ وقت ان فلموں کو دے رہی ہوں اور بعض لوگوں کے اس تاثر کی نفی کرتی ہوں جو مجھ پر صرف بھارتی فلمیں کرنے کی چھاپ لگا رہے ہیں۔

احسن خان بھارتی فلموں میں کام کریں گے

اور فنکاروں سے سبق حاصل کرنے کے بجائے معروف ٹی وی فنکار احسن خان بھارتی فلموں سمیت ٹی وی شوز کی میزبانی کریں گے۔ نیز انہیں ایک امریکی فلم کے لیے بھی منتخب کرلیا گیا ہے۔ احسن خان نے بھارتی فلم فیسٹیول کے لیے تیار کی جانے والی فلم ''محبت کی آخری کہانی'' مکمل کرادی ہے۔ فلم سندھ کے ماحول کو لے کر بنائی گئی ہے۔ ڈائریکٹر سراج الحق جبکہ مصنف ظفر معراج ہیں۔ فلم کا مرکزی خیال کاروکاری پر مبنی ہے۔

اولڈاز گولڈ

ماضی کی شہرت یافتہ اداکارہ بابرا شریف بالآخر فلموں میں کام کرنے پر رضا مند ہو ہی گئیں انہیں فلم انڈسٹری میں لانے کا سہرا اداکار مصطفیٰ قریشی اور فلم ساز حمزہ انصاری کے سر جاتا ہے جن کی کاوشوں نے بابرہ شریف کے مسلسل انکار کو اقرار میں بدل دیا ہے اور وہ اب چودہ برس بعد فلم ''ٹو پلس ٹو'' میں مرکزی کردار کریں گی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عرصہ پانچ سال سے بابرا شریف کو فلموں کی بے تحاشہ آفرز کی گئیں لیکن ہر بار انہوں نے انکار کیا مگر اس دفعہ کی کوشش رنگ لائیں اور وہ ایک کردار کے لیے راضی ہوگئیں۔ فلم ''ٹو پلس ٹو'' کی شوٹنگ کا آغاز جلد ہوگا۔ فلم میں عروا حسین، علی عظمت اور مصطفیٰ قریشی اہم کردار کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔ بابرا شریف کی آخری فلم گھرانہ تھا جو 2001ء میں نمائش کے لیے پیش کی گئی تھی۔

بھارت میں پاکستانی فلموں، ڈراموں کی مانگ بڑھ گئی ہے، جاوید شیخ

بھارت میں پاکستانی فلموں کے ساتھ ٹی وی ڈرامے گھر گھر دیکھے جارہے ہیں۔ جاوید شیخ نے کہا کہ اب میں پہلے ملکی فلموں کو ترجیح دیتا ہوں اس کی مثال حالیہ فلموں کی ریلیز ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری نئی بھارتی فلم ''تماشا'' 27 نومبر کو ریلیز ہوگی۔ فلم میں ان کی بیٹی مومل شیخ کو بھی کاسٹ کیا گیا ہے جس میں وہ جاوید شیخ کی بیٹی کے روپ میں نظر آئیں گی۔

دانش تیمور کی قسمت چمک اٹھی

فلم ''رانگ نمبر'' کی کامیابی نے فلمسازوں کو اپنی جانب متوجہ کرلیا ہے۔ اداکارہ ہدایتکارہ سنگیتا نے دانش تیمور کو نئی فلم ''مس یو ہمیشہ'' میں بطور ہیرو کاسٹ کیا جبکہ فلمساز سہیل کاشمیری کی فلم کے لیے ڈائریکٹر اقبال کاشمیری نے نئی فلم میں مرکزی کردار کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ فلمیں دانش تیمور کی قسمت کے ستارے کو مزید بلند کرتی ہیں یا......

آئٹم سانگ صرف انٹرٹینمنٹ کا حصہ ہیں، سوہائے ابڑو

جوانی پھر نہیں آنی نے سوہا علی کو شہرت کی بلندی پر پہنچایا یا نہیں مگر ان کے دماغ کو ضرور ساتویں آسمان پر پہنچا دیا اب ان کے اس بیان سے یہی اندازہ لگالیں۔ سوہا علی نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ آئٹم سانگز کسی بھی فلم کی کامیابی کے لیے نہیں بلکہ یہ انٹرٹینمنٹ کا حصہ ہیں۔ جو لوگ آئٹم سانگ نہیں دیکھنا چاہتے وہ مت دیکھیں لیکن بلاوجہ تنقید کبھی نہ کریں۔

صائمہ قریشی طویل عرصہ بعد دوبارہ شوبز میں مصروف

معروف ماڈل اور فنکارہ صائمہ قریشی طویل عرصے کی خاموشی کے بعد دوبارہ شوبز میں مصروف ہوگئی ہیں۔ وہ نجی زندگی کی مصروفیت کم کرکے اب بڑی اسکرین پر آنے کے لیے متمنی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ انہیں ہدایتکار شہزاد رفیق نے اپنے ڈرامہ سیریل ''آوارہ ہوں'' میں کاسٹ کرلیا اس میں اداکارہ صائمہ اور جاوید شیخ مرکزی کردار ہیں۔ صائمہ قریشی مذکورہ ڈرامے میں منفرد کردار کرتی نظر آئیں گی۔ اس حوالے سے صائمہ قریشی کا کہنا ہے کہ میں نے شوبز میں یہ مقام اپنی محنت سے حاصل کیا ہے اور فلم سائن کرتے وقت کہانی اور کرداروں پر نظر رکھوں گی۔

معمر رانا نے نئی فلم کا شیڈول ترتیب دے دیا

فلموں کے معروف اداکار معمر رانا نے اپنی نئی فلم سکندر کی شوٹنگ کیلئے شیڈول ترتیب دے دیا ہے مذکورہ فلم کی شوٹنگ عنقریب کراچی میں کی جائے گی۔ انڈر ورلڈ پر مبنی کہانی میں متیرا منفی کردار ادا کریں گی۔

ثقافتی سرگرمیاں

معروف ماڈل و اداکارہ نیلم منیر نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ ثقافتی سرگرمیوں کو بحال کرنے میں فلم، تھیٹر کے بعد اب فیشن انڈسٹری بھی اہم کردار ادا کررہی ہے۔ کراچی کے بدلتے حالات میں شوبز انڈسٹری کا فروغ معاشی اعتبار سے خوش آئند ہے۔ بیرون ممالک کے آرگنائزرز کی پاکستان آمد سے شوبز انڈسٹری کے لیے روزگار کے نئے دروازے کھل رہے ہیں۔ شوبز میں بین الاقوامی مصنوعات کا استعمال بڑھ رہا ہے اب وقت بدل

چکا ہے فیشن اب ہماری زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ پاکستانی ماڈلز اب انٹرنیشنل فیشن ایونٹ کا حصہ بنتی جارہی ہیں۔

فلموں کی پزیرائی

اداکار، فلمساز ہمایوں سعید کا کہنا ہے کہ بیرون ملک ہمارے ڈراموں اور فلموں کی ڈیمانڈ میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔ ماضی کے مقابلے میں اب بیرون ممالک پاکستانی فلمیں دیکھنے کے خواہش مند زیادہ نظر آتے ہیں۔ ملکی فلموں کو جو پزیرائی مل رہی ہے اس سے فلمسازوں میں ایک نیا حوصلہ پیدا ہوگیا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب فیشن انڈسٹری کی طرح ہماری فلموں سے بھی زرمبادلہ آنے لگے گا۔ ہمیں عالمی تناظر کو مدنظر رکھ کر فلمیں بنانا ہوں گی۔ جس میں تفریح کے ساتھ اصلاحی پہلو اور پیغام کو بھی شامل کرنا ہوگا۔ معیاری کام اور جاندار اسکرپٹس متاثر کن پرفارمنس سے ہم دنیا بھر میں اپنا امیج بہتر بناسکتے ہیں۔

دبئی سے کراچی

معلوم ہوا ہے کہ معروف اداکارہ ومیزبان نادیہ خان دبئی سے مستقل طور پر کراچی شفٹ ہوگئی ہیں۔ جس کے بعد انہیں فلموں اور ڈراموں میں کام کرنے کی آفرز ہورہی ہیں۔ اس حوالے سے نادیہ خان کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی فلموں میں کام کرنے کی آفرز ملنے کے باوجود پاکستان میں رہ کر کام کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ شوز کرنے کے علاوہ ڈراموں اور ملکی فلموں کی آفرز جاندار اسکرپٹس کے ساتھ ہوئی تو سوچا جاسکتا ہے۔ میرے مداح بہت جلد ایک نئی نادیہ خان کو اسکرین پر دیکھیں گے۔

خواتین کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہوں

بالی ووڈ میں اپنی اداکاری کا لوہا منوانے والے فواد خان کا کہنا ہے کہ وہ عام زندگی میں خواتین کا سامنا کرنے سے گھبرا جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خواتین کا سامنا کرنے میں مشکل پیدا ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ فواد خان آئندہ آنے والی فلم "کپور اینڈ سنز" میں بھی اپنی اداکاری کے جوہر دکھائیں گے۔ جس کی شوٹنگ ان دنوں جاری ہے۔ فلم میں کے ہمراہ عالیہ بھٹ، سدھارتھ ملہوترا بھی جلوہ گر ہوں گے۔

ٹوٹکے

فریحہ احمد علی

کلونجی سے علاج

احادیث:۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ کالے دانے میں ہر مرض کے لیے شفاء ہے سوائے موت کے اور وہ کالا دانا کچھ اور نہیں بلکو شیونیز (کلونجی) ہے۔"

سالم بن عبداللہ اپنے والد حضرت عبداللہ عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ ان کالے دانوں کو اپنے اوپر لازم کرلو کہ ان میں موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفاء ہے۔

حضرت بریدہؓ نے بھی مندرجہ بالا روایت کی توثیق کی ہے۔

ایک لمبی روایت میں حضرت عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے کلونجی کی تعریف میں جو کچھ بیان کرتے ہیں اور جسے مسند احمد نے یوں نقل کیا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیماریوں میں موت کے سوا ایسی کوئی بیماری نہیں جس کے لیے کلونجی میں شفاء نہ ہو۔

سیرت کی کتابوں کے مطالعے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبی ضروریات کے لیے خود بھی وقتاً فوقتاً شہد کے ساتھ کلونجی کا استعمال کرتے تھے۔

جدید تحقیقات سے بھی اس بات کا پتا چلتا ہے کہ کلونجی میں بہت ساری دوائی اجزاء شامل ہیں اور یہ اشارہ ملتا ہے کہ کلونجی عجیب وغریب کیمیاوی صلاحیتوں کی حامل ہے انہی اوصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے رحمت دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے موت کے ہر بیماری کی شفاء کلونجی میں بتائی ہے۔

کلونجی کی ماہئیت:۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ دراصل کلونجی کیا ہے اس کے کیمیاوی اجزاء کون کون سے ہیں اور مختلف امراض میں یہ کیوں کر شفاء دیتی ہے۔

کلونجی کا تعلق (Renumculaces Family) سے ہے یہ ایک موسمی پودا ہے جس کی لمبائی دس سے بیس انچ ہوتی ہے یہ کھڑا ڈالی دار تنے والا پودا ہے جس کے پتے خاک استری رنگ کے ہوتے ہیں جب کہ اس کا پھول سفید رنگ پر نیل گونی لیے ہوئے تارے کی شکل کا ہوتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ پھولوں میں پنکھڑیاں نہیں ہوتی۔ اس کا پھل ایک کرہ نما کیسہ کی مانند ہوتا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے کالے رنگ کے کھردرے بیج ہوتے ہیں۔ کلونجی جسامت میں تل کی طرح ہوتی ہے۔ انگریزی میں Nigella Sativum کہا جاتا ہے۔ فارسی میں "شونیز" اور عربی میں "حبتہ السوداء" کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ہندوستان، بنگلہ دیش، ترکی اور مشرقی وسطیٰ کے بہت سے علاقوں میں اس کی کاشت کی جاتی ہے بعض علاقوں میں جہاں اس کی کاشت ہوتی ہے اسے کالا زیرہ بھی کہتے ہیں گو کہ طب میں کالا زیرہ شاہ زیرہ کے لیے ہم معنی استعمال ہوتا ہے۔ کلونجی کو مصر میں "حبتہ البرکتہ" کہتے ہیں اور اسے "کمون اسود" بھی کہا جاتا ہے اور یمن میں "قحطتہ" ایران میں "شونیز" اور لاطینی میں "تغلون" کے نام سے معروف ہے اور اس کا ایک نام "بشمتہ" بھی ہے۔

بال کا جھڑنا۔

دس گرام کلونجی کے سفوف میں جرجیر کا رس ایک چمچہ ڈالیں اور تقریباً ایک چمچہ سرکہ ملائیں اور ایک چمچہ زیتون کا تیل ملائیں پھر سر کو ہلکے گرم پانی اور صابن سے دھونے کے بعد اس محلول کی مالش کریں، روزانہ رات میں سونے سے قبل تقریباً ایک ماہ تک۔

سر درد۔

کلونجی دس گرام، لونگ پانچ گرام، انیسون پانچ گرام کا پاؤڈر بنالیں اور صبح وشام ایک ایک چمچہ تازہ پانی سے استعمال کرائیں اور ساتھ میں سر پر روغن کلونجی کی مالش

کریں۔ان شاء اللہ جلد شفا ہوگی۔

سر چکرانا اور کان میں درد۔

کلونجی کے تیل کے چند قطرے کان میں ڈالنا کان کو بہت جلد آرام دیتا ہے اور کان کو صاف ستھرا کردیتا ہے۔ روغن کلونجی سے کنپٹی اور سر کے آخری حصہ کو ملنا غیرارادی طور پر شفا دیتا ہے۔

دانت' داڑھ اور حنجرہ کے درد کے لیے۔

کلونجی کے جوشاندہ سے کلی اور غرارہ کرنا منہ اور حنجرہ کے جملہ امراض کے لیے نہایت فائدہ مند ہے اور ساتھ ہی ایک چمچہ کلونجی کا سفوف روزانہ گرم پانی سے صبح وشام استعمال کریں اور خارجی طور پر روغن کلونجی کی مالش کریں۔

چہرے کی خوب صورتی کے لیے۔

دس گرام کلونجی کو زیتون کے تیل سو گرام میں ملائیں اور چہرے پر ہلکے ہاتھوں سے مالش کریں' تھوڑی دیر دھوپ میں بیٹھیں۔اس عمل کو روزانہ دن میں کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔

ھڈی جوڑنے کے لیے۔

پکے ہوئے دال کا پانی' پیاز کا عرق (دال و پیاز کا شوربہ) اور ابلے انڈے کی سفیدی اور ایک بڑا چمچہ کلونجی لیں۔انڈے کی سفیدی اور کلونجی کو شوربے میں ملائیں اور ایک دن رکھ دیں' دوسرے دن کسر کے اطراف میں مالش کریں اس کے بعد گرم روغن کلونجی کی روزانہ مالش کریں بہت جلد کسر جڑ جائے گا۔

چھلے ہوئے زخم۔

ایک مشت کلونجی پانی میں اچھی طرح جوش دیں پھر کم ازکم چار گھنٹے تک اس پانی میں عضو کو ڈبوئیں اور عضو کو پانی سے نکالنے کے بعد روغن کلونجی کی مالش کریں اور بغیر پٹی کے چھوڑ دیں یہ عمل سونے سے قبل روزانہ کریں۔

جوڑوں کی بیماری کے لیے۔

گرم گرم روغن کلونجی اچھی طرح طاقت کے ساتھ درد کے مقام پر مالش کریں۔مالش ایسی کریں جیسے ہڈی کی مالش کی جاتی ہے اور سونے سے قبل دس گرام کلونجی کے سفوف کا جوشاندہ شہد سے ہلکا میٹھا کرکے پئیں۔مداومت کے ساتھ استعمال کرنے سے جوڑ مضبوط ہوجاتے ہیں اور اللہ کے اذن اور اس کے فضل و کرم سے شفا حاصل ہوتی ہے۔

ٹینشن یا ذھنی الجھن۔

جب آپ گرم پانی پئیں تو اس میں چند قطرے روغن کلونجی ضرور ڈالیں اس سے فشارالدم نہیں ہوگا اور اگر روغن کلونجی کو دھوپ میں گرم کرکے پورے جسم پر مالش کریں صرف ہفتے میں ایک مرتبہ تو یقیناً آپ صحت مند اور تندرست اور ہمیشہ خوش وخرم رہیں گے' مایوسی آپ کے قریب نہیں آئے گی۔

ورم گردہ کے لیے۔

سفوف کلونجی کو روغن زیتون میں ملاکر ایک پوٹلی بنائیں اور مقام درد پر رکھیں اور روزانہ سفوف کلونجی ایک چمچہ کھائیں ان شاءاللہ ورم ختم ہوجائے گا۔

پتھری توڑنے اور اس کے اخراج کے لیے۔

ایک پیالی سفوف کلونجی میں ایک کپ شہد اچھی طرح ملائیں اور دس گرام لہسن چھیل کر باریک باریک کاٹ کر ملائیں اور کھانا کھانے سے پہلے 1/3 حصہ دن میں تین بار کھائیں اور ہر بار لیموں کو چھلکے کے ساتھ کھائیں۔یہ عمل پتھری کو ریزہ ریزہ کرکے خارج کردے گا اور ان شاءاللہ پھر کبھی نہیں ہوگا۔

(جاری ہے)